علامہ شبیر احمد عثمانی

کا

تحریک پاکستان میں کردار

از

ڈاکٹر علی ارشد

تدوین

پروفیسر ڈاکٹر مسرت عابد

پاکستان سٹڈی سنٹر
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

علامہ شبیر احمد عثمانی
کا
تحریک پاکستان میں کردار

تصنیف
ڈاکٹر علی ارشد

تدوین
ڈاکٹر مسرت عابد

پاکستان سٹڈی سنٹر
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۳۲۰۶۵۴۷
ش ۳۵ ع
۶۵۴۲۱
۱

علامہ شبیر احمد عثمانی

از

ڈاکٹر علی ارشد

©
جملہ حقوق محفوظ
بحق پاکستان سٹڈی سنٹر

عالمی سلسلہ شمار	نمبر ISBN 969-8181-01-6
اشاعت اول	2005ء
قیمت	پانچ سو
طابع	سٹار لائٹ پریس، 5۔ کورٹ سٹریٹ، لاہور
ناشر	ڈاکٹر مسرت عابد

ڈائریکٹر
پاکستان سٹڈی سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
E-mail:pakstudycentre@hotmail.com
فون نمبر: 042-9231148

اس کتاب میں جن خیالات، نظریات، توضیحات اور تشریحات سے کام لیا گیا ہے وہ خالصتاً مصنف کے اندازِ فکر اور تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ پاکستان سٹڈی سنٹر اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

فہرست

ابتدائیہ الف تا د

باب اول

علامہ شبیر احمد عثمانی : حالات زندگی و خدمات ۱ تا ۱۴

باب دوم

علامہ عثمانی کا سیاسی مقام ۱۵ تا ۵۴

باب سوم

علامہ عثمانی عملی سیاست میں ۵۵ تا ۱۳۶

باب چہارم

مراسلات سیاسیہ اور اہم خطبات ۱۳۷ تا ۲۲۲

باب پنجم

مکالمۃ الصدرین ۲۲۳ تا ۲۵۴

باب ششم

تحریک پاکستان اور علامہ عثمانی ۲۵۵ تا ۳۰۶

باب ہفتم

سرحد (N-W.F.P) ریفرنڈم ۳۰۷ تا ۳۵۴

باب ہشتم

قیام پاکستان کے بعد علامہ عثمانی کی خدمات ۳۵۵ تا ۴۳۶

کتابیات ۴۳۷ تا ۴۴۸

ابتدائیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی کا شمار تاریخ پاکستان کی ان چند اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ جن کے ذکر کے بغیر تاریخ پاکستان نامکمل رہے گی۔ آپ نے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ مفسر، محدث، فقیہہ اور مقرر وخطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سیاستدان بھی تھے۔ آپ کی ساری زندگی درس وتدریس، تبلیغ واصلاح اور تصنیف وتالیف میں گزری۔

علامہ عثمانی کا شمار عظیم علماء میں ہوتا ہے نیز ان کی سیاسی بصیرت کا لوہا مانا گیا ہے۔ جب بھی امت مسلمہ پر کوئی نازک وقت آیا تو آپ نے ہر مرحلہ پر قوم کی قیادت ورہنمائی فرمائی۔ آپ نے جنگ بلقان میں ترکوں کی مالی اور اخلاقی مدد کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ آپ کا شمار جمعیۃ الانصار کے بانی اراکین میں ہوتا ہے۔ جمعیۃ الانصار اور تحریک خلافت میں آپ کی ولولہ انگیز تقریروں نے مسلم قوم کو جوش وجذبہ عطا کیا اور آپ کی شہرت تمام ہندوستان مین پھیل گئی۔

فتویٰ ترک موالات آپ کے علم وفضل پر گواہ ہے۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں آپ نے مذہبی جوش وجذبہ سے حصہ لیا۔ لیکن آپ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلامی میں کسی قسم کی تحریف کے خلاف تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دینے کے بھی مخالف تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند کی تحریک میں بھی آپ نے سرگرم حصہ لیا اور قابل قدر سیاسی خدمات سر انجام دیں۔ لیکن جب آپ نے محسوس کیا کہ جمعیۃ العلماء ہند، جمعیۃ العلماء کانگرس بن چکی ہے اور کانگرس کی بلا شرط ومعاہدہ تائید وحمایت کر رہی ہے تو آپ اس سے علیحدہ ہو گئے اور جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ آپ ہی اس کے صدر منتخب کئے گئے۔ جمعیۃ العلماء اسلام کی تحریک نے مسلمانوں میں بے حد وحساب جوش وجذبہ پیدا کر دیا۔ علامہ عثمانی نے کانگرس اور کانگرسی علماء کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسترد کر دیا اور مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کی زبردست تائید وحمایت کی۔ متحدہ قومیت کے خلاف اور دو قومی نظریہ کی حمایت میں ان کے خطبات، اعلانات اور بیانات تاریخ پاکستان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

علامہ نے بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود قیام پاکستان کے لئے ملک گیر طوفانی دورے منظم کئے اور تحریک پاکستان کو مذہبی عنصر سے تقویت وتوانائی فراہم کی۔ علامہ عثمانی اور ان کے ساتھی علماء کے فتوؤں نے کانگرس اور کانگرسی علماء کے متحدہ قومیت کے بت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاش پاش کر دیا۔

علامہ عثمانی کی مسلم لیگ کے حمایت کے سیاسی خطوط اور بیانات نے مسلم عوام میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔ مسلمانان ہند کو شرعی حیثیت سے اطمینان قلب نصیب ہوا اور وہ پورے

جوش وجذبہ سے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے راستے کی ہر رکاوٹ کو روند ڈالا اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

علامہ عثمانی نے دوقومی نظریہ، مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کی بڑی شدومد سے تائید وحمایت کی۔ ایک آزاد وخودمختار پاکستان میں وہ اسلام اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی حیات وبقاء، نجات واستقلال اور ترقی وخوشحالی دیکھ رہے تھے۔ ہندو اکثریت کی حکومت کو وہ مسلمانوں کے لئے دائمی غلامی کی رجسٹری خیال کرتے تھے۔

تحریک قیام پاکستان میں علامہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کے فتوؤں کا قرآن اور شریعت کی روشنی میں جواب دیا مرکزی اور صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں آپ نے مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ علامہ کی تقریروں، تحریروں، بیانات، خطبات، طوفانی دوروں، قائداعظم اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت اور فتوؤں نے فضا کو مسلم لیگ کے حق میں بے حد سازگار بنادیا۔ مسلم لیگ کو الیکشن میں تاریخی اور شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ کی اس بے نظیر اور تاریخی کامیابی میں علامہ عثمانی کی کوششوں کا بڑا عمل دخل تھا۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے لئے انتہائی اہم تھا۔ سرحد ریفرنڈم میں آپ نے تاریخی کردار ادا کیا۔ قائداعظم نے ان سے بطور خاص اس مہم میں شامل ہونے کو کہا۔ صوبہ سرحد میں اس وقت کانگرسی وزارت کام کر رہی تھی۔ خان برادران پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف زبردست محاذ بنائے ہوئے تھے۔ علامہ نے صوبہ سرحد کے طوفانی دورے کئے۔ اور اپنی تقریروں

اور سرگرمیوں سے مسلمانوں میں بڑا جوش و جذبہ پیدا کیا اور فضا پاکستان کے حق میں ہموار ہو گئی۔ سرحد ریفرنڈم میں کامیابی کا سہرا علامہ عثمانی ہی کے سر رہا۔ اس کامیابی پر قائداعظم نے علامہ کو مبارکباد پیش کی۔

قیام پاکستان کے بعد علامہ عثمانی نے مہاجرین کی آبادکاری میں بھی سرگرم کردار ادا کیا۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان کی پرچم کشائی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ پرچم کشائی کا یہ اعزاز قائداعظم اور قوم کی طرف سے علامہ عثمانی اور علماء و مشائخ کی تحریک پاکستان میں تاریخی خدمات کا عملی اعتراف تھا قوم نے آپ کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے نوازا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی خدمات کی داستان بڑی دلاویز ہے۔ ان کے کارنامے پاکستان کی متاع ناز ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مسرت عابد

پاکستان سٹڈی سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
25 دسمبر 2005ء

باب اول

علامہ شبیر احمد عثمانی

حالات زندگی و خدمات

ولادت ورضاعت

شیخ الاسلام[1]، امام المفسرین، شیخ الحدیث، محقق اسلام، علامہ عصر مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۵ کو صوبہ اتر پردیش کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے[2]۔ بجنور میں آپ کے والد محترم محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسکپٹر مدارس کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام پہلے فضل اللہ رکھا اور بعد ازاں شبیر احمد رکھا اور یہی بعد والا نام مشہور ہوا[3]۔ چونکہ آپ بروز عشرہ محرم پیدا ہوئے تھے اس لئے حضرت امام حسینؓ کے یوم شہادت کی نسبت سے ان کے لقب یعنی شبیر کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کا شجرہ نسب امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ سے جا ملتا ہے۔ اس لئے آپ کو عثمانی کہا جاتا ہے۔

آباءواجداد

آپ کے والد محترم کا نام فضل الرحمٰن تھا اور آپ ضلع -ہارنپور کے قصبے دیوبند کے رہنے والے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی کالج میں داخلہ لے لیا اور فارسی ادب اور شاعری میں زبردست مہارت حاصل کی۔ مولانا فضل الرحمٰن اپنے زمانے کے عالم فاضل اور اردو، فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔

خاندانی شرافت اور علمی لیاقت کے باعث حکومت ہند نے آپ کو ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا۔ پنشن تک آپ یو۔ پی کے مختلف اضلاع بالخصوص بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر، محکمہ تعلیم کے عہدہ پر فائز رہے۔

ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی[۴] کی تحریک میں شامل ہو گئے اور مدرسہ ''دارالعلوم دیوبند'' کی بنیادی تعمیر میں پیش پیش رہے۔ ''موج کوثر'' کے مصنف شیخ محمد اکرام نے ان کا نام مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے اصل محرکین میں سرفہرست درج کیا ہے[۵]۔ آپ نے ۳۴ سال تک مدرسہ ''دارالعلوم دیوبند'' کی بے لوث خدمات سرانجام دیں اور آخری لمحوں تک مدرسہ کے رکن رہے۔

آپ کے والد مولانا فضل الرحمٰن نے تین شادیاں کی تھیں جن میں سے دو بیویوں سے اولاد تھی۔ حضرت علامہ عثمانی کی والدہ محترمہ کا نام ماسیطی تھا۔ یہ معلومات راقم کو پروفیسر سہیل احمد صدیقی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں سہیل احمد آپ کی بھتیجی اور منہ بولی بیٹی منیبہ خاتون کے فرزند اور گورنمنٹ ڈگری سائنس اینڈ کامرس کالج گلشن اقبال کراچی میں ریاضی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ علامہ عثمانی کے والد کتنے خوش قسمت انسان تھے کہ ان کی اولاد میں کئی ہستیاں نہ صرف فخر خاندان تھیں بلکہ ان کو اگر فخر اسلام کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اُن مقتدر ہستیوں میں فخر الفقہاء مفتی عزیز الرحمٰن، فخر العلماء مولانا حبیب الرحمٰن سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور خود شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی آسمان علم و فضل کے آفتاب اور ماہتاب تھے۔ اس کے علاوہ مولانا عامر عثمانی، مولانا یعقوب الرحمٰن اور مفتی عتیق الرحمن بھی صاحبان علم و فضل سمجھے جاتے ہیں۔

تعلیم و تربیت

علامہ شبیر احمد عثمانی بچپن ہی سے سنجیدہ طبع واقع ہوئے تھے۔ کھیل کود اور سیر و تفریح کا آپ کو کوئی خاص شوق نہ تھا۔ لہو و لعب سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ آپ کو بچپن ہی سے تعلیم کا بے حد شوق تھا۔

۱۳۱۱ھ میں چھ سال کی عمر میں آپ نے حافظ محمد عظیم دیوبندی کے ہاتھ دینی تعلیم کی ابتدا کی۔ ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور قرآن مجید حافظ نامدار خان سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدا آپ نے منشی منظور احمد سے کی اور مولانا محمد یاسین سے فارسی کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ عربی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ہوا۔ آپ کے عربی اساتذہ میں مولانا محمد یاسین شیرکوٹی، مولانا غلام رسول ہزاروی، مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا قابل ذکر ہیں[۶]۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء میں تمام دورے کے طلباء میں اول پوزیشن حاصل کر کے سند فراغت لی[۷]۔

اساتذہ وشیوخ

یوں تو آپ کے بہت سے اساتذہ تھے لیکن ان میں سب سے بڑے استاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا تھے۔ استاد آفتاب اور شاگرد ماہتاب ہو تو استفادہ اپنا رنگ لا کر رہتا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن جیسا استاد اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی جیسا شاگرد دارالعلوم دیوبند نے شاید ہی پیدا کیا ہو۔ مولانا محمود الحسن صاحب کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل ہستیاں قابل ذکر ہیں۔

حافظ محمد عظیم دیوبندی، حافظ نامدار صاحب، منشی منظور احمد صاحب، مولانا محمد یاسین دیوبندی، مولانا محمد یاسین شیرکوٹی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، حکیم محمد حسن، مولانا غلام رسول بفوی، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا محمد احمد اور مولانا محمد مسئول صاحب۔ علامہ عثمانی پر عہد طالب علمی میں اساتذہ بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ خود علامہ کے چہرے سے ذکاوت وذہانت کے آثار نمایاں تھے۔ طالب علمی کے دور ہی میں ان کے علم وفضل کی بڑی دھوم تھی۔

ازدواجی زندگی

شادی سنت رسول ﷺ ہے اور نیک بیوی عطیہ خداوندی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی شادی خانہ آبادی ۱۱ ذیقعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں مسماۃ ام ہانی بنت بلند بخت سے ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سادات خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ شادی کے وقت آپ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے اور شادی کے مزید دو سال بعد تک تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

کسب ومعاش

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے زمانے کے جلیل القدر محدث، عظیم الشان مفسر اور دیگر علوم مروجہ کے ماہر تھے۔ ان کا اصل مشغلہ درس وتدریس تھا لیکن انہوں نے اس مسند کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ بلا معاوضہ یا برائے نام معاوضہ پر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۱۳۲۸ھ میں جب علامہ عثمانی مدرسہ عربیہ فتح پوری دہلی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو اسوقت آپ کا تقرر ۳۵ روپے ماہوار مدرس ششم کی جگہ ہوا تھا۔[۷] دارالعلوم دیوبند کی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۳ء کی روئداد میں بھی آپ کی تنخواہ ۳۵ روپے لکھی ہوئی ہے لیکن ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کی روئداد کے گوشوارہ میں آپ کی تنخواہ ۶۰ روپے ماہوار لکھی ہوئی ہے[۸]۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ ۱۸ سال دارالعلوم دیوبند کی بے لوث خدمت سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں اکابر و اساتذہ کے حکم پر برائے نام تنخواہ یا معاوضہ لینا شروع کیا۔

شعبان ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی پہلی بار علمی کام کے سلسلے میں حیدرآباد دکن تشریف لے گئے وہاں علامہ نے نظام دکن کی درخواست پر تقریر بھی کی۔ نظام صاحب بہت متاثر ہوئے اور آپ کو کوتوال شہر کے ذریعے ریاست کے دراالافتاء کی صدارت کے لئے ایک ہزار ماہوار پر ملازمت کی پیش کش کی۔ لیکن آپ نے ملازمت سے انکار کردیا۔ تاہم نظام کے اصرار پر دوسو روپے ماہوار وظیفہ لینا قبول فرمایا جو تقسیم ہند تک مرحوم کو برابر ملتا رہا[9]۔

۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں آپ پھر حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور ''فتح الملہم'' شرح مسلم شریف کی طباعت اور اخراجات کے سلسلے میں نظام دکن کو درخواست پیش کی۔ نظام صاحب نے آپ کو شرف ملاقات بخشاء مسودہ دیکھا اور بہت خوش ہوئے۔ نظام دکن نے فتح الملہم کی پانچ جلدوں کے لئے یکمشت پچیس ہزار روپیہ بحساب پانچ ہزار فی جلد منظور فرمایا اور دو سال کے لئے فتح الملہم کی تیاری اور تصنیف کے دوران چار سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر فرمایا[10]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی عرصہ ۱۲ سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ علامہ عثمانی کی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی صرف گزارے کے طور پر سو روپیہ ماہوار ملتے تھے۔ ۱۳۵۲ھ میں علامہ انور شاہ کشمیری کی وفات کے بعد جب علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث اول مقرر کئے گئے تو آپ کو مصارف کے لئے تین سو پچاس روپیہ ماہوار ملنے لگے[11]۔

سفر بہاولپور، علالت اور رحلت

علامہ شبیر احمد عثمانی اسلام کے سپاہی تھے۔ ان کی زندگی کا مشن دین کی خدمت اور اسلام کی سربلندی تھا۔ آپ کے داماد مولانا محمد یحیٰ تھانوی لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی سید حسن محمود گیلانی وزیر تعلیم بہاولپور کی خصوصی دعوت پر، جو جامعہ عباسیہ کے تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھنے اور نصاب وغیرہ کے سلسلے میں مشورہ کے لئے دی گئی تھی، ۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور کے لئے روانہ ہوئے اور ۹ دسمبر کو بہاولپور پہنچے۔ ۱۲ دسمبر کی شب میں بخار ہوا اور سینہ میں تکلیف رہی لیکن صبح کو طبیعت بحال ہوگئی۔ ۹ بجے پھر سینہ میں تکلیف محسوس ہوئی۔ علاج اور تدبیر بے سود رہی۔ آپ کو سانس میں رکاوٹ اور گھٹن محسوس ہونے لگی تو آپ چارپائی پر رضائی اوڑھ کر لیٹ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ/ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بروز منگل ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر بوقت صبح ۶۴ سال ایک ماہ ۱۲ یوم کی عمر میں بمقام بغداد الجدید بہاولپور مخدوم زادہ سید حسن محمود گیلانی وزیر تعلیم بہاولپور کی کوٹھی پر علم و فضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا[12]۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آخری اعزاز

وفات کے بعد علامہ عثمانی کے ایک شاگرد مولانا سید بدر عالم میرٹھی نے آپ کو غسل دیا اور میت کو لکڑی کے ایک تابوت میں بند کر دیا گیا۔ آپ کی پہلی نماز جنازہ بہاولپور کالج گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ریاست کے ولی عہد کرنل عباسی، وزیر اعظم کرنل ڈرگ، جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل گریوز، ریاستی وزراء اعلیٰ حکام نے پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ آپ کی میت کو اسٹیشن پر پہنچایا۔ ریاستی فوج نے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ جامعہ عباسیہ کے پرنسپل اور وزیر تعلیم میت کے ساتھ کراچی روانہ ہو گئے۔

شیخ الاسلام کی نماز جنازہ

علامہ عثمانی کی میت ۱۴ دسمبر کی صبح کراچی لائی گئی۔ اس روز حکومت پاکستان کے اعلان کے مطابق پورے ملک میں حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے غم میں عام تعطیل رہی۔ تمام سرکاری و نیم سرکاری دفاتر اور ادارے بند رہے۔ ریڈیو پاکستان شیخ الاسلام کو برابر خراج عقیدت پیش کرتا رہا۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دو لاکھ سے زائد فرزندان اسلام نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ شیخ الاسلام کا جسد خاکی اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی کے احاطہ میں ساڑھے چار بجے سپرد خاک کر دیا گیا۔

پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعزازی ڈگری

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی علمی و دینی اور ملی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر نے بحیثیت چانسلر پنجاب یونیورسٹی، ۱۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انہیں Doctor of Oriental Learning یعنی ''علامہ علوم شرقیہ'' کی اعزازی ڈگری پیش کی[۱۳]۔

علامہ مشاہیر، علماء و زعماء کی نظر میں

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات کے بعد پاکستان کے گوشہ گوشہ بلکہ بیرون ملک سے بھی تعزیتی پیغامات موصول ہوئے جس میں شیخ الاسلام پاکستان کی علمی، دینی، ملی اور سیاسی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کی وفات کو نہ صرف پاکستان بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک عظیم نقصان قرار دیا گیا۔ ذیل میں چند مشہور معروف ارباب حکومت اور ارباب علم و فضل کے بیان مختصراً نقل کئے جاتے ہیں جس سے شیخ الاسلام پاکستان کی عظمت و رفعت اور ان کی خدمات جلیلہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وزیر اعظم پاکستان شہید ملت لیاقت علی خان شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی دل سے بہت ہی زیادہ قدر و منزلت کرتے تھے بلکہ امور مملکت میں اکثر ان سے مشورہ لیتے رہتے تھے۔ علامہ کی وفات پر لیاقت علی خان نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ :

> ”موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ایک متجر عالم، ایک متقی انسان اور ایک سچے مسلمان کو جدا کر دیا اور ہمیں اسلامی معاشرے کی تنظیم و تشکیل میں ان کے گراں قدر مشوروں سے محروم کر دیا۔ اس وقت درماندہ انسانیت کی راہنمائی اور قیادت کے لئے ان کی سخت ضرورت تھی۔ مولانا مرحوم کی شخصیت علم اور وسیع النظری کا مجموعہ تھی۔ ان کی وفات ہمارے لئے نقصان عظیم ہے“[۱۴]۔

۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کراچی میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا لیکن وہ کسی کاروائی کے بغیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی یاد اور سوگ میں ملتوی کر دیا گیا۔ ایوان کے قائد مسٹر لیاقت علی خان نے تعزیتی قرارداد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات نہ صرف اس اسمبلی اور پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مرحوم نہ صرف اس دور کے بہت بڑے باعمل عالم تھے بلکہ اسلام کے حقیقی پیغام اور مقصد سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان کی زبردست حمایت کی۔ وہ آج کل کے سیاسی مسائل اور عصر حاضر کی ضروریات سے کما حقہ آشنا تھے۔ حکومت پاکستان نے ہمیشہ ان کے مشوروں سے استفادہ کیا۔ آئین پاکستان کی ترتیب میں انہوں نے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اس اہم موقع پر ان کے قیمتی مشوروں سے محروم ہونا حقیقت میں ملک و قوم کا نقصان عظیم ہے[۱۵]۔

خاتون پاکستان مس فاطمہ جناح نے علامہ عثمانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا :

> ”وہ مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے تقسیم سے پہلے اور بعد میں پاکستان کے موقف کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں“[۱۶]

گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے علامہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا :

> ”شیخ الاسلام پاکستان کی رحلت سے مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔ وہ معماران پاکستان میں سے تھے۔ انہوں نے حصول پاکستان کے لئے اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی تعمیر کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ان کی وفات سے پوری ملت اسلامیہ کو نقصان عظیم پہنچا ہے[۱۷]۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نائب وزیر داخلہ ونشریات نے اپنی ریڈیو پاکستان کی نشری تقریر میں شیخ الاسلام کی رحلت پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا :

> ’’مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات سے قوم کو ایک زبردست دھچکا لگا ہے۔ آپ کی وفات مسلمانان عالم کے لئے بالعموم اور اسلامیان پاکستان کے لئے بالخصوص ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ آپ صرف مذہبی اور مشرقی علوم کا خزینہ ہی نہ تھے بلکہ جدید سیاسی امور پر بھی ان کی نگاہ تھی۔ حال اور ماضی ایسے شخص پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ تعمیر پاکستان کے لئے مولانا صاحب کی خدمات ، ان کی بصیرت ، سیاسی اور علوم اسلامی میں ان کی دسترس ان کے خلوص اور سچائی کے لئے ان کی مسلسل جدوجہد کی آئینہ دار ہیں۔ مولانا فہم و ذکاوت کے سرچشمہ تھے جو خاص و عام کے لئے ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مولانا عثمانی دنیاوی سیاست اور مذہب کے باہمی ملاپ کا ایک بہترین نمونہ تھے جو اسلام کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ یہ تمام باتیں مولانا کے کردار و گفتار سے مترشح تھیں۔ مولانا عثمانی ایک آسمانی تحفہ تھے جو خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں بخشا تھا اور آج ہم سے واپس لے لیا گیا‘‘[۱۸]۔

گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر، گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین کے ساتھ ملتان کے دورے پر تھے[۱۹]۔ علامہ عثمانی کی رحلت کی خبر سن کر اپنی مصروفیات ختم کر کے علامہ کے قومی سوگ میں شریک ہوئے اور اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا :

> ’’علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام پاکستان کی موت کی خبر سن کر ہمیں بہت دکھ ہوا ہے۔ وہ ہم سب کے بزرگ رہنما تھے۔ ان کی خدمات پاکستان اور اسلام کے لئے اتنی ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا‘‘[۲۰]۔

متحدہ بنگال کے آخری وزیراعظم مسٹر حسین شہید سہروردی نے علامہ عثمانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا :

> ’’مولانا کی رحلت ایک ایسا نقصان ہے جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں۔ مولانا کی شخصیت زہد، تقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متجر عالم تھے۔ انہوں نے اسلامیان ہند کی جس انداز سے قیادت اور رہنمائی کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ خدائے تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے‘‘۔

وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان مسٹر نور الامین علامہ عثمانی کی رحلت کی خبر سن کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے پر اپنے تعزیتی پیغام میں شیخ الاسلام کی رحلت کو ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان بتایا اور کہا کہ قوم ایک باعمل جید عالم اور مذہبی و روحانی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے[۲۱]۔

علامہ عثمانی کے سیاسی رفیق اور تحریک پاکستان کے اہم رہنما مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ :

> ''موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔ قوم ایک باعمل عالم اور مذہبی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے۔ ان کا وجود ہم سب کے لئے ایک بڑا سہارا تھا۔ ان کی رحلت سے نہ صرف ایک پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کا نقصان عظیم ہوا ہے''[۲۲]۔

> ''حلقہ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید عرصہ تک میسر نہ ہو۔ جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم وکمال کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم وعرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں۔ وہ تقریر وتحریر میں اپنے وقت کے امام تھے''[۲۳]۔

عظیم محقق اور مورخ اسلام سید سلیمان ندوی نے بھی علامہ شبیر احمد عثمانی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایسے نادر روزگار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اب دنیا میں نہیں مگر ان کے کارنامے دنیا میں انشاءاللہ تعالیٰ حیات جاوید پائیں گے[۲۴]۔

مذکورہ بالا بیانات، پیغامات تعزیت سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے علم وفضل، کمالات واوصاف وکردار اور ان کی گران قدر، دینی، علمی، قومی اور سیاسی خدمات کارناموں کی مفصل تصویر کھینچ کر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ جس سے ان کی خدمات جلیلہ اور عظمت ورفعت کی بلندی کا اظہار ہوتا ہے۔

درس وتدریس

علامہ شبیر احمد عثمانی مفسر اعظم، محدث جلیل، رفیع الشان فقیہ، مناظر اسلام، متکلم اسلام اور جادو بیان مقرر وخطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مدرس ومعلم بھی تھے۔ اسلامی معاشرے میں معلّمی سب سے اعلیٰ وارفع پیشہ راہ ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے :

انما بعثت معلماً[۲۵]۔

ترجمہ : میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی نے معلمی کے پیشہ کو اختیار فرمایا۔ آپ کی علمی شہرت طالب علمی کے زمانہ ہی میں عام تھی اور ان کی ذہانت اور لیاقت کا دارالعلوم دیوبند میں بہت چرچا تھا۔ آپ پر اساتذہ بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ آپ کی علمی صلاحیتوں کے اساتذہ وطلباء سب ہی معترف تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اساتذہ کے حکم پر دارالعلوم دیوبند میں کچھ عرصہ اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھائیں۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ پہلا زبردست فارغ التحصیل طالب علم ہے جو تعلیم سے فارغ ہوتے ہی نوعمری میں سینئر پروفیسروں کی صف میں جگہ لیتا ہے۔ یہ آپ کا بہت بڑا اعزاز ہے۔ بعدازاں عربی مدرسہ فتح پوری مسجد، دہلی کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ دو سال بعد پھر ان کا تقرر دیوبند کر دیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات کاٹھیاواڑ) میں شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے درس وتدریس کی کل مدت ۴۷ سال ہے[۲۶]۔

علامہ بطور صدر مدرس عربی مدرسہ مسجد

جب آپ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء میں تعلیم دے رہے تھے تو عربی مدرسہ مسجد فتح پوری، دہلی کے صدر مدرس کے لئے مولوی عبدالاحد صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند سے کسی قابل مدرس کے لئے درخواست کی۔ مہتمم صاحب جو علامہ کے بڑے بھائی تھے انہوں نے وہاں کی صدارت کے شایان شان علماء پر نظر ڈالی اور حضرت علامہ کو اس عہدے کے لئے موزوں خیال کرتے ہوئے آپ کو دہلی بھیج دیا۔ چنانچہ علامہ عثمانی نے ابھی دارالعلوم دیوبند میں کچھ ماہ تعلیم دی تھی کہ دہلی تشریف لے گئے۔ یہ مدرسہ اپنی نوعیت کا دہلی میں سب سے بڑا مدرسہ تھا اور اس کی بڑی شہرت تھی۔ اب بھی اس کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں آپ نے تقریباً دو سال شعبان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۱ء تک دورہ حدیث اور دوسری اعلیٰ درجہ کتابیں پڑھائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ مدرس کی حیثیت سے

شیخ الہند مولانا محمود الحسن جمعیۃ الانصار کے ذریعے مسلمانان ہند میں مذہبی اور سیاسی بیداری اور انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اس تنظیم کے سرگرم رکن اور ممبر تھے اور اس کے پروگراموں اور کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن ابھی تک آپ کا تعلق عربی مدرسہ دہلی سے تھا۔ ان حالات میں اکابرین دارالعلوم دیوبند نے آپ کا دہلی میں رہنا پسند نہ کیا۔ کیونکہ جمعیۃ الانصار کے اہم کاموں کو سرانجام دینے کے لئے ایک قادر الکلام مقرر اور انشاء پرداز کی ضرورت تھی اور وہ ان دونوں کاموں میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ اس طرح اکابرین دارالعلوم دیوبند کے حکم پر آپ شوال ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۱ء میں دہلی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ اور درس وتدریس کا کام شروع کر دیا واپسی پر آپ کو اکابر اساتذہ میں جگہ دی گئی[۲۷]۔

دارالعلوم دیو بند کے اکابرین میں حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد سے کچھ انتشار سا تھا۔ جو رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا تھا۔ ایک طرف مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور کچھ مدرسین تھے۔ دوسری طرف مولانا انور شاہ صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سراج احمد صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب اور بعض نوجوان مولانا عتیق الرحمٰن وغیرہ تھے۔ آخر کار دوسرا گروہ دیو بند چھوڑ کر ڈابھیل چلا گیا اور نئے دیو بند کی بنیاد رکھی۔

استرح علامہ شبیر احمد عثمانی نے شوال ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۱ء سے شوال ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء تک تقریباً ۱۸ سال دارالعلوم دیو بند کی بے لوث اور فی سبیل اللہ خدمت کی اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

علامہ بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

جب دارالعلوم دیو بند میں حالات سازگار نہ رہے اور کوششوں کے باوجود موافقت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو شوال ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء کے بعد بادل ناخواستہ علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت انور شاہ کشمیری، مولانا سراج احمد صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا محمد ادریس سکروڑھوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور اسٹرائیک میں حصہ لینے والے اور شرکت کرنے والے تمام اساتذہ دارالعلوم دیو بند سے جدا ہو کر ڈابھیل ضلع سورت چلے گئے[۲۸]۔ مولانا محمد صاحب سواتی جو شاہ صاحب کے چہیتے شاگرد تھے اور اسٹرائیک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے ان صاحبان کو ڈابھیل لے جانے کا باعث ہوئے۔

ان حضرات کی تشریف آوری سے پہلے ڈابھیل (سملک) ضلع سورت گجرات کاٹھیاواڑ میں ایک مدرسہ تھا اور اس کا نام ''مدرسہ تعلیم الدین'' تھا جس کو مولوی بام صاحب نے جاری کیا تھا۔ ان حضرات کے پہنچنے کے بعد اس کا نام ''جامعہ اسلامیہ'' رکھا گیا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ان حضرات کی وجہ سے جان پڑ گئی اور اس کا مقدر کھل گیا۔ ان حضرات کی آمد سے اس علاقے میں تعلیم دین کے چشمے ابلنے لگے اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ بہت سے اسٹرائیکر طلبہ بھی وہاں جا داخل ہوئے۔

حضرت الاستاذ علامہ انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث اور علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث دوم مقرر ہوئے۔

حضرت انور شاہ کشمیری بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے اور علامہ عثمانی مسلم شریف و بیضاوی، حدیث اور تفسیر کی کتابوں کا درس دینے لگے۔ حضرت انور شاہ کشمیری کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے اب آپ بخاری اور ترمذی کا درس دینے لگے[۲۹]۔

حضرت انور شاہ کشمیری کے زمانہ میں جامعہ اسلامیہ کے طلباء کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء سے ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء تک دو تین سال کے سوا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علمی اور دینی خدمات سر انجام دیں۔

علامہ بطور صدر مہتمم (Vice Chancellor) دار العلوم دیوبند

علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں برصغیر پاک وہند کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم (وائس چانسلر) منتخب کیے گئے۔

جب آپ نے صدر مہتمم کا چارج لیا تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے لے کر ادنیٰ مدرسین تک سب نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اب تک کی جو کدورت دلوں میں تھی وہ صاف ہوگئی۔ آپ کے عہد اہتمام میں وہ کام جن میں ایک قسم کی رکاوٹ سی ہو جاتی تھی چل پڑے اور اکابر ہونے کی وجہ سے سب اساتذہ آپ کے مطیع ہوگئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :

> ”آپ نے جب سے دیوبند کی صدارت اہتمام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے بہت سے مشکلات حاضرہ جن پر اراکین قابو نہیں پا رہے تھے بحمد اللہ حل ہوگئے“[۳۰]۔

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں مولانا حسین احمد مدنی کو تحریک سول نافرمانی میں حصہ لینے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مدنی کی گرفتاری پر مظاہرے ہوئے اور بعض طلبہ نے ہڑتال میں حصہ لیا۔ اس پر علامہ عثمانی نے مہتمم مولانا محمد طیب قاسمی کے مشورے سے ہنگامہ کرنے والے ۵۹ طلبہ کو مدرسے سے خارج کر دیا۔ لیکن مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے رفقاء کے دباؤ کے نتیجہ میں آخرکار بادل ناخواستہ ایک کے سوا باقی تمام خارج شدہ طلبہ کو دوبارہ داخلے کی اجازت دے دی۔ اس زمانہ میں مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے کانگرسی رفقاء کا مجلس شوریٰ میں کافی اثر ورسوخ تھا اور مجلس شوریٰ نے آپ کے اختیارات بھی محدود کر دیئے تھے۔ چنانچہ حالات سے بددل ہو کر بادل ناخواستہ علامہ عثمانی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کے عہدہ سے علیحدہ ہوگئے۔

پاکستان حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی حقیقت میں کانگرسی سیاست کا نتیجہ تھی۔ علامہ عثمانی کی کانگرس سے نفرت ان کی دارالعلوم سے جدائی کا باعث بنی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء سے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء تک برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے اور اپنے فرائض فی سبیل اللہ بغیر کسی معاوضہ کے ادا کرتے رہے۔ آپ کے عہد صدارت میں دارالعلوم دیوبند نے بہت ترقی کی اور بہت سے انتظامی معاملات میں دارالعلوم دیوبند کو علامہ عثمانی کی عظیم شخصیت سے فائدہ پہنچا۔

تصانیف وتالیفات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ جس طرح آپ فن تقریر میں اپنی مثال آپ تھے اسی طرح فن تحریر پر بھی آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ ''تفسیر عثمانی''، ''فتح الملہم''، ''فضل الباری''، ''الاسلام''، ''العقل و النقل'' ''اعجاز القرآن''، ''الشہاب''، ''مسئلہ تقدیر''، ''معارف القرآن''، ''الروح فی القرآن'' ''المعراج فی القرآن''، ''خوارق عادات''، ''ہدیہ سینہ''، ''تحقیق خطبہ جمعہ''، ''سجدالشمس''، ''قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے؟''، ''حجاب شرعی''، ''فتویٰ ترک موالات''، ''پیغام کلکتہ''، ''مراسلات سیاسیہ'' ''مکالمۃ الصدرین''، ''ہمارا پاکستان''، ''خطبہ پشاور''، ''فتویٰ جہاد کشمیر''، ''خطبہ صدرات موتمر عالم اسلامی'' ''خطبہ عیدالفطر''، ''خطبہ صدارت ڈھاکہ''، ''تائید قرارداد مقاصد'' وغیرہ آپکی مایہ ناز تصانیف ہیں۔

علامہ کے تلامذہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی علم وفضل کے پہاڑ تھے۔ آپ نے ۳۷ سال درس وتدریس میں گزارے۔ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ عربیہ مسجد فتح پوری دہلی اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ان کے درس وتدریس کا دور تاریخی قرار دیا جاسکتا ہے۔ حضرت علامہ عثمانی استاذ العلماء تھے۔ اگرچہ ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے لیکن مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد یوسف بنوری، پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا منظور احمد نعمانی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا اطہر علی سلہٹی، مفتی محمد شفیع، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا احتشام الحق تھانوی، قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ آپ کے شہرہ آفاق تلامیذ ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) شیخ الاسلام، اسلامی سلطنتوں میں عموماً قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے، اور زیادہ تر اس کی شہرت دولت عثمانیہ میں رہی جب قسطنطنیہ کے مفتی اعظم کو شیخ الاسلام کہا جانے لگا۔ مذہبی اور دینی معاملات میں شیخ الاسلام کی حیثیت مشیر خاص کی سی تھی۔

(۲) عبد الرشید ارشد "بیس بڑے مسلمان" لاہور مکتبہ رشیدیہ، دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۵۴۵۔۔۔؛ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "شیخ الاسلام پاکستان" لاہور، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۔۔۔؛ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دار العلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۳۔۔۔؛ سید محبوب رضوی اور ماہنامہ الرشید نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۸۷ء، اور پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی نے اپنی کتاب حیات عثمانی کے صفحہ ۲۹ پر آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۸۹ء بیان کی ہے جو کہ درست نہیں۔ (سید محبوب رضوی "تاریخ دیوبند" دیوبند، علمی مرکز، ۱۹۷۲ء، ص ۵۰۱۔۔۔؛ ماہنامہ "الرشید" ساہیوال، تاریخ دار العلوم نمبر، مارچ، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۲۰۷۔۔۔؛ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دار العلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۲۹)

(۳) پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی "تجلیات عثمانی" ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۱۴

(۴) مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۸۳۲ء، نانوتہ۔ ۱۸۷۹ء) تعلیم دیوبند، دہلی، مجاہد جنگ آزادی (۱۸۵۷ء)، بانی دار العلوم دیوبند، محدث، محقق، عاشق رسولؐ، مصنف "انتصار الاسلام"

(۵) شیخ محمد اکرام "موج کوثر" لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۹ء، ص ۲۰۶

(۶) "شیخ الہند" مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کا خطاب تھا۔ یہ خطاب ان کو خلافت کمیٹی کی طرف سے جون ۱۹۲۰ء میں ان کی ملی، علمی اور دینی خدمات کے پیش نظر ملا تھا۔ یہ خطاب خواص و عوام میں اس قدر مقبول و معروف ہوا کہ لوگ آپ کو آپ کے اصل نام سے زیادہ "شیخ الہند" کے خطاب سے پکارنے لگے۔

(۷) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "شیخ الاسلام پاکستان" لاہور، قادر سنز، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۲۲

(۸) بحوالہ "حیات عثمانی" ص ۱۸۵۔۸۶

(۹) فیض انبالوی و شفیق صدیقی "حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی" لاہور، ادارہ سیرت، ص ۲۲۔۲۵

(۱۰) سید سلیمان ندوی "یادِ رفتگاں" کراچی، مکتبہ الشرق، جنوری ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۹

(۱۱) بحوالہ "حیات عثمانی" ص ۴۰۱۔۲

(۱۲) پروفیسر محمد انوار لحسن شیر کوٹی "انوار عثمانی" کراچی، مکتبہ اسلامیہ، مئی ۱۹۶۶ء، ص ص ۲۵۷۔۲۶۰۔۔۔؛ فیض انبالوی و شفیق صدیقی "حیات شیخ اسلام شبیر احمد عثمانی" لاہور، ادارہ سیرت، ت۔ن، ص ص ۵۴۔۵۹

13. Naresh Kumar Jain"*Muslims in India: A Biographical Dictionary*" New Dehli Manohor Publications1983.Vol.II.. p. 201

(۱۴) روز نامہ 'زمیندار' لاہور، ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء

15. Official Record of Govt. of Pakistan " *Constituent Assembly of Pakistan Debates*" Vol. VI -1949-50, Dated 22nd December, 1949, p. 1-2 --- روز نامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۲۴ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۱۶) روز نامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۱۷) روز نامہ 'امروز' لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۱۸) روز نامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء --- پندرہ روزہ 'آہنگ' کراچی، یکم جنوری تا ۱۵ جنوری ۱۹۵۰ء

(۱۹) سردار عبدالرب نشتر (۱۸۹۹ء، پشاور۔ ۱۹۵۸ء) تعلیم علی گڑھ، کٹر مسلم لیگی اور قائداعظم کے دست راست، وزیر مواصلات عبوری حکومت ۱۹۴۶ء گورنر پنجاب ۱۹۴۹ء

(۲۰) روز نامہ 'امروز' لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۲۱) روز نامہ 'زمیندار' لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۲۲) حافظ اکبر شاہ بخاری 'شیخ الاسلام پاکستان' لاہور، قادر سنز، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۸

(۲۳) روز نامہ 'آزاد' لاہور، ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۲۴) سید سلیمان ندوی 'یادرفتگان' کراچی، مکتبہ الشرق، جنوری ۱۹۵۵ء، ص ۴۵۴

(۲۵) شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ 'مشکوٰۃ شریف' کراچی، قدیم کتب خانہ، ۱۳۶۸ھ، ص ۳۶

(۲۶) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری 'تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند' کراچی، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۲۔۶۴

(۲۷) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی 'حیات عثمانی' کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۵

(۲۸) رجب۔ شعبان ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں زبردست اسٹرائیک ہوئی۔ اساتذہ اور طلبہ میں انتظامیہ کے رویے کے خلاف بے چینی تھی۔ جب اصلاح کی کوئی صورت حال پیدا نہ ہو سکی تو طلبہ نے امتحانات کا بائیکاٹ کر دیا۔ اساتذہ دارالعلوم دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ اسٹرائیک کرنے والوں کی حمایت کر رہا تھا اور دوسرا مخالفت۔ کچھ عرصہ کے لئے دارالعلوم دیوبند کو بند بھی کرنا پڑا۔ آخر کار اساتذہ اور طلبہ کا ایک گروہ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل چلا گیا اور وہاں انھوں نے دوسرے دیوبند کی بنیاد رکھی۔

(۲۹) سید محبوب رضوی 'تاریخ دیوبند' دیوبند، علمی مرکز، ۱۹۷۲ء، ص ۵۰۱

(۳۰) ماہنامہ 'الفرقان' دہلی، صفر ۱۳۵۸ھ، ص ۳۵

باب دوم

علامہ عثمانی کا سیاسی مقام

قبل تقسیم ہند کا سیاسی و تاریخی پس منظر

مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی۔ اپنے دور حکومت میں مسلمانوں کا اپنی غیر مسلم رعایا سے سلوک نہایت شفیقانہ، منصفانہ اور رواداری کا آئینہ دار تھا۔ محمد بن قاسم نے جب ۷۱۲ء میں سرزمین ہند پر سب سے پہلے مسلمان حاکم کی حیثیت سے قدم رکھا تو یہاں کے عوام نے اس کو اپنا حاکم نہیں بلکہ محسن پایا۔ مذہب، انصاف، ملازمت غرض تمام شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں کا رویہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ فراخدلانہ اور روادارانہ تھا۔ اس حقیقت کو انگریز اور ہندو مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہندوستان کے پہلے صدر راجندر پرشاد کا بیان ہے کہ:

"The attitude of the Muslim conquerors had on the whole been one of toleration."[1]

یعنی مسلم فاتحوں کا طرز عمل بہ حیثیت مجموعی رواداری کا آئینہ تھا۔

مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں تقریباً ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں کی یہ حیثیت رہی کہ وہ مغل شہنشاہوں اور ان کے صوبیداروں کے سامنے بڑی لجاہت سے درخواستیں پیش کیا کرتے تھے[2]۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے وسط میں مسلمانوں کے زوال کے زمانے میں حالات انگریزوں کے لئے سازگار ہو گئے۔ اگلے ایک سو برس تک وہ اپنے سابقہ سرپرستوں کی سلطنت کے استحصال میں سرگرم رہے۔ حصول اقتدار کی اس جدوجہد میں انگریزوں نے موقع شناسی، طاقت، سازش، مکاری، دھوکہ و فریب، بدعہدی اور منافقت کے وہ تمام حربے استعمال کئے جنہیں وہ ہند کے ساتھ اپنی

تجارت میں پوری کامیابی سے آزما چکے تھے۔ بہت جلد ان کو معلوم ہوگیا کہ اس ملک میں دو متضاد نظریات کی حامل قومیں آباد ہیں اور ان قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف نہایت آسانی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف اس جدوجہد میں ہندو ان کے فطری حلیف بن گئے۔ جب انگریزوں کو ہندوستان پر مکمل اختیار حاصل ہوگیا تو چارج لینے والی قوم نے چارج دینے والی مسلم قوم کو تمام ملازمتوں سے نکال باہر کیا، ان کی جاگیریں ضبط کرلیں اور ان پر معاش کے تمام دروازے بند کردیئے۔ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد وہ اور بھی زیادہ حسرت و یاس کی تصویر بن کر رہ گئے۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر لکھتے ہیں کہ :

"The Musalmans of India are and have heen for many years, a source of chronic danger to the British power ".[3]

ترجمہ : ہندوستانی مسلمان انگریزی اقتدار کے لئے ایک بڑا خطرہ ہیں اور انگریز سالہا سال سے ان کو اپنی حکومت کے لئے شدید خطرہ تصور کرتے رہے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ معاندانہ، متعصبانہ، دشمنانہ اور انتقامی تھا۔ مسلمانوں کے برعکس ہندو ہر میدان میں آگے بڑھ رہے تھے اور انہوں نے آقاؤں کی اس تبدیلی کو بڑی خوشدلی سے قبول کیا تھا۔ ہندو ہر میدان میں مسلمانوں سے کم از کم ۵۰ سال آگے تھے۔ انگریزوں کے ماتحت ہند کا جو نیا نقشہ بن رہا تھا اس کی قیادت ہندو قوم کا یہی مراعات یافتہ طبقہ کر رہا تھا۔

سیاست کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سرسید احمد خان مسلمانوں کے لئے ستارہ سحری بن کر نمودار ہوئے[۴]۔ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی اور جدید علوم حاصل کرنے کی ترغیب دی تا کہ انگریز اور ہندو کا مقابلہ کیا جاسکے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جاسکے۔ سرسید کی رہنمائی میں مسلمان تعلیمی اور سیاسی میدان میں ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اردو ہندی تنازعے سے سرسید یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک قوم کے طور پر اکٹھے رہنا مشکل ہوگا[۵]۔

مسلمانوں نے اپنے سیاسی حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے ۱۹۰۶ء میں کانگرس کے مقابلے میں اپنی ایک علیحدہ جماعت مسلم لیگ قائم کی۔ نمائندہ اداروں کے آغاز کے ساتھ ہندو مسلم تنازعات بڑھتے گئے۔ اس سے پہلے انگریز ہندوؤں کو یہ یقین دلا چکے تھے کہ برطانیہ کی طاقت و سنگینوں کی حمایت میں ان کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقع دیا جائے گا[۶]۔ اردو ہندی تنازعہ، تقسیم بنگال کے خلاف تحریک، بندے ماترم اور دوسرے بہت سے واقعات نے ثابت کردیا تھا کہ کانگرس ہر اعتبار سے ایک تنگ نظر متعصب ہندو تنظیم ہے جس کا مقصد نمائندہ اداروں کی آڑ میں

ہندوؤں کی مکمل بالادستی اور رام راج حکومت کا قیام ہے۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے ان خدشات کی مزید تصدیق کر دی تھی۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کے مطالبات و مفادات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پروفیسر سید عبدالصمد پیرزادہ[۷] لکھتے ہیں کہ :

> "نہرو رپورٹ کے منظر عام پر آنے سے برصغیر پاک وہند کی سیاست میں ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر مرتب شدہ آئین دراصل ہندوستان میں ہندو کی مکمل بالادستی اور رام راج کے احیاء کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند نے کانگرس کی اس در پردہ سازش کی پرزور مخالفت کی۔ ہندو سیاست کی آخری منزل کے تعین نے مسلم لیگ کے سیاسی کردار کی اہمیت کو اجاگر کر دیا اور مسلم لیگ کی قیادت ہندوؤں کے اس منصوبے کے خلاف عملی شکل میں مزاحمت کرنے والی واحد سیاسی جماعت نظر آنے لگی"[۸]۔

نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو کانگرس سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا۔ نہرو رپورٹ کانگرس کے ہندوانہ ذہن کی مکمل عکاسی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۶ء میں لکھنو پیکٹ کے تحت جن اصولوں پر اتفاق رائے ہو گیا تھا انہیں بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس رپورٹ کے نتیجہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہو گئی۔ اس موقع پر قائداعظم نے فرمایا تھا کہ :

"This is the parting of the ways"[9]

یعنی ان کے راستے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ نہرو رپورٹ کے جواب میں قائداعظم نے مارچ ۱۹۲۹ء میں اپنے مشہور ۱۴ نکات پیش کئے، جو کہ مسلم حقوق و مفادات کے آئینہ دار تھے۔

کانگرس کے اڑھائی سالہ (۱۹۳۷۔۱۹۳۹ء) دور اقتدار کے تلخ تجربات نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہندوؤں کے عزائم ان پر پوری طرح آشکار ہو گئے۔ مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہند کے طول و عرض میں مسلمانوں کیلئے ہندو غلبہ کس قدر خطرناک ہے۔ کانگرس نے اپنی حکومت کے دوران مسلمانوں سے ناروا سلوک کیا۔ انہیں سرکاری ملازمتوں میں جائز حصے سے محروم رکھا گیا اور مسلمان طلبہ کو سکولوں میں ہندی پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ انہیں کانگرس کے جھنڈے کو سلام اور گاندھی کی تصویر کی پرستش کرنے پر مجبور کیا گیا اور بندے ماترم جیسے بدنام زمانہ گیت کو قومی ترانہ بنایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پٹنہ میں مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ہندوؤں کے عزائم پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ کانگرس کے دور اقتدار پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ بات تو آزادی کی کرتے

ہیں مگران کا مقصد صرف ہندو حکومت ہوتا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ مسلمان بچے ہر صورت میں بندے ماترم کو اپنے قومی ترانہ کے طور پر تسلیم کر لیں چاہے ان کا مذہب اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ یہ بت پرستی بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ یہ گیت مسلمانوں کے لئے نفرت کا ترانہ ہے[۱۰]۔

مسلمانان ہند پر یہ بڑا کڑا وقت تھا۔ مسلم لیگ نے دسمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ کے اجلاس میں اپنی ورکنگ کمیٹی کو پہلی دفعہ ضرورت پڑنے پر ''راست اقدام'' کرنے کا اختیار دیا۔ کیتھ کیلارڈ لکھتے ہیں کہ :

> مسلم رہنما ہندوستان میں برطانوی راج کے تسلسل کے خلاف تھے مگر راست اقدام کرنے کا فیصلہ کرنے سے قبل وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ برطانوی راج کی جگہ کون لے گا؟ ایسی صورت حال کے نتیجے میں مسلمانوں نے ایک ایسی حکمت عملی اپنائی جس کا پہلا حدف کانگرس اور دوسرا انگریز تھے۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو حکومت کے رویے کے خلاف احتجاج کے طور پر کانگرس نے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہونے کا حکم دیا۔ اس موقع پر قائداعظم نے عوام سے اپیل کی کہ وہ کانگرسی وزارتوں کے استعفوں کے بعد مسلمانوں پر کانگرسی صوبوں میں ظلم و ستم ختم ہونے کی خوشی میں ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منائیں۔[۱۱] کانگرس پر قائداعظم کا یہ اقدام غیر معمولی طور پر شاق گزرا۔

۱۹۳۹ء کے آخر تک ہندو مسلم اتحاد کے احکامات بڑی حد تک معدوم ہو چکے تھے۔ ان کے درمیان اختلاف کی خلیج روز بروز گہری ہوتی جا رہی تھی۔ رچرڈ سائمنڈ کے مطابق اب ایک ہی چارہ کار باقی رہ گیا تھا کہ ایک فریق دوسرے پر غلبہ حاصل کر لے۔ یہ امکان کہ دونوں فریق مساوی سطح پر اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گے، ناقابل تصور اور ناممکن ہو چکا تھا۔[۱۲] چنانچہ بتدریج مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے لئے اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے کہ وہ ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا مطالبہ کریں۔

حالات و واقعات نے قائداعظم محمد علی جناح کو علامہ اقبال کے اس نظریے کا ہم خیال بنا دیا تھا کہ برطانوی طرز حکومت جس میں اکثریتی جماعت کی حکومت پر زور دیا گیا ہے کے نتیجہ میں مسلمان ہمیشہ کے لئے کانگرس راج کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لہذا یہ طرز حکومت ہندوستان کے لئے موزوں نہیں۔ محمد علی جناح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ پاکستان کا مطالبہ ناگزیر ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۰ء میں واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں اور یہ کہ ہندوستانی مسلمانوں کے خدشات کا واحد حل ان کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام میں مضمر ہے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن تحریک پاکستان میں سب سے عظیم اور سنہری دن تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت مسلم لیگ کا ایک بہت بڑا اجلاس، جس میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شریک تھے، منٹو پارک (اب اقبال پارک) لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں علامہ اقبال کے تصور کے مطابق مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ وخودمختار مسلم ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔ مسلمانوں نے اس قرارداد کو ''قرارداد لاہور'' اور ہندو پریس نے اس کو ''قرارداد پاکستان'' کا نام دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا۔

''ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے۔ وہ نہ تو باہمی شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکھٹے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو بنیادی طور پر متصادم نظریات وتصورات پر مبنی ہیں ان کا تصور حیات ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے ہیرو اور تاریخ الگ الگ ہیں۔ ایک فریق کے ہیرو اکثر صورتوں میں دوسرے کے لئے ناپسندیدہ شخصیتیں ہیں۔ ان کی تاریخ میں ایک فریق کی شکستیں دوسرے کی فتوحات رہی ہیں۔ ان دونوں قوموں کو اکثریت اور اقلیت کی حیثیت سے ایک ہی ریاست میں اکٹھا رکھنا ملک میں بے اطمینانی کے فروغ کا باعث ہوگا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی ریاست ملنی چاہیے[۱۳]۔

مسلم لیگ کی طرف سے برصغیر کی تقسیم کے باقاعدہ مطالبے پر مسلمانوں نے پرجوش مسرت سے اس کا خیرمقدم کیا۔ کانگرس اور ہندو رہنماؤں نے نہایت غیظ وغضب اور شدومد سے اس کی مخالفت کی اور اسے یکسر مسترد کر دیا۔ وہ برصغیر کی تقسیم کو ''بھارت ماتا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا'' کہتے تھے۔[۱۴] ہندوؤں کے سب سے بڑے رہنما گاندھی نے اسے ایک ''اخلاقی برائی'' اور ''پاپ'' قرار دیا۔ انگریز بھی برصغیر کی تقسیم کے خلاف تھے۔ ایک متحدہ ہندوستان ان کے عالمی مفادات کے عین مطابق تھا۔ گاندھی نے برطانوی راج کے خاتمے کے لئے عدم تعاون کی جو تحریک شروع کر رکھی تھی مسلم لیگ نے اس پر کڑی تنقید کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تحریک کی مذمت کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ خود کو گاندھی کے مطالبے سے علیحدہ رکھیں انہوں نے کہا کہ:

> ''کانگرس سنگین کی نوک پر اپنے مطالبات منوانا چاہتی ہے اور اگر اس کے مطالبات مان لئے گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان ہندوؤں کے حق میں اپنے حقوق سے دستبردار ہوگئے ہیں''۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے اس نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ :

> ’’میں بذات خود ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی قیادت کروں گا اور گاندھی کے ساتھ جیل جانے والا پہلا شخص ہوں گا مگر شرط یہ ہے کہ کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ فوری سمجھوتے کا اعلان کرے‘‘[۱۵]۔

۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات مسلم لیگ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھے کیونکہ اسے اس حقیقت کا ثبوت مہیا کرنا تھا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔ ان عام انتخابات میں اس مسئلہ کا بھی فیصلہ ہونا تھا کہ ہند تقسیم ہو یا نہ ہو۔ یعنی پاکستان کا بننا ان انتخابات پر موقوف تھا۔ مسلم لیگ نے یہ انتخابات مطالبہ پاکستان کی بنیاد پر لڑے اور تمام تر مخالفت کے باوجود فتح مند رہی۔ ان انتخابات نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کن فتح پر مہر توثیق ثبت کر دی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ نے تیس کی تیس مسلم نشستیں حاصل کر لیں جبکہ صوبائی اسمبلیوں میں وہ ۴۹۵ میں سے ۴۴۶ نشستوں پر کامیاب ہوئی۔ اس طرح اس نے مسلم ووٹوں کا ۸۸ فیصد حاصل کر لیا تھا[۱۶]۔

مسلم لیگ کی اس زبردست اور فقید المثال کامیابی میں پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی کی مساعی جمیلہ کا بڑا عمل دخل تھا۔ انتخابات نے ثابت کر دیا تھا کہ مسلمان ایک متحد قوت اختیار کر چکے ہیں۔ اور ان کو حصول پاکستان سے اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے اسمبلیوں کے نومنتخب اراکین کا اجلاس ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو قائداعظم کی زیر صدارت دہلی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں منظور ہونے والی ایک قرارداد میں مسلم قوم کے لئے ایک آزاد و خود مختار ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔ ان اراکین نے کنونشن میں حلف اٹھایا کہ وہ پاکستان کے مقصد کے حصول کیلئے ہر خطرے، قربانی اور آزمائش کا سامنا کریں گے۔[۱۷] یہ حلف نامہ جس پر قائداعظم محمد علی جناح نے بھی دستخط کئے تھے، ایک نادر اور تاریخی اہمیت کی حامل دستاویز ہے۔ اس کا مکمل انگریزی متن سید شریف الدین پیرزادہ کی کتاب "Foundations of Pakistan" کے صفحہ ۵۲۲۔۲۳ پر شائع ہو چکا ہے۔ اس حلف نامہ کا اردو متن رئیس احمد جعفری کی کتاب ’’خطبات قائداعظم‘‘ کے صفحہ ۴۲۲۔۲۳ پر شائع ہو چکا ہے۔

انتخابات نے برصغیر کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مسلم انڈیا (پاکستان) اور ہندو انڈیا (بھارت)۔ لیکن برطانوی اور ہندو سامراج اپنے مخصوص مفادات اور اغراض و مقاصد کے لئے اس کو متحد رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ کانگرسی علماء اور ہندو کانگرس[۱۸] کے اس من گھڑت الزام کہ پاکستان انگریز کے ذہن کی اختراع ہے، میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں۔ اس حقیقت کے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں کہ ہندو کے ساتھ ساتھ انگریز بھی برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے سخت خلاف تھے۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو برطانوی حکومت نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی غرض سے ''کابینہ مشن'' ہندوستان بھیجا۔ کابینہ مشن کے بیانات سے کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکومت برطانیہ نے بالآخر مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے اقتدار کانگرس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے کابینہ مشن کو ایک تار دیا جس میں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان پر زور دیا گیا اور اس کو متنبہ کیا کہ اگر مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج بہت سنگین ہوں گے۔ علامہ عثمانی نے اپنے تار میں لکھا کہ :

> ''پاکستان ہماری قوم کا کم سے کم مطالبہ ہے۔ ہر دو اقوام ہند کے مراکز اقتدار و حکومت خود اختیاری الگ الگ اور جداگانہ ہوں۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا پوری مسلم قوم کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ اس تاریخی قوم کے برانگیختہ جذبات کو سخت آزمائش و ابتلا میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسے خوفناک نتائج پیدا نہ ہوں جو سب کے لئے ناخوشگوار اور نقصان دہ ہوں۔ ہندوستان کے ایک اہم حصہ کو معطل کر کے کابینہ مشن اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا،،[۱۹]۔

دراصل کانگرس اور مسلم لیگ دونوں ہی نے کابینہ مشن پلان کو تسلیم کر لیا تھا لیکن متعصب، ہٹ دھرم اور تنگ نظر ہندو کی کابینہ مشن پلان کی من مانی تعبیر و تشریح کی وجہ سے مسلم لیگ نے اس کی منظوری واپس لے لی تھی۔ ہندو کانگرس کے نئے صدر جواہر لال نہرو نے ۱۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانگرس آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوگی تو وہ معاہدوں کی زنجیروں سے بالکل آزاد ہوگی اور جو بھی صورت حال پیدا ہوگی اس سے نپٹنے کے لئے پوری طرح مجاز و مختار ہوگی۔ نہرو نے یہ بھی کہا کہ مرکز کا دائرہ کار اگر محدود بھی ہو تب بھی اس کا بڑھتے رہنا ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر مرکز اپنا وجود ہی برقرار نہیں رکھ سکتا۔[۲۰]

کانگرسی رہنماؤں کے بیانات اور اس کی کابینہ مشن پلان کی تعبیروں سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی تھی کہ ہندو کانگرس اکھنڈ بھارت قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے اور یہ کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کبھی بھی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ ہندوؤں کے ان مکروہ عزائم کا مسلم لیگ نے نہایت سخت اور مسکت جواب دیا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد منظور کی کہ :

> اب وہ وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے حصول کے لئے مسلم قوم براہ راست اقدام کرے اور انگریزوں کے تحت موجودہ غلامی کے ساتھ آنے والے دور کی اس محکومی سے بھی نجات پالے جو اعلیٰ ذات کے ندوؤں کے غلبے سے پیدا ہوگی[۲۱]۔

اس طرح الیکشن ۱۹۴۵ء کے نتیجہ میں بننے والی مسلم لیگ اور کانگرس کی متحدہ وزارت کچھ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ دونوں قوموں کے نظریات اور مفادات متصادم تھے اور ان میں ٹکراؤ اور تصادم ناگزیر تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں :

> جب لیاقت علی خان وزیر خزانہ بنے، تو حکومت کی کلید ان کی تحویل میں چلی گئی۔ ہر محکمہ کی ہر تجویز کا معائنہ ان کے محکمہ نے ہی کرنا ہوتا تھا۔ مزید برآں بطور وزیر خزانہ انھیں حق استرداد بھی حاصل تھا۔ ان کے محکمہ کی اجازت کے بغیر کسی محکمہ میں چپڑاسی بھی بھرتی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سردار پٹیل وزارت امور داخلہ کو اپنے پاس رکھنے کا بہت مشتاق تھا۔ اب اسے سمجھ آئی کہ وزارت خزانہ کی پیشکش کر کے وہ مسلم لیگ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہے۔ پٹیل جو بھی تجویز پیش کرتا لیاقت علی خان اسے مسترد کر دیتے یا اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیتے۔ اس کی مسلسل مداخلت نے کانگرسی وزارتوں کے لئے موثر طور پر کام کرنا مشکل بنا دیا۔ اس طرح حکومت میں پھوٹ پڑ گئی جو بڑھتی چلی گئی[۲۲]۔

کانگرس کی طرف سے کابینہ مشن پلان کی من مانی تعبیر کی وجہ سے مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی میں شمولیت سے انکار کر دیا اور وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ دستور ساز اسمبلی توڑ دی جائے۔ اس کے جواب میں کانگرس نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلم لیگی وزراء کو برطرف کر دے۔ برطانوی حکومت بڑے مخمصے میں پڑ گئی اگر وہ عبوری حکومت سے مسلم لیگ کے اخراج کے بارے میں کانگرس کا مطالبہ مان لے تو سمجھوتے اور پرامن انتقال اقتدار کے تمام امکانات یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مسلم لیگ کے مطالبے پر دستور ساز اسمبلی کو توڑ دے تو کانگرس سے فوراً تصادم ہو جاتا ہے۔

لیاقت علی خان کا مالی بجٹ تقسیم ہند کی تجویز پر فیصلہ کن عامل کی حیثیت سے اثر انداز ہوا۔ اس بجٹ کی وجہ سے کانگرس نے تقسیم ہند کی تجویز کو منظور کر لیا اور اس طرح قائداعظم، مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کی بہت بڑی مشکل آسان کر دی۔ اس بجٹ کی سب سے اہم تجویز ایک لاکھ سے زائد کاروباری منافعوں پر ۲۵ فیصد سپیشل انکم ٹیکس کا نفاذ تھا۔ اس کے علاوہ اس بجٹ میں غریبوں کے لئے کچھ رعایتوں کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ بجٹ تجاویز کا مرکزی اسمبلی کے سارے حلقوں نے پر جوش خیر مقدم کیا تھا۔ کانگرس کے بہت سے اراکین کی زبانوں پر ’’پہلا قومی بجٹ‘‘ اور ’’غریب آدمی کا بجٹ‘‘ کے الفاظ تھے۔ لیکن ہندو سرمایہ داروں نے اس بجٹ کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا۔ ہندو

۴۵۲۲۱

سرمایہ داروں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کو بتایا کہ متحدہ ہند میں غربت زدہ مسلمان سماجی انصاف کے نام پر ہندوؤں کی دولت میں حصہ پانے کا مسلسل تقاضا کرتے رہیں گے۔ اس لئے جتنی جلدی ہو سکے ان افلاس زدہ مسلمانوں سے جان چھڑالی جائے۔

اب پٹیل نفسیاتی طور پر تقسیم کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ اپنی عجیب وغریب دوراندیشی سے سردار (پٹیل) اس حتمی فیصلے پر پہنچا کہ اگر ملک تقسیم نہ کیا گیا تو ساری سرزمین میں افراتفری اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی نے حقیقت پسندانہ نقطہ نظر اختیار کیا اور پٹیل سے اتفاق رائے کیا[۲۳]۔

۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں گزشتہ سات مہینوں سے ہند میں تشدد کے واقعات کا حوالہ دینے کے بعد کہا کہ ان المناک حادثات نے ظاہر کر دیا کہ جبر وتشدد اور دباؤ سے پنجاب کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی ایسے راستہ کا پتہ لگانا ضروری ہے جس میں کم سے کم جبر ہو۔ اس لئے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تاکہ غالب مسلم اکثریت کا حصہ غالب غیر مسلم اکثریت والے حصے سے علیحدہ ہو جائے۔ کانگرس کے صدر نے واضح کیا کہ بنگال کے لئے بھی انہیں خطوط پر تقسیم زیر غور ہے۔ نہرو نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء کو گوالیار میں اپنی ایک تقریر میں تقسیم ملک کی اہمیت پوری طرح واضح کر دی۔ اس نے کہا کہ کانگرس نے حال ہی میں عملی وجود کے پیش نظر ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں ملک کی تقسیم کو قبول کر لیا گیا ہے۔ چند دنوں کے بعد نہرو نے یہ کہا کہ ”مسلم لیگ اگر پاکستان چاہتی ہے تو وہ لے سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہند کے ایسے حصے نہ لے جائے جو پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے[۲۴]۔ اس طرح آخر کار کانگرس نے مسلم لیگ کا تقسیم ملک اور قیام پاکستان کا مطالبہ اصولی طور پر تسلیم کر لیا لیکن پاکستان بننے میں ابھی بہت سے مراحل باقی تھے۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ہندو کانگرس نے تقسیم ہند کو خوشدلی اور نیک نیتی سے نہیں بلکہ غم وغصہ کے ساتھ قبول کیا تھا۔ ہندوؤں کو اس بات پر بڑی مایوسی تھی کہ جب سارے ہند پر ان کا غلبہ ہونے والا تھا، عین اس وقت یہ نعمت ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جنرل سر فرانسس ٹکر نے لکھا ہے کہ :

> ”ہندوؤں کی اکثریت کا انداز فکر انتقامی تھا۔ ان کی باتوں کا لب لباب یہ تھا اچھا! اگر مسلمان پاکستان چاہتے ہیں تو اسے لے لیں اور اس کی پاداش بھی بھگتیں۔ جہاں تک ممکن ہوگا ہم ان کے علاقہ کا ایک ایک انچ کاٹ لیں گے تاکہ پاکستان نہ صرف احمقانہ حرکت معلوم ہو بلکہ زندہ رہنے کے قابل بھی نہ رہے اور جب بچا کھچا انہیں مل جائے گا تو پھر ہم اس قسم کا بندوبست کریں گے کہ پاکستان اقتصادی طور پر پنپ نہ سکے“[۲۵]۔

نومبر ۱۹۴۹ء میں آئین ساز اسمبلی میں سردار پٹیل کی ایک تقریر سے بھی جنرل ٹکر کے ان تاثرات کی پوری طرح تصدیق ہوتی ہے۔ اپنی تقریر کے دوران اس نے کہا تھا کہ :

> ”میں نے آخری چارہ کار کے طور پر تقسیم کو مانا تھا، جبکہ ہم سب کچھ کھو دینے کو تھے۔ مسٹر جناح کرم خوردہ پاکستان ہرگز نہیں چاہتے تھے، لیکن انہیں یہ تلخ نوالہ نگلنا ہی پڑا۔ میں نے یہ مزید شرط بھی لگا دی تھی کہ صرف دو ماہ کے عرصہ میں اقتدار منتقل کرنا ہوگا“[۲۶]۔

سردار پٹیل کے ان بیانات سے ہندوؤں کے اندرونی جذبات و محسوسات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ کانگرس کا تقسیم قبول کر لینا ایک جنگی چال تھی لیکن اس سے اسکے اصل مقصد، اکھنڈ بھارت کا قیام یعنی سارے ہند پر ہندوؤں کی حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

دریں اثنا ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہو چکا تھا اور امن عامہ کی روز بروز خراب ہوتی ہوئی صورت حال خانہ جنگی کا ساساں پیش کر رہی تھی۔ ان حالات میں وزیر اعظم برطانیہ لارڈ اسٹیلی نے انتقال اقتدار کی حتمی تاریخ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو اعلان کیا کہ ان کی حکومت جون ۱۹۴۸ء[27] تک اقتدار ہندوستانی نمائندوں کے سپرد کر دے گی۔ حصول مقصد کے لئے لارڈ ویول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا جو ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی پہنچ گیا۔ اس بات میں کوئی حقیقت نہیں کہ انگریز چونکہ ہند میں اپنے اقتدار سے دستبردار ہو رہے تھے، اس لئے یہاں ان کا کوئی مفاد باقی نہیں رہا تھا۔ درحقیقت انگریزوں کے سیاسی، اقتصادی اور دفاعی مفادات عالمگیر تھے۔ متحدہ ہند ہی ان کے مفادات کا بہترین ضامن تھا۔ لامحالہ انہوں نے اپنے مفادات کو ہند کے عوام اور پارٹیوں کے مفادات پر ترجیح دینی تھی۔

جن لوگوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کا تقرر کیا تھا ان کا قوی رجحان ہند کی دو بڑی پارٹیوں میں سے زیادہ طاقتور یعنی کانگرس کی طرف تھا اور وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے بہت خواہش مند تھے۔ مونٹ بیٹن کو بھی اس ترجیح کا اچھی طرح علم تھا اور اس کا ذاتی رجحان بھی اسی طرف تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کامیابی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ وہ ان مقتدر افراد کو ناراض کرنے کا خطرہ اور رسک مول نہیں لے سکتا تھا۔ جنہوں نے اس کے پیش رو کو برطرف کروا دیا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے ہندوستان پہنچنے کے بعد کچھ ہی عرصہ میں نہرو، جو کانگرس کا صدر تھا، سے ذاتی اور خصوصی مراسم قائم کر لئے اور ہندوستانی سیاست کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ لینا شروع کر دیا۔

قرارداد پاکستان کے مطابق پاکستان ایسے جغرافیائی طور پر متصل علاقوں میں قائم ہونا تھا جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ جیسا کہ ہند کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے خطوں میں اور ایسے علاقائی ردوبدل کے ساتھ جو ضروری ہو۔ یعنی پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال اس میں شامل ہونے تھے۔ لیکن کانگرس نے مطالبہ کیا کہ پنجاب اور بنگال کے غیر مسلم اکثریت کے علاقوں کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔

کانگرس کا رویہ عملاً یہ تھا کہ کابینہ مشن پلان پر کما حقہ عملدرآمد کی بجائے وہ ایک کرم خوردہ اور نامکمل پاکستان تسلیم کرنے کو ترجیح دے گی۔ کانگرس کے بعض رہنماؤں کو یہ امید تھی کہ جب مسلم لیگ کو ایک کرم خوردہ پاکستان سے دوچار کیا جائے گا تو وہ کابینہ مشن پلان کی وہ مسخ شدہ صورت بھی قبول کر لے گی جو کانگرس پیش کرتی تھی۔ لیکن یہ محض خوش فہمی تھی۔ اگر سوال کرم خوردہ پاکستان اور اصلی کابینہ مشن پلان کے درمیان انتخاب کا ہوتا تو مسلم لیگ موخرالذکر کا انتخاب کر سکتی تھی۔ لیکن اگر سوال کرم خوردہ پاکستان اور کانگرس کے نظریہ کے مطابق متحدہ ہند کے درمیان انتخاب کا تھا تو پھر کرم خوردہ پاکستان ہی قابل ترجیح تھا۔ الغرض مارچ ۱۹۴۷ میں کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے لئے ہی کرم خوردہ پاکستان قابل قبول تھا۔ اس طرح مونٹ بیٹن سے پہلے ہی تقسیم کا مسئلہ طے ہو چکا تھا لیکن تقسیم کے وقت، طریقہ کار اور حدود کا تعین باقی تھا۔

اس وقت تک قائداعظم مونٹ بیٹن پر اعتماد کرتے تھے۔ مونٹ بیٹن پر اس وقت قائداعظم کے اعتماد کی سب سے بڑی وجہ ان کا یہ یقین تھا کہ مونٹ بیٹن منصفانہ اور غیر جانبدارنہ تقسیم پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کرے گا۔ مونٹ بیٹن خود بھی اس بات پر بار بار زور دیتا رہتا تھا کہ "His mandate was impartiality"[28] "غیر جانبداری اس کا منصبی فرض ہے۔ قائداعظم کو معلوم تھا کہ اگرچہ کانگرس نے تقسیم کو منظور کر لیا ہے لیکن وہ پاکستان کو مسخ کرنے اور نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان کے اس قول میں یہی اشارہ ہے کہ :

"A moth-eaten Pakistan would be better than no Pakistan at all."[29]

یعنی پاکستان نہ ہونے سے کرم خوردہ پاکستان ہی بہتر ہے۔

لیکن اس بات نے تقسیم کی نوعیت اور طریق کار کو اور زیادہ اہم بنا دیا تھا۔ تقسیم کے منصوبے کو بروئے کار لانے میں انگریزوں کو اساسی کردار ادا کرنا تھا۔ اگر انہوں نے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان ترازو کو متوازن رکھا تو پاکستان کو کانگرس کی بدترین تاخت و تاراج سے بچایا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ لارڈ مونٹ بیٹن اور سیڈ کلف نے انصاف اور دیانت کے تمام اصولوں اور تقاضوں کو پامال کر کے رکھ دیا اور ہندوؤں کے ساتھ مکمل جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ تاریخ اس انٹرنیشنل بددیانتی، ناانصافی اور دھاندلی پر ان کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کے منصوبے کے مطابق برصغیر پاک و ہند کو دو آزاد و خود مختار مملکتوں پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست وجود میں آئی جو کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے صدیوں پرانے خواب کی عملی تعبیر تھی۔ تحریک قیام پاکستان کی اس جدوجہد میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ہر قدم بہ قدم بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے دست و بازو بنے رہے۔

سیاست اور اسلام

سیاست کے لغوی معنی حکومت، سلطنت اور ملکی انتظام کے ہیں۔ سیاسی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ ملکی انتظام کے بارے میں تعلق رکھنے والا ہو۔ مشہور سیاسی دانشور گروپس کے مطابق سیاست وہ علم ہے جو ریاست کی اہمیت، تشکیل کے مقاصد اور اس کے معاشی اور معاشرتی مسائل پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے سیاست کی تعریف اس طرح کی ہے :

"The systematic study of government process by the application of scientific methods of analysis. A study of the state and of the organs and institutions through which the state function."[30]

یعنی ریاست، اس کے اجزاء اور ادارے جس کے ذریعے ریاست کام کرتی ہے کا باقاعدہ سائنسی طریقوں اور تجزیوں سے مطالعہ سیاست یا اصول سیاست کہلاتا ہے۔

پس ملک و قوم کو حفاظت اور سلامتی کے ساتھ ترقی و خوشحالی کے راستے پر گامزن کرنا اور اس کو خطرات و مصائب سے محفوظ و مامون رکھنا، تاکہ دنیا میں اس کے وقار، عزت و منزلت میں اضافہ ہو، سیاست کہلاتا ہے۔

خلیفہ، امیر، صدر یا وزیر اعظم کا انتخاب نہایت ہی احتیاط کا محتاج ہے کیونکہ اسی کے حسن تدبیر پر ملکی ترقی و خوشحالی کا انحصار ہے۔ حاکم وقت پر تمام قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسلام میں یہ اختیار یا ذمہ داری امانت، نیابت اور خلافت کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

"انا عرضنا الامانة على السموت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها و حملها الانسان ط انه كان ظلوماً جهولا"۔

”ترجمہ : ہم نے اس امانت (قرآن) کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اس بار اٹھانے سے ڈر گئے اور انسان نے اٹھا لیا یقیناً وہ ظالم اور ناداں تھا“۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بارگاہ خداوندی سے قرآنی احکامات اور سنت رسول ﷺ کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ آنحضور ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ آپ نے اپنے قول وفعل سے زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ اس روئے زمین پر انسانیت کامل کے فرد اعلیٰ اور خدا کی خدائی کا سب سے افضل ترین نمونہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا"۔

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

اسلام کے فلسفہ اجتماع وتمدن اور سیاست صحیح کا نچوڑ اس آیت میں صاف نظر آ رہا ہے۔ اس سے زیادہ سیاست اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تمام انسانیت کو ایک مرکز پر لا کر جمع کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ اسلامی سیاست اور اسلامی ضابطہ حیات کو تسلیم کر چکے ہیں ان کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ تم زندگی کی روح اور قوت اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ قومیت اسلامی میں ہے جس کی بنیاد کی مضبوطی اللہ کی رسی یعنی اسلام یا قرآن کو متفقہ اور طور پر مضبوط پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اسلام میں نماز اسلامی برادری کی بہترین سیاسی اور فوجی، اخلاقی اور روحانی قوت اور مظاہرہ کا نام ہے۔ وہ ایک طرف روحانی منازل کی ارتقائی معراج پر مسلمانوں کو پہنچاتی ہے۔ دوسری طرف نماز اخلاقی بلندیوں پر پہنچانے کی ضامن ہے۔ تیسری طرف نماز سیاسی پلیٹ فارم ہے جو مسلمانوں کو ایک نیشنل قوت بخشتی ہے اور نماز ہی وہ اسلامی رکن ہے جو مسلمانوں میں فوجی سپرٹ پھونک کر ان کو ایک مجاہدانہ اور جانفروش قوم بننے کی تعلیم دیتی ہے۔ الغرض اسلام کا یہ رکن اپنے اندر اخلاقی، روحانی، سیاسی اور فوجی تمام ہی قوتیں رکھتا ہے۔

زکوٰۃ اسلام میں دولت کی تقسیم کا ذریعہ ہے۔ یہ سیاسی اور ملکی اقتصادیات کا سنگ بنیاد ہے۔ جس ملک کے صاحب نصاب مسلمان اپنے خداداد مال میں سے خدا کے لئے ملک کے غریب مسلمانوں کی مدد کریں گے تو اس ملک سے غربت اور افلاس ختم ہو جائیگی اور قوم خوشحال ہو جائے گی اور ایسا ملک باقی قوموں کے لئے قابل فخر ملک ہوگا۔ اسلام زکوٰۃ کے ذریعہ سے سسکتی ہوئی فاقہ زدہ روحوں کو سکون بخشنے میں مسیحائی کا کام دیتا ہے۔ جس سے کچلی ہوئی روحوں کو زندگی کا سامان فراہم ہو جاتا ہے اور یہی اصل سیاست ملکی ہے۔ اسلام زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے امیروں اور غریبوں کو ایک لیول پر لانا چاہتا ہے۔

ارکان اسلام میں روزہ شدائد ومصائب میں صبر وتحمل اور ہمت وایثار کا عجب مظاہرہ ہے۔ ملکی نوجوانوں کو ملکی دفاع میں سخت مشقت، تحمل شدائد اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بغیر سیاست وصیانت ملکی کا انصرام ناممکن ہوتا ہے۔ روزہ سیاست ملکی اور دفاع کی بہترین کڑی ہے۔

ارکان اسلام میں حج مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم، ایثار و قربانی اور ضبط کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس میں سیاست، عبادت جسمانی، عبادت مالی، سفر کی برکات اور دنیائے اسلام کو متحد و منظم کرنے کی پوری سپرٹ موجود ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ توحید اسلامی، وحدت عمل اور اتحاد و اخوت مسلمانوں کے لئے ایک بنیاد ہے۔ نماز فوجی مظاہرہ ہے، زکوٰۃ محکمہ مال ہے، روزہ محکمہ صحت اور حج ایک مرکزی کمان ہے جس کے ذریعے تمام دنیائے اسلام کی مرکزیت قائم کی جا سکتی ہے اور اسی نظریہ کے موید شبیر احمد عثمانی تھے۔

علامہ اقبال نے اس ساری بحث کو کس خوبصورتی کے ساتھ ایک شعر میں سمو دیا ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی![۳۱]

علماء اور سیاست

تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے علماء نے سیاست میں حصہ لیا ہے۔ کتاب و سنت کے عالم ہونے کی حیثیت سے حضرات علماء کرام نے اسلام کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی و نگرانی کا فرض ادا کیا ہے۔ اور لادینی سیاست کے غلط رجحانات اور گندی سیاست کی آلائشوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کی کوششیں کی ہیں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام ابوحنیفہ، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شبیر احمد عثمانی اور دوسرے اکابر امت نے اپنے اپنے زمانہ میں اور اپنے اپنے انداز میں جس طرح علم و فضل میں مسلمانوں کی پیشوائی کی ہے اس طرح سیاسی میدان میں بھی ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی ہے[۳۲]۔ سیاست علماء کے لئے شجر ممنوع نہیں رہا ہے اور علماء امت نے اس میدان میں بھی بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

علامہ عثمانی اور سیاست

علامہ شبیر احمد عثمانی بے نظیر مفسر اور جلیل القدر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سیاستدان بھی تھے۔ کسی قائد یا رہنما کی سیاسی خدمات یا سیاسی بصیرت پر قلم اٹھانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا اور اس کے لئے بڑی محنت اور عقل و دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی بھی دنیائے اسلام کی سیاست دان ہستیوں میں ایک ایسی ہستی ہیں جن کی سیاسیات کے لب بام تک پہنچنے کے لئے فہم کی ایک رسا کمند درکار ہے۔

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی لکھتے ہیں کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی سیاست کا آغاز جنگ بلقان سے ہوا۔ آپ نے ایک سچے مومن اور مرد مجاہد کی طرح ترکوں کی مالی اور اخلاقی مدد کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ آپ کا نظریہ تھا کہ ملت اسلامیہ کی احیاء اور اقتدار خلافت اسلامیہ کی بقا میں ہے۔ آپ نے خلافت، جمعیۃ الانصار، ترک موالات، جمعیۃ العلماء ہند اور جمعیۃ العلماء اسلام کی تحریکوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ تحریک پاکستان میں ان کے کارنامے تاریخ پاکستان کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ سیاست عثمانی کا مفصل تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

بعض اہل فکر وقلم کا یہ خیال ہے کہ علامہ عثمانی سیاست دان نہ تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی پیشہ ور سیاستدان ہرگز نہ تھے۔ وہ سیاست کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے نہ تھے کہ رات دن ان کو یہی شغل ہو۔ لیکن جب بھی امت مسلمہ اور وطن عزیز پر کوئی نازک وقت آتا یا مسلمانوں کے مفادات کو خطرہ لاحق ہوتا تو وہ کسی سے پیچھے نہ رہتے تھے۔ علامہ عثمانی صاحب قلم، صاحب لسان اور صاحب علم وحکمت سیاستدان تھے۔ مکالمۃ الصدرین میں عتیق الرحمٰن صاحب کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ تو سیاست سے ہمیشہ الگ رہا کرتے تھے، علامہ نے فرمایا:

> ”آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاست سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں۔ گزشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجئے اس سے پیشتر جمعیۃ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہی ہیں۔ ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کئے ہیں[۳۳]“۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق نائب وزیر داخلہ ونشریات پاکستان نے علامہ کی وفات پر اپنی نشری تقریر میں فرمایا:

> ”مجھے بعض ملی مسائل پر غور وخوض کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور دستور بنانے کے سلسلہ میں بھی مجلس دستور ساز کے اندر اور اس کے باہر تبادلہ خیالات کا موقع ملا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نہ صرف علم دین اور علوم مشرقی میں تجر رکھتے ہیں بلکہ سیاسی مسائل کو بھی سمجھنے میں وقت نظر اور وسعت فکر کے حامل ہیں۔ مصالح ملکی اور امور دین کا وہ صحیح امتزاج جو اسلام کی خصوصیت ہے مولانا کے قول وفکر میں نمایاں تھا[۳۴]“۔

پاکستان کے وزیر اعظم حسین شہید سہروردی نے علامہ عثمانی کے سیاستدان ہونے کو حسب ذیل الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

> ”مولانا کی شخصیت زہد وتقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متجر عالم تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں جدید رجحانات کا بدرجہ اتم احساس تھا۔ وہ واحد انسان تھے جو موجودہ زمانے کے تقاضوں اور الجھنوں کا اسلامی افکار کی روشنی میں حل بتا سکتے تھے۔ انہوں نے اسلامیان ہند کی جس انداز میں قیادت اور رہنمائی کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا[۳۵]“۔

قاری محمد طیب قاسمی نے علامہ کی سیاست اور سیاسی خدمات کا یوں اعتراف کیا ہے :

> ''شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا۔ ملکی اتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں جچی تلی رائے قائم کرتے تھے۔ شیخ الہند کی تحریک ''ریشمی رومال'' میں شریک رہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ وہاں کی قوم نے آپ کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے یاد کیا[۳۶]''۔

قرارداد مقاصد کی تیاری اور منظوری بھی ان کے سیاستدان ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ ڈھاکہ کے خطبہ میں انہوں نے پاکستان کے لئے جن بنیادی قوانین اور اصولوں کو پیش کیا ہے وہ ان کی اسلامی قانون سازی، قانون دانی اور سیاست کے بہترین آئینہ دار ہیں۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بھی آپ کی سیاسی خدمات اور سیاست کے زبردست معترف تھے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ علامہ عثمانی نہ صرف زبردست عالم دین تھے بلکہ ایک عظیم سیاستدان بھی تھے۔ امت مسلمہ پر جب بھی کوئی نازک وقت آیا آپ نے ہر مرحلہ پر قوم کی رہنمائی فرمائی۔ علامہ کی سیاست کا آغاز جنگ بلقان سے ہوتا ہے۔

جنگ بلقان اور علامہ عثمانی

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۱۹۱۱ء کی جنگ بلقان وطرابلس سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور مسلمانوں کی بڑی سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ جنگ بلقان برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ یونانیوں سے ترکوں کا تصادم کروا کر ان کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ یہ وقت ترکی کے مسلمانوں پر بڑا نازک اور کٹھن تھا۔ علامہ عثمانی جن کے دل میں ملت اسلامیہ کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بھلا کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ آپ نے مختلف شہروں، قصبات اور دیہات کے طوفانی دورے کئے اور ترکوں کی امداد کے لئے اس مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ یہاں سے علامہ عثمانی کی سیاست کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانان عالم کا احیاء اور ان کا اقتدار خلافت اور سلطنت عثمانیہ کی بقا میں ہے۔ اگر سلطنت ترکیہ باقی نہیں رہتی تو خلافت ترکیہ کے ختم ہو جانے سے مسلمانوں کی مرکزیت اور طاقت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اپنے استاد شیخ الہند کے اشارے اور خود اپنے ذاتی جذبہ اسلامی سے آپ نے جنگ بلقان میں تاریخی کردار ادا کیا اور ایک سچے مومن اور مجاہد کی طرح مردانہ وار ترکوں کی مدد کی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے ترک بھائیوں سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔ اس لئے جنگ بلقان سے مسلمانان ہند سخت متاثر ہوئے۔ علمائے دیوبند اس تاثر میں آگے آگے تھے۔ شیخ الہند تو سب سے زیادہ متاثر تھے۔ اس لئے ترکوں کی امداد کی خاطر ایک وہ وقت آیا جبکہ دارالعلوم دیوبند کو بھی بند کر دیا گیا اور تمام علمائے دیوبند اور طلبہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں چندے کے لئے پھیل گئے۔ علمائے دیوبند خصوصاً علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس زمانہ میں ترکوں کی امداد کے لئے دن رات ایک کر دیا۔

جنگ بلقان میں مسلمانان ہند کی پر جوش سرگرمیوں نے ان کے اندر ایک عام سیاسی اور مذہبی بیداری پیدا کر دی اور تحریک خلافت میں وہ انگریزوں کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔

دارالعلوم دیوبند، ہلال احمر اور علامہ عثمانی

جنگ بلقان کے موقع پر دارالعلوم دیوبند نے ترکوں کی ہر طرح مالی اور قلمی مدد کی۔ دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ جاری ہوا جس میں ترکوں کی مدد کو فرض قرار دیا گیا۔ یہ فتویٰ ایک لاکھ کی تعداد میں چھپوا کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا گیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی ''القاسم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''دارالعلوم کا فتویٰ جو گزشتہ (القاسم کے) نمبر میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تک مختلف طور پر ایک لاکھ سے زیادہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے دارالعلوم اور اس کے متعلق مدارس کے مدرسین اور طلبہ کے وفود قصبات اور دیہات تک ہند کے اطراف میں دورہ کر کے روسا، علماء، مشائخ اور عوام کو متوجہ کرتے رہے ہیں۔ محض ان لوگوں (وفود دارالعلوم دیوبند) کے مواعظ اور اس کی جماعت کی مساعی جمیلہ سے ایک بڑی مقدار جس کا تخمینہ تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں کیا جاتا مقامی انجمنوں اور اخبارات کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اراکین دارالعلوم کی معرفت بھی پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) سے زیادہ جمع ہو چکا ہے اور یہ روپیہ عموماً نیشنل بینک کے توسط سے پریذیڈنٹ ہلال احمر[۳۷] قسطنطنیہ کے نام سے پہنچایا گیا ہے[۳۸]،،

دارالعلوم دیوبند کو اس دوران بند کر دیا گیا کیونکہ علماء دیوبند کے سامنے تعلیم سے زیادہ اہمیت سلطنت عثمانیہ کی حفاظت وحمایت اور دفاع تھا۔ شیخ الہند اپنے جانثار شاگردوں کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئے اور ایک خطیر رقم ترکوں کی امداد کے لئے انجمن ہلال احمر کی معرفت ارسال کی۔ علامہ عثمانی بھی دارالعلوم کے ایک ہونہار اور قابل فرزند تھے اور شیخ الہند کے خاص الخاص شاگرد تھے۔ وہ بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی اس سلسلے میں عظیم خدمات سر انجام دیں۔

القاسم کے پرچے میں ہلال احمر کے نام چندے کی جو فہرستیں شائع ہوئی ان میں کئی جگہ آپ کا نام درج ہے۔ آپ نے کاندھلہ ضلع مظفر نگر کا دورہ کیا اور ۳۱۵ روپیہ کی رقم جمع کی حالانکہ وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ دوسری رقم ۲۰۸ روپے آپ کے نام درج ہے۔ پھر ایک اور رقم اومری ضلع مراد آباد سے آپ کے نام درج ہے اس معمولی گاؤں سے مولانا کی معرفت ۲۰۰ روپیہ کی رقم وصول ہوئی۔ [۳۹] خورجہ ضلع بلند شہر سے ایک خطیر رقم ۱۷۵۰ روپے آپ کی معرفت ہلال احمر کے فنڈ میں جمع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رقم ۱۵۰ روپے خورجہ سے موصول کر کے آپ نے دار العلوم میں داخل کی۔ کل رقم دو ہزار پانچ سو اٹھانوے روپے آپ کی معرفت جمع ہوئی۔ خود دار العلوم میں جو جلسہ ہوا اس میں جو رقم آپ کے ذریعہ داخل ہوئی وہ اس کے علاوہ ہے [۴۰]۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی [۴۱] نے وہ رقم جو شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ذریعہ کاندھلہ سے ہلال احمر میں جمع کی گئی اس کو اس دور کے دس لاکھ روپیہ کے مساوی بتایا ہے [۴۲]۔ الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی نے جنگ بلقان میں اپنے ترک بھائیوں کی مدد کے لئے انجمن ہلال احمر کے ذریعے فنڈ جمع کر کے عظیم خدمات سرانجام دیں [۴۳]۔

جمعیۃ الانصار میں علامہ عثمانی کی شاندار خدمات

جمعیۃ الانصار شیخ الہند کی تحریک تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ یہ تنظیم ۱۹۰۹ء میں دیوبند میں قائم کی گئی۔ اس انجمن کا مقصد مسلمانوں میں مذہبی، سیاسی اور علمی بیداری پیدا کرنا تھا۔

اغراض و مقاصد

''بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تمام زندگی خدمت اسلام، دعوت الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ اور عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مناظروں میں گزری۔ اسی نقش قدم پر دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی حیات طیبہ بسر ہوئی۔ جنگ بلقان سے پہلے شیخ الہند نے مستقبل پر نظر ڈالی اور اس خیال میں محو ہو گئے کہ کسی طرح انگریزوں سے ہندوستان خالی کرایا جائے اور ممالک اسلامیہ ترکی، ایران، افغانستان اور آزاد قبائل کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرایا جائے اور پھر دوبارہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اور مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے جنگ بلقان سے پہلے شیخ الہند نے ۱۹۰۹ء میں دار العلوم دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی اور اپنے جانثار شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو اس کا ناظم اور کنویز بنایا۔ اس کے جلسوں میں علی گڑھ ندوہ، دار العلوم دیوبند اور ہندوستان کیا اعاظم رجال شریک ہوتے تھے۔ جمعیۃ الانصار کے جلسوں میں بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ شیخ الہند کی سکیم پر عمل کیا جاتا تھا اور پروگرام بنتے تھے۔ ان جلسوں کی کامیابی اور مسلمانوں کی بیداری سے حکومت برطانیہ چونک اٹھی شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے جمعیۃ الانصار میں بڑا سرگرم کردار ادا کیا [۴۴]۔

اقبال احمد صدیقی اپنی تصنیف قائداعظم اوران کے سیاسی رفقاء میں لکھتے ہیں :

> ''۱۹۰۹ء میں جب مولانا شبیر احمد عثمانی فتح پوری دہلی کی مسجد کے مدرسہ عربیہ میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ وہاں ان کی خطابت اور دلنشین انداز بیان کا جوہر خوب نمایاں ہوا۔ انہی دنوں داعی انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ وہاں انہوں نے جمعیۃ الانصار کی بنیاد ڈالی اور تنظیمی امور پر کام شروع کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ان تنظیمی جلسوں اور مجالس میں شرکت کے لئے اکثر دیوبند آتے۔ جبکہ یہ بحث اور گفتگو سراسر مسلمانان ہند میں صحیح مذہبی شعور اور ملی نظم وضبط پیدا کرنے کے لئے وقف ہوتی تھی۔ مولانا عثمانی اس ضرورت کے پوری طرح حامی تھی کہ مسلمان من حیث القوم جمود و انحطاط کی کیفیت سے ایک قوت متحرکہ کے طور پر ابھریں[۴۵]''۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی جمعیۃ الانصار کے سرگرم رکن تھے۔ اس کی مجلس منتظمہ میں آپ کو بھی خصوصیت کے ساتھ شامل کیا گیا تھا۔ جہاں اس میں مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا محمد انور شاہ کشمیری جیسے حضرات تھے وہاں ان میں مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے نوجوان عالم وفاضل کی شمولیت اور انتخاب بہت ہی باعث شرف ہے۔ اس انجمن کا مقصد مسلمانان ہند میں مذہبی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔

کمیٹی اصلاح نصاب وطریقہ تعلیم وتعلم

ابھی آپ دہلی کے مدرسہ سے وابستہ تھے لیکن آپ جمعیۃ الانصار کی میٹنگ میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لائے۔ ۱۱۔۱۲ محرم ۱۳۲۸ھ کو آپ نے اصلاح نصاب وطریقہ تعلیم وتعلم کی میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ کو ابنائے قدیم کے ایک جلسے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے آپ کو ایک خاص نوازش سے شرف بخشا۔ مولانا عبیداللہ سندھی صاحب لکھتے ہیں :

> ''مولانا اشرف علی صاحب نے حضرت مولانا (محمد قاسم) مرحوم کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب سے فرمایا کہ مولوی شبیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ فتحوری دہلی کو چونکہ مولانا مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں۔ آپ اس امر کا اعلان فرمادیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدرافزائی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد سلطان العلماء (مولانا محمود الحسن صاحب) مدظلہم سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحب عم فیضہم نے اپنا عمامہ مولوی بیر احمد صاحب کے سر پر رکھا[۴۶]''۔

استاد کے سامنے شاگرد کی یہ عزت افزائی کتنی بڑی سعادت تھی۔ اس واقعہ نے علامہ عثمانی کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

جمعیۃ الانصار مراد آباد

جمعیۃ الانصار کے کام کی اہمیت کی وجہ سے آپ شوال ۱۳۲۸ھ کو دہلی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ کیونکہ ان اہم کاموں کو سرانجام دینے کے ایک قادر الکلام مقرر اور انشا پرداز کی ضرورت تھی اور علامہ عثمانی ان دونوں کاموں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

مولانا عثمانی دارالعلوم میں فرائض تدریس کے ساتھ جمعیۃ الانصار کے کاموں میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ گویا علمی، مذہبی، قومی، ملی اور سیاسی تمام ہی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

جمعیۃ الانصار کا پہلا جلسہ ۱۵۔۱۶ اپریل ۱۹۱۱ء کو مراد آباد میں ہوا۔ اس میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنا زبردست مقالہ ''الاسلام'' پڑھا۔ جس کو سن کر تمام اہل علم اور ممتاز اشخاص انگشت بدنداں رہ گئے۔ خود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا تھا کہ :

> ''جو دلاء عقلیہ ہ وجود صانع حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحب نے بیان فرمائے ہیں میں اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں''۔

مورخ اسلام سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :

> ''جمعیۃ الانصار کا بہت بڑا جلسہ مراد آباد میں ہوا جس میں علی گڑھ، ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے الاستاذ شبلی مرحوم بھی شریک ہوئے تھے اس جلسہ میں مولانا شبیر احمد صاحب نے ''الاسلام'' کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے بہت داد دی اور یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا[۴۷]''۔

جمعیۃ الانصار کا یہ جلسہ مولانا عثمانی کی شخصیت کو چمکانے کا سبب بن گیا۔ اکابر، علماء، فضلاء اور عوام و خواص سے آپ کا تعارف ہوا اور آپ کی شہرت بام عروج پر پہنچ گئی۔ یاد رہے کہ اس وقت آپ کی عمر صرف چوبیس سال تھی۔

جمعیۃ الانصار میرٹھ

جمعیۃ الانصار کا دوسرا جلسہ ۶۔ ۷ اپریل ۱۹۱۲ء کو میرٹھ میں ہوا۔ شیخ الہند سرپرستی فرما رہے تھے۔ علامہ عثمانی نے اپنا زبردست مقالہ ’’الدار الآخرۃ‘‘ علماء اور پبلک کے بہت بڑے جلسے میں پڑھ کر سنایا۔ سامعین محو حیرت رہ گئے اور سب آپ کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ اس کے بعد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا وعظ شروع ہوا۔ مولانا عثمانی تھانوی سے عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر آپ کے علم و فضل کی وجہ سے حضرت تھانوی آپ کی بڑوں جیسی عزت کرتے تھے۔ وعظ شروع کرنے سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانی کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا:

> ’’میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں۔ اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے۔ میں تو یہی خیال کرتا ہوں یہ مولوی شبیر احمد صاحب جن کی تقریر آپ نے سنی ہے میرے چھوٹے ہیں مگر میں ان کو بڑا سمجھتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ یہ سب کچھ کر لیں گے۔ اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ بعدہ مولانا نے دعا کی اس کے بعد آپ نے اپنا وعظ شروع کیا‘‘۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاں سے شاذ و نادر ہی کسی کو داد ملتی تھی کیونکہ کوئی ان کے معیار کو نہ پہنچتا تھا مگر حضرت عثمانی نے ان کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور وہ ہر جلسے میں مولانا تھانوی سے داد اور دعا وصول کر رہے تھے۔ یہ آپ کے لئے بہت بڑی سعادت اور اعزاز تھا۔

جمعیۃ الانصار شملہ

شملہ میں جمعیۃ الانصار کا پہلا جلسہ ۹۔ ۱۱ اگست ۱۹۱۳ء کو منعقد ہوا۔ علامہ عثمانی نے معجزات کی بحث پر ایک زبردست مدلل تقریر فرمائی جس سے حاضرین جلسہ بے حد متاثر ہوئے اور دوبارہ تقریر کی فرمائش کی۔ لوگوں کی فرمائش پر آپ نے "ان الدین عند اللہ الاسلام" پر نہایت پر مغز اور مؤثر تقریر فرمائی۔ آپ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ عقلاً و نقلاً اگر کوئی مذہب حق ہو سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے[۴۸]۔

اس جلسے میں اگرچہ بہت سے علماء شریک تھے لیکن سامعین جلسہ نے جس فاضل مقرر کو دوبارہ سننے کی فرمائش کی وہ علامہ عثمانی ہی تھے۔

شملہ میں جمعیۃ الانصار کا دوسرا جلسہ

جمعیۃ الانصار کا یہ دوسرا جلسہ اہل شملہ کی پرزور فرمائش پر ۱۔۳ اگست ۱۹۱۴ء منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے رپورٹر عبد القادر صاحب تائب تحریر فرماتے ہیں :

''فصیح البیان مولانا شبیر احمد عثمانی کا ''برکات رمضان شریف'' پر وعظ شروع ہوا۔ آپ کی تقریر نہایت دلفریب تھی اور ہر ہر جملے سے فصاحت ٹپکتی تھی۔ اس کے بعد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے ''حدوث عالم'' پر اپنی مدلل تقریر شروع کی۔ اگر چہ مضمون فلسفی اور نہایت خشک تھا مگر آپ کی صاف بیانی نے مجمع پر وہ جادو کیا کہ سب محو حیرت تھے زور کلام سے سامعین نقش تصویر کی طرح خاموش تھے۔ کہیں کہیں آپ کی تمثیلیں اس غضب کی تھیں کہ لوگ پھڑک اٹھتے تھے۔ الحمد للہ کہ یہ جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوگیا۔ لیکن سامعین کا شوق پورا نہ ہوا۔ چنانچہ نو تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے یہ درخواست کی گئی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ایک تقریر ہمارے تنزل و ترقی کے اسباب پر آج بعد مغرب فرمائیں[۴۹]''۔

علامہ عثمانی کی دو تقریریں ہو چکنے کے باوجود اہل شملہ نے آپ سے ایک اور تقریر کرنے کی فرمائش کی۔ سامعین کا شوق تھا کہ پورا نہ ہوتا تھا۔ یہ بار بار کی فرمائشیں آپ کے علم وفضل، تقریر کی بلند پروازی اور دلربائی کے نشانات بتلا رہی ہیں۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی نے جمعیۃ الانصار کے پورے کے پورے پروگرام میں ایک خاص مشن اور جامع منصوبے کے ساتھ بھرپور شرکت کی۔ وہ اس جمعیۃ کے نصاب میں ترمیم و تنسیخ اور اسکی تجدید میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ جمعیۃ الانصار کے شعبہ قاسم المعارف میں مصروف عمل دکھائی دیتے ہیں۔ موتمر الانصار میں زبردست مقالے پڑھتے اور اپنی تقریروں سے مسلمانوں کے دلوں کو مرادآباد، میرٹھ اور شملہ میں گرماتے نظر آتے ہیں۔ عالم اور مقرر تو اور بھی تھے لیکن جس مقرر کو سننے کی لوگ بار بار فرمائش کرتے تھے وہ علامہ عثمانی تھے۔ اپنے علم وفضل اور قوت خطابت کی وجہ سے وہ تمام ہندوستان میں ایک جید عالم کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ ان جلسوں میں بعض اکابر کو چھوڑ کر جتنا علامہ عثمانی کو سراہا گیا اتنا اور کسی کو نہیں سراہا گیا۔ ہر جلسہ میں انہی کا طوطی بولتا نظر آتا ہے۔ جمعیۃ الانصار کے ہر جلسے میں علامہ عثمانی لسانی جہاد میں مصروف ہیں۔ وہ ہر جلسہ کی آن بان ہیں۔ جس سے دین اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے ان کی سرگرمیاں اور محنت پسندیاں مترشح ہوتی ہیں۔

جمعیۃ الانصار کے ثمرات ونتائج

جمعیۃ الانصار اپنے مقصد قیام یعنی مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی شعور و بیداری پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہی۔ جمعیۃ الانصار نے علماء اور قوم کو ایک راستے پر لگا دیا۔ اس نے ملک میں عام اسلامی بیداری پیدا کی اور دارالعلوم کے لئے ایک تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی اور انقلابی پروگرام تشکیل دیا۔ اس نے ان قوتوں کو جگایا اور جھنجھوڑا تھا جو مردہ نیم مردہ یا خستہ حالت میں تھیں اور جن میں برف کی طرح کا جمود اور یخ کی طرح کی نمود تھی۔ جمعیۃ الانصار نے ان منجمد مادوں کو پگھلایا اور ٹھٹھری ہوئی قوتوں کو گرمایا جو ناامیدی وکسالت کا شکار ہو چکی تھیں۔ وہ خون جو رگوں میں رک رک کر چلتا تھا اس کو صاف کر کے بہایا، جو چراغ ٹمٹما رہے تھے ان کو بھڑکایا اور جو شمعیں جھلملا رہی تھیں ان کو ابھارا۔ زندہ دلان اسلام کے نقشہائے کہن کو جو مٹتے جا رہے تھے چمکایا اور مجاہدین علمائے ربانی کے کارناموں کو اجاگر کرنے کا بیڑا اٹھایا قاسمی اور سیدی افکار میں تازہ روح پھونکنے کا پیغام دیا اور قوم سے تحسین وآفرین کا سلام لیا۔ مسلم قوم میں مذہبی اور سیاسی شعور، نظم وضبط اور جذبہ جہاد بیدار ہو گیا اور وہ ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو گئی۔

تحریک خلافت میں پرجوش حصہ

خلافت کے لغوی معنی جانشینی، نیابت اور خاص معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جانشین کے ہیں۔ عام طور پر لفظ خلیفہ نائب اور جانشین کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب کے نزدیک یہ نیابت کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے، موت کے سبب سے بھی ہوسکتی ہے اور عجز ومعذوری کے سبب بھی، محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے بھی ہوسکتی ہے[۵۰]۔

خلافت کا پس منظر اور حقیقت

اسلام میں مسئلہ خلافت نہایت ہی اہم اور عظیم الشان مسئلہ ہے۔ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد کسی ایسے شخص کی ضرورت رہی جو اللہ کے احکام ان کا خلیفہ بن کر اسلامی حکومت میں جاری کرے۔ ایسا شخص خلیفہ کہلاتا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق پوری احتیاط اور تقویٰ، عدالت اور انصاف سے قرآن وسنت کی روشنی میں احکام خداوندی کا اجراء خلافت راشدہ کا نازک فریضہ ہے۔ جس کی حقیقی روح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں کارفرما تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد خاافت بنوامیہ اور بنوعباس میں منتقل ہو گئی اور پھر ہوتے ہوتے خاندان عثمانیہ ترکیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ یہ تمام خلفاء کسی نہ کسی شکل میں خلافت کا کام انجام دیتے رہے لیکن خلافت کا اصل نقش مٹتا چلا گیا۔ تاہم پھر بھی نظام حکومت میں اسلام کو غلبہ حاصل رہا اور مسلمان ان کا بحیثیت خلفاء پورا احترام کرتے تھے۔

مسلمانوں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ اسلامی اقتدار و افکار کی احیاء اور ترقی خلافت اسلامیہ کی بقا میں مضمر ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اسی نظریہ کے موید تھے۔

مسلمانوں نے تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں بڑی شاندار قربانیاں دیں۔ گاندھی اور علی برادران میں سمجھوتے کے بعد دونوں تحریکیں متحد ہوگئیں۔ ہندو مسلم تعاون نقطہ عروج پر جا پہنچا۔ مسلمانوں نے عیدالاضحیٰ پر گائے کی قربانی بھی بند کردی۔ حتیٰ کہ ہندو رہنما گاندھی سے جامع مسجد دہلی میں خطاب کرایا گیا۔ اسی طرح کئی اور ہندوؤں سے بھی ہندو مسلم اتحاد کی خاطر مسجدوں میں خطاب کرایا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قوت نے حکومت کو متزلزل کردیا اور قریب تھا کہ انگریز اپنا رویہ تبدیل کرلیں کہ گاندھی نے ۴ فروری ۱۹۲۲ء کو اچانک تحریک عدم تعاون کے خاتمہ کا اعلان کردیا۔ اس کا اثر تحریک خلافت پر بھی پڑا۔ مسلمانوں پر اس کا ردعمل سب سے زیادہ اور بہت ہی شدید ہوا۔ ان کا احساس یہ تھا کہ جب وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونے ہی والے تھے، ان سے غداری کی گئی اور ان کی پشت میں خنجر گھونپ دیا گیا۔

علامہ عثمانی نے تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لیا لیکن وہ ہندوؤں کے ساتھ بے حد وحساب اتحاد اور شعائر اسلامی میں مداخلت کے سخت خلاف تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ :

"He had participated in the Khilafat Movement, but he was opposed to ectravengant acts against the teachings of Islam in demonstrations of unity with the Hindus ".[51]

یعنی آپ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا لیکن آپ ہندوؤں کے ساتھ بہت زیادہ اتحاد قائم کرنے کے خلاف تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیز اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلامی کے خلاف تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی خلافت کی حفاظت اور آزادی وطن کے لئے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے پرجوش حامی تھے لیکن ایک عالم دین ہونے کی وجہ سے وہ اس بات کے سختی سے مخالف تھے کہ شعائر اسلام اور اسلامی تعلیمات میں کسی قسم کی کتر و بیونت یا تحریف و زیادتی ہو۔ آپ نے ان خلاف اسلام حرکات کا سختی سے نوٹس لیا آپ کا فتویٰ ترک موالات اس پر دلیل ہے کہ آپ ایک حد سے زیادہ ہندو مسلم اتحاد کے سخت خلاف تھے کیونکہ یہ چیز شعائر اسلامی کے خلاف ہے۔ کافر اور مسلم میں حقیقی اتحاد ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ مسلمانوں کی قیادت و سیادت اور قسمتوں کا فیصلہ ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دینے کے خلاف تھے۔

تحریک خلافت اور مولانا اشرف علی تھانوی

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف اور اصلاح امت و ہدایت

خلق کی طرف مائل تھا۔ اپنی درویشانہ طبع کے پیش نظر عملی سیاست اور سیاسی تحریکات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے لیکن سیاسی مسائل پر مولانا واضح اور غیر مبہم رائے رکھتے تھے جس کا اظہار محل وقوع کے لحاظ سے گاہ بگاہ کرتے رہتے تھے۔ جب بھی کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو آپ نے اس بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر نتائج وعواقب واضح کرنے اور ملت کی علمی وروحانی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا۔ تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون اور ہندو مسلم اتحاد کے اس طوفانی اور بحرانی دور میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیوبند کے ایسے واحد ممتاز عالم اور بزرگ تھے جنہوں نے ان تحریکات اور مشترکہ جدوجہد میں شرکت سے انکار کیا۔ وہ اسے مسلمانوں کے لئے باعث خیر نہیں سمجھتے تھے۔ اس موقف پر وہ پورے عزم کے ساتھ قائم رہے اور ہر طرح کے طعن وتشنیع برداشت کرتے رہے۔

مولانا تھانوی کو چونکہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ اصل مقصد یعنی اسلامی حکومت کے قیام میں کامیابی نظر نہیں آرہی تھی اس لئے آپ کانگرس کی متحدہ قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ اس کے برعکس وہ اسلام اور کفر کی بنیاد پر مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کے زبردست موید تھے۔ ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لئے وہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ تنظیم کے پرجوش حامی تھے۔ ان کا خیال شروع سے یہ رہا کہ مسلمانوں کی الگ تنظیم ہونی چاہیے۔ وہ ان ساری تحریکات کو اپنے خیال میں درست نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے علی الاعلان فرمایا کہ ہندوؤں سے حقیقی اتحاد کی صورت ممکن نہیں ہندو اپنی فطرت کے باعث کبھی مسلمانوں کا دوست نہیں ہوسکتا۔ اس سے انگریز بدرجہا بہتر ہے۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کے اس جذباتی زمانہ میں جو بھی ہندو مسلم اتحاد کے خلاف بات کرتا اس کو سخت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انگریزوں کا وظیفہ خوار اور گورنمنٹ کا آدمی کہا جاتا، قتل کی دھمکیاں دی جاتیں۔ دراصل تحریک خلافت کی تائید میں رائے عامہ اس قدر طاقتور اور پرزور تھی کہ کوئی یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ جلسوں میں یا اخبارات میں اس کی مخالفت کرے۔ حضرت تھانوی اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں :

> ”زمانہ تحریک خلافت میں مجھ پر قسم قسم کے الزامات لگائے گئے اور بعض عنایت فرماؤں نے دھمکی کے خطوط بھی لکھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ عنقریب تمہارے چراغ زندگی کو گل کر دیا جائے گا۔ غرض ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کے نہ قلب میں دین تھا نہ خدا کا خوف، نہ کوئی قاعدہ اور آئین۔ جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ میں اس زمانے میں بھی

حسب معمول جنگل جایا کرتا تھا اب بھی جاتا ہوں۔ ایک دن ایک بوڑھا ہندو راجپوت جنگل میں ملا۔ اس نے کہا میاں کچھ خبر بھی ہے کہ کیا ہو رہا ہے یعنی تمہارے متعلق کیا کیا تجویزیں ہیں۔ میں نے کہا مجھے اس چیز کی بھی خبر ہے جس کی تمہیں خبر ہے اور ایک اور چیز کی بھی خبر ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔ وہ یہ کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ تو وہ ہندو کہتا ہے تمہیں کچھ جوکھم یعنی خطرہ نہیں جہاں چاہو پھرو[۵۲] ،،۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانہ میں جب مقتدر علماء اور شیخ الہند نے فتویٰ کے ذریعہ اس کو جائز قرار دیا تو اس وقت خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے ایک فتویٰ مولانا ظفر احمد عثمانی نے جاری کیا جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ فتویٰ مولانا اشرف علی تھانوی کی ایما پر دیا گیا۔ اس فتوے کے تحت تحریک ترک موالات کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ دراصل مولانا تھانوی کو کانگرس اور ان کے ساتھ متفق علماء کے طریق کار سے اختلاف تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی تحریک چلانا پسند نہیں تھا۔ ان کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ کیا نکلا، ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے یہ ہندو ہی تھے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کافرانہ حکومت سے نجات اور برصغیر کی آزادی کے خلاف نہیں تھے لیکن وہ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ آپ تخیل پاکستان اور اسلامی نظام کے زبردست موئید و حامی تھے۔ مولانا تھانوی نے برصغیر پاک و ہند میں ایک آزاد و خود مختار اسلامی ریاست کا تصور علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد سے بھی دو سال پہلے ۱۹۲۸ء میں پیش کیا تھا[۵۳]۔

تحریک خلافت اور قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح نے بھی ان تحریکات میں کوئی حصہ نہیں لیا کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں گاندھی کی غیر معمولی دلچسپی کا اصل مقصد اپنی قیادت کا سکہ جمانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس وقت کے تمام فعال سیاسی رہنماؤں میں قائداعظم وہ واحد سیاسی رہنما تھے جنہوں نے گاندھی کی مخالفت کی اور کہا کہ گاندھی کے طور طریقے ہمیں تباہ کن انتشار کی طرف لے جائیں گے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو سلطنت عثمانیہ اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کی فکر کسی سے کم نہیں تھی مگر وہ ہر دشواری کی کلید اس کو سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے وطن میں اختیار و اقتدار پہلے حاصل ہو۔

وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ غلامی اور کمزوری میں ان کی جدوجہد کا طاقتور اور منظم فائدہ ہندو اٹھائیں گے۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت کو مدعی سست اور گواہ چست والی بات بھی سمجھتے تھے۔ انجم زاہد اپنی کتاب ''تقسیم کی بنیاد'' میں لکھتے ہیں کہ :

> ''انہوں (قائداعظم) نے تحریک خلافت کی بھی مخالفت کی اور ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے وہ صحیح سمجھ رہے تھے کہ مدعی سست اور گواہ چست والی بات ہے۔ ہندوستان کے مسلمان بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہیں اور ان کی اس جذباتیت سے گاندھی مزے لے کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ ان کی اس صاف گوئی پر اس وقت کے تمام مسلمان اکابرین اور مذہبی رہنما ان کے سخت مخالف ہو گئے اور ان کی ذات کو ہدف ملامت بنایا۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور آخر میں وہی صحیح ثابت ہوئے اس لئے کہ خود ترکی نے ہی خلافت کو اپنے گھر سے خیر باد کہہ دیا''[۵۴]۔

تحریک خلافت اور مولانا احمد رضا خان

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ جس اہم شخصیت نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں حصہ نہیں لیا اور اس کی مخالفت کی وہ بریلوی مکتبہ فکر کے سب سے بڑے عالم مولانا احمد رضا خان تھے۔ فاضل بریلوی کا موقف یہ تھا کہ ہندو مسلم اتحاد ناقابل عمل ہے اور یہ اتحاد نہیں ہونا چاہیے۔

تحریک خلافت کے ابتدائی ایام میں علی برادران یعنی مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی فاضل بریلوی کے پاس گئے اور اپنی تحریک میں شمولیت اور تحریک عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط کرنے کی درخواست کی تو مولانا نے فرمایا :

> ''مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔'' پھر فرمایا مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں[۵۵]''۔

تحریک خلافت کے نتائج واثرات

۱۹۲۳ء میں ترکی میں خلافت کی جگہ جمہوریت نے لے لی اور ۱۹۲۶ء میں سعودی عرب نے بھی بادشاہت کا اعلان کر دیا تو کچھ سالوں کے بعد تحریک خلافت خود بخود دم توڑ گئی۔ تحریک خلافت کی ناکامی سے درج ذیل اثرات و نتائج برآمد ہوئے :

○ انگریز کے لئے سب سے زیادہ خوشی اور تفاخر کی بات یہ تھی کہ ایک بھائی کو دوسرے ایسے بھائی سے شکست ہوئی ہے جس کی خاطر پہلا بھائی جان تک قربان کر گیا ہے۔ تحریک خلافت کی ناکامی نے نہ صرف مسلمانان ہند کو عالمی سطح پر شرمندہ کیا بلکہ ہندوؤں کے ہاتھوں خود کو مالی، اقتصادی اور ذہنی طور پر شکار بنوایا۔

- تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور تحریک عدم تعاون مین مسلمانوں نے ہر جگہ نقصان ہی نقصان اٹھایا لیکن انہیں کسی طرف سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کلاسوں کے بائیکاٹ کی وجہ سے مسلمان بچوں کی تعلیم کا نقصان ہوا۔ بازاروں میں ہڑتال کی وجہ سے ان کا مالی وتجارتی نقصان ہوا۔ علماء کے فتوؤں پر مسلمانوں نے سرکاری ملازمتوں سے استعفے دیئے جس سے وہ بری طرح اقتصادی و معاشی بحران میں مبتلا ہو گئے۔
- تحریک خلافت نے کئی اور تحریکوں کو جنم دیا مثلاً تحریک ہجرت، تحریک عدم تعاون اور جمعیۃ العلماء ہند کی تحریک۔
- تحریک ہجرت سے مسلمانوں کا بے انتہا جانی و مالی نقصان ہوا۔
- گاندھی کی سازش اور غداری پر ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ ہو گیا۔
- پورے عالم اسلام کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ مسلمانان ہند غلام ہونے کے باوجود متحرک ہیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے اخوت و ہمدردی کا بے انتہا جذبہ موجود ہے۔
- مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا فاخر الہٰ آبادی، مولانا عبد الماجد بدایونی[٥٦]، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علامہ شبیر احمد عثمانی مسلمانوں کے رہنماؤں کے طور پر سامنے آئے۔
- مسلمانوں کے اندر اتحاد و یگانگت کا اضافہ ہوا۔ مسلمانان ہند مذہبی اور سیاسی طور پر اور زیادہ بیدار ہو گئے اور انگریزوں سے آزادی کی منزل قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔
- انگریز پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ مسلمان جب برسرپیکار ہوتا ہے تو وہ ہو ہر طرح کی سنگلاخ زمین سے گزرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مسلم قوم اگر اپنے بھائی کی خاطر اس قدر جانفشانی سے لڑ سکتی ہے تو وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کرے گی۔
- تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے پروگرام کے ہر حصہ پر مسلمانوں نے مذہبی جوش و جذبہ اور اخلاص سے عمل کیا تھا۔ مسلمان جذبہ آزادی میں سرشار تھے۔ اس زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ انگریز جواب تک بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے، لٹیرے اور غاصب قرار دیئے گئے اور برطانوی راج کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔ لوگوں کے دلوں سے فوج، پولیس اور حکومت کے دوسرے جابرانہ ساز و سامان کی ہیبت نکل گئی اور ہزاروں لوگ ہنستے کھیلتے جیلوں مین چلے گئے۔ ہر غیر ملکی چیز مسترد کر دی گئی۔

○ وہ جوش وجذبہ، عشق ومردانگی اور فعالیت جو تحریک خلافت کے زمانہ میں مسلمانوں میں پیدا ہوا اس سے مسلم قوم جنگ پاکستان لڑنے کے قابل ہوگئی۔ وہ جو قائداعظم کی ایک آواز پر پوری مسلم قوم ہر معرکے کے لئے تیار ہوگئی تحریک خلافت ہی کی تیاری کا نتیجہ تھا۔

تحریک ترک موالات اور علامہ عثمانی

موالات کے لغوی معنی باہم ایک دوسرے کو ولی بنانے کے ہیں اور ولی کے معنی قاموس اللغت میں دوست کے بھی ہیں اور ناصر ومددگار کے بھی ہیں اور قریب کے بھی اور متصرف کے بھی۔ امام ابن جریر طبری کے نزدیک موالات کے معنی معاونت اور مناصرت کے ہیں[۵۷]۔

فیروز اللغات میں موالات کے معنی باہمی اتحاد اور آپس کی دوستی کے ہیں۔ پس ترک موالات سے مراد عدم دوستی یا عدم تعاون (Non-Cooperation) ہے۔

خلافت اور ترک موالات کے زمانہ میں علامہ عثمانی تمام علماء ہند کی بہترین سیاسی اور مذہبی نمائندگی کرتے رہے۔ تحریک پاکستان کے نامور کارکن حکیم آفتاب احمد قریشی رقمطراز ہیں :

> ''مولانا عثمانی نے برصغیر پاک وہند کی سیاسی تحریکات میں بیش از بیش حصہ لیا۔ ہندوستان میں ترک موالات کی عہد آفرین تحریک کا آغاز ہوا تو مولانا عثمانی پیش پیش تھے[۵۸]،،۔

شیخ الہند ۱۳ جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہا ہو کر دیو بند پہنچے تو ہندوستان میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات شباب پر تھی۔ انگریزوں کے خلاف سخت نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد زوروں پر تھا۔ ان حالات میں شیخ الہند بھلا کب خاموش رہ سکتے تھے۔ ترک موالات کا فتویٰ اس زمانے میں آپ کی طرف سے شائع ہوا۔ جب ترک موالات کی تحریک کے سلسلے میں آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب کے لئے اپنے ارشد تلامذہ مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو جمع کیا اور فتویٰ لکھنے کا حکم دیا۔ اس پر ان تینوں حضرات نے ترک موالات پر فتوے لکھے۔ ان میں شیخ الہند کو علامہ عثمانی کا تحریر کردہ فتویٰ پسند آیا جو اٹھائیس صفحات پر مشتمل تھا اور جمعیۃ العلماء ہند کے دوسرے عظیم الشان سالانہ اجلاس ۱۹۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو بمقام دہلی شیخ الہند کی زیر صدارت پڑھا گیا۔ اس جلسے میں پانچ سو علماء شریک تھے۔ اس خطبے کو علماء نے بے حد پسند فرمایا۔ یہ علامہ عثمانی کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ آپ نے شیخ الہند کی زندگی ہی میں بہت سے اہم مواقع پر ان کے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے خطاب کیا۔ اس طرح شیخ الہند نے آپ کو اپنی زندگی میں اپنا قابل فخر جانشین بنا دیا تھا۔

فتویٰ ترک موالات سے اس محقق عالم کے خیالات ونظریات اور انگریزوں سے ترک موالات پر شرعی وفقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس خطبہ میں انگریزوں سے موالات و دوستی اور تعاون کے ترک پر شرعی اور سیاسی حیثیت سے تبصرہ کیا گیا ہے۔

فتویٰ ترک موالات کے اہم اقتباسات

علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ فتویٰ خطبہ کی شکل میں علماء وفضلاء کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ فتویٰ ترک موالات کے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں :

ترک موالات

''کسی قوم کی فتح وظفر کے دو ہی طرح کے سامان ہو سکتے ہیں۔ مادی یا روحانی۔ انہی روحانی اسلحہ میں سے ایک وہ ہتھیار ہے جس کو ترک موالات یا ترک تعاون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ترک موالات کی تحریک انشاء اللہ یقیناً مؤثر ہے بشرطیکہ قوم متفق ہو کر اس کو انجام دے۔ اگرچہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس میں بہت سے شبہات بھی پیدا کئے گئے ہیں لیکن جس قدر اس مسئلہ پر نکتہ چینی کی جا رہی ہے اس قدر وہ زیادہ واضح اور قوی تر ہوتا جا رہا ہے۔ آج کل سب سے زیادہ جو غلط فہمی پھیل رہی ہے وہ یہ ہے کہ ''ترک موالات'' دوستی اور محبت چھوڑنے کا نام ہے لیکن تعلقات اور معاملات کا چھوڑنا اس میں داخل نہیں[۵۹]۔

تحقیق لفظ موالات

میں کہتا ہوں کہ موالات کے لغوی معنی باہم ایک دوسرے کو ولی بنانے کے ہیں اور ولی کے معنی قاموس اللغت میں دیکھ لیجیے۔ دوست کے بھی ہیں اور ناصر و مددگار کے بھی ہیں اور قریب کے بھی اور متصرف کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا موالات میں ان میں سے کسی معنی کا قصد کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر طبری جن کی تفسیر کو امام التفاسیر کہنا چاہیے۔ اولیاء کی تفسیر اعواناً وانصاراً وظہراً سے فرما رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ موالات کے معنی معاونت اور مناصرت کے ہیں۔ کیا حضرت حاطبؓ کو کفار کے ساتھ واقعی محبت قلبی اور دوستانہ تعلق تھا۔ کوئی شخص صحابی بدری کی نسبت یہ یقین نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک ظاہری معاملہ معاونت کا انہوں نے کفار کے ساتھ ایسا کیا تھا جو ایک رفیق، رفیق کے ساتھ کرتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

''یایھاالذین امنو لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودة وقد کفروبما جاء کم من الحق،،

ترجمہ: اے مسلمانو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو یار و مددگار مت بناؤ۔ پیغام بھیجتے ہو ان کی طرف دوستی کا۔ حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی کے جو تمہارے پاس آئی ہے۔

پس بداہتہً ثابت ہوا کہ موالات صرف محبت قلبی تک محدود نہیں بلکہ ہر اس معاملہ اور ہر ایسی اعانت و امداد جس سے ایک دوسرے کی رفاقت مترشح ہوتی ہو موالات کے تحت میں داخل ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ ایسی ایسی صریح تفاسیر کے بعد ہر ایک سمجھدار آدمی یقین کر لے گا کہ موالات اور ترک تعاون متقارب الفاظ ہیں۔ ہاں ترک تعلقات یا ترک معاملات ان دونوں میں ان دونوں سے کچھ تعمیم ہے۔ ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ جو تعلقات اور معاملات موالات اور مناصرت کے تحت میں آ جائیں وہ حرام ہیں۔

بلاشبہ ترک موالات کا حکم ایک دائمی اور عام حکم ہے لیکن اس قوم کے مقابلے میں وہ اور بھی زیادہ موکد ہو جاتا ہے جس نے اعلانیہ مسلمانوں پر چڑھائی کی اور ان کو ان کی بستیوں سے نکالا۔ چنانچہ سورہ ممتحنہ کی یہ آیت کفار کی اس تقسیم کو خوب واضح کرتی ہے:

”لاينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين۔ انماينهكم الله عن الذين قتلوكم فى الدين واخرجوكم من دياركم و ظاهرو اعلى اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون“۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور منصفانہ سلوک کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنیوالوں کو چاہتا ہے۔ خدا تو تم کو ان لوگوں کی موالات سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہاری بستیوں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مدد دی اور جو لوگ ان سے موالات کریں وہی ظالم ہیں۔

ان عبارتوں سے کفار کے ساتھ موالات اور مناصرت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

آگے چل کر مسلمانوں کا کفار کے ساتھ تعاون کے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”جو مسلمان قوم اپنی بدبختی سے کسی کافر قوم کے زیر حکومت آ گئی ہو اور اپنے ہاتھ پاؤں غیر مسلم حکمرانوں سے خوب بندھوا چکی ہو اس کی قابل تاسف بیچارگی کا خیال فرما کر حق تعالیٰ شانہ نے

ترک موالات کے حکم میں تھوڑی سی گنجائش بھی رکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

"لایتخذالمومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقو منھم تقة"

ترجمہ: مسلمان، مسلمانوں کے سوائے کافروں کو اپنا یار ومددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ سرو کار نہیں مگر یہ کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرتے رہو۔

پس ترک موالات کے وقت ایک محکوم ومقہور قوم کو حاکم وقاہر کے مقابلہ میں اپنے نفع وضرر کا پورا پورا موازنہ کر لینا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے جس سے مسلمانوں کی عام ہلاکت کا اندیشہ ہو[٦٠]،،۔

کفار کے ساتھ خرید وفروخت

اس استثنائی حالت کو بیان کرنے کے بعد کفار کے ساتھ خرید وفروخت اور دیگر معاملات کے متعلق علامہ لکھتے ہیں :

،،اس موقع پر یہ بھی فراموش نہ کیجئے کہ نفس بیع وشرا (خرید وفروخت) اجارہ (ٹھیکہ) وغیرہ و معاملات موالات میں داخل نہیں ہاں اگر بیع ایسی چیز کی کافر محارب کے ہاتھ کی جائے جس سے مسلمانوں کے مقابلے پر کام لے گا مثلاً ہتھیار کی یا لوہے کی (جو ہتھیار کا مادہ ہے) اس کو ہدایہ وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے،،۔

مسلمان اپنے شعائر کیوں نہیں اختیار کرتے

علامہ عثمانی مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے اور شعائر اسلامی اختیار کرنیکی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

،،بہت سے علماء کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان خطاب واپس کرتے اور ملازمتیں چھوڑتے ہیں لیکن وہ الحادو زندقہ، فسق وفجور، حب دنیا، حب جاہ، اور کفار کے وہ اوضاع واطوار نہیں چھوڑتے جو انہوں نے یورپ سے لئے ہیں اور جو حقیقتاً موالات ہیں۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان موالات کو سب سے پہلے چھوڑیں اور اپنی صورت، اپنا لباس، اپنی معاشرت، اپنے خیالات اسلامی طریقوں پر بنائیں اور اوضاع واطوار کفار اور ان کے خیالات سے پرہیز کریں۔ کانفرنسوں اور کمیٹیوں کے جلسوں کی ہنیات کذائی میں یورپ کی نقل اتارنا اور ان کے طرز پر استقبال اور آرائشیں اور ریزولیشن وغیرہ پاس کرنا، داڑھیاں منڈانا، مونچھیں بڑھانا، انگریزی کوٹ پتلون وغیرہ پہننا یا ہندوانہ صورتیں بنانا، صوم وصلواۃ وغیرہ کا پابند نہ ہونا بلکہ اس کا استہزاء کرنا، اپنی نجی مجالس میں بے ضرورت انگریزی بولنا یہ سب اوضاع واطوار کفار میں داخل ہیں اور یقیناً علماء کا فرض ہے کہ وہ ترک موالات کے نظام عمل میں ان چیزوں کو مقدم رکھیں،،۔

کفار کی رسوم میں شرکت

علامہ عثانی ایک نہایت اہم، نازک اور شرعی حیثیت سے قابل گرفت مسئلہ پر مسلمانوں کو توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں :

''بہت سے خیر خواہ ہندو مسلم اتفاق کے عواقب کے بعد عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کاران خلافت کا گوشالہ میں پہنچانا یا قشقہ لگانا یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ''رام رام ست'' کہتے ہوئے جانا یا یہ کہنا کہ امام مہدی کہ جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو نثار بت پرستی کرنا یا یہ دعا کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سربرآوردہ کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرکات یا کفریات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بدتمیزی کا روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے مگر پھر شیطان اخرس اور لجام النار[٦١] والی وعیدیں یاد آتی ہیں اور فان الذکری تنفع المومنین (نصیحت کرنا مومنین کو نفع بخشتا ہے) امید کی ایک جھلک پیدا کرتی ہے۔ تو ناچار یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اپنے خیالات مسئلہ کے ہر ایک پہلو پر واشگاف طریقہ سے ظاہر کر دینے چاہئیں،،۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال[٦٢]

شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کا نظریہ یہ تھا کہ تحفظ خلافت اور آزادی وطن کے لئے ہندوؤں سے صرف اسقدر تعاون کیا جائے کہ حدود الٰہی اور شعار اسلامی میں کوئی مداخلت نہ ہو، اسلام کو کوئی ضعف نہ پہنچے اور مسلمان دب کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اپنے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں :

''اگر یہ اب مسلمان متفقہ طور پر اسلامی خدمت کے لئے صبر و استقامت کی ڈھال لے کر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آ جائے۔ دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور

مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوت ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئی ہے۔ اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔ فرزندان توحید آج تمہارے ایمان اور اخلاص کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون ان کے جلال اور جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اگر تم کو میدان حشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے، اگر تم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آرزو ہے تو اس کے پاک دین کی حفاظت کرو۔ اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو۔ اس کی امانت توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی سمجھو[۶۳]''۔

شیخ الہند کی زندگی کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی تھا اور وہ جذبات میں بہہ کر شریعت کے حکم میں کسی حالت میں بھی کوئی نرمی کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اپنے اسی خطبہ صدارت میں ہندوؤں کی ترک موالات میں شرکت کرنے کے متعلق فرماتے ہیں۔

''برادران وطن نے تمہاری اس مصیبت میں جس قدر تمہارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور کر رہے ہیں وہ ان کی اخلاقی مروت اور انسان شرف کی دلیل ہے۔ اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دے دیں۔ کسی دوسرے کی چیز اٹھا کر دے دینے کو احسان نہیں کہتے۔ اس لئے آپ برادران وطن (ہندو سکھوں) کے احسان کے بدلے میں وہی کام کر سکتے ہیں جو اخلاقی اور شریفانہ طور پر اپنے اختیارات سے کر سکتے ہیں۔ مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں۔ اس پر تمہارا اختیار نہیں ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ حدود مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے میں احسان کرو اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لئے کھڑی ہو جائیں جو تمہارے مذہب، تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے[۶۴]''۔

اپنے استاد شیخ الہند کی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کی زندگی اور سیاست کا مقصد صرف اور صرف اسلام کی خدمت اور سربلندی تھا۔ وہ کسی تحریک میں ایسی روش کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو شریعت سے ادھر ادھر ہو جائے اور جس میں جذبات کے تحت کسی غیر اسلامی حرکت یا شعار کو کوئی مسلمان اختیار کرے وہ مسلمانوں کو غیر اسلامی شعائر ترک کر کے صحیح اسلامی شعار اختیار کرنے کی بھی تلقین کرتے رہے ہیں۔

جناح کفایت بات چیت اور علامہ عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سیاستدان بھی تھے۔ ان کی سیاست کا مقصد ملت اسلامیہ کا اتحاد و ترقی اور اسلام کی سربلندی تھا۔ آزادی وطن کے سوال پر برصغیر کی ملت اسلامیہ میں ایک عجیب قسم کا نفاق و انتشار تھا۔ مسلم لیگ ایک آزاد خود مختار پاکستان کے حق میں تھی۔ مسلم لیگ کے علاوہ باقی تمام غیر مسلم اور مسلم جماعتیں بشمول جمعیۃ علماء ہند متحدہ ہندوستان کے حق میں تھیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم جماعتوں میں یکجہتی، اتحاد اور تعاون کے متمنی تھے اور یہ اسلامی اتحاد وقت کا اہم ترین تقاضا بھی تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں قائداعظم محمد علی جناح سے بمبئی میں طویل مذاکرات کئے۔ واپس دیوبند پہنچ کر آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کے لیڈروں سے مذاکرت کئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ اور جمعۃ العلماء ہند میں اختلاف دور کرانے اور انہیں متحد کرنے کے لئے مولانا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلماء ہند اور قائداعظم محمد علی جناح صدر مسلم لیگ کے درمیان ایک ملاقات کا انتظام کرایا۔ مذاکرات سے پہلے علامہ عثمانی نے ٦ فروری ١٩٤٠ء کو قائداعظم کو ایک خط[٦٥] کے ذریعے مذاکرات کے انعقاد کی اطلاع دی۔ تحریک پاکستان کے موضوع پر یہ نادر تاریخی دستاویز نیشنل آرکائیوز اسلام آباد کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ قارعین کی دلچسپی کیلئے اس خط کا عکس بطور ضمیمہ منسلک کیا جاتا ہے۔ ملاحظ فرمائیں ضمیمہ نمبر ا ـــــــ

چنانچہ آپ کی کوششوں سے مارچ ١٩٤٠ء میں قائداعظم اور مفتی کفایت اللہ کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ اخبار خلافت کے نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق مسٹر جناح نے مناہمث کے لئے یہ شرط رکھی کہ ارکان جمعیۃ العلماء ہند کانگرس سے استعفیٰ دے دیں اور مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مفتی صاحب نے یہ شرط مان لینے پر آمادگی ظاہر کی مگر مسلم لیگ کو ایک معینہ مطالبہ حکومت برطانیہ کے سامنے رکھنے کو کہا جو آزادی کامل پر مبنی ہو اور حکومت اگر منظور نہ کرے تو مسلم لیگ جارحانہ اقدام کرے۔ مگر مسٹر جناح نے جارحانہ اقدام کرنے کے وعدے سے انکار کر دیا۔ روزنامہ مدینہ نے بھی اس قسم کی خبر نشر کی۔ مگر اخبار کی یہ خبر غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ ١٣ مارچ ١٩٤٠ء کو یہ خبر مدینہ اخبار میں چھپی اور فوراً بعد ٢٣ مارچ ١٩٤٠ء کو قرارداد پاکستان منظور کی گئی تو قائداعظم کو ایسا یقین دلانے میں کیا اعتراض تھا۔ دراصل حقیقت یہ تھی کہ مفتی کفایت اللہ بے بس تھے اور ارکان جمعیۃ العلماء ہند کی اکثریت کانگرس کے انتہاپسند عناصر کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی۔

علامہ عثمانی جمعیۃ العلماء ہند

جمعیۃ العلماء ہند مسلمانوں کی ایک فعال اور موثر تنظیم تھی اور علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے سرگرم اور پر جوش رکن رہے۔ لیکن جب اس نے کانگرس سے پینگیں بڑھائیں اور ہر معاملہ میں ہندو کانگرس کا نقطہ نظر اپنالیا اور بلاشرط ومعاہدہ کانگرس میں شمولیت اختیار کی تو اس کا یہ رویہ آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوگیا آپ نے اس سے دلبرداشتہ ہوکر جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد رکھی اور تشکیل پاکستان میں سرگرم عمل ہوگئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان صدیوں سے اکٹھے رہ رہے تھے۔ اگر کانگرس مسلمانوں کے ساتھ امتیازی اور ناروا سلوک نہ کرتی اور مسلم قوم سے کوئی باقاعدہ منصفانہ معاہدہ کرلیتی تو نہ مسلمان علیحدہ ہوتے اور نہ ہندوستان کی تقسیم ہوتی۔ اسلام ایک جامع اور عالمگیر مذہب ہے اس میں سیاست کوئی علیحدہ بات نہیں بلکہ سیاست اور اسلام ایک ساتھ چلتے ہیں۔ حضرت علامہ عثمانی کوئی پیشہ ور سیاستدان نہیں تھے لیکن جب بھی امت مسلمہ پر کوئی نازک وقت آیا تو علامہ نے ہر مرحلہ پر قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ کی سیاست کا آغاز جنگ بلقان سے ہوتا ہے۔ آپ نے جنگ بلقان میں اپنے مسلمان ترک بھائیوں کی مالی اور اخلاقی مدد کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی پبلک شہرت کا آغاز جمعیۃ الانصار سے ہوتا ہے۔ آپ کا شمار جمعیۃ الانصار کے بانی ارکان میں ہوتا ہے۔ جمعیۃ الانصار کے جلسوں میں علامہ کی موثر تقریروں سے آپ کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور آپ کے علم وفضل کے چرچے ہونے لگے۔ تحریک خلافت میں آپ کی پر جوش اور ولولہ انگیز تقریروں نے سوئی ہوئی مسلم قوم کو بیدار کردیا اور ان میں ایک نیا جذبہ بیدار کردیا۔ تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لینے اور جلسوں میں زبردست تقریروں سے علامہ کی تمام ملک میں دھوم مچ گئی اور آپ شعلہ مقال اور جادو بیان مقرر وخطیب کے طور پر سامنے آئے۔ فتویٰ ترک موالات آپ کے علم وفضل پر گواہ ہے۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں آپ نے مذہبی جوش وجذبہ سے حصہ لیا اور زبردست خدمات سرانجام دیں لیکن وہ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلامی میں کسی قسم کی تحریف وزیادتی ہو۔ وہ اس بات کے بھی سخت خلاف تھے کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی برصغیر کی تمام مسلم جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند میں اختلاف ختم کرانے کے لئے بے مثل خدمات سرانجام دیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کی تحریک میں آپ نے بے مثال اور عظیم الشان مذہبی، ملی اور سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا سیاسی مقام بہت بلند ہے۔ انہوں نے ملت اسلامیہ کی عظیم الشان ملی اور سیاسی خدمات سرانجام دی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1. Rajendra Parsad "*India Divided*" Bombay. Hind Kitabs.1947. p 85.
2. Philips Woodruff "*The Men who Ruled India*: The Founders" London, Jonathan Cap, 1959, p.93
3. W.W. Hunter "*The Indian Musalmans*" Calcutta, Comrade Publishers, 1945, 3rd Edition, p.3.

(۴) سرسید احمد خان (۱۸۱۷ دہلی ۱۸۹۸ء) معروف مسلم مفکر، سیاستدان، مجاہد آزادی، دوقومی نظریہ کے زبردست داعی، تحریک علی گڑھ کے بانی، مدیر "تہذیب الاخلاق"، مصنف "رسالہ"۔

(۵) الطاف حسین حالی "حیات جاوید" لاہور، پنجاب اکیڈمی، ۱۹۵۷ء، ص ۱۹۴

(۶) سید حسن ریاض "پاکستان ناگزیر تھا" کراچی، کراچی یونیورسٹی شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جون ۱۹۸۲ء، ص ۴۴---؛ سید اصغر علی شاہ جعفری "تحریک پاکستان اور اس کا پس منظر" لاہور، نیو بک پیلس، (ت۔ ن)، ص ۶۰

(۷) سید عبدالصمد پیرزادہ گورنمنٹ کالج سیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں تاریخ کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ آپ کے بہت سے تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے جمعیۃ علماء اسلام پر ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر چکے ہیں۔

(۸) سہ ماہی "فکر ونظر" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔ جون، ۱۹۹۵ء، ص ۷۱

9. H.V.Hodson *The Great Divide* Karachi, Oxford University Press, 1969, p.41--; *A Short History of Pakistan* Karachi University, 1967, Vol.IV. p.202.
10. Syed Sharifuddin Pirzada *Foundations of Pakistan* Karachi, National Publishing House, 1969, Vol-II, p.305
11. Jamil-ud-Din Ahmed *Speeches and Writings of Mr. Jinnah* Lahore, Sheikh Muhammad Ashraf, Vol-I, p.104--; Dr. M.A.Aziz *A History of Pakistan: Past and Present* Lahore, Sange-Meel Publications, 1979, p.156.
12. Richard Symond *The Making of Pakistan* London, Faber and faber, 1957, p.91
13. Jamil-ud-Din-Ahmed, ed, Op. Cit, I.c.160-62--; Syed Rais Ahmad Jafri *Rare Documents* Lahore, Muhammad Ali Acadmy, 1967, pp.243-45.

(۱۴) چودھری محمد علی ترجمہ بشیر ارشد "ظہور پاکستان" لاہور، مکتبہ کارواں، ۱۹۸۱ء، ص ۵۸

(۱۵) ڈاکٹر صفدر محمود "پاکستان تاریخ و سیاست" لاہور، جنگ پبلشرز، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۳۱

16. I.H.Qureshi *The Muslim Community of the Indo - Pakistan - Sub-Continent* Karachi, Maaref Ltd, 1977, p.334--; Ch. Muhammad Ali "*The Emergence of Pakistan*" Lahore, Research Society of Pakistan, March 1996, p.48:

17. Syed Sharifuddin Pirzada, Op. Cit., pp.522-23

(۱۸) قائداعظم محمد علی جناح کانگرس کو ہندو کانگرس کہتے تھے اور ہندوؤں کی حکومت کو مسلمانوں کیلئے بے حد خطرناک سمجھتے تھے، اس لئے اسے ہندو سامراج کہتے تھے۔ (خان عبدالولی خان "حقائق: حقائق ہیں" پشاور، ولی باغ، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۶)

(۱۹) مولانا حسین احمد مدنی "پاکستان کیا ہے؟" دہلی، ناظم جمعیۃ العلماء ہند، حصہ اول (ت۔ن)، ص ۳۶۔۔۔؛ مولانا حسین احمد مدنی "تحریک پاکستان کا حقیقی پس منظر" لاہور، مکی دارالکتب، مئی ۱۹۹۵ء، ص ص ۱۵، ۳۰

(۲۰) روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ، ۱۴ اپریل ۱۹۴۶ء۔۔۔؛ پروفیسر احمد سعید "حصول پاکستان" لاہور، ایجوکیشنل ایمپوریم، اگست ۱۹۷۲ء، ص ص ۲۵۰۔۵۱

21. Michael Breacher, *Nehru : A Political Biography* London, Oxford University Press, 1959, p.316

22. Muhammad Ashraf, (*ed*), *Cabinet Mission and After* Lahore, Muhammad Ashraf, 1946, pp.309-10

23. Abul Kalam Azad *India Wins Freedom* Calcutta, Orient Longmans, 1959, pp.167-68.

24. Kewal L. Panjabi *The Indomitable Sardar* Bombay, Bharatiya Vidya Bhavan, 1962, p-123

25. Michael Breacher, Op. Cit, P.345--; V.P.Manon *The Transfer of Power in India* Calcutta, Orient Longmans, 1957, p. 354.

26. Sir Francis Tuker *While Memory Serves* London, Cassel, 1950. p.257

27. Kewal.L.Panjabi, Op. Cit, p.124

28. Mansergh, N., *The Transfer of Power*, 1942-7, Vol. XII, Viceroy's Personal Report No.17, 16 August, 1947, document 489, p. 757.

29. Alan Campbel Johnson *Mission With Mountbatten* London, Robert Hale, 1953, p.76.

30. Lord Ismay *Memoirs* London, Heinemann, 1960, p.420.

31. *Encyclopaedia of Brilannica* 1977, Vol, 14, p.702.

(۳۲) اقبال "بال جبریل" لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، جون ۱۹۸۲ء ص ۴۰

(۳۳) معروف صوفی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی کا اصل نام شیخ احمد تھا۔ آپ ۱۵۶۳ء کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق تک جا پہنچتا ہے۔ ابتدائی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ سال کی عمر میں تمام دینی علوم سے فارغ ہو گئے۔ اکبر کے دین الٰہی کے خلاف آپ نے جہاد کیا اور عتاب شاہی کا نشانہ بنے۔ آپ نے اکبری عہد کے ایک فرقے الفیہ، جس کا عقیدہ تھا کہ اسلامی تعلیمات صرف ایک ہزار سال کے لئے تھیں، کے خلاف بھی جہاد کیا اور ہزاروں مسلمانوں کو گمراہی سے نکال کر جادہ حق پر گامزن کیا۔ آپ نے اسلام کو اتنا مضبوط اور توانا کر دیا کہ آپ کو مجدد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کا مجدد کہا جانے لگا۔ ۱۶۲۴ء کو واصل حق ہوئے۔

(۳۴) مولانا طاہر احمد قاسمی "مکالمۃ الصدرین" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن) ص ۱۶

(۳۵) ماہنامہ "آہنگ" کراچی، جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۱

(۳۶) روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۳۷) مولانا محمد طیب قاسمی "تاریخ دارالعلوم دیوبند" کراچی، دارالاشاعت، (ت۔ن) ص ۷۰

(۳۸) ہلال احمر ترکی میں پاکستانی ریڈ کراس کی طرح ایک فلاحی تنظیم ہے جس کا مقصد جنگ اور مشکل وقت میں ملک کی مدد کرنا، زخمیوں اور بیماروں کا علاج اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا ہے۔

(۳۹) ماہنامہ "القاسم" دیوبند، ذوالحجہ ۱۳۳۰ھ، دسمبر ۱۹۱۲ء، ص ص ۱۹۔۲۰

(۴۰) ماہنامہ "القاسم" دیوبند، محرم ۱۳۳۱ھ، ص ۱۰ ضمیمہ

(۴۱) مولانا محمد مالک کاندھلوی (۱۹۲۵ء، کاندھلہ) محدث، مفسر، محقق، فرزند مولانا محمد ادریس کاندھلوی، تعلیم حیدر آباد دکن، تھانہ بھون، سہارنپور، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامعہ اشرفیہ لاہور، مصنف "تجرید صحیح مسلم"۔

(۴۲) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء ص ص ۲۰۲۔۳

(۴۳) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۷ء مضمون نگار مولانا محمد مالک کاندھلوی۔

44. S.M.Jamil *The Muslim Year Book of India and Who's Who* Bombay, The Bombay Newspaper Commany Ltd, N.D., p.111 --; Naresh Kumar Jain, *Muslims in India* New Dehli, p. 91.

(۴۵) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "شیخ الاسلام پاکستان" ص ص ۱۲۴۔۲۵

(۴۶) اقبال احمد صدیقی ’قائداعظم اور ان کے سیاسی رفقاء‘‘ کراچی، ادارہ ابلاغ علوم دانکارلی، ۱۹۹۰ء، ص ۶۲

(۴۷) منشی عبدالرحمٰن خان ’معماران پاکستان‘‘ لاہور، شیخ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ص ۳۶۹_۷۰

(۴۸) ماہنامہ ’المعارف‘‘ اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۵۰ء، ص ۲۹۸

(۴۹) ماہنامہ ’القاسم‘‘ دیوبند، جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ، ص ص ۳۸_۳۹

(۵۰) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ۱۱۴

(۵۱) ’اردو دائرہ معارف اسلامیہ‘‘ ۱۹۷۳ء، ج ۸، ص ۹۸۷

52. Ishtiaq Hussain Qureshi *Ulema In Politics* Karachi, Inter Services Press, Maaref Ltd, 1972, p.359.

(۵۳) مولانا اشرف علی تھانوی ’ملفوظات اشرفیہ‘‘ تھانہ بھون، (ت۔ن)، ج چہارم، ص ۶۷۵

(۵۴) وکیل احمد شیروانی ’اشرف المقالات‘‘ لاہور، مجلس صیانۃ المسلمین، ۱۹۹۵ء، ص ص ۵۴۸_۴۹ ۔۔۔: ماہنامہ ’’الصیانۃ‘‘ لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۳۳ ۔۔۔: سہ ماہی ’’الشریعۃ‘‘ گجرانوالہ، اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص ص ۶۸_۶۹

(۵۵) انجم زاہد ’تقسیم کی بنیاد‘‘ دارالسلام (تنزانیہ) انجم پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۴

(۵۶) محمد صادق قصوری ’اکابرین تحریک پاکستان‘‘ گجرات، مکتبہ رضویہ، فروری ۱۹۷۶ء، حصہ اول، ص ص ۱۵_۱۶

(۵۷) مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (۱۳۱۲ھ بدایوں ۱۹۳۷ء) مدرس مدرسہ جامعہ مسجد شمس بدایوں، تحریک خلافت اور تحریک ترک حوالات کے سرگرم کارکن، جمعیۃ العلماء کانپور کے بانی، ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مخالف تھے۔

(۵۸) علامہ شبیر احمد عثمانی ’خطبہ ترک حوالات‘‘ دہلی، حمیدیہ پریس، (ت۔ن)، ص ۹

(۵۹) حکیم آفتاب احمد قریشی ’کاروان شوق‘‘ لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۱۳_۱۴

(۶۰) پروفیسر محمد انور الحسن شیرکوٹی ’خطبات عثمانی‘‘ ص ص ۳۷_۳۸

(۶۱) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ’خطبات عثمانی‘‘ ص ص ۴۲_۴۳

(۶۲) ترجمہ: گونگا شیطان اور آگ کی لگام

(۶۳) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ۲۲ ترجمہ: میں نصیحت کی شرائط کے تحت تمہیں کہتا ہوں تو خواہ میری بات سے نصیحت پکڑ یا اس سے رنجیدہ خاطر ہو جا۔

(۶۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ’تجلیات عثمانی‘‘ ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ص ۵۱_۴۴۸

(۶۵) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ تاریخی خط قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے گھر بیت الفضل دیوبند سے مورخہ ۶ فروری ۱۹۴۰ء میں لکھا۔ علامہ عثمانی کا یہ تاریخی خط نیشنل آرکائیوز اسلام آباد کی فائل نمبر میں محفوظ ہے۔

F-1092-A-Vol-I (Supplement) (Quaid-e-Azam Papers)

باب سوم

علامہ عثمانی عملی سیاست میں

قائداعظم سے ملاقات اور سیاست میں سرگرمی

علامہ شبیر احمد عثمانی نہ صرف ایک ممتاز عالم دین تھے بلکہ ایک عظیم سیاست دان بھی تھے۔ جس طرح ایک زمانہ ان کے علم وفضل کا معترف تھا اسی طرح ان کے دشمن اور سیاسی حریف بھی ان کی سیاست دانی پر گواہ تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا رجحان شروع ہی سے مسلم لیگ کی طرف تھا۔ وہ کانگرس کی مسلم کش اور مسلم آزاد پالیسیوں سے بے زار ومتنفر تھے اور کانگرس کے ساتھ بلاشرط؛ معاہدہ اشتراک واتحاد کے حق میں نہ تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ بلاشرط ومعاہدہ اشتراک وتعاون سے مسلم قوم کا علیحدہ تشخص ختم ہو جائے گا اور ان کی قومیت فنا ہو جائے گی۔ ۱۹۳۷ء میں عام انتخابات کے نتیجے میں جب کانگرس نے اپنی وزارتیں قائم کیں تو اس کی مسلم کش، مسلم آزاد اور معاندانہ پالیسیاں اور بھی کھل کر سامنے آگئیں۔ اس طرح جب کانگرس نے اپنے قول وفعل سے اپنے آپ کو مکمل ہندو مفادات کی ترجمان جماعت کی حیثیت سے پیش کیا تو علامہ نے واضح طور پر مسلم لیگ کی تائید وحمایت کی۔ وہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کے مفادات کی ترجمان جماعت اور اس کے قائداعظم محمد علی جناح کو مسلمانوں کا نجات دہندہ، آئین وقانون کا ماہر، نڈر، نہ بکنے والا اور نہ جھکنے والا رہنما تصور کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ صرف قائداعظم ہی مسلمانان ہند کو انگریز اور ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلا سکتے ہیں اور ان کی قیادت پر انہیں پورا پورا بھروسہ تھا۔

یوں تو علامہ عثمانی اور قائداعظم کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن دہلی کی ایک ملاقات جو غالباً ۱۹۴۵ء میں ہوئی بڑی یادگار ملاقات ہے اور اس ملاقات سے شروع ہونے والی رفاقت اور دوستی آخری دم تک قائم رہی۔ اس ملاقات کی تفصیل ان کے ارجمند شاگرد مولانا عبدالقدوس بہاری یوں بیان کرتے ہیں :

''بادشاہ دکن جناب عثمان علی خان نے جو علامہ کے بے حد معتقد تھے انہیں بلالیا۔ ان اصرار تھا کہ علامہ وہیں قیام فرمائیں اور مدرسہ نظامیہ عثمانیہ چلائیں۔ علامہ یہ پیش کش قبول کرنے ہی والے تھے کہ مجھے پتہ چل گیا کہ مولانا کو وہاں روکا جارہا ہے میں آسام سے بمبئی ہوتا ہوا سیدھا حیدرآباد دکن پہنچا اور علامہ سے دہلی چلنے کی درخواست کی اور کہا کہ قائداعظم کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کی پرانی عادت تھی کہ جس بات پر رضامند نہیں ہوتے تو سکوت اختیار کر لیتے تھے۔ میں ان کا شاگرد تھا کیا کہتا تاہم میں نے بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ ایک روز مولانا نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے کہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے قائداعظم کا بیان نشر کیا جارہا تھا جو گاندھی کے بیان کا جواب تھا۔ گاندھی نے کہا تھا کہ ''میرے چھوٹے بھائی جناح، میں اور آپ ہندوستانی ہین۔ تبدیلی مذہب سے قومیت تبدیل نہیں ہو جاتی،، اس کا جواب قائداعظم نے یہ دیا تھا کہ ''مسٹر گاندھی آپ کا خیال غلط ہے۔ میں ہندوستانی نہیں ہوں بلکہ میں مسلمان ہوں،، علامہ نے قائداعظم کا بیان سننے کے بعد کہا کہ اب اس کی مدد کرنا ضروری ہو گیا ہے فوراً چلو جناح تو پکا مسلمان ہو گیا ہے۔

آگے فرماتے ہیں :

''چنانچہ ان کا قافلہ حیدرآباد دکن سے دہلی روانہ ہوا۔ ہماری گاڑی بھوپال پہنچی تو لوگ انجن کے سامنے کھڑے ہو گئے کہ جب تک مولانا کی شکل نہیں دیکھیں گے ہٹیں گے نہیں۔ اس طرح دہلی اسٹیشن پر اتنا اژدھام ہوا کہ انہیں اسٹیشن سے باہر لانا مشکل ہو گیا۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے راستہ بنایا اور مولانا اسٹیشن سے باہر آئے۔ دہلی میں وہ نواب قدیرالدین احمد کے بنگلے پر ٹھہرے کیونکہ نواب صاحب مسلم لیگ دہلی کے صدر تھے۔ دو روز بعد قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری نے فون کیا اور علامہ کو پیغام دیا کہ ''قائداعظم نے کل بلایا ہے،،۔ علامہ بہت خودار طبیعت کے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ''مگر میں تو قائداعظم سے ملنا نہیں چاہتا،،۔ قائداعظم نے جواب سنا تو فوراً کہا کہ نہیں میں خود علامہ سے ملاقات کا خواہاں ہوں۔ ''علامہ جب قائداعظم کی کوٹھی پر ان سے ملاقات کے لئے پہنچے تو قائداعظم ان کے استقبال کے لئے پورٹیکو میں موجود تھے۔ حالانکہ

اس کوٹھی پر گاندھی ان سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے ان کا ایسا استقبال نہیں کیا تھا۔ علامہ کے ساتھ ان کا نواسہ بھی تھا۔ انہوں نے اپنے نواسے سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''تم قائداعظم زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہو دیکھو یہی تو قائداعظم ہیں''۔ قائداعظم نے علامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برجستہ کہا کہ ''نہیں بیٹے قائداعظم تو یہ ہیں دنیا مجھے کہتی ہے''[1]۔

کانگرس اور کانگرسی علماء کی جانب سے قائداعظم، مسلم لیگ اور پاکستان پر اعتراضات کئے جا رہے تھے۔ لیکن علامہ عثمانی ان کے ہر الزام کا مدلل اور موثر جواب دیتے تھے۔ جامع مسجد دہلی میں علامہ نے لاکھوں مسلمانوں کے مجمع میں ایک زوردار تقریر کی اور اس میں انہوں نے قائداعظم کا دفاع نہایت منطقی دلائل کے ساتھ کیا۔ مولانا عبدالقادر بہاری سے روایت ہے کہ علامہ نے لوگوں سے استفسار کیا کہ۔

''بھائیو! اگر جاپان اور یورپ کا کوئی پہلوان دہلی میں آ کر لڑنے کا چیلنج دے تو تم مولانا حسین احمد مدنی یا مولانا شبیر احمد عثمانی کو بھیجو گے یا گاما پہلوان کو؟ لوگوں نے چیخ کر کہا گاما پہلوان کو۔ مولانا نے کہا ''مسجدوں کے جو مقدمات ہوتے ہیں ہندوؤں سے ان مقدمات میں تم علماء کو بھیجتے ہو یا وکلاء کو؟'' لوگوں نے بیک آواز کہا وکلاء کو۔

اس کے بعد مولانا نے کہا'' بے وقوفو! اس وقت ہندوستان کے بٹوارے کا مقدمہ درپیش ہے انگریز ملک واپس کر کے جا رہا ہے اور فیصلہ ہونا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں سے کس کو کتنا حصہ ملنا ہے۔ تو یہ بٹوارے کا مقدمہ تم علماء کے سپرد کرنا چاہتے ہو یا کسی اچھے وکیل کے۔

لوگوں نے کہا کسی اچھے وکیل کے۔

مولانا بولے تو ہم نے اس مقدمے کو محمد علی جناح کے حوالے کیا تو کیا صحیح کیا یا غلط کیا۔

لوگوں نے کہا۔ بالکل صحیح کیا''۔

الغرض اس ملاقات کے بعد علامہ عثمانی نے قیام پاکستان کے لئے سیاست میں نہایت سرگرمی سے حصہ لینا شروع کیا۔ ملک کے طول و عرض میں طوفانی دورے کئے اور اپنے اعلانات، بیانات اور خطبات سے تحریک پاکستان میں ایک نئی جان ڈال دی اور لوگ جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے۔ آپ نے پاکستان اور مسلم لیگ کے مخالفوں کو ہر محاذ پر شکست فاش دی اور فقہی و منطقی دلائل سے ان کو لاجواب کر دیا۔

جمعیۃ العلماء ہند سے اختلاف

آزادی ہند کی آئینی جدوجہد شروع ہوتے ہی بعض مسلم مفکرین اور سیاست دانوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونے لگا تھا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد اس ملک کی حکومت کیسی ہوگی اور یہاں کے مختلف عناصر خصوصاً ہندوؤں

اور مسلمانوں کے تعلقات کی کیا حیثیت ہوگی جیسے جیسے آزادی کی تحریک مختلف منازل طے کرتی گئی یہ سوال زیادہ اہمیت اختیار کرتا گیا۔ ہندوؤں کی طرف سے اس سوال کے جواب میں ہر مرحلے پر گریز، لیت ولعل، ٹال مٹول اور ابہام سے کام لیا جاتا رہا۔ اور پورے مسئلہ کو جذباتی رنگ دے کر یوں ٹالنے کی کوشش کی جاتی رہی کہ پہلے دشمن کو شکست دے دی جائے پھر ان معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کر لیں گے۔ متعدد تاریخی وجوہ کے باعث، مسلمانوں کی جانب سے یہ اصرار ہوتا رہا کہ ہمیں نیک نیتی کے ساتھ اس کے بنیادی مسائل کا تصفیہ پہلے ہی کر لینا چاہیے تاکہ مختلف عناصر اپنے مستقبل کے بارے میں صحیح اندازہ کر کے پورے شرح صدر کے ساتھ جدوجہد میں منہمک ہوں۔ ظاہر ہے کہ سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ ہند کو دشمن کے تسلط سے آزادی حاصل ہو۔ ہندوؤں کا فائدہ اس میں تھا کہ بات یہیں پر ختم ہو جائے تو نتیجہ لازماً یہی ہوگا کہ حصول آزادی کے بعد مسلمان نسبتاً اقلیت میں ہونے کے باعث ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ مسلمان محسوس کرتے تھے کہ جیسے آزادی ملک کا اہم مسئلہ ہے ویسے یہ بھی اہم ہے کہ آزادی ایسی شکل میں آئے کہ وہ ان کے لئے محض آقاؤں کی تبدیلی کے مترادف بن کر نہ رہ جائے۔ اس لئے انہیں بے چینی تھی کہ ان کے حقوق کے تحفظات کی پوری ضمانت ہو، کم از کم باہمی مفاہمت ومعاہدے کی شکل میں۔ ہندوؤں نے مال ودولت اور پروپیگنڈے کے وسائل کی فراوانی کے ذریعہ خود مسلم معاشرہ میں سے ایک طبقہ کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ وہ اس مسئلہ کو، کہ حصول آزادی کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کی کیا حیثیت ہوگی، غیر اہم قرار دیتا تھا۔ یہ بات ہندوؤں کے عین منشاء ومفاد کے مطابق تھی لیکن مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں اس مسئلہ کی بنیادی اہمیت کو نظر انداز کرنے پر تیار نہ تھیں۔ چنانچہ انتقال اختیارات کا جب کوئی مرحلہ سامنے آیا تو مسلمانوں کی کسی نہ کسی جماعت نے یا بہت سی جماعتوں نے مل کر اپنے مطالبات پیش کرنے اور ان کے لئے جدوجہد کرنے کا سلسلہ اس صدی کے اوائل ہی سے جاری رکھا۔ مثلاً جداگانہ انتخاب، اسمبلیوں میں مسلم نشستوں کا تعین، نئے مسلم صوبوں کی تشکیل، مرکز میں مسلمانوں کا تناسب، ثقافتی اور مذہبی خود اختیاری وغیرہ وغیرہ۔

جمعیۃ علماء ہند کے جلسوں میں اس امر پر اختلاف ہونے لگے کہ کانگرس کا ساتھ غیر مشروط طور پر دینا چاہیے یا نہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ان لوگوں میں پیش پیش تھے جنہوں نے غیر مشروط شرکت کی سختی سے مخالفت کی۔ مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے دیگر رفقاء پرانی پالیسی پر جمے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے علماء جمعیۃ سے بددل ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ اب جو لوگ جمعیۃ پر قابض رہے ان کو اس کا موقع مل گیا کہ کانگرسی وسائل کی مدد سے وہ اس تنظیم کو تمام علماء ہند کی نمائندہ تنظیم اور اس کی پالیسی کو تمام علماء ہند کی پالیسی کی حیثیت سے اور اپنے مخصوص سیاسی نقطہ نظر کو جمہور علماء کے متفقہ مسلک کے انداز میں ملک کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ کانگرسی علماء نے کانگرس کے وسائل کے بل بوتے پر مسلم لیگ کے خلاف ایک بڑا محاذ بنالیا اور شدومد سے مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت شروع کر دی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ہندوستانی سیاست کے عمیق مطالعے سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ کانگرس ایک متعصب ہندو جماعت ہے اور وہ کبھی بھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہوسکتی۔ یہ جماعت ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے خلاف کام کرتی رہی ہے اور رہے گی۔ اس جماعت کا اصل مقصد اکھنڈ بھارت کا قیام ہے اسی وجہ سے علامہ مرحوم کو ہمیشہ کانگرس سے نفرت تھی۔ وہ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت اور مسلمانون کو تباہ کرنے اور ان کو ہمیشہ غلام رکھنے کی کانگرسی سازش و عزائم سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی وجہ سے وہ جمعیتہ العلماء ہند کے کانگرسی ٹولہ سے بھی خفا اور ناراض تھے۔

کانگرس کے ساتھ بلاشرط و معاہدہ اتحاد و تعاون اور علامہ کے اس سے شدید اختلاف کی تصدیق مولانا عمادالدین شیرکوٹی کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے لکھتے ہیں:

> "دہلی میں ایک جلسہ ہوا جو مشترکہ جلسہ تھا۔ اس میں ہندوستان کے تمام مشہور لیڈر جمع تھے۔ گاندھی، ابوالکلام آزاد، موتی لال نہرو کانگرس کے مشہور و ممتاز لیڈر جمع تھے۔ ادھر جمعیتہ کے تمام علماء۔ مسئلہ زیر غور یہ تھا کہ کیا کانگرس میں بلاشرط مسلمانوں کی شرکت مناسب ہے۔ مسلمان بحیثیت قوم شرکت پر مجبور کر رہے تھے۔ کئی روز جلسہ رہا جمعیتہ العلماء نے آخر بلاشرط شرکت کا فیصلہ صادر کر دیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب سے خاموش نہ رہا گیا۔ آپ نے صدر جلسہ سے اجازت لی اور پھر ایسی موثر تقریر کی کہ جلسے کا رنگ بدل گیا۔ گاندھی کو مجبور ہو کر کہنا پڑا۔ مولانا آپ زور تقریر سے جلسے پر اثر ڈال رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا میں سادہ اور سلیس طور پر ان دلائل کو پیش کر رہا ہوں جس سے آپ کے جال کے پھندے کٹتے نظر آرہے ہیں۔ یہ رعب نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اگر ہم نے بلاشرط شرکت کا فیصلہ کیا تو ہماری قومیت فنا ہو جاتی ہے۔ مولانا کی تقریر سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں"۔

بلاشرط و معاہدہ کانگرس میں شمولیت کے ساتھ ساتھ جب جمعیتہ العلماء ہند نے کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی شد و مد سے حمایت و تائید کی تو جمعیتہ کا رویہ آپ کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا اور آپ نے جمعیتہ العلماء ہند سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جمعیتہ کے اندر نظریاتی کشمکش اور گروہ بندی کے متعلق ڈاکٹر فرمان فتح پوری یوں رقمطراز ہیں:

> "جب ہندوؤں کی جانب سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع ہوئیں، راشٹریہ سیوک سنگھ قائم ہوئی، نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی تو بیشتر مسلم زعماء ہندوؤں کے اس طرز فکر سے مایوس ہو کر کانگرس اور اس کی تحریک سے کنارہ کش ہو گئے۔ جمعیتہ علماء ہند کے جلسوں میں بھی اس امر پر اختلاف ہونے لگا کہ کانگرس کا ساتھ غیر مشروط طور پر دینا چاہیے یا نہیں؟ مولانا شبیر احمد عثمانی ان

> افراد میں تھے جنہوں نے غیر مشروط تعاون کی سختی سے مخالفت کی۔ مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے دیگر رفقاء اپنے طریق فکر پر قائم رہے جو کانگرس کی حمایت کے خیال پر مبنی تھا۔ نتیجۃً بہت سے علماء جمعیۃ العلماء ہند سے بددل ہو کر علیحدہ ہو گئے اور جو علماء اس میں موجود رہے کانگرسی وسائل کے ذریعہ وہ اس تنظیم کو تمام علماء ہند کی نمائندہ تنظیم اور اس کی حکمت عملی کو تمام علماء ہند کی حکمت عملی کی حیثیت سے اور اپنے مخصوص سیاسی نقطہ نظر کو عام علماء کے متفقہ مسلک کے انداز میں ملک کے سامنے پیش کرتے رہے۔“[۲۱]

بندے ماترم گیت کو قومی ترانہ بنانا، واردھا سکیم، ودیا مندر سکیم، دیہات سدھار سکیم اور دیگر مسلم دشمنانہ اسکیموں کے اجراء اور جبری نفاذ کی کوششوں کے نتیجے میں جمعیۃ العلماء تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ پہلے گروہ میں وہ علماء تھے جو کانگرس کی پالیسیوں کے مویدو حامی تھے اور کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی مذہبی نقطہ نظر سے پر جوش حمایت کرتے تھے۔ اس گروہ میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دوسرا گروہ ان علماء کا تھا جو کانگرس کی بعض اصلاحات سے ناخوش تھے او ان کو ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل پسند نہ تھا اور اس سلسلے میں تنقید بھی کرتے تھے، مگر اس کے باوجود کانگرس کی تائید وحمایت بھی کرتے تھے۔ فقیہہ ملت مفتی کفایت اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا سجاد بہاری اس گروہ کے روح رواں تھے۔ ان علماء کی طرف سے کانگرس پر تنقید کا یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کی جمعیۃ کی صدارت اور نظامت سے علیحدگی پر منتج ہوا اور ان عہدوں پر مولانا مدنی اور مولانا سیوہاروی مقرر کر دیئے گئے۔ تھوڑے عرصے بعد مولانا احمد سعید نے بھی کانگرس نواز گروہ سے سمجھوتہ کر لیا جبکہ مفتی کفایت اللہ نے سیاسی سکوت اختیار کر لیا جو قیام پاکستان تک جاری رہا۔ بہرحال مفتی کفایت اللہ کے مولانا مدنی صدر جمعیت کے ساتھ قریبی روابط ہے۔ تیسرا گروہ جمعیۃ علماء کے علاوہ ان علماء کا تھا جنہوں نے کانگرس کی مسلم آزار پالیسیوں اور معاندانہ رویے کے خلاف احتجاج کیا۔ اس گروہ میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا جمیل احمد تھانوی اور مولانا خیر محمد جالندھری وغیرہ شامل تھے۔ ان حضرات نے نہ صرف کانگرس کی مسلم آزار پالیسیوں کی مخالفت کی بلکہ آگے چل کر مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان کی قرارداد کی حمایت بھی کی۔

جمعیۃ علماء ہند میں اختلافات اور نظریاتی کشمکش کا ایک اور شاخسانہ جمعیۃ علماء ہند کانپور کا قیام تھا۔ یہ تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے متوازی کام کرنے لگی۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ مولانا مظہر الدین[۲-الف] مدیر اخبار الامن (دہلی)

جمعیت علماء ہند کانپور کے بانیوں میں شامل تھے۔ مولانا مظہر الدین ہندو احیاء سے متعلق شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے اولین مخالفین میں سے تھے۔ مولانا مسلم مفادات کو آنچ پہنچانے والی کسی تحریک کو ایک لحظہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب دیو بندی علماء کے ایک گروہ نے متحدہ قومیت کے سیاسی مسلک کو اپنایا تو مولانا مظہر الدین نے دہلی میں کانگرس کے ایک بڑے جلسے میں بلاخوف وخطر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ مسلمان اسلام کو مسخ کرنے کی مذموم سازشوں کے فریق، ہندوؤں کے دوست نہیں بن سکتے۔ مولانا مظہر الدین نے مسلم لیگ کی نظریاتی جدوجہد کا بھر پور ساتھ دیا اور اس کے پیغام کو مسلم عوام تک پہنچانے کے لئے اپنے اخبار ''الامن'' کی خدمات مسلم لیگ کیلئے وقف کر دیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کانپور کی ولولہ انگیز تحریک نے کانگرس نواز علماء کی سیاسی ساکھ کو بری طرح مجروح کر دیا۔ بالآخر ۱۹۳۸ء میں مولانا کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل جسے جمعیۃ علماء ہند کے ایک سرگرم رکن کتب فروش کی در پردہ ''اعانت مجرمانہ'' حاصل تھی ارتکاب قتل کے وقت کہا ''تم نے علمائے اسلام کی مخالفت کی اب اس کا مزہ چکھو''[۳]۔

جب جمعیۃ العلماء ہند کانگرس کا ضمیمہ بن گئی اور اس کی ایک ذیلی شاخ کے طور پر کام کرنے لگی بلکہ اس کی ہر صحیح اور غلط پالیسیوں کی تائید وحمایت کرنے لگی تو آپ جمعیۃ سے کبیدہ خاطر رہنے لگے اور آخر کار اس نظریاتی اختلاف کے باعث علامہ عثمانی جمعیۃ سے علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ سعید الدین بہاری کے خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلماء ہند سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن کے بعد ادھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی تو میں نے لکھ دیا تھا کہ میں اب اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا''۔

سہارنپور اجلاس ۴۔ ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ اس کے بعد آپ باقاعدہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی سے مستعفی ہو گئے۔ اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں ہندو مسلم اتحاد کے سوا آپ کا رجحان ہمیشہ مسلم لیگ کی طرف رہا۔ چنانچہ مولانا شوکت علی مرحوم جب ڈابھیل آئے اور مولانا عثمانی سے مسلم لیگ کی مدد کے لئے درخواست کی تو علامہ نے مسلم لیگ کے لئے ایک ہزار روپیہ چندہ کر کے مولانا شوکت علی مرحوم کو دیئے۔ یہ غالباً ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا۔

علامہ کا اصولی موقف

علامہ شبیر احمد عثمانی مسلمانون کی کانگرس میں بلاشرط شرکت اور کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کے سخت خلاف ے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے لئے سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت ومرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ے۔ یعنی مسلمانان ہند کا ایک علیحدہ مرکز ہونا چاہیے۔ برصغیر پاک وہند میں ایک جداگانہ مسلم ریاست کا تخیل مختلف ایام میں مختلف شکلوں اور نوعیتوں مین سامنے آتا رہا۔ مگر اصل میں اس کی صحیح نشوونما اور آب یاری اس وقت شروع

ہوئی جب ۱۹۳۷ء کے عام انتخابات کے بعد کانگرسی حکومتوں نے اپنے اکثریتی صوبوں میں ہندو راج قائم کرنے کے منصوبوں کو جو در پردہ طور پر عرصے سے کار فرما تھے عمل میں لانے کی تدابیر اختیار کیں۔ کانگرس کے اڑھائی سالہ دور اقتدار کے تلخ تجربات نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہندوؤں کے عزائم ان پر پوری طرح آشکار ہو گئے۔ مسلمانوں پر یہ واضح ہو گیا کہ ہندو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے اور اس کا مقصد رام راجیہ حکومت کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں کے ماتحت اقتدار میں ان کا یہ حال ہے تو اس وقت ان کے ظلم و ستم کا کیا حال ہو گا جب اقتدار مکمل طور پر ہندو اکثریت کے پاس ہو گا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مسلم لیگ کے اکابر کانگرس کی ان مسلم آزار اور مسلم کش پالیسیوں سے بے زار و متنفر تھے۔ علامہ عثمانی کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کے بھی سخت خلاف تھے اور اس کو مسلم قوم اور قومیت کی موت تصور کرتے تھے۔ جب جمعیۃ العلماء ہند کے کانگرسی علماء نے ہندو کانگرس کے اس نظریہ کی تائید و حمایت کی تو علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی شد و مد سے مخالفت کی اور کانگرس اور کانگرسی علماء کے اس نظریہ کو خلاف اسلام قرار دیا۔ ان کے اصولی موقف اور خیالات کی صحیح ترجمانی ان کے ایک خط جو انہوں نے بحیثیت صدر مہتمم (وائس چانسلر) دارالعلوم دیوبند اور صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ کو لکھا، سے بھی ہوتی ہے۔ ہم اس خط کو قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں من و عن پیش کرتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں۔

مکرمی ایڈیٹر صاحب عصر جدید کلکتہ اسلام علیکم!

بعد مسنون آنکہ آپ نے شرکت کانگرس کے متعلق میرے خیالات دریافت کئے ہیں۔ اس مسئلے کے متعلق میں اپنے خیالات کا اعلان پہلے بھی کر چکا ہوں، اب پھر لکھتا ہوں کہ میں نہ کبھی کانگرس میں شامل ہوا اور نہ اب شامل ہوں بلکہ اس شمول پر میں نے کانگرسی علماء سے کئی دن تک بڑے شد و مد سے بحث کی جس کا تذکرہ اخبارات میں آ چکا ہے۔

قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگرس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اس معنی میں جو کانگرس کے آئمہ اس سے ارادہ کرتے ہیں میرے نزدیک شرعی نقطہ نظر سے کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں نہ سیاست میں کوئی خاص اشتغال رکھتا ہوں تاہم اپنی قوم کے سود و بہبود کو سوچنا اس کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے میرے لئے بھی ناگزیر ہے۔ جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خودکشی کے مترادف ہے۔

مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیان کر سکتے ہیں، بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔ میں اپنے لئے فرقہ پرست کا خطاب پسند کرتا ہوں مگر اپنی قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ شاعر حکیم اکبرالہٰ آبادی نے خوب کہا ہے۔

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دہر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی
پختہ ہو کر اپنی شاخ و بن سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

اس کے ساتھ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری ناکامی و نامرادی کا اصل سبب شریعت کاملہ محمدیہ کے اصول و احکام سے اعراض و انحراف ہے اور اس کے نتیجے میں اس تخریب و تفریق کا عذاب ہم پر مسلط ہے جس کی طرف قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذاباً من فوقكم اومن تحت ارجلكم اويلبسكم شيعاً ويذيق بعضكم باس بعض۔ (کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ وہ تمہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے تم پر عذاب بھیجدے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور بعض کو بعض سے تکلیف پہنچائے) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسلئے میرا سب سے بڑا مطمع نظر یہ ہے کہ جہاں تک استطاعت ہو مسلمانوں کو اتباع شریعت و تمسک اسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا جائے نیز ان کی پارٹی بندیوں کو اگر بالکلیہ ختم نہ کیا جا سکے تو ان کو کم کرنے اور ایک کو دوسرے سے قریب لانے اور خلاف و شقاق کے مضار کو محدود کر دینے کی سعی جاری رہے۔

رہا دارالعلوم دیوبند کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی بار بار اعلان کیا جا چکا ہے وہ مسلمانان ہند کی ایک محبوب اور مشترکہ متاع ہے۔ سیاسی پارٹی بندیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وہ مسلک ہے جو میرے زمانے میں مجلس عاملہ دارالعلوم نے بالاتفاق طے کیا ہے اور دارالعلوم کے تمام ملازمین و مدرسین کو سختی کے ساتھ اس کا پابند کیا ہے۔ جو خبریں اس کے خلاف شائع کی جا رہی ہیں بعض بالکل بے اصل اور بعض سخت مبالغہ آمیز ہیں۔

راقم
شبیر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ
از ڈابھیل ۳ رجب ۱۳۵۸ھ (ستمبر ۱۹۳۹ء)

علامہ عثمانی کے اس مراسلہ سے کئی اہم باتیں سامنے آتی ہیں۔

- علامہ عثمانی کبھی بھی کانگرس میں شریک نہیں ہوئے اور نہ کبھی اس کے ممبر رہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے زمانہ میں بھی وہ مسلم قوم کی حمایت و ترجمانی کرتے رہے۔
- کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو انہوں نے شرعی نقطہ نظر سے مسترد کر دیا اور اسے باطل اور خلاف اسلام قرار دیا۔
- یہ کہ مسلمانوں کے لئے سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے
- مسلمان دوسری قوموں سے صلح، عہد و پیمان کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنی ہستی کو دوسروں میں مدغم یا فنا نہیں کر سکتے۔
- وہ فرقہ پرست مسلمان کہلانا پسند کرتے ہیں لیکن قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا پسند نہیں کرتے اور یہ کہ قوم کے سواد اعظم سے علیحدہ ہونا انہیں منظور نہیں ہے۔[۴]
- دارالعلوم دیوبند اور اس کی مجلس عاملہ کا کانگرس سے کوئی تعلق نہیں۔
- علامہ عثمانی نے بحیثیت صدر مہتمم (ناظم) مدرسین اور ملازمین کو سیاسی پارٹی بندیوں سے علیحدہ رہنے کا پابند کیا ہے۔
- مسلمان ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہے۔
- علامہ عثمانی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء یعنی قرارداد پاکستان کی منظوری سے پہلے مسلم لیگ کے موافق اور کانگرس کے سخت مخالف تھے۔

دیوبند مکتب فکر کی قد آور علمی شخصیات مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا خیر محمد جالندھری ؒ، مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے آپ کے خیالات کی تائید کی[۵]۔

علامہ عثمانی کو ہندو کانگرس اور اس کے نصب العین سے سخت بیزاری تھی اور حالات کا بغور مشاہدہ اور سیاست ہند کے عمیق مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ کانگرس دراصل ایک متعصب اور ناقابل اعتبار ہندو جماعت ہے۔ آزادی کامل کی آڑ میں اس کا گوہر مقصود اکھنڈ بھارت کا قیام ہے۔ مولانا محمد اشفاق احمد لکھتے ہیں کہ کانگرس کے زمانہ اقتدار میں اس کی مسلم آزار اور مسلم کش پالیسیوں کے خلاف جمعیۃ العلماء ہند کا ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ علامہ عثمانی بھی

اس میں شریک تھے آپ نے فرمایا :

''یہ بھی طے کر لینا چاہیے کہ اگر ہندو حکومت پر اثر نہ ہوا تو پھر کیا کیا جائے گا؟ تمام حضرات خاموش رہے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا میں کانگرس کا سر بن کر تو چل سکتا ہوں دم بن کر نہیں چل سکتا۔ میں آج سے سیاست سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ حضرات جو چاہیں کریں''[٦]۔

چنانچہ حضرت علامہ ۱۹۴۴ء تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

آخر جمعیۃ العلماء ہند کی کانگرس نواز اور مسلم آزاز پالیسیوں کی وجہ سے پہلے تو آپ جمعیۃ سے کبیدہ خاطر رہنے لگے اور آخر کار اس سے مستعفی ہو گئے آپ کا اصولی موقف یہ تھا کہ :

- مسلمانوں کو کانگرس میں انفرادی طور پر اور بلا شرط و معاہدہ شرکت نہیں کرنی چاہیے اس سے ان کی قومیت فنا ہو جائیگی۔ اگر شرکت کانگرس ضروری بھی ہے تو یہ شرکت باجماعت و بامعاہدہ ہونی چاہیے۔
- آپ نے کانگرس اور جمعیۃ العلماء ہند کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو شرعی نقطہ نظر سے مسترد کر دیا اور اسے باطل اور خلاف اسلام قرار دیا۔
- آپ نے یہ بھی اصولی موقف اختیار فرمایا کہ میں (مسلمان) کانگرس کا سر بن کر تو چل سکتا ہوں دم بن کر نہیں چل سکتا۔
- آپ کا یہ موقف بھی اصولوں پر مبنی تھا کہ ہندوستان کے دس کروڑ فرزندان اسلام ہر لحاظ سے ایک علیحدہ اور مستقل قوم ہیں۔ ان کی مستقل قومیت کے انکار کو آپ نے وقت کا سب سے بڑا قابل نفرت بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری اور فریب قرار دیا۔

علامہ کی مسلم لیگ میں شمولیت

علامہ شبیر احمد عثمانی مسلمانوں کے ان چند رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے بھانپ لیا تھا کہ کانگرس مسلمانوں کو ہمیشہ غلام بنانے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف رام راج قیام ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا رجحان شروع ہی سے مسلم لیگ کی طرف رہا اور وہ ہمیشہ کانگرس سے متنفر رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا شوکت علی جب ڈابھیل آئے اور علامہ عثمانی سے مسلم لیگ کی مدد کے لئے درخواست کی تو آپ نے مسلم لیگ کے لئے ایک ہزار روپیہ چندہ کر کے مولانا شوکت علی کو دیئے۔ یہ غالباً ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا۔

مسلسل اسلام دشمنی اور مسلم مفادات کی مخالفت کے باوجود جمعیۃ العلماء ہند کا کانگرس کیساتھ اشتراک عمل مسلم عوام کیلئے ایک نا قابل فہم معمہ تھا جبکہ حالات تقاضا کر رہے تھے کہ مسلمانوں کا ایک مضبوط پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے جو انکے حقوق اور مفادات کی صحیح طور سے نگرانی کر سکے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے کانگرس کے ساتھ تعاون کو مذہبی اور سماجی رنگ دینے کے عمل کو ہندوستان کے مسلم معاشرے میں بالعموم اور علماء کے حلقوں میں بالخصوص بڑے تنفر سے دیکھا جانے لگا۔ اس پس منظر میں یہ سوال ابھرنے لگا کہ مسلمان جمعیۃ العلماء ہند میں شریک ہوں یا آل انڈیا مسلم لیگ میں اور ازروئے شریعت کونسی جماعت مسلمانوں کے مفادات کی صحیح ترجمان ہو سکتی ہے۔ ممتاز عالم دین اور مشہور روحانی شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ انہوں نے مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند کے زعماء کو استفساری خطوط ارسال کئے۔ مولانا نے جمعیۃ العلماء ہند کو یہ سوال نامہ جاری کیا:

○ جمعیۃ العلماء کے نزدیک مذہبی حیثیت سے کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کیوں ضروری ہے اور کانگرس سے علیحدگی میں کیا ضرر ہے؟

○ کانگرس میں مسلمانوں کا داخلہ جس صورت سے انفرادی، غیر منظم اور غیر مشروط طریقہ پر اس وقت ہو رہا ہے اور مسلم نشتوں کے لئے کانگرس خود براہ راست امیدوار تجویز کرتی ہے کیا اس سے اسلام اور مسلمانان ہند کو خطرہ نہیں۔ اگر ہے تو اس خطرہ سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

○ مسلم لیگ سے جمعیۃ العلماء کو کیوں اختلاف ہے جبکہ وہ مسلمانوں کو منظم کر رہی ہے اور اس کا مقصد بھی آزادی کامل کی تحصیل ہے جیسا کہ اس سال لکھنو کے اجلاس میں اس نے اعلان کر دیا ہے۔

○ اگر مسلم لیگ میں کچھ مفاسد اور منکرات شریعہ موجود ہیں تو کیا یہ صورت ممکن نہیں کہ جمعیۃ العلماء مسلم لیگ میں شریک ہو کر اس کو مخلص اور فعال لوگوں سے بھر دے اور مسلمانوں کی تنظیم کو مکمل اور مفاسد و منکرات سے پاک کر دے۔

○ کیا مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء کے تصادم سے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا نہیں ہوتا اور کیا یہ تشتت مضر نہیں؟ اگر ہے تو جمعیۃ العلماء نے اس ضرر کے انسداد کے لئے کوئی صورت اختیار کی ہے یا نہیں۔ مولانا نے دیگر شبہات و اعتراضات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:

○ کانگرس کے ساتھ مل کر جو آزادی ہندوستان کو حاصل ہوگی اس کا انجام ایک حکومت مشترکہ کا قیام ہے جس میں عنصر کفر غالب اور عنصر اسلام مغلوب ہوگا۔ ایسی حکومت اسلامی حکومت یقیناً نہ ہوگی تو اس کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے ذمہ کس دلیل سے واجب ہے۔ نیز اس کی کیا ضمانت ہے کہ

ہندوانگریزوں کو ہندوستان سے بالکل بیدخل کرنا چاہتے ہیں اوران کے ساتھ مسلمانوں پر حکومت کرنانہیں چاہتے۔ کانگرس کے اقتدار سے اس وقت ہندوؤں کے حوصلے جس قدر بڑھنے لگے اور مسلمانوں پر بازاروں، دیہاتوں، ملازمتوں، سرکاری محکموں میں جومظالم وہ برپا کرنے لگے ہیں، جمعیتہالعلماء نے ان کے انسداد کی کیا تدبیر سوچی ہے اوراس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں؟

○ کانگرسی وزارتوں نے زمینداروں کی اراضی کاشت کاروں کی مملوک بنا دینے کی جو تجویز سوچی ہے، یقیناً صریح ظلم ہے۔ اور جولوگ کانگرس میں شریک ہیں وہ سب کے سب اس ظلم میں شریک ہیں پھراس سے بچنے کی جمعیتہالعلماء نے کیا تدبیر کی اور کون سا عملی قدم اٹھایا ہے؟

○ کانگرس میں بندے ماترم کا گیت گایا جاتا ہے جو مضامین شرکیہ پر مشتمل ہے اور قومی جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے جو قریب بہ شرک ہے کانگریسی مسلمان بھی بندے ماترم کے گیت کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں اور قومی جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں کیا ان افعال میں شرکت کرنا گناہ نہیں؟ اگر ہے تو جمعیتہ العلماء نے مسلمانون کو اس کے متعلق کیا ہدایت کی اوراس پر اوراسی قسم کی دوسری منکرات پر صدائے احتجاج بلند کی یا ہیں؟

○ صدر کانگریس اوراس کی ہم خیال جماعت جو اشتراک کی حامی اور مذہب اور خدا کی دشمن ہے ان کی تقریر خدااور مذہب کے خلاف شائع ہوتی رہی ہے جمعیتہ العلماء نے ان کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند کی یانہیں اور مسلمانوں کو ایسے کافروں کی تعظیم وتکریم سے روکا ہے یانہیں؟

○ کانگرس کے ساتھ جو آزادی حاصل ہوگی اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی حقوق کی پوری طرح حفاظت ہوگی جبکہ کانگرس اوراس کے ذمہ داران کے مذہب اور حقوق کا نام لینا بھی جرم سمجھتے اوراس کو فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں۔ نیز جمعیتہ العلماء نے کانگرس کے ساتھ تعاون کرکے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کے تحفظ میں اس وقت تک کیا کام کیا؟

○ جمعیتہ العلماء نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یانہیں جسکی مذہباً و سیاستاً سخت ضرورت ہے اوران کے اسلام میں داخل ہونے کی بھی قوی امید ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ سے یہ سوالا پوچھے گئے

○ آپ کے نزدیک کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت سیاسی حیثیت سے کیوں مضر ہے اوراس سے علیحدگی کیوں ضروری ہے۔ اکثر لوگ پوچھتے ہیں تو ہم ناواقفیت کے سبب جواب نہیں دے سکتے؟

- کیا بدون کانگرس کے تعاون کے ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے۔ اگر مل سکتی ہے تو اس کی جو صورت آپ کے ذہن میں ہو اس کو واضح فرمایا جاوے؟
- کیا کانگرس سے مسلمانوں کی علیحدگی آزادی ہندوستان کے مسئلہ میں باعث تعویق وتاخیر نہ ہوگی؟
- کیا مسلم لیگ تمام مسلمانوں کو یا ان کی زیادہ تعداد کو کانگرس سے روک سکتی ہے، بظاہر یہ امر مستبعد ہے۔ کانگرس میں پہلے ہی سے بہت مسلمان ہیں اور جب سے وزارت قبول کر کے وہ برسراقتدار ہوئی ہے زیادہ تعداد اس میں شریک ہو رہی ہے پس اگر مسلم لیگ نے تھوڑے سے مسلمانوں کو کانگرس سے روک لیا تو کیا نفع کی امید ہے جبکہ زیادہ حصہ اس میں شریک ہوگا؟
- کیا مسلم لیگ کے زیادہ تر ارکان انگریزوں کے حامی اور اندرونی طور پر ان کے بہی خواہ نہیں اور کیا بقول سر اکبر حیدری مسلم لیگ ایک برطانوی زہر ہے۔ اگر نہیں تو اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب کیا دیا جاوے؟
- مخالفین کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ ایک بے عمل جماعت ہے اور کانگرس کی طرح اس نے کوئی عملی قدم اب تک نہیں اٹھایا۔ نہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوئی کام کیا اور اس وقت کانگرس کے مقابلہ پر جو جدوجہد الیکشن لڑانے میں صرف کر رہی ہے مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہین بلکہ انگریزوں کا نفع ہے کہ کانگرس کی قوت کمزور ہو کر آزادی ہندوستان کا مسئلہ تعدیق مین پڑ جائے، اس اعتراض کا کیا حل ہے؟
- مسلم لیگ نے اب تک مسلمانوں کی تنظیم اور ان کی مذہبی وتمدنی واقتصادی ترقی کے لئے کیا طریق عمل اختیار کیا اور اس کے لئے کون سا عملی قدم اٹھایا، یا آئندہ کیا ارادہ ہے اور ذہن میں اس کی کیا صورت ہے؟
- اگر کسی وقت ہر طرح سے اطمینان حاصل کر کے مسلم لیگ کو کانگرس میں شامل ہونے کی ضرورت ہوئی تو کیا مسلم لیگ کو توڑ کر اس میں شامل ہونے کی رائے ہے یا مسلم لیگ کو قائم رکھ کر مسلمانوں کے اقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے شرکت رائے (کی تجویز) ہے؟
- اگر علماء مسلم لیگ کا ممبر بننا چاہیں تو کیا ان کو بھی الیکشن ہی کے ذریعہ مسلم لیگ کا کوئی درجہ حاصل ہوگا جس سے ان کو مسلم لیگ کے اجلاس اور مجلس عاملہ وغیرہ میں اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہو یا اگر وہ اس ذریعہ کو پسند نہ کرین تو ان کو بدون اس ذریعہ کے بھی ایسا درجہ مل سکے گا؟
- مسلم لیگ میں علماء کی وقعت کس درجہ کی ہوگی اور بصورت اختلاف علماء کسی مسئلہ مختلف فیہا کو کس طرح طے کیا جائے گا۔ کیا اس کے لئے کوئی قاعدہ ذہن میں ہے؟

- جمعیۃ العلماء ہند دہلی اور مسلم لیگ کے تصادم سے جو مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا ہو رہا ہے لیگ نے اس کے ضرر کو محسوس کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو اس ضرر کے انسداد کی کوئی صورت باہمی اتفاق کی سوچی ہے یا سوچنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
- مسلم لیگ نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کی ضرورت کو محسوس کیا ہے یا نہیں (جو نہ صرف مذہباً بلکہ سیاساً نہایت ہی اہم ہے) اگر کیا ہے تو اس کے لئے عملی اقدام کیا ہے یا نہیں اور اس کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا اگر اب تک نہیں کیا تو آئندہ کیا رائے ہے؟

مسلم لیگ کے طویل جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کی کانگرس میں شرکت مضر ہے۔ مسلمان کانگرس کی بجائے مسلم لیگ میں شریک ہوں اور اسے مضبوط کریں۔ مسلمانوں کا مفاد مسلم لیگ سے وابستہ ہے۔ کانگرس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہرگز شریک نہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے مفاد کی ترجمان ہے۔ مسلم لیگ سے متعلق کانگرس کا رویہ جارحانہ ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی اقتصادی خوشحالی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے عظیم تر مفاد میں ہمیشہ قائم رہے گی۔ علماء کو مسلم لیگ میں خوش آمدید کہا جائے گا اور ان کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے علماء کو اپنے پلیٹ فارم سے تبلیغی مشن شروع کرنے کے لئے پورے تعاون کا یقین دلایا[۸]۔

مسلم لیگ کی طرف سے بھیجے گئے جوابات جنہیں صدر، مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ یوپی، نواب محمد اسماعیل خان اور مسلم لیگ کے اخبار ''منشور'' کے مدیر سید حسن ریاض[۹] نے مرتب کیا اور جوائنٹ سیکرٹری مسلم لیگی پارلیمنٹری بورڈ صوبہ متحدہ سید ذاکر علی نے مولانا کو بہم پہنچایا اس سے مولانا کی تسلی ہو گئی اور انہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانچنے کے بعد مولانا تھانوی نے ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو ''تنظیم المسلمین'' کے عنوان سے اپنا فتویٰ جاری کیا اور مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شرکت کرنے اور اس کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں مدد کرنے کی تلقین کی۔ مولانا نے کہا:

> ''مسلم لیگ خالص کلمہ گویوں کی جماعت ہے اور کانگرس میں عنصر غالب غیر مسلمین کا ہے اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بانسبت اس شخص کے جو شخص اسلام کو حق نہیں جانتا ظاہر ہے کہ سہل ہے۔ (میری رائے ہے) کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہیے، پھر ان میں جو اہل قوت و اہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے''۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے نے آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی روح ڈال دی اور یہ جستہ جستہ عوامی رنگ اختیار کرنے لگی۔ مولانا کے متعلقین دیوبندی علماء نے جمعیۃ علماء ہند کو جو نظریاتی اعتبار سے کانگرس کے ساتھ منسلک تھی خیر باد کہہ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی (۱۹۳۹ء) میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی۔ شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مولانا نے ایک خط میں جمعیۃ کی کانگرس سے قربت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں کا کانگرس میں شریک ہونا میرے لئے مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگرس سے بے زاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ مسلمانوں کا کانگرس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے[۱۰]۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر مسلمان زعماء کی طرف سے متحدہ قومیت اور کانگرس کی شدومد سے مخالفت نے جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی ساکھ کو بری طرح متاثر کیا۔ مسلم عوام میں اس جماعت کی مقبولیت میں تیزی سے کمی آنے لگی اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں زبردست اضافہ ہوا۔

علامہ کی کانگرس سے نفرت و بیزاری، جمعیۃ علماء ہند سے نظریاتی اختلاف اور مسلم لیگ سے محبت وعقیدت کے ثبوت میں آپ کا ایک خط بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ آپ نے ستمبر ۱۹۳۹ء میں ایڈیٹر ''عصر جدید'' کلکتہ کے نام لکھا (اس خط کا مفصل ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے) اس خط میں آپ نے کانگرس کے متحدہ قومیت کے بت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاش پاش کر دیا اور یہ بھی فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کی مجلس عاملہ کا کانگرس سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۹۴۰ء کے بعد آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان کے لئے ہندوستان کے طول وعرض کے دورے کئے۔ آپ نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر تحریک پاکستان کو بہت تقویت بخشی۔ پاکستان کا وجود قائداعظم کے بعد ان کا مرہون منت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا شمار برصغیر کے ممتاز ترین علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے۔ ایک عالم باعمل کبھی بلا سوچے سمجھے کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ ہر قدم اٹھانے سے قبل کئی بار اس بات پر غور کرتا ہے کہ اس کا یہ فیصلہ شریعت اور قرآن کے خلاف تو نہیں اور اس کا یہ قدم کہیں عنداللہ یا عندالرسول ﷺ موجب ناراضگی تو نہ ہوگا اور آیا اس کا کوئی جواز کتاب وسنت میں موجود ہے؟ مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو کئی مرتبہ اس مسئلہ کے حسن وقبح پر غور کرنا پڑا۔ بالآخر امام محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ) کی کتاب السیر الکبیر کی یہ تصریح آپ کے کام آئی کہ اگر خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کے ساتھ ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار ومشرکین کے مقابلہ

میں خوارج کی مدد کریں۔ کیونکہ وہ اس وقت کفر صریح کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو بلند کرنے اور ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں اور ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو اسلام کے نام سے چڑتے ہیں اور کلمۃ اللہ سے اعلانیہ بیزار ہیں۔ فقہ حنفی کا سارا دارومدار چونکہ امام محمدؒ کی ہی تصنیفات پر ہے اس لئے آپ نے اس تصریح کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا :

> ’’اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نقش کلمہ، اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع، مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں‘‘[11]۔

اگرچہ آپ کا رجحان شروع ہی سے مسلم لیگ کی طرف تھا لیکن خصوصیت سے آپ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی رکنیت کی عدم منظوری سے بہت پہلے ہی آپ نے مسلم لیگ اور کانگرس کے نظریات پر پورا غور کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

> ’’مسلم لیگ کا دروازہ چونکہ ہر مدعی اسلام کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت مذکورہ بالا گروہوں میں سے بعض کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے بہت سے دیندار مسلمان اس میں کشادہ دلی کے ساتھ شامل ہونے سے پرہیز کرتے ہیں بلاشبہ یہ ایک سچا دینی جذبہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے اور راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی شش و پنج میں مبتلا رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور کیا، اللہ سے دعائیں کی اور استخارے کئے۔ بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے کہ اگر خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں سے ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں خوارج کی مدد کریں‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ نے مسلم لیگ کی شرکت کا باقاعدہ اعلان کافی دیر کے بعد کیا اور اس عرصہ میں ایک دیدہ ور مبصر کی حیثیت سے مسئلہ کے سیاسی اور شرعی پہلو پر غور و فکر کرتے رہے اور آخر آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے آپ کانگرس اور مسلم لیگ کی اس سیاسی کشمکش میں خاموش کیسے رہ سکتے تھے۔ مکالمۃ الصدرین میں فرماتے ہیں :

> ”چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں“[12]۔

> ”تحریک پاکستان میں شرکت کے متعلق ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسلامی برادری کا ایک ادنیٰ جز ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازہ علم و فہم کے موافق سوچ سمجھ کر جو رائے قائم ہوئی ہے، اپنے مخلصین کے پیہم اصرار پر بطور مشورہ عرض کر دیتا ہوں۔ جب میں نے یہ دردناک منظر دیکھا کہ دس کروڑ مسلمانوں کے قومی اور سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کرایا جا رہا ہے، بالکل خاموش رہنا گوارہ نہ ہوا“[13]۔

منشی عبدالرحمن خان لکھتے ہیں کہ جنگ پاکستان کا ابتدائی دور قائداعظم اور مسلم لیگ کے لئے بڑی آزمائش کا دور تھا۔ تمام مقتدر علماء، نیشنلسٹ مسلمان، احرار اسلام اور خدائی خدمت گار کانگرس کے پشت پناہ تھے۔ مگر قدرت کی امداد سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی پہلے قائداعظم کے پشت پناہ رہے اور دوسری امداد قدرت نے یہ کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے متبحر عالم، متقی اور پرہیزگار سیاست دان اور شعلہ بیان مقرر کو قائداعظم کا دست راست بنا دیا۔ علامہ نے جمعیۃ العلماء ہند سے علیحدگی کے بعد نہایت خاموشی کے ساتھ ہوا کا رخ مسلم لیگ کی طرف موڑنے کے بعد مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔ جس سے قائداعظم کے ہاتھ مضبوط ہوئے اور وہ عوامی محاذ علامہ عثمانی کے سپرد کر کے خود آئینی محاذ پر ڈٹ گئے۔

جب مولانا حسین احمد مدنی نے قائداعظم کو کافراعظم کہا اور مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شرکت سے روکنے کے لئے اس کی شرکت کو حرام قرار دیا تو مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا مدنی کے اس فتویٰ کی منطقی اور عملی طور پر تردید کی۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ :

> ”(مولانا) مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس کے کیا دلائل شرعیہ بیان کئے ہیں؟ محض کسی عالم کا اتنا لکھ دینا کہ

فلاں چیز ناجائز ہے دوسرے علماء کے لئے کیسے ساقط ہو سکتی ہے؟ دلائل سامنے ہوں تو ان پر کچھ کہا جائے۔ مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے بڑے مقدس ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن یہ چیز اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ ادارے میں شرکت ہی حرام ہو اور درآنحالیکہ اس کے فوائد اور منافع اس کے مضار اور نقصانات سے زائد ہوں"۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک ممتاز عالم اور آپ کے دست راست مولانا ظفر احمد عثمانی نے فتویٰ دیا کہ:

"کفار و مشرکین کے جھنڈے کے نیچے کسی تحریک میں شریک ہونا حرام ہے اور مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگرس کو تقویت دینا اور لیگ کو کمزور کرنا جائز نہیں"[۱۴]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے مولانا ظفر احمد عثمانی کے فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ کانگرس ایک کٹر ہندو جماعت ہے اور اس میں گنتی کے چند مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلم لیگ خالص کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں ہزار عیب سہی لیکن پھر بھی وہ غیر مسلم اور ہندو کی نسبت ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ قیام پاکستان ہی میں برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی بقا و حیات ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور علامہ عثمانی کے ایک اور ساتھی مولانا محمد شفیع نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام موتمر حیدرآباد (سندھ) کے دوران واضح کیا کہ مسلمانوں نے مسٹر محمد علی جناح کو موجودہ جنگ آزادی کا ایک ماہر فرد جرنیل ہونے کی حیثیت سے قائداعظم قرار دیا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ کوئی مرشد ہیں اور ان سے اصلاح و اعمال کا کام لیا جائے گا۔ میرے خیال میں شاید ایک مسلمان بھی یہ خیال لے کر ان کو قائد نہیں کہتا۔[۱۵] انہوں نے مزید کہا کہ ان کی قیادت ہندوستان کی مسلم جمہوریت نے صرف اس لئے تسلیم کی ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انگریز اس وقت بین الاقوامی حالات سے یا اندرونی چیخ و پکار سے متاثر ہو کر جس قسم کی بھی آزادی ہندوستان کو دینا چاہتا ہے ہندو اپنی اکثریت، مستحکم تنظیم اور بے حد و شمار سرمایہ کے بل بوتے پر اس کا تنہا مالک بن جانا چاہتا ہے۔ یہ ہندوؤں کا منصوبہ ہے کہ مسلمانوں کو "اپنا غلام بنائے رکھے" یہ آئینی جنگ ہے جس میں جناح ماہر ہیں[۱۶]۔

مفتی محمد شفیع نے بعد میں ایک فتویٰ بھی جاری کیا جس میں مسلمانوں کی شرکت کانگرس کو ناجائز اور مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز اور درست قرار دیا گیا تھا[۱۷]۔

علامہ عثمانی نے ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کی صدارت بھی کی۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو برطانوی حکومت کی نمائندہ کہتے ہیں وہ خود ہندوؤں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے معاشی طور پر مضبوط ہونے کے دلائل بھی دیئے۔[۱۸]

کانگرس اور قوم پرست مسلمانوں کا مسلم لیگ پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ عوامی جماعت نہیں ہے بلکہ نوابوں، راجاؤں، ٹوڈیوں اور مفاد پرستوں کی جماعت ہے اس لئے اس سے جمہوری اسلامی حکومت کے قیام کی امید عبث ہے۔ ان کا یہ اعتراض بڑی حد تک درست تھا لیکن مسلم لیگ میں مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی شمولیت نے اس کو مسلم عوام میں بے حد مقبول بنا دیا اور صحیح معنوں میں یہ ہندوستانی مسلمانوں کی عوامی جماعت بن گئی۔

ڈاکٹر مبشر حسن لکھتے ہیں کہ قائد اعظم نے تحریک پاکستان کے آخری دنوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا تعاون حاصل کر کے پاکستان کے حامی علماء کو منظم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ پاکستان دشمن مذہبی پیشواؤں کی طرف سے آئے دن جو کفر کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں ان کا توڑ کیا جائے اور عامۃ المسلمین کو یہ بتایا جائے کہ تحریک پاکستان غیر اسلامی نہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور سے پہلے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ عثمانی کے ساتھی مولانا عبد القدوس بہاری نے کہا کہ جمعیۃ العلماء اسلام کسی سیاسی جماعت کا ضمیمہ نہیں ہے بلکہ مستقل جماعت ہے چونکہ اس وقت مسلم لیگ اسلامیان ہند کی بہتری کے لئے کوشاں ہے اور دشمنان اسلام کا مقابلہ کر رہی ہے اس لئے ہم مسلم لیگ کی حمایت کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔

آپ کی مسلم لیگ میں شرکت کا غلغلہ ہندوستان میں اس وقت بلند ہوا جب آپ کا پیغام جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کلکتہ کے اجلاس اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس پیغام نے ملک میں مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں ایک زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا۔ سید محمد قریشی شمسی ناظم کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام نے اپنے پیش لفظ میں اس خطبہ کے متعلق لکھا:

> ”عظیم الشان پنڈال، سارا احمد علی پارک اور اطراف و جوانب کے علاقے مسلمانوں سے معمور تھے۔ پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ عجیب محویت و کیفیت سبھوں پر طاری ہو گئی۔ بار بار نعرہ ہائے تکبیر و علامہ شبیر احمد عثمانی زندہ باد بلند ہوتے رہے۔ اکثر جملوں کو مقرر پڑھنے کی درخواست ہوتی رہی اور تقریباً پون گھنٹہ تک اجلاس کی کوئی کاروائی نہ ہو سکی۔ پنڈال کے ہر گوشے سے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے وفور جوش سے اچھلتے رہے“۔

روزنامہ عصر جدید کلکتہ نے اس پیغام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

> ”پیغام سنائے جانے کے وقت اس عظیم الشان مجمع کی محویت کے نظارہ میں جو حالات ایمانی خود اس اجتماع عظیم کے ہر فرد نے محسوس کی اس کا اندازہ کوئی بیان کرنے والی زبان بیان نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ برسوں اور مدتوں کی سوکھی اور پیاسی زمین پر بڑی امید، بڑے انتظار اور بڑی تمنا کے بعد غیر متوقع طور پر یکبارگی باران رحمت کا نزول ہو رہا ہے“[19]۔

علامہ کے اس پیغام نے تمام ہندوستان میں غلغلہ برپا کر دیا اور مسلم لیگ کو شریعت اور سیاست کی روشنی میں آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ بے شمار مسلمان جو لیگ میں شریک ہونے سے ہچکچاتے تھے اور جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا ابوالکلام کی شخصیت سے متاثر تھے جوق در جوق اور فوج در فوج مسلم لیگ میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

انہی دنوں میں جمعیۃ العلماء ہند کے اکابرین کا جو وفد شیخ الاسلام علامہ عثمانی سے دیوبند میں ان کے مکان پر ملنے آیا اس نے یہ تسلیم کیا کہ آپ کے اعلانات نے ملک میں ہلچل ڈال دی ہے۔

علامہ عثمانی کا دینی حلقوں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام تھا۔ آپ نے علماء سو کا مسلم لیگ کے پرعزم پلیٹ فارم سے موثر توڑ کیا۔ آپ نے مسلم لیگ میں شرکت کرنے اور اس کی تائید میں ایک زبردست فتویٰ شائع کیا۔ لکھتے ہیں :

> ”میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم ہو گئی اور تھوڑی سی مدت میں بدون جہت زیادہ نقصان اٹھائے دنیائے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا بلکہ لیگ اور کانگرس کو صلح یا جنگ کے ہر معاملہ میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے کچھ کم ہے“۔

علامہ نے شریعت اور سیاست کے اعتبار سے مسلم لیگ میں عام مسلمانوں کی شرکت کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ پیغام کلکتہ میں فرماتے ہیں :

> ”اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ اس لئے وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف

عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نیز علمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصل قومیت کی حفاظت کے لئے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علماء ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر خدانکردہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاءاللہ ایسے فاسد عناصر سے مسلم لیگ کو صاف کر کے دم لیں گے"[۲۰]۔

حصول پاکستان کے لئے علامہ عثمانی کے جوش اور ولولے کا یہ عالم تھا کہ وہ اس عظیم مقصد کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپ نے نومبر ۱۹۴۵ء میں دیوبند کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں مدت سے گوشہ نشین تھا۔ میری بیماری نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں سیاست سے کنارہ کش ہو جاؤں لیکن اس وقت ملک میں جو حالات برپا ہیں اس سے میں اپنی آنکھیں بند نہیں رکھ سکتا تھا۔ میرے دل کا اضطراب بڑھ رہا تھا میرا سکون چھن رہا تھا اسی کرب و اضطراب نے مجھے بستر علالت سے اٹھا کر جلسہ گاہ میں پہنچا دیا ہے۔ میں ملت اسلامیہ کو یہ پیغام دینے آیا ہوں کہ برصغیر کے مسلمانوں کی عافیت، ان کے حقوق کی حفاظت، ان کے دینی شعائر کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ حصول پاکستان کی تحریک میں کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور میں آپ کے سامنے بیمار اور ناتواں ہونے کے باوجود خدائے حیی و قیوم سے یہ عہد کرتا ہوں کہ حصول پاکستان کی خاطر میرے لہو کی ضرورت ہوئی تو میں انشاءاللہ اس سے دریغ نہیں کروں گا۔ میرا کامل ایمان ہے کہ ملت اسلامیہ کے وجود کی بقاء، ان کے دینی حقوق کا تحفظ اور سیاسی سربلندی کا حصول صرف قیام پاکستان ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔ میری کامیاب زندگی کا راز اسی میں ہے کہ میں اس تحریک کے لئے اپنی زندگی وقف کر دوں"[۲۱]۔

الغرض علامہ کی مسلم لیگ میں شمولیت اور تعمیر پاکستان کے لئے طوفانی دوروں سے مخالفت کی بدلیاں چھٹنے لگیں اور ہوائیں قیام پاکستان کے حق میں چلنے لگیں۔

جمعیۃ العلماء اسلام کا قیام

پس منظر

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مسلسل اسلام دشمنی اور مسلم مفادات کی مخالفت کے باوجود جمعیۃ العلماء ہند کانگرس پر فریفتہ ہوئے جا رہی تھی اور اسکی آلہ کار اور ضمیمہ کے طور پر کام کر رہی تھی۔ مسلم عوام کے لئے جمعیۃ کا یہ رویہ

نا قابل برداشت اور نا قابل فہم معمہ بنا ہوا تھا۔ حالات تقاضا کر رہے تھے کہ مسلمانوں کا ایک مضبوط پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے جو ان کے حقوق و مفادات کی صحیح طور سے نگرانی کر سکے۔ مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم اور مسلمانان ہند کی سب سے بڑی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف جمعیۃ العلماء ہند کی سیاسی اور دینی یلغار سے عام مسلمان ان سے دور ہوتے چلے گئے اور ان کے خیالات کو عمومی طور پر رد کر دیا گیا۔ اس کے علی الرغم مسلم لیگ کے حامی علماء تحریک پاکستان کے فیصلہ کن مرحلے میں ایک قدم اور آگے بڑھے اور علماء کی الگ سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کا ایک اہم مقصد مسلم لیگ کو دیو بندی، بریلوی، فرنگی محلی، اہل حدیث علماء اور تمام سلاسل کے مشائخ کی حمایت بہم پہنچانا تھا۔ اس ضمن میں پہلے بھی کچھ کوششیں کی جا چکی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی جو قرارداد پاکستان کی منظوری سے قبل ہی قائداعظم کے ساتھ مل کر مسلم جماعتوں کے درمیان اشتراک اور ایک متحدہ اسلامی محاذ قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے اس سلسلے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ :

> ”جو علماء پاکستان اور دو قومی نظریے کے حامی تھے، بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود منظم نہ تھے۔ وہ اپنے حلقہ اثر میں مسلم لیگ کے موقف کی تائید کرتے رہے، ان میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے بزرگ دارالعلوم دیو بند سے متعلق تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر دارالعلوم دیو بند میں نزاع شروع ہوا، جس کے نتیجے میں ان حضرات نے اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اپریل ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کی کونسل میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ پاکستان میں حکومت قرآن وسنت کی بنیاد پر قائم ہوگی۔ اس اعلان کے بعد ایک تو وہ علماء جو کانگرس سے بد دل ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے، اب بڑی تعداد میں لیگ کی حمایت پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور اسکی تقویت کا باعث ہوئے اور دوسرے اس زمانے میں اس خیال کے تحت کہ علماء پوری قوت کے ساتھ تحریک میں شرکت کریں تا کہ اسے وہ قوت محرکہ مل جائے جو وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی، علماء کو تحریک سے وابستہ کرنے کی کوششیں بڑے پیمانے پر ہوئیں۔ علماء سے گفتگوئیں ہوئیں، مذاکرات ہوئے اور

> انہیں تحریک میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس طرح پورے برصغیر میں علماء کی بڑی جمعیت کا تعاون لیگ کو حاصل ہوگیا۔ لیگ نے اب یہ ضرورت محسوس کی کہ عام علماء اور تمام مسلمانوں کو پاکستان کے حصول کی اہمیت کا احساس زیادہ سے زیادہ دلایا جائے۔ اس کی یہ کوشش پہلے بھی ظاہر ہوئی تھی، جس میں ۱۹۳۹ء میں لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ نے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ ہر مقام پر علماء سے کانگرس کے ساتھ تعاون کے نقصانات پر فتوے لئے جائیں اور ان کو مسلم لیگ کے اہتمام سے شائع کیا جائے“۔

”بعض علماء کی رائے کے مطابق ایک علیحدہ تنظیم کے قیام کو ضروری سمجھا گیا تاکہ اس تنظیم کے ذریعے تحریک پاکستان کی حمایت کی جائے اور ان علماء کا تعاون حاصل کیا جائے جو لیگ میں باضابطہ شمولیت سے احتراز کرتے تھے۔ یہ زیادہ قابل عمل اور موثر تجویز تھی“۔

قیام

جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کا قیام علماء اور فضلاء کے اہم اجتماع میں زیر صدارت علامہ آزاد سبحانی[22] یکم شعبان ۱۳۶۴ھ/ ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو دارالامن اسلامی، مچھوا بازار، کلکتہ میں عمل میں آیا[23]۔ یہ ایک علاقائی اور صوبائی تنظیم تھی۔ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ اور جمعیۃ علماء بنگالہ کی داعی ومساعی سے ”کل ہند جمعیۃ علماء اسلام“ کی ایک عظیم الشان کانفرنس ۱۸۔۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۲۶۔۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں منعقد ہوئی، جس میں کل ہند جمعیۃ علماء اسلام یا آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو اس کا صدر منتخب کیا گیا[24]۔ یہ ایک مرکزی سطح کی تنظیم تھی اور ہندوستان کے تمام صوبوں میں اس کی صوبائی، ضلعی اور مقامی تنظیمیں اور شاخیں قائم کی گئیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے دعوت نامہ کے جواب میں علامہ عثمانی نے اپنے گھر بیت الفضل دیو بند سے مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۶۴ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ناظم جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے نام سے خط ارسال کیا۔ فرماتے ہیں:

> ”بلاشبہ یہ وقت مسلم قوم کے لئے بہت نازک ہے اور سیاسی کشمکش بہت اہمیت اختیار کرگئی ہے۔ شاید ایسی فیصلہ کن ساعت یہاں کی صورت حال سے متعلق موجودہ دور سیاست میں کبھی پیش نہ آئی تھی جس کا سب سے زیادہ افسوسناک اور رسوا کن پہلو یہ ہے کہ چھوٹی بڑی مسلم پارٹیوں کی

> باہمی آویزش وتصادم کا تماشہ دیکھ کر اغیار خوش ہوتے ہیں اور اسی کو بطور ایک موثر حربے کے استعمال کر رہے ہیں۔ آپس کی منافرت بڑھتی جا رہی ہے جو درجہ عناد تک پہنچ گئی ہے۔ عظیم ترین قومی مفاد کو چھوٹے چھوٹے اور محدود نظریات یا شخصی و جماعتی اقدار کی خواہش پر قربان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے کہ قلوب کو بدل ڈالے اور ہر طرف سے ہٹا کر خالص اسلامی نقطہ نظر پر سب کی توجہات مرکوز کر دے۔ ہماری تیرہ بختی دیکھیے کہ آج ہم کو ہندوستان میں یہ دن دیکھنا پڑا ہے جبکہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی استقلال ثابت کرنے کے لئے بھی دلائل کی ضرورت ہے اور اس استقلال کی مخالفت میں خود قوم کے بعض اعضاء ہی سینہ سپر ہو رہے ہیں۔ بندہ مسلم قوم کی کامیابی اور نصرت کے لئے دعا کرتا اور یقین رکھتا ہے کہ علماء کا وقار اور ان کی افادی شان کا تحفظ صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ کسی دوسری جماعت یا عوام کے تابع مہمل بن کر نہ رہیں اور سچی بات کہنے میں کسی خوف وطمع سے متاثر نہ ہوں''[۲۵]۔

آخر کار شیخ الاسلام علامہ شبیر عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا راغب احسن، مولانا عبدالرؤف داناپوری، مولانا محمد شفیع، علامہ آزاد سجانی، مولانا سید محمد قریش شمسی، مولانا ظفر احمد انصاری، جمعیتہ علماء اسلام کلکتہ اور جمعیتہ علماء بنگالہ کی کوششیں رنگ لائیں اور کلکتہ کے محمد علی پارک میں ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا، دو مقامی تاجروں ایس، اے حمید اور سیٹھ رزاق نے انتظامی اخراجات کا ذمہ لیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے ملک بھر سے علماء مشائخ کو کلکتہ لانے میں مدد کی۔ بنگال کے صوبائی وزیر خواجہ ناظم الدین اور حسین شہید سہروردی نے اس کام کی نگرانی کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی علالت کے باعث کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم آپ نے ۲۹ صفحات پر مشتمل اپنا پیغام بھیجا تھا۔

۱۸ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو چار روزہ ''کل ہند جمعیتہ علماء اسلام'' یا ''آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام'' کے اجتماع کا آغاز ہوا، مولانا راغب احسن نے خطبہ استقبالیہ پڑھا، مولانا ظفر احمد عثمانی نے اجلاس کی صدارت کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا پیغام مولانا محمد متین خطیب نے پڑھا۔ علامہ عثمانی نے اپنے پیغام میں شرعی، سیاسی اور عملی دلائل سے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ علامہ عثمانی نے اپنے حلقہ اثر میں یہ بات ذہن نشین کرائی تھی کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام حیات جاری وساری کرنے کے لئے اپنی علیحدہ تنظیم اور اپنی ایک علیحدہ ریاست کا ہونا ضروری ہے۔

اس اجتماع میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ علامہ نے اس شرط پر عہدہ قبول کیا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی ان کی تنظیمی امور میں مدد کریں گے کیونکہ علامہ کی صحت خراب تھی۔ مولانا سید محمد قریشی

ناظم مولانا ظفر احمد عثمانی، پیر صاحب سرسینہ شریف، علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی[۲۶] پیر غلام مجدد سرہندی[۲۷] نائب صدر اور مولانا محمد متین خطیب[۲۸] کو نائب ناظم منتخب کیا گیا۔ ایک گیارہ رکنی مجلس شوریٰ بھی بنائی گئی اس میں مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالقدوس بہاری، مولانا سیفی ندوی، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، مولانا حامد علی قریشی، مولانا عبدالحامد شملوی، مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالواحد بدایونی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد متین خطیب اور مولانا ظفر احمد انصاری شامل تھے[۲۹]۔

ہندوستان بھر سے کوئی پانچ سو علماء ومشائخ نے چار روزہ کانفرنس میں شرکت کی۔ شرکاء میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: پیر صاحب سرسینہ شریف، پیر صاحب سیالکوٹ علامہ محمد ابراہیم، مولانا غلام مرشد لاہور، سجادہ نشین تونسہ شریف، مولانا محمد اکرم آف کلکتہ، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، پیر صاحب پھرپھرا شریف، پیر غلام مجدد سرہندی، قاری محمد طاہر دیوبندی، مولانا عبدالصمد مقتدری، مولانا ظہور احمد دیوبندی، مولانا عبدالحی، مولانا ذوالفقار علی صاحب چاٹگام، مولانا فیض الرحمٰن میمن سنگھ، مولانا سید فرید الدین سلہٹ، مولانا نصیر الحق نصیر آبادی، مولانا سید مصلح الدین کشور گنج اور زبیر عثمانی۔

اغراض ومقاصد

اس موقع پر اس جماعت کی تاسیس کے ساتھ ساتھ مختصراً اس کے اغراض ومقاصد بھی بیان کر دیئے جائیں تاکہ قارئین اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ اس جماعت کے قیام سے برصغیر کے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام تمام صوبہ جات وریاستہائے برعظیم ہند کے علماء اسلام کی جمعیۃ ہے اور اس کا مختصر نصب العین، اغراض و مقاصد اور وظائف خصوصی کے مطابق حسب ذیل ہیں:

مادہ نمبر۱: کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کا نصب العین اعلاء کلمۃ الحق اور احیاء دین وغلبہ دین اسلام بصورت تبلیغ و تنفیذ دین وتاسیس خلافت حکومت الہیہ کا احیاء اسلامی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

اول یہ کہ تین مستقل ومتعین ذریعوں سے ہمہ گیر، عالمگیر اور غالب بتلایا جائے۔ اس حد تک کہ قرآن پاک کے اعلان واجب الاذعان "ليكون الدين كله لله" کا یہ مطلب ہے کہ تمام روئے زمین پر سارے ادعیان باطل مٹ کر ایک دین حق جو کہ اسلام ہے باقی رہ جائے۔

تین مستقل ومعین ذرائع حسب ذیل ہیں:

○ ''دین کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتلقین''

○ ''دین کی تنفیذ وعملی تشکیل'' اور

○ خلافت الٰہی وحکومت اسلامی کی تاسیس یعنی مسلمانوں کی ایک ایسی سلطنت وحکومت کا قیام عمل میں لایا جائے جو کتاب وسنت کے اساس پر مبنی اور خلافت راشدہ کے نمونہ پر ڈھلی ہوئی ہو اور جس کی حاکمیت شریعت اسلامیہ کے لئے مخصوص ہو۔ خلافت الٰہی وحکومت اسلامی کی امتیازی شان تمام دوسرے نظام ہائے وحکومت میں یہ ہے کہ اس میں حق حاکمیت وسیادت بجائے انسانی جماعتوں کے صرف شریعت اسلامی کو حاصل ہوتی ہے،،۔

مادہ نمبر۲ : ''تفقه فی الدین۔ علماء دین وعلوم دین،،۔

(الف) مطابق آیۃ قرآن حکیم ربانی۔ فلو لا نصر من کل فرقة منهم طائفة الیتفقهوا فی الدین۔

''(کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ان کے ہر گروہ میں ایک جماعت نکل کھڑی ہوتا کہ دین میں پوری فہم ودانش پیدا کرے) حسب معیار حقیقت وارتقاء صالح حاصل کرنے کا سامان اور اختصاص فی علوم الدین کے ذرائع مہیا کرنا''۔

(ب) ''علماء حق کے وقار کو دین حق کے وقار کا ایک ضروری ذریعہ وخیر ماننا اور علم دین اور علماء دین کے صحیح دینی درجہ وقار کو بلند وراسخ کرنا، علماء کو تمام ذاتی نفسیاتی وطبقاتی جاہ طلبیوں سے پاک کرنا اور ان میں اللہ اور اس کے دین کے لئے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ جذبہ خدمت وایثار پیدا کرنا''۔

(ج) علوم دینی ومعارف اسلامی کی صحیح تعلیم واشاعت کا سامان کرنا اور ان کی اعلیٰ ترین تحقیق وتدقیق وترقی کے مناسب ذرائع ووسائل اختیار کرنا اس کے مقصد کے لئے مکاتب، مدارس اور مجالس علمی وادارات تعلیم وتحقیق قائم کرنا اور کرانا۔ وحدت تعلیم دین ودنیا، اصلاح نصاب ووحدت امت''۔

مادہ نمبر۳: ''وحدت تعلیم دین ودنیا ووحدت نصاب علوم دینی ودنیاوی اور وحدت امت اسلامی کا سامان کرنا۔ امت اسلامی میں دین ودنیا کی تفریق اور دین وسیاست کی علیحدگی فتنہ باطل نے تعلیم دینی اور تعلیم دنیاوی کی تفریق کا فتنہ باطل بھی پیدا کر دیا ہے۔ عربی مدرسوں اور انگریزی کالجوں کے دو بالکل جداگانہ سلسلے قائم کئے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہیں۔

برطانوی دور حکومت کے غلط نظام تعلیم نے اس تفریق کو بہت مستحکم کر دیا ہے اور اس سے ملت اسلامیہ میں نہ صرف علمی وذہنی اعتبار سے تفریق پیدا ہوگئی ہے بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی جسم ملت کو زخم کاری پہنچ رہا ہے۔ انگریزی

دان مسٹروں کا ایک مستقل گروہ پیدا ہو گیا ہے اور عربی دان مولویوں کا ایک جداگانہ طبقہ پیدا ہو گیا ہے اور دونوں میں ذہنی اور فکری بعد بڑھتا جا رہا ہے۔ دونوں ذہنی و فکری اور معاشرتی لحاظ سے دو جداگانہ طبقے بن گئے ہیں اور اپنی دو علیحدہ دنیاؤں میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس طرح ملت اسلامیہ کے اندر ایک بڑی خلیج افتراق و انشقاق نمودار ہو چکی ہے جس کا پاٹنا ملت کی صحت وارتقا و صلاح کیلئے لازمی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کا ایک اہم ترین فرض اس خلیج کو پاٹنا ہے اور امت اسلامی میں ذہنی، فکری و معاشرتی وحدت پیدا کرنا ہے“۔

جمعیۃ علماء اسلام کا ایک اہم مقصد یہ ہوگا کہ وہ دنیاوی اور دینی تعلیم کی تفریق باطل کو ختم کرے اور ایک حد معین و مدت مقرر تک ان کی وحدت کو قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔ مثلاً فوقانی (میٹرک کلاس) تمام متعلمین کے لئے، مبادیات و اساسات دین، اصول شریعت، تاریخ اسلام و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم لازمی ہوگی۔ اس طرح سب متعلمین کے لئے علوم دنیاوی مثلاً جغرافیہ، تاریخ، ریاضی، مبادیات سائنس، ہائجین، معاشیات و سیاسیات، و معدنیات، تاریخ دستورات ملکی (کانسٹی ٹیوشن) کا علم حاصل کرنا لازمی ہوگا۔

اس درجہ وحدت مبادیات علوم دین و علوم دنیا (میٹرک کلاس) کے بعد تخصیص، تحقیق اور فضل و کمال کے اختصاصی درجے اور مختلف سلسلے ہوں گے۔ کچھ متعلمین درجہ دنیاوی میں تخصیص کے لئے کوشش کریں گے اور اس کے لئے مناسب کالج قائم ہوں گے اور کچھ لوگ علوم شرعیہ و تفقہ فی الدین کے اختصاصی کسب کے لئے وقف ہوں گے اور ان کے لئے مناسب مدارس عالیہ اسلامیہ قائم ہوں گے۔

بنا بریں جمعیۃ علماء اسلام موجودہ نظام تعلیم اور موجودہ نصاب تعلیم کی اصلاح کے لئے کام کرے گی اور اس مقصد کے لئے علماء محققین و ماہرین تعلیم کے اتحاد و خیال و عمل کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ جمعیۃ کے خیال میں بنیادی تعلیم و اساسات تعلیم کی وحدت خود امت اسلامی کی وحدت کے لئے لازمی و لابدی ضرورت ہے مگر واضح ہو کہ اس اصطلاح میں مدارس عربیہ اسلامیہ کے جداگانہ نظام کے استقلال و انفراد کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا اور مدارس عربیہ کی حالت بہتر اور بلند بنانے کی سعی کی جائے گی“۔

اس طرح جمعیۃ علماء اسلام نے دس مادوں پر مشتمل تفصیلی خاکہ پیش کیا۔ مادہ ۹ کی ذیلی شق (ج) کے تحت آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ اسلامی نظام سیاست و معیشت اور اسلامی نظام عمرانیت و مدنیت کو ملک و ملت کے لئے نافذ و جاری کرنے کی کوشش کرنا بیان کیا گیا[۳۰]۔

جمعیۃ علماء اسلام کا مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر محمود کی خاموشی پر تبصرہ

جمعیۃ علماء ہند اور دیگر ہندو نواز کانگرسی مسلمانوں کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء اسلام نے کہا کہ کانگرسی جمعیۃ علماء ہند بلا شرط و بلا معاہدہ کانگرس سے موالات کرنے میں مٹ چکی ہے اور اس کی خاطر ملت اسلامیہ سے بھی کٹ چکی ہے لیکن پھر بھی کانگرس نے جمعیۃ علماء کے اعتراضات و احتجاجات کی بالکل پرواہ نہیں کی۔ حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر محمود نے مولانا سجاد بہاری کو جواب تک نہ دیا اور واردھا سکیم میں ایک شوشہ اور نقطہ کی ترامیم بھی نہیں کرا سکے اور کروا بھی کیسے سکتے تھے، یہ غریب کانگرس میں کیا اثر و اختیار رکھتے ہیں اور ان کے پیچھے کون سی عوامی طاقت ہے۔ وہ اپنی قوم سے کٹ کر کانگرس میں محض ہندو راج کے آلہ کار بن گئے ہیں اے کاش وہ اور ان جیسے بعض دوسرے حضرات اب بھی ملت کی طرف رجوع کریں اور اپنا رشتہ امت سے جوڑیں۔

تحریک پاکستان اور تقسیم ہند پر جمعیۃ علماء اسلام کا مؤقف

مسلسل اسلام دشمنی اور مسلم مفادات کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانان ہند یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کانگرس، جو کہ ایک ہندو تنظیم ہے، سے انصاف کی توقع فضول ہے۔ مسلمانوں کا کانگرس میں بلا شرط و معاہدہ داخل ہونا دینی لحاظ سے درست نہیں اور ملی و قومی مفاد کے خلاف ہے۔ اس احساس نے انہیں مسلمانوں کی واحد تنظیم ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے جھنڈے تلے متحد ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل آزاد و خود مختار پاکستان کا مطالبہ کریں اور مسلم اقلیت کے صوبوں میں موثر تحفظات کا انتظام کریں۔ ہندوستان کے لئے وفاقی طرز حکومت درست نہیں کیونکہ جمہوری طرز حکومت میں اس طرح کے مرکز پر ہندو اکثریت کا غلبہ یقینی ہے۔ اگر مسلمان تمام ہندوستان کو ''دارالاسلام'' بنانے کی استعداد و طاقت نہیں رکھتے تو ان صوبوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں دارالاسلام بنانا لازم اور ضروری ہے۔ ایسا آزاد و خود مختار پاکستان تمام ملت اسلامیہ اور ہندوستان کی مظلوم و پست اقوام کے لئے بھی مفید ہوگا۔ پاکستان اس خطہ میں ''مدینۃ النبی'' کی طرح اشاعت اسلام کا مرکز ہوگا[۳۱]۔

جمعیۃ علماء اسلام اور ملت اسلامیہ

اگرچہ جمعیۃ علماء اسلام برصغیر کی ملت اسلامیہ کو ایک مرکز پر متحد کرنے کے لئے معرض وجود میں آئی ہے لیکن اس کے سامنے ساری دنیا خصوصاً تمام ملت اسلامیہ کے مسائل و واقعات بھی ہیں۔ جس طرح تمام دنیا کے مسلمان ایک ملت ہیں اسی طرح اسلام بھی ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام ہر زمانہ میں تمام دنیا اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی

استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام ایک لازوال قانونِ قدرت اور دستور حیات ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کے سامنے ساری دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کو درپیش حالات و واقعات اور ملت اسلامیہ کے مستقبل کا مسئلہ بھی ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کا نصب العین

جمعیۃ علماء اسلام کا نصب العین دین اسلام کی سربلندی اور اسلامی اصولوں کے مطابق خلافت راشدہ کی طرز کی ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی حامی ہے۔ علماء حق کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کی رہنمائی کریں اور اس نئی ریاست کو لادینی نظریات پر قائم ہونے سے روکیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کا نصب العین اور مقصد قیام دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان میں حکومت الٰہیہ اور خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد و سعی کرنا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء اسلام کا اصولی فرق

جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ علماء ہند دہلی کے فرق کو ظاہر کر دینا بہت ضروری ہے۔ دونوں جمعیتوں کا اصولی فرق مندرجہ ذیل حقائق سے ظاہر ہوگا۔

○ فکر اسلامیت اور فکر وطنیت

○ عالمگیر خلافت اسلامی اور حکومت ربانی

○ آل انڈیا مسلم لیگ اور استقلال تنظیم ملت

○ جمعیۃ علماء ہند دہلی کانگرس کی مسلم ماس کنٹیکٹ کی سب سے بڑی انجمن ہے۔ اس کا اصل اصول یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف ایک ہندوستانی قومیت کا وجود ہے اور کسی دیگر پارٹی یا قوم کا وجود نہیں ہے اور کانگرس تمام ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ مسلمانوں کی کوئی پارٹی اور کوئی قوم نہیں۔ جمعیۃ علماء ہند دہلی کانگرس کے اسی منصوبہ کو عملاً پورا کر رہی ہے۔

○ کافر و مشرک کی قیادت و سیادت

○ پاکستان اور اکھنڈ بھارت، مسلم قومی خود ارادیت اور صوبائی خود ارادیت

○ موالات و معاملات بالکفار

○ امت کی کل یا جزو وقار دین اور وقار علماء

○ ممالک اسلامیہ کے درمیان رابطہ اور عالم اسلام کی مرکزیت

- جمعیۃ علماء اسلام کا اصل دائرہ عمل
- جمعیۃ علماء اسلام جدید تمدن کی گمراہیوں کے درمیان اسلامی نظام معاشیات، سیاسیات اور اسلامی نظام شریعت کی ترقی پذیر برتری اور کامیابی سے مایوس نہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کا مسلک آزادی ملک سے مراد یہ ہے کہ وہی آزادی، آزادی ہے جو امت محمدیہ ﷺ اور امت اسلامی کی آزادی اور قانون و نظام اسلام کی برتری و حاکمیت قائم کرنے میں معاون ہو سکے۔

جمعیۃ علماء اسلام محض سیاسیات کو اوڑھنا بچھونا بنانا نہیں چاہتی اور نہ سیاست کو دین سے علیحدہ یا شجر ممنوعہ جانتی ہے کیونکہ پہلی صورت علماء دین کے اصل مقصد اور منصب علمی، و تعلیمی و تبلیغی کام کو نقصان پہنچانے والی ہے اور دوسری صورت دین کو محض ایک خانقاہی تصوف اور مظلوم ادارہ بنا دینے والی ہے جو ہمیشہ اہل سیاست و ریاست کے رحم و کرم پر زندہ رہے گا جیسا کہ لادینی ترکی جمہوریہ میں ہے اور جیسا کہ روس چرچ کی حالت ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کا مقصد تخلیق تعلیم و تبلیغ دین کا اہتمام کرنا اور کرانا، تنفیذ دین اور نظام شریعت کی حاکمیت کے قیام کا اہتمام کرنا اور کرانا، تحفظ و ترقی علوم و معارف اسلامیہ کی جدوجہد اور تحریک جاری کرنا، اسلامی ریاست، معیشت و مدنیت کے دائرہ میں امت اور دنیا کو قرآن و فقہ کی روشنی میں علمی اور عملی رہنمائی کرنا اور ہدایت دینا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند دہلی ان فرائض سے غافل ہو چکی ہے اور بالکل سیاسیات کانگرس کے لئے ہمہ تن وقف ہے اور اصل مقصد سے بے پرواہ ہو کر صرف آزادی کی طالب ہے جس کا مقصد صرف آقاؤں کی تبدیلی ہے۔ یہ نام نہاد آزادی صرف ہندوؤں کی آزادی ہوگی ملت اسلامیہ کے لئے تو یہ ہندوؤں کی غلامی اور صرف آقاؤں کی تبدیلی ہوگی۔

جمعیۃ علماء اسلام، جمعیۃ علماء ہند دہلی کی رقیب نہیں

جمعیۃ علماء اسلام جمعیۃ علماء ہند کی رقیب نہیں بلکہ وہ دل سے دعا کرتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند دہلی اب بھی کانگرسی وطنیت، متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کی حمایت سے تائب ہو کر امت محمدیہ سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑے اور آرزومند ہے کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام کے خالص اسلامی نصب العین اور مقاصد کو قبول کرے۔ اگر جمعیۃ علماء دہلی نے ایسا کیا تو اب بھی صلح و صفائی کا دروازہ کھلا ہے کہ تمام طبقات امت باہم متحد ہو کر دفاع ملت کے لئے کام کریں اور دنیا میں کلمۃ اللہ کو بلند و بالا کریں۔ اسلام کے عالمگیر نظام خلافت کو زندہ و پائندہ کریں اور ہر شعبہ زندگی میں شریعت محمدی ﷺ کی امامت و سیادت کو قائم کریں۔ ہم جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اس اصلی مقصد کے لئے صلح و صفائی نیز محبت و اخوت کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے پہل کرتے ہیں۔

جمعیتہ العلماء ہند اور مجلس احرار کی مسلم لیگ دشمنی اور کانگرس نوازی کو دیکھتے ہوئے مسلمان علماء کا ایک اور گروہ ہندوستان کے میدان سیاست میں آیا جس نے نہ صرف مسلم لیگ کی کھل کر تائید و حمایت کی بلکہ کانگرس نواز علماء اور تنظیموں نے مذہب کے نام پر پاکستان اور مسلم لیگ کی جو مخالفت کی تھی اس کا جواب مذہب ہی کے نام پر دیا۔

جمعیتہ العلماء اسلام مختلف مکاتب فکر کے علماء پر مشتمل تھی جس کا مقصد تمام مکاتب خیال کے علماء کو ساتھ لے کر اور دینی جماعتوں اور تنظیموں کا تعاون حاصل کر کے قیام پاکستان کی جدوجہد کو تقویت پہنچانا تھا۔ یہ جماعت ان مسلمان علماء اور اکابرین کے سیاسی خیالات و نظریات کا توڑ کرنے کے لئے بنائی گئی تھی جنہیں مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے عام مسلمان عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن ان کے سیاسی عقائد و نظریات آل انڈیا کانگرس کے حق میں اور مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ مذہبی شخصیتوں کے نظریات اور خیالات کا توڑ اسی مرتبے کی مذہبی شخصیتوں کے ذریعے سے ممکن تھا۔ لہذا اس جماعت نے صرف نیشنلٹ علماء کے خیالات کی تردید اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت تک اپنے کردار کو محدود رکھا اور خود کو سیاسی تنظیم کے طور پر مسلم لیگ کے مقابل ابھارنے کی کوشش نہیں کی۔ آخر وقت میں جب علماء کی متعدد جماعتیں اور خود کانگرس میں شامل مسلمان علماء آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کی قیادت پر کافر ہونے اور اسلام سے گمراہ ہونے کے الزامات کا پروپیگنڈا کر رہی تھی، جمعیتہ العلماء اسلام نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کر کے مسلم لیگ کا مذہبی محاذ بہت مضبوط بنا دیا تھا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ ہم مندرجہ ذیل ۱۲ نکات میں بیان کر سکتے ہیں :

- کانگرس اور جمعیتہ العلماء ہند کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو جو مسلمانوں کے لئے موت کا پیغام ہے، کو باطل قرار دیا جا سکے۔
- مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کا دفاع کیا جا سکے۔
- مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے حامی علماء کو ایک موثر پلیٹ فارم پر متحد کیا جا سکے۔
- قیام پاکستان کی راہ ہموار کی جا سکے۔
- مسلمانوں کی شرعی حیثیت سے رہنمائی کی جا سکے۔
- جمعیتہ العلماء ہند کا مسلمانان ہند پر اثر کم کیا جا سکے۔
- نئی قائم ہونے والی مملکت پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی راہ ہموار کی جا سکے۔
- کانگرس اور دیگر تنظیموں کے مقابلے پر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی جا سکے۔

- ۱۹۴۵-۴۶ء کے الیکشن جو اسلامیان ہند کے لئے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتے تھے، میں کامیابی کو یقینی بنایا جا سکے۔
- اور سب سے بڑھ کر کانگرس، جمعیۃ العلماء ہند اور کانگرس نواز علماء اور تنظیموں نے مذہب کے نام پر پاکستان، قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف جو فتووں اور الزامات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس کا جواب مذہب ہی کے نام پر دیا جا سکے اور یہ کہ کانگرسی علماء کے باطل نظریات، دلیلوں اور خیالات کا موثر توڑ کیا جا سکے۔
- مسلمانوں کو مذہب کی رو سے مسلم لیگ میں شرکت پر آمادہ کیا جا سکے۔
- نظریہ پاکستان کو مذہبی تقدس بخشا جا سکے۔
- جمعیۃ العلماء اسلام کا سب سے بڑا مقصد قیام پاکستان اور اسلام کی خدمت اور سر بلندی تھا۔

علامہ عثمانی کو صدارت قبول نہ کرنے کا مشورہ

علامہ عثمانی کو اکابرین جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت قبول نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ لیکن علامہ عثمانی حق بات کہنے اور قبول کرنے سے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ چنانچہ مکالمۃ الصدرین سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن نے عرض کیا کہ:

> ''جمعیۃ علماء اسلام محض ہماری جمعیۃ کے مقابلے میں اس کو توڑنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اس کی صدارت قبول نہ فرمائیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول وعدم قبول کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن کل کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کروں گا''۔

چلتے چلتے وفد کا یہ منشا معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپ کی شائع ہو چکی ہیں وہ بیان مسئلہ کے لئے کافی ہیں۔ اب اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔ لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں، ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔ چنانچہ مولانا احسن کے مطابق علامہ عثمانی نے ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو صدارت منظور کرنے کا تار کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو بھیجا[۳۲]۔

کارنامے

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل تھی اور اس میں تمام ہندوستان کے مسلم لیگ نواز علماء جمع تھے۔ اس کانفرنس میں بہت سی قراردادیں منظور کی گئیں جن میں سے چند اہم قراردادوں کا اجمالی ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

ملت کا انفراد و استقلال

موتمر کل ہند جمعیۃ علما اسلام (آل انڈیا جمعیت علما اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس اسلام کے اس بنیادی اساسی عقیدہ ہر مومن و مسلم کے اس قلبی یقین و ایقان کا اعلان کرتی ہے کہ ملت اسلامیہ ایک مستقل جداگانہ اور آزاد قومیت ہے جو کسی حال میں بھی کسی دوسری قومیت یا دوسری قومی تہذیب کا جز و یا تابع نہیں ہو سکتی۔ بنابریں اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ دنیا میں درحقیقت دو ہی قوموں اور دو ہی ملتوں کا وجود ہے ایک قومیت اسلامیہ جو دین و شریعت محمدیہ کی جامعیت کاملیت، حاکمیت اور خاتمیت کے اقرار پر قائم ہے اور یہی مطلب ہے۔ "الكفر ملته واحده" اور "انه لانبى بعدى" کی تعلیم نبوی کا اور یہی مقصود ہے قرآن پاک کی آیت "وكذالك جعلناكم امة وسطالتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا" "وما جعلنا القبلة التى" کے نص قطعی کا جو امت محمدیہ کو امت وسط اور ساری انسانیت کے لئے نمونہ اور گواہ قرار دیتا ہے۔ موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام اعلان کرتی ہے کہ دو قوموں کا نظریہ دراصل اسلام کا اعلان ہے اور کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے۔ بنابریں یہ اجلاس دس کروڑ مسلمانان ہند کو دوسری غیر مسلم اقوام ہند کے مقابلے میں ایک مستقل قومیت یقین کرتا ہے لیکن ایسی قومیت جس کی بنیاد اسلامی ملت اور اسلامی شریعت حقہ کے اصول پر قائم ہے نہ رنگ و نسل و وطن و مرز بوم یا کسی مادی اساس پر"۔

خلافت اسلامیہ

"موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا سیاسی و دینی نصب العین عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوت محمدی کی تاسیس اور شریعت اسلامیہ کے نظام کا قیام ہے اور لازم و ضروری ہے کہ مسلمان انفرادی و اجتماعی طور پر اس نصب العین کو حاصل کرنے اور تاسیس خلافت کے ذریعے عالم اسلام کی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فی سبیل اللہ جد و جہد جاری رکھیں موتمر اپنے اس ایمان کا اعلان کرتی ہے کہ عالم اسلام کے لئے اس کے سوا کوئی مفر نہیں ہے اور انسانیت کی نجات اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج نبوت محمدیہ ﷺ کی عالمگیر سلطنت و دستور اساسی دنیا میں قائم کیا جائے"۔

پاکستان واحد راہ آزادی واستخلاص ہے

”موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام) کا یہ اجلاس ان مخصوص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جن میں ملت اسلامیہ اس برکوچک میں گھری ہوئی ہے اعلان کرتا ہے کہ غلبہ کفار و استیلائے کفر سے نکلنے اور مسلمانوں کی آزادی و استخلاص اور دین و شریعت کی حفاظت و مدافعت کرنے کی عملی صورت یہی ہے کہ مسلمانان ہند اکھنڈ بھارت اور آل انڈیا فیڈریشن کی سختی سے مخالفت کریں اور پاکستان و تقسیم ہندوستان کے مطالبہ کی جو آل انڈیا مسلم لیگ کی نمائندہ جمعیۃ المسلمین نے کی طرف سے پیش کیا گیا ہے پرزور تائید کریں اور اس کے حاصل کرنے کے لئے تمام طاقتوں کو مسلم لیگ کے زیر ہدایت منظم کریں“[۳۳]۔

قائداعظم کی خدمات کا اعتراف

”آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کا یہ اجلاس ان خدمات جلیلہ کا پرزور اعتراف کرتا ہے جو گزشتہ سالوں میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملت اسلامیہ ہند کے ملی انفرادو استقلال کو قائم رنے اور مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان ایک مستقل قوم کی حیثیت سے کھڑا کرنے اور استقلال اسلام کا علان کرنے کے لئے ساری قوم کو جمہوری اساس پر منظم کرنے اور مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں جدوجہد جاری کرنے کے لئے نہایت درجہ حوصلہ شکن حالات میں انجام دی ہیں۔ ملت اسلامیہ کی تنظیم اور مدافعت اور اس کے استقلال کے لئے مسلم لیگ اور اس کے صدر محترم محب ملت جناب محمد علی جناح کی یہ خدمات تاریخی حیثیت حاصل کر چکی ہیں اور یہ اجلاس ملت اسلامیہ اور علماء و مشائخ کی طرف سے ان کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتا ہے۔ ان کو اپنی محبت و ہمدردی اور عملی تائید کا یقین دلاتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ ان کی عمر، صحت، ایمان اور عزم میں برکت دے اور ان کو زیادہ سے زیادہ ملت کی خدمت کی توفیق دے“[۳۴]۔

مسلم لیگ کی تائید و حمایت

”آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کا یہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کو ملت اسلامیہ ہند کی واحد نمائندہ سیاسی، قومی مجلس اور سیاسی ترجمان تسلیم کرتا ہے اور تمام برادران اسلام سے عموماً اور علماء و مشائخ سے خصوصاً درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلم لیگ اور اس کے اصول حق کی ہر طرح تائید فرمائیں اور مسلمانوں کی اجتماعی و ملی آواز کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں“۔

انتخاب میں مسلم لیگ کی تائید

''موتمر کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کا یہ اجلاس تمام مسلمانوں خصوصاً جملہ مسلم رائے دھندگان (ووٹرز) سے درخواست کرتا ہے کہ وہ آئندہ انتخابات اسمبلی وکونسل میں صرف ان امیدواروں کی تائید فرمائیں اور ووٹ دیں جن کو آل انڈیا مسلم لیگ نامزد کرے۔ وہ کسی حال میں کسی ایسے شخص کی تائید نہ کریں جو مسلمانوں کی اس مسلم سیاسی وملی جماعت مسلم لیگ کے ضبط ونظام کے خلاف خود آزادانہ یا کسی دوسری جماعت کی طرف سے کھڑا ہو گیا ہوا۔ ایسا کرنا اتحاد ملت، مفاد امت، استقلال اسلام اور مستقبل قوم کے مقاصد کے سخت خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر منحصر وموقوف ہے''[۳۵]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تقاریر، خطوط، بیانات اور خطبات میں مسلمانوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کرنے کو کہا۔ چنانچہ اپنے پیغام بنام کل ہند جمعیتہ العلماء اسلام کانفرنس کلکتہ میں فرماتے ہیں کہ :

- سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے۔
- اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔
- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت اور اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔
- اسلامی نقطہ نظر سے روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں ایک وہ جو مسلم یا مومن کہلاتی ہے دوسری وہ جو کافر کہلاتی ہے۔
- اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔
- اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں۔
- اکثریت میں مدغم ہو کر ہم آزادی تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے[۳۶]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۲۵۔ ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو لاہور میں کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کی ایک عظیم الشان صوبائی کانفرنس کی صدارت کی۔ اس اجلاس میں علامہ عثمانی نے ''ہمارا پاکستان'' کے عنوان سے ایک زبردست خطبہ پڑھا۔ اس خطبے سے مسلمانان پنجاب کو صحیح راہ نظر آئی اور ان کا جوش مسلم لیگ کے حق میں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ خطبہ صدارت لاہور کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں :

- جب ہندو کا نشہ حکومت وزارتی اقتدار میں اس قدر تیز ہے تو آزاد حکومت میں کیا کچھ نہ ہوگا۔
- کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ فرزندان اسلام انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لئے قبول کر لیں۔
- جس طرح ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اسی طرح ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیے۔
- بحر حال عامہ مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو۔
- مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کو، جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی، ہندوستان کا اختیار حکومت دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اس کے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کر دے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔
- یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستر فیصدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں اور جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔
- ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمانوں سے کٹ جانے کے مترادف نہیں سمجھنا چاہیے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستے میں جغرافیائی حدود بندی کوئی شے نہیں۔
- اب اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنیوالے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد و محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ کوئی فائدہ کی چیز نہیں۔
- ایک مرتبہ کم از کم پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں اگر ناکام رہے تو بھی یہ موقع تو ہر وقت حاصل ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں۔

- مطالبہ پاکستان کا انکار کر کے انگریز کو یہ موقع تو خود ہندو دے رہا ہے کہ وہ ہم کو باہم ٹکراتا اور لڑاتا رہے۔ دونوں قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپ کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے۔
- اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے۔
- عجب بات ہے کہ کانگرس میں دوسری اقوام غالبہ کی شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اس کی تائید کرنے کے لئے جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے گویا مشرکین کی بات پر تو ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔
- کیا کوئی مسلمان بشرط سلامتی ہوش وحواس یہ گمان کر سکتا ہے کہ چند منفرد و منتشر مسلمانوں کا کانگرس میں شریک ہو کر مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنانا صحیح ہوگا۔
- یاد رکھیے مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے اس نے اپنی منزل مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے وہ اس راستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔
- ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔
- کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم نے اتحاد کے لئے ملی خود کشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔
- اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے برخود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا۔
- حالات کا آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتا[۳۷]۔

خطبہ صدارت لاہور کے دو اہم اور خوبصورت اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

”ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا

> عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح امید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے''۔

''کیا بعید ہے کہ جیسے مدینے کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے''۔

تحریک پاکستان کے نامور طالب علم راہنما اور کارکن حکیم آفتاب احمد قریشی جمعیۃ العلماء اسلام کی اس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''جمعیۃ العلماء اسلام کی کانفرنس پنجاب کی تاریخ میں یادگار حیثیت کی حامل تھی کانفرنس اتحاد ملت کا دلکش نظارہ پیش کر رہی تھی۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ ہر مکتب فکر کے افراد شیر و شکر تھے۔ علماء کے علاوہ کالجوں کے ہزاروں طلبہ تھے جو علماء پر نثار ہو رہے تھے۔ شیخ الاسلام کی آمد سے پنجاب کی یونی نسٹ وزارت لرزہ براندام ہوئی۔ اس کانفرنس کی ایک قرارداد میں مسلمانوں پر زور دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیں۔ تحریک پاکستان میں جدوجہد کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس عظیم فریضہ کا احساس کرتے ہوئے مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کریں۔ علامہ کے تاریخی خطاب اور جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کا پنجاب میں بڑا اثر ہوا۔ پنجاب کی فضا ہی بدل گئی۔ مسلم لیگ نے پنجاب میں دینی تحریک کی حیثیت اختیار کر لی اور ایسا سیلاب اٹھا جس کی زد میں یونینسٹ اور اسلام دشمن عناصر خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے''[۳۸]۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے شرعی نقطہ نظر سے نظریہ پاکستان کو درست قرار دیا۔ ۱۸ مئی ۱۹۴۶ء کو کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے زیر اہتمام ضلع اعظم گڑھ میں ایک عظیم الشان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

> ''پاکستان مسلمانوں کا پیدائشی حق ہے کہ اس وقت انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کو نہیں مانتے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ دونوں قومیں از خود پاکستان دے دیں گی۔ اس کے لئے ہم کو اپنے بھولے ہوئے فریضہ اسلامی جہاد کو پھر سے یاد کر کے عمل کرنا ہوگا''[۳۹]۔

بمبئی میں کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے ایک زبردست جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

> ''پاکستان نہ کوئی نعرہ ہے نہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے کوئی منفی قدم ہے۔ یہ نفرت کی پیداوار نہیں جیسا کہ کہا جا رہا ہے۔ یہ نظریہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مختلف صوبوں میں کانگرسی وزارتوں کے قیام کے بعد لاہور میں قرارداد منظور کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ قرارداد لاہور کا مطالعہ کریں آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ ہندوستان ہم لوگوں کا ہے۔ برطانوی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اسے مسلمانوں کے حوالے کر دے''[40]۔

اس کے علاوہ میرٹھ، دہلی، مدراس، پشاور اور حیدرآباد میں بھی کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کی کانفرنسیں منعقد ہوئیں جس سے رائے عامہ تحریک پاکستان کے حق میں ہموار ہو گئی۔

الغرض جمعیۃ العلماء اسلام کے پلیٹ فارم سے علامہ شبیر احمد عثمانی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے جمعیۃ العلماء اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کے لئے ان تھک جدوجہد کی اور رائے عامہ کو مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں پلٹ کر رکھ دیا۔ آپ نے قیام پاکستان کی جنگ میں مذہبی عنصر کو شامل کیا۔ حصول پاکستان کی جدوجہد نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ مذہبی طبقہ کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔ متحدہ قومیت کا طلسم پارہ پارہ ہو گیا اور گاندھی کی فلاسفی پاش پاش ہو گئی۔

کانگرس کا متحدہ قومیت کا نظریہ

آج کل اردو زبان میں ''قوم'' اور ''قومیت'' کے الفاظ انگریزی زبان کے الفاظ نیشن (Nation) اور نیشنلیٹی (Nationality) کے مقابلہ میں بولے جاتے ہیں۔ جن کی تشریح لارڈ برائس نے اپنی کتاب ''بین الاقوامی تعلقات (International Relations) میں یوں کی ہے :

> ''ایک قومیت سے مراد اشخاص کا ایسا مجموعہ ہے جن کو چند مخصوص جذبات نے ملا کر باہم مربوط کر دیا ہو۔ ان میں سے بڑے اور طاقت ور جذبے تو دو ہیں۔ ایک جذبہ نسل، دوسرا جاذبہ دین۔ لیکن ایک مشترک زبان کے استعمال اور مشترک لٹریچر سے دلچسپی اور زمانہ ماضی کے مشترک قومی کارناموں اور مشترک مصائب کی یاد اور مشترک رسوم وعوائد، مشترک تخیلات وافکار اور مشترک مقاصد اور حوصلوں کا بھی اس احساس جمعیت کی پیدائش میں بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ کبھی یہ سب رابطے یک جا موجود ہوتے ہیں اور مجموعہ افراد کو بستہ وپیوستہ رکھتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض رابطے موجود نہیں ہوتے لیکن قومیت پھر بھی موجود ہوتی ہے''[41]۔

''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' نے قوم کی تعریف یوں کی ہے :

> ''کسی علاقہ یا خطہ میں افراد کا وہ مخصوص گروہ، جو ایک ہی نسل سے متعلق ہوں۔ جس کی تہذیبی، تاریخی اور لسانی روایات مشترک ہوں،،۔ اصلاً یہ اصطلاح اس مفہوم کو ظاہر نہیں کرتی جو انگریزی کے لفظ Nation کا مفہوم ہے۔ اسلام میں قوم کا تصور صرف اور صرف مذہبی یگانگت ہے[۴۲]۔

کسی قوم کی نشو و نما، ترقی اور بقا کے لئے اس کی اپنی حکومت اور ریاست کا ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر شفیق علی خان لکھتے ہیں کہ :

> ''جب کوئی قومیت سیاسی طور پر آزادی حاصل کر لے اور اس کی اپنی حکومت قائم ہو جائے تو یہ ایک قوم بن جاتی ہے''۔

اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم

> ''اسلام نے تیرہ سو برس ہوئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تمام دنیا کو بتا دیا تھا کہ دنیا کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک اسلام اور دوسرا کفر۔ کفر ایک ملت ہے اور اسلام ایک ملت''[۴۳]۔

مسلم قومیت کی بنیاد نسل و وطن پر نہیں بلکہ دین پر ہے۔ قرآن نے جو لفظ مسلمانوں کی جماعت کے لئے استعمال کیا ہے وہ ''حزب'' ہے جس کے معنی پارٹی کے ہیں۔ قومیں نسل و نسب کی بنیاد پر اٹھتی ہیں اور پارٹیاں اصول و مسلک کی بنیاد پر۔ اس لحاظ سے مسلمان حقیقت میں قوم نہیں بلکہ ایک پارٹی ہیں۔ کیونکہ ان کو تمام دنیا سے الگ اور ایک دوسرے سے وابستہ صرف اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ ایک اصول اور مسلک کے معتقد اور پیرو ہیں۔ قرآن روئے زمین کی اس پوری آبادی میں صرف دو ہی پارٹیاں دیکھتا ہے۔ ایک اللہ کی پارٹی (حزب اللہ) دوسری شیطان کی پارٹی (حزب الشیطان) ''حزب اللہ'' اور ''حزب الشیطان'' کی یہ تقسیم اتنی سخت ہے کہ (غیر ملک) بصرہ کا حسنؓ، حبش کا بلالؓ اور روم کا صہیبؓ ایک قوم بن جاتے ہیں لیکن اپنے وطن کا ابولہب اور ابوجہل اس میں شامل نہیں ہو سکتے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ :

> ''مسلمان'' ایک بین الاقوامی جماعت کا نام ہے۔ دنیا کی ساری قوموں میں سے ان اشخاص کو چھانٹ کر نکال لایا گیا ہے جو ایک خاص اصول کو ماننے، ایک خاص پروگرام کو عمل میں لانے اور ایک خاص مشن کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ لوگ چونکہ ہر قوم میں سے نکلے ہیں اور ایک

پارٹی بن جانے کے بعد کسی قوم سے ان کا تعلق نہیں رہا ہے اس لئے یہ بیچ کی امت ہیں۔ لیکن ہر قوم سے تعلق توڑنے کے بعد سب قوموں سے ان کا ایک دوسرا تعلق قائم کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں خدائی فوجدار کے فرائض انجام دیں''۔

پس دنیا کے وہ تمام افراد جو ایک خدا اور ایک رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہوں، ایک قوم ہیں اور باقی تمام افراد دوسری قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تقسیم میں وطن، رنگ، نسل اور زبان کی کوئی حیثیت نہیں۔ جس طرح حزب اللہ اور حزب الشیطان میں کوئی حقیقی مصالحت ممکن نہیں، حق اور باطل کبھی اکٹھے نہیں چل سکتے، اسی طرح مسلم اور کافر کی قومیت متحدہ حقیقت میں بن نہیں سکتی۔ پس کانگرس اور کانگرسی علماء کا متحدہ قومیت کا نظریہ ایک باطل اور خلاف اسلام نظریہ ہے۔

نیشنل کانگرس کی اصل حقیقت

آل انڈیا نیشنل کانگرس بظاہر تو ایک مشیر جماعت کی حیثیت سے قائم کی گئی تھی۔ مگر فی الحقیقت اس کا مقصد حکومت کو مشورے دینا نہیں تھا بلکہ برصغیر میں رام راج حکومت کا قیام تھا۔ مکار ہندوؤں نے دنیا پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کانگرس ایک ہندو آرگنائزیشن نہیں اس کا نام انڈین نیشنل کانگرس رکھا۔ اس سے ان کا ایک مقصد انگریزوں پر یہ بھی واضح کرنا تھا کہ ان کے پیش کردہ مطالبات کو ملک کے تمام فرقوں کی تائید حاصل ہے۔ حالانکہ کانگرس فی الواقعہ ملک کے تمام فرقوں کی نمائندہ نہ تھی بلکہ یہ ایک خالص ہندو جماعت تھی جس نے ''نیشنل'' کا نقاب اوڑھ کر دنیا کو فریب دے رکھا تھا۔ بالآخر ہندوستان کے مشہور برہمن اور کانگرس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو نے کانپور میں تقریر کرتے ہوئے اس کا یہ نقاب یوں الٹ دیا کہ:

> ''یہ ایجی ٹیشن بالکل بے بنیاد ہے کہ میں ہندو نہیں۔ میں ایسا ہی ہندو ہوں جیسے خود پنڈت مالوی ہیں۔ میں ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خود کانگرس ہندو جماعت ہے۔ اس میں ۲۱۔۱۹۲۰ء میں تھوڑے سے مسلمان شامل ہو گئے تھے ورنہ ابتداء سے یہ ہندو جماعت ہے''[۴۴]۔

کانگرس میں شامل ہونے والے ''تھوڑے سے مسلمان'' کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے اسی باپ کے بیٹے نامی گرامی برہمن پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب ''میری کہانی'' میں لکھا کہ:

> ''ایک عام تحریک میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک ہم (ہندو) صحیح راستہ سے نہ بھٹکیں، چند رجعت پسندوں کی (کانگرس) میں موجودگی سے کیا حرج تھا؟''

ان ''رجعت پسندوں'' کی جماعتی حیثیت پر آگے چل کر پنڈت جواہر لال نہرو نے یوں روشنی ڈالی کہ :

> ''انفرادی حیثیت سے اب بھی قوم پرست مسلمان کانگرس میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں لیکن جماعت کی حیثیت سے ان کی تباہی کی داستاں بڑی دردناک ہے''[۴۵]۔

اس ''بڑی دردناک داستان'' کی شرح کانگرس کے مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے نے لائلپور (فیصل آباد) میں تقریر کرتے ہوئے یوں کی کہ :

> ''وہ دن کسی کو نہیں بھولے جب کانگرس میں کرایہ کے مسلمان لائے جایا کرتے تھے محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمان بھی کانگرس میں شریک ہیں اور کانگرس صحیح معنوں میں نیشنل باڈی ہے''۔

ان تمام حقائق وشواہد سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کانگرس فی الواقعہ ''نیشنل کانگرس'' نہیں بلکہ ہندو کانگرس تھی۔ مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کانگرس کی اس حقیقت سے خوب باخبر تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں کانگرس کی حقیقت کا پول کھولتے ہوئے فرمایا :

> ''کانگرس سراسر ایک ہندو جماعت ہے اور مسلمانوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کانگرس کو یہ جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام، ان کے سیاسی حقوق کے حصول اور قومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لئے وہ اس وقت تک برسرپیکار رہیں گے جب تک ہندو راج کا خواب وخیال کانگرس کے دل ودماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا''[۴۶]۔

عربک کالج دہلی میں ۱۹۳۹ء میں جب جنگ حقوق وقومیت زوروں پر تھی تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

> ''دولت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں گے۔ خواہ دونوں متحد ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔ ساری دنیا مان چکی ہے اور حکومت برطانیہ بھی فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کر چکی ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلم ہندوستان کی جائز اور نمائندہ جماعت ہے لیکن تاحال سیوگاؤں میں روشنی طلوع نہیں ہوئی اور ابھی تک گاندھی صاحب اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں''[۴۷]۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نیشنل کانگرس کی حقیقت کا پول کھولتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :

''نیشنلزم اور آزادی ہند کی وطن پرستانہ تحریک کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ ہماری موت اس کی زندگی ہے اور ہمارے اور اس کے درمیان اصول میں، مقاصد میں اور طریق کار میں نہ صرف یہ کہ کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے بلکہ درحقیقت کلی اختلاف ہے، ایسا شدید اختلاف کہ کہیں کسی ایک نقطہ پر بھی ہم اور وہ جمع نہیں ہوتے۔ وطن پرستی کی یہ تحریک اگر کامیاب ہو جائے تو دنیائے اسلام کیلئے ''انگریزی امپیریلزم'' کے بجائے 'ہندوستانی امپیریلزم' کا خطرہ پیدا کر دے گی۔ پس درحقیقت ہندوستان کے مسلمان پر نیشنلزم کے شیطان کو مسلط کرنا دنیائے اسلام کی بھی کوئی خدمت نہیں ہے''۔

کانگرس اور ہندو مہا سبھا دراصل ایک ہی جماعت ہے لیکن ان کے نام اور کام مصلحتاً علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور دونوں کا اصل مقصد اکھنڈ بھارت کا قیام تھا، کی تشریح کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

''ہندو مہا سبھا اور کانگرس دونوں نظری اور عملی حیثیت سے ایک ہی جاتی ہیں گو ان کے نام اور کام مصلحتاً جدا ہیں۔ نظری حیثیت سے دونوں میں نہ پہلے فرق تھا نہ آج ہے۔ دونوں وطنی قومیت کی علمبردار ہیں۔ دونوں اس ملک میں فرقوں (قوموں) کے امتیازی وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں۔ دونوں علیحدگی کے ہر رجحان کی دشمن ہیں حتیٰ کہ کسی معاملہ میں بھی وہ مسلمانوں کے جداگانہ مفاد کا نام تک سننے کی روادار نہیں ہیں۔ دونوں کا آخری نصب العین یہ ہے کہ یہاں ایک قومیت پیدا ہو جائے جو تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرے، زبان و ادب، جذبات و حسیات غرض ہر لحاظ سے بالکل یک رنگ ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کانگرس جہاں ''ہندوستانی'' کا لفظ بولتی ہے وہاں مہا سبھا ''ہندو'' کا لفظ استعمال کرتی ہے مگر معنی دونوں کے ایک ہی ہیں''[۴۸]۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

''کانگرس اور ہندو مہا سبھا ان دونوں جماعتوں میں اب اگر کوئی فرق باقی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک ہندو مہا سبھا ہے اور دوسری انڈین نیشنل کانگرس ہے۔ مہا سبھا صریح طور پر ہندوؤں کی جماعت ہے، کوئی مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف دعوت دے سکتی ہے۔ نہ مسلمانوں میں جا کر ماس کانٹیکٹ کر سکتی ہے۔ نہ مسلمانوں سے یہ کہہ سکتی ہے کہ

> ہمارے عہد نامہ پر دستخط کرو تمہیں وزارت میں شریک کیا جائے گا۔ نہ اس کو مولانا ابوالکلام کی خدمات حاصل ہو سکتی ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں سے کمزور کریکٹر کے آدمیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لائیں اور اس کے آستانہ پر جھکا دیں۔ نہ اسے ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات میسر آسکتی ہیں کہ واردھا اسکیم تیار کریں۔ نہ وہ خان عبدالغفار خان سے کام لے سکتی ہے۔ نہ وہ بہت سے علماء کرام کی خدمات حاصل کرسکتی ہے کہ مسلمانوں کو مذہبی اقتدار کے زور سے اس کے دائرے میں کھینچ کھینچ کر لائیں اور فتویٰ دیں کہ اس جماعت میں شریک ہونا وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ اس کے لئے یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ اس کے لیڈر مسلمانوں کے بھی ویسے ہی مائندے ہیں جیسے ہندوؤں کے ہیں اور جو کچھ وہ بولتے ہیں پوری قوم کی طرف سے بولتے ہیں۔ نہ وہ اسلامی اکثریت رکھنے والے صوبوں میں وزارتوں کی توڑ پھوڑ اس خوبی کے ساتھ کرا سکتی ہے کہ وزارت مسلمانوں ہی پر مشتمل رہے مگر اشاروں پر ہائی کمانڈ کے رقص کیا کرے۔ نہ اقلیت ہی کے صوبوں میں اس کو مسلمانوں پر یہ اقتدار حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کے منتخب کردہ نمائندوں میں سے جسے چاہے وزارت پر سرفراز کرے اور جس کو چاہے کان سے پکڑ کر نکال دے۔ یہ سب کام کانگرس ہی سے بن آسکتے ہیں کیونکہ وہ ہندو مہا سبھا نہیں ہے انڈین نیشنل کانگرس ہے''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانگرس دراصل ایک ہندو جماعت تھی جس کا اصل مقصد اکھنڈ بھارت کا قیام تھا۔ نیشنل کا لبادہ تو اس نے مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو محض دھوکہ وفریب دینے کے لئے اوڑھ رکھا تھا۔

کامل آزادی کی اصل حقیقت

نام نہاد آل انڈیا نیشنل کانگرس نے مسلمانوں کو پھانسنے اور دھوکہ دینے کے لئے کامل آزادی کا دلکش ودلفریب نعرہ لگایا۔ اس کی اصل حقیقت کھولتے ہوئے مفکر ملت ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

> ''مجھے اس سے اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو جنگ آزادی میں پیش پیش ہونا چاہیے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا موجودہ تحریک کے نتیجے میں مسلمان آزاد بھی ہو سکیں گے۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان انگریز کی جگہ ہندو کے غلام ہو جائیں گے''[۴۹]۔

علامہ اقبال کی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کا بھی یہی خیال تھا کہ آزادی کی صورت میں مسلمان انگریزوں کی غلامی

کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی غلامی سے بھی آزاد ہوں۔ چنانچہ اپنے پیغام بنام آل انڈیا جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کلکتہ میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے۔ ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے جب قفس کا دروازہ کھولیئے قید سے نکل کر اڑ جانے کا خواہش مند ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گربہ مسکیں گشت لگا رہی ہے تو قفس کا دروازہ کھلنے پر بھی بجائے باہر نکلنے کے الٹا قفس کی تیلیوں کو چمٹنے لگے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں اصل زندگی ہی کا خاتمہ ہے''[۵۰]۔

ہندو کانگرس کس قسم کی آزادی ہندوستان میں لانا چاہتی تھی اور اس آزادی میں سے جو کچھ حصہ مسلمانوں کو ملنے والا تھا اس کی ایک ہلکی سی جھلک اس دور غلامی کی نیم آزادی میں ہی کانگرسی حکومتوں نے مسلمانوں کو دکھا دی تھی۔ مولانا مودودی کے نزدیک یہ آزادی صرف اور صرف ہندوؤں کی آزادی تھی، مسلمانوں کے لئے تو یہ آزادی دائمی غلامی کے مترادف تھی۔ چنانچہ آزادی کامل کے دلفریب نعرے کا پول کھولتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''یہ آزادی کامل کا نام کیوں لیتے ہیں، لبرل پارٹی کی طرح صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہم درجہ نو آبادیات چاہتے ہیں۔ آخر اس منافقت کی ضرورت کیا ہے۔ اس منافقت کی وجہ صرف یہ ہے کہ درجہ نو آبادیات یا اس سے فروتر درجہ کی اصلاحات کا نام لیتے ہی فوراً ملک کی دوسری قوموں کے حقوق کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں دوہری مشکل پیش آتی ہے۔ اگر ان حقوق کے مسائل کو انصاف کے ساتھ ابتدائی مراحل میں طے کر دیا جائے تو ہندستان کو ''ایک قوم'' کا ملک بنا دینے کا خواب پریشان ہو جاتا ہے اور اگر اپنے اصل ارادے بے نقاب کو دیئے جاتے ہیں تو پھر اس دام فریب کے سارے بند کھل جاتے ہیں جس میں ہندوستان کی دوسری قوموں کو پھانسنا مقصود ہے۔ جب ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پاس کر دیا گیا تو جدید اسمبلیوں میں داخلہ کامل آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ مگر باوجود اس کے یہ راز ہمارے بہت سے سادہ لوح بھائیوں کے لئے راز ہی رہا اور آج بھی، جب کہ برطانوی پارلیمنٹ کے دستور کو علانیہ چلایا جا رہا ہے، ان کے لئے یہ بدستور راز ہے۔ چنانچہ وہ متحدہ

قومیت کے راگ یہی سمجھ کر الاپ رہے ہیں اور ماس کانٹیکٹ (Mass Contact) کے جال میں مسلمانوں کو یہی سمجھ کر پھنسوا رہے ہیں کہ کانگرس کی جنگ کامل آزادی کے لئے ہے''[۵۱]۔

کانگرس کے اصل عزائم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ :

> ''اب یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ کانگرس کی ''جنگ آزادی'' کوئی انقلابی جنگ نہیں ہے، بلکہ نیم انقلابی نیم دستوری ہے۔ اس کا نقشہ جنگ یہ نہیں ہے کہ مسلسل لڑ کر انگریزی سلطنت کے نظام کو توڑ ڈالا جائے بلکہ نقشہ جنگ دراصل یہ ہے کہ اسی نظام سلطنت کے اندر رہ کر حکمران جماعت پر دباؤ ڈالا جائے اور اس سے بتدریج اختیارات حاصل کر کے اپنا اقتدار جمایا جائے۔ چنانچہ آج کل اسی غرض کے لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ جواہر لال یورپ کا چکر لگا رہے ہیں۔ گاندھی جی وائسرائے اور نائب وزیر ہند سے راز کی ملاقاتیں فرما رہے ہیں۔ ستیہ مورتی وفاقی دستور کو قبول کرنے کی شرائط پیش کر رہے ہیں اور سوباش چندر بوش دھمکیوں پر دھمکیاں دیئے چلے جاتے ہیں۔ ایک ہی ٹیم ہے جس کا ہر کھلاڑی اپنا اپنا کام خوبی کے ساتھ کر رہا ہے اور سب کی منزل مقصود ایک ہے یعنی ہندو راج زیر سایہ برطانیہ''۔

پھر لکھتے ہیں کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو وطنیت کے ڈھنگ پر نہ سوچیے بلکہ حق پرستی کے ڈھنگ پر سوچیئے۔ مسلمان کی نگاہ میں وطنی اور غیر وطنی کوئی چیز نہیں۔ وہ غیر ملک کے صہیبؓ اور سلمانؓ کو گلے لگا سکتا ہے مگر اپنے وطن کے ابوجہل اور ابولہب سے دوستی نہیں کر سکتا۔ ایک حق پرست مسلمان کا کام ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل اور بدتر باطل کو قائم کرنا نہیں ہے۔

مسلمانوں کے لئے ایسی آزادی وطن کی خاطر لڑنا تو قطعی حرام ہے جس کا نتیجہ انگلستانی غیر مسلموں سے ہندوستانی غیر مسلموں کی طرف اقتدار حکومت کا انتقال ہو۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

> ''ہم آزادی ہند کے مخالف نہیں بلکہ ہر آزادی خواہ سے بڑھ کر اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے جنگ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن وطن پرست کے نصب العین سے ہمارا نصب العین مختلف ہے۔ وہ صرف ایسی آزادی چاہتا ہے جس کا نتیجہ ''ہندوستانی'' کی نجات ہو اور ہم وہ آزادی چاہتے ہیں جس کا نتیجہ ''ہندوستانی'' کے ساتھ ''مسلم'' کی نجات ہو''[۵۲]۔

نیشلسٹ مسلمانوں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں :

> ''وہ آزادی جو وطن پرستوں کے پیش نظر ہے، تو اس کی حمایت میں لڑنا کیا معنی ہم تو اسے انگریزوں کی غلامی سے بھی زیادہ ملعون سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے علمبردار مسلمانوں کے لئے وہی کچھ ہیں جو کلائیو اور ولزلی اور وارن ہیسٹنگز تھے اور ان کے پیرو مسلمانوں کی حیثیت بھی میر جعفر اور میر صادق سے مختلف نہیں ہے۔ گو صورتیں اور حالات مختلف ہیں مگر دشمنی اور غداری کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں ہے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اہل وطن میں سے بعض کی آزادی اور بعض کی غلامی کو پورے وطن کی آزادی سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ آزادی کا اصلی جوہر تو حکومت خود اختیاری سے متمتع ہونا اور اپنی اجتماعی خواہشات وضروریات کو پورا کرنے پر آپ قادر ہونا ہے۔ پس جو شخص اہل وطن کی غلامی کو غیر ملکیوں کی غلامی پر ترجیح دیتا ہے اور دوسری قسم کی غلامی کو محض پہلی قسم کی غلامی میں بدل لینے کا نام ''جنگ آزادی'' رکھے اور اس جنگ آزادی میں شریک ہونے کو فرض قرار دے وہ دراصل جنت الحمقاء کا باشندہ ہے کوئی صاحب عقل انسان اس کی پیروی نہیں کرسکتا[۵۳]۔

الغرض کانگرس کی حقیقی نیت مسلمانوں کو ''کامل آزادی'' کے دام فریب میں پھانس کر اور لفظوں کو خوبصورتی سے بہلا پھسلا کر ایک نئی اور بدتر غلامی کے لئے تیار کرنا تھا لیکن مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، قائداعظم محمد علی جناح، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کانگرس کے ان گھروندوں کے تار و پود بکھیر دیئے۔

متحدہ قومیت اور گاندھی

گاندھی[۵۴]، نہرو، ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر کانگرسی زعماء وعلماء کا خیال تھا کہ مسلم اور ہندو ایک متحدہ قومیت کا حصہ ہیں اور یہ کہ وہ علیحدہ علیحدہ قومیں نہیں ہیں۔ اس کو انہوں نے گاندھی فلاسفی، گاندھی ازم، ایک قومی نظریہ یا متحدہ قومیت کے نظریہ کا نام دیا۔ سب سے پہلے تو ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ گاندھی فلاسفی، گاندھی ازم، ایک قومی نظریہ یا متحدہ قومیت کا نظریہ آخر ہے کیا چیز، جس کا انہوں نے بڑی شد و مد سے پرچار کیا اور مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے حامی علماء اور دانشوروں نے اس سے بھی زیادہ شد و مد سے اس کی نفی یا تردید کی۔

ہندو کانگرس کے سب سے بڑے اور عظیم راہنما مسٹر گاندھی لکھتے ہیں کہ :

> ''آج مسلمانوں کی الگ تہذیب ہے اور ہندوؤں کی الگ۔ ان دونوں تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہوگی''۔

> ''اگر ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں صرف ہندو ہی رہیں تو وہ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ تمام ہندو، مسلمان، پارسی اور عیسائی جنہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا ہے آپس میں ہم وطن ہیں اور انہیں متحد ہو کر رہنا ہوگا خواہ اپنے مفاد ہی کے لئے ایسا کرنا پڑے۔ دنیا کے کسی حصہ میں ایک قومیت اور مذہب کی یکسانیت لازم و ملزوم نہیں ہے''[۵۵]۔

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی قومیت اور مذہب کو لازم و ملزوم نہیں سمجھتے تھے۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں :

> ''ایک نیک کام میں مسلمانوں کی مدد کرنا، ہندوستان کی خدمت کرنا ہے اس لئے کہ مسلمان اور ہندو ایک ہی خون سے پیدا ہوئے ہیں وہ ایک ہی ماں (بھارت ماتا) کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں''۔

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں :

> ''عملی زندگی میں ہم دونوں کو (ہندو اور مسلمان) دو جداگانہ قوموں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔ ہم دو مختلف قومیں نہیں ہیں۔ ہر مسلمان اگر اپنے خاندان کی تاریخ میں دور تک پیچھے جائے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کا اصل نام ہندو ہے۔ ہر مسلمان دراصل ہندو ہی ہے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ایسا کرنے سے کوئی جداگانہ قومیت تو پیدا نہیں ہوتی''[۵۶]۔

قائداعظم محمد علی جناح کے نام اپنے ایک خط میں مسٹر گاندھی لکھتے ہیں :

> ''میں اس استدلال کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے مسلمان ملک کے بقیہ باشندوں سے الگ ایک قوم ہیں۔ اس استدلال کو تسلیم کر لینے کے نتائج حد درجہ خطرناک ہوں گے۔ اگر ایک مرتبہ اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کو ان گنت ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے مطالبات کی کوئی انتہا نہ رہے گی''۔

یہ دشمن اسلام اور قاتل مسلمین اپنی قوم ہندو کو ''ہم'' اور مسلمانوں کو ''وہ'' کے الفاظ سے مخاطب کرتا تھا یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک نہیں بلکہ دو علیحدہ علیحدہ قومیں خیال کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ متعصب ہندو اپنے قومی مفاد کے لئے ہندو اور مسلمان کو ایک قوم بنانے پر تلا ہوا تھا۔

لیکن مسٹر گاندھی اس لازوال حقیقت کو بھول گئے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کو مسلمان کرنے والا اول شخص محمد بن قاسم نہ تو ہندو تھا اور نہ ہی ہندوستانی، بلکہ حزب اللہ کا ایک فرد تھا۔

متحدہ قومیت اور نہرو

گاندھی کے سچے جانشین پنڈت جواہر لال نہرو[۵۷] بھی متحدہ قومیت کے داعی تھے اور مسلم قومیت کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے مسئلہ کے سرے ہی سے منکر تھے۔ اپنے ایک بیان میں کہتے ہیں :

> ''مسلمانوں کے مسئلے کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں بلکہ اقتصادی ہے جسے اشتراکی اصولوں کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے''[۵۸]۔

اپنی کتاب ''میری کہانی'' میں لکھتے ہیں :

> ''مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا''۔

متحدہ قومیت اور آزاد

نیشنلسٹ علماء کے سرخیل اور گاندھی کے دست راست مولانا ابوالکلام آزاد[۵۹] ہندو کانگرس کے بہت بڑے راہنما تھے۔ مسئلہ متحدہ قومیت پر مولانا آزاد نے ٹھوکر کھائی اور مسلمانوں کے سواد اعظم سے کٹ کر گاندھی اور ان کے چیلوں کے ہمنوا بن گئے۔ ساری عمر مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کا انکار اور ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کا پرچار کرتے رہے۔ لکھتے ہیں :

> ''جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے۔ میں اس باب میں ان سے متفق نہیں ہوں''[۶۰]۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی کوشش کی جو نسلی، لسانی، معاشی اور سیاسی حد بندیوں سے بالاتر ہو۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ شروع کے چالیس برسوں کو یا زیادہ سے زیادہ پہلی صدی کو چھوڑ کر اسلام کبھی سارے مسلمان ممالک کو صرف مذہب کی بنیاد پر متحد نہ کر سکا''۔

ایک اور مقام پر فرمایا :

> ''ہماری ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے، ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے، وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے خود بخود بنا کرتے ہیں اور قسمت کی مہر

اس پر لگ چکی ہے، ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں، علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا"۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں"۔

متحدہ قومیت، علامہ اقبال اور مولانا مدنی

مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح مولانا سید حسین احمد مدنیؒ[۶۱] نے بھی مسئلہ قومیت پر سخت ٹھوکر کھائی اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے کٹ کر ہندو کانگرس، گاندھی اور نہرو کی ہمنوائی کی۔ انہوں نے کھینچ تان کر ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن بری طرح ناکام رہے۔

جنوری ۱۹۳۸ء میں مولانا مدنی نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :

"موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں، دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی، پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ، جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے"[۶۲]۔

مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی زندگی کا اکثر حصہ قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہ نظر کی تشریح و توضیح میں گزرا تھا۔ انہوں نے مسلم قومیت کے لئے جو خاص لفظ استعمال کیا وہ "ملت" ہے۔ علامہ موصوف نے جب قوم کا لفظ ملت اسلامیہ کے لئے استعمال کیا تو اس کے اجزائے ترکیبی کو بطور خاص بیان کیا۔ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں، ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی![۶۳]

مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کا بغور جائزہ لینے کے بعد شاعر اسلام حکیم الامت علامہ اقبال نے فوراً اس پر ایک نظم کہہ ڈالی :

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است!
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است
بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است[٦٤]

ترجمہ : عجم (غیر عرب) ابھی تک دین کے رموز سے واقف نہیں ہوا ورنہ دیوبند کے حسین احمد مدنی کیا عجیب شخص ہیں کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہتے ہیں کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کتنا بے خبر ہے۔ اپنا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کیجئے وہ دین کی اصل ہیں۔ اگر آپ اس مقام تک نہیں پہنچ سکے تو یہ سب کچھ بولہب ازم یعنی کفر اور بت پرستی ہے۔

اس واقعے کی ہندوستان کے طول وعرض میں بڑے پیمانہ میں تشہیر ہوئی۔ علامہ اقبال کی ٦ سطری نظم نے وہ کام کر دکھایا جو ایک موٹی اور ضخیم کتاب کے ذریعے بھی ممکن نہ تھا۔ اس نظم نے مولانا مدنی کی شخصیت کو بری طرح پامال اور مسخ کر دیا اور ان کی مذہبی اور سیاسی ساکھ بھی بری طرح متاثر ہوئی۔ صحیح صورت حال کو واضح کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے مولوی عبدالرشید طالوت نامی کارکن نے مولانا مدنی اور علامہ اقبال سے خط وکتابت کی اور بالآخر اس غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ مولانا مدنی کا تردیدی بیان کہ میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا، شائع شدہ روزنامہ احسان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے ساتھ علامہ کا یہ دلچسپ مکتوب بھی چھپا :

> ''مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کا نہیں رہتا۔ مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سایہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز ان کو

یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں، میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں''۶۵۔

اور یوں مولانا مدنی اور علامہ صاحب کے درمیان بظاہر یہ بحث ختم ہوگئی مگر بعد ازاں مولانا مدنی نے پہلے سے کہیں زیادہ شد و مد کے ساتھ متحدہ قومیت کا پرچار شروع کر دیا۔ مولانا نے کہا کہ :

''ہندوستان کے مختلف اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ بجز متحدہ قومیت کے نہیں جس کی اساس محض وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے''۶۶۔

کانگرس کے اولین اجلاس ۱۸۸۵ء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق اور متحد کر کے ایک قوم بنائی جائے یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے اور ہر انگریز اس کو زائل کرنے کے لئے ہر طرح سے ساعی ہے''۔

مولانا حسین احمد مدنی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۱۹۳۹ء کے شروع میں متحدہ قومیت اور اسلام کے عنوان ست ایک مقالہ تحریر کیا اور ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریے کو مشرف بہ اسلام کرنے کی ناکام کوشش کی۔ قبل اس کے کہ اس رسالے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے مولانا کے فلسفے کا مرکزی خیال ملاحظہ ہوا :

○ قرآن کے نقطہ نظر اور استعمال میں لفظ قوم اپنے معنی کی حیثیت سے مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ہر اس جماعت پر بولا جائیگا جن میں کوئی رابطہ ہو خواہ نسب کا یا وطن کا یا پیشہ کا یا زبان وغیرہ کا۔

○ قومیت میں اشتراک مسلم اور کافر کا ہو سکتا ہے اور قرآن کے استعمال میں یہ موجود ہے۔

○ پیغمبر بھی اتحاد قومیت میں کافر اور مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے اور رکھتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ملا کر ایک قوم بنا کر دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے اور اس مقابلہ و جنگ میں کچھ شروط مسلمانوں اور اپنے اوپر یہودیوں کے لئے اور کچھ غیر مسلموں کے اوپر مسلمانوں کے لئے مقرر اور تسلیم فرمائی ہیں۔ پھر عہد نامہ میں لفظ قوم نہیں بلکہ لفظ امت ذکر فرمایا ہے کہ مسلمان اور یہود ایک امت شمار ہوں گے بخلاف اور لوگوں کے جو کہ اس عہد

> نامہ میں داخل نہیں تھے حالانکہ لفظ امت جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نقطہ نظر میں قوم سے بہت ہی بلند پایہ لفظ ہے وہ ان کے نزدیک صرف مسلمانوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور صرف اس جماعت پر بولا جاتا ہے جس نے ادیان سابقہ کو چھوڑ کر ملت ابراہیمی اختیار کر لی ہو اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کا خیال ہے کہ مسلمانوں پر بجز لفظ امت کے کوئی دوسرا لفظ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے اور مذہب اسلام اس کی اجازت ہی نہیں دیتا، اسلام میں اتنی لچک ہے ہی نہیں کہ وہ کسی علاقہ اور رابطہ کی وجہ سے کسی حالت اور کسی زمانہ میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ قومیت متحدہ پیدا کر سکے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ یہ امت متحدہ کیسے بنائی اور تمام دیگر اقوام سے علیحدہ ہو کر مسلمان اور یہود شروط مذکورہ عہد نامہ کی بناء پر کیسے ایک امت بن گئے اور پھر اس میں یہ تصریح کر دی گئی کہ ہر ایک اپنے دین میں آزاد ہوگا مسلمان اپنے دین پر رہیں گے اور یہود اپنے دین پر اور پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اس میں امت قرار دیتے ہوئے (من المومنین) کا لفظ فرمایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ قوم باوجود ہر ایک کے اپنے اپنے دین میں آزاد ہونے کے مومنین ہی کی امت شمار ہو گی[٦٧]۔

دور جدید میں مذہب زبان، رنگ، نسل، علاقائی اتصال جیسے رشتوں کی موجودگی اور انہیں بلا روک ٹوک آزاد ماحول میں پروان چڑھانے کے خواہشمند معاشرے کو قوم کہتے ہیں۔ قومیت کی بنیاد مساوات عدل اور برابری ہے۔ لیکن اس تعریف کا اسلامی قومیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

جہاں تک حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلمانوں اور یہودیوں کو مدینہ میں ایک قوم بنانے کا تعلق ہے مولانا مدنی نے میثاق مدینہ کی ایک نہایت اہم شق کا ذکر نہیں کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے ایک اور سرگرم رہنما مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی جنھوں نے مولانا مدنی کے رسالے پر تنقید کے جواب میں متحدہ "قومیت اور اسلام" کے عنوان ہی سے ایک رسالہ تحریر کیا، انہوں نے بھی اس اہم شرط کو احاطہ تحریر سے دور رکھا۔ باعث حیرت یہ ہے کہ مشہور عالم "سیرت النبی ﷺ" کے مصنفین علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی میثاق مدینہ کے اس نہایت اہم حصے کو شامل اشاعت نہیں کیا۔ میثاق مدینہ کے طویل متن میں سے متعلقہ حصہ نقل کیا جاتا ہے یہ متن محمد عبدالملک بن ہشام کی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبع قاہرہ کی دوسری جلد میں موجود ہے :

"وانه لاتجار حرمه الاباذن اهلها وانه ماكان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار (الاشتجار : الاختلاف و تقول:اشتجر القوم اذااختلفوا) بخاف فساده فان مرده الى الله زوجل والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.[۶۸]

ترجمہ: اس معاہدہ کے فریقین کے مابین کوئی واقعہ پیش آئے جو آپس میں ایسا اختلاف پیدا کرے جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

نقوش کے رسول ﷺ نمبر میں یہ حصہ یوں منقول ہے :

”جب بھی اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی حادثہ یا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو جس سے فساد خلق کا خوف ہو اس کو خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ خدا ہی سب سے زیادہ اس صحیفہ کی شرائط کو نافذ و جاری کرنے والا ہے“۔

کیا متحدہ قومیت کی صورت میں ہندو نزاعی امور میں مسلمانوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینے کے لئے رضا مند تھے۔ ہندو تو مسلمان کے ساتھ انصاف بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔

مولانا مدنی کا کانگرس کے متحدہ قومیت کے باطل نظریہ کی تائید وحمایت اور وکالت کا اصل مقصد کانگرس کو سیاسی تقویت پہنچانا تھا۔ اس ضمن میں مولانا کا قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لینا کسی طرح بھی ایک عالم باعمل کے شایان شان نہیں تھا۔ مولانا کے طرز عمل نے مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی کہ وہ خود اور جمعیۃ علماء ہند میں موجود ان کے رفقاء کار مسلمانوں کی خیر خواہی کی بجائے کانگرس کو زیادہ قوی دیکھنا چاہتے ہیں، جس کی مسلمان اور اسلام دشمنی میں کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ چنانچہ اس عنصر نے مسلم قوتوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

متحدہ قومیت اور علامہ عثمانی

علامہ شبیر احمد عثمانی کا شمار برصغیر کے ان چند جید علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ علامہ عثمانی نے بڑے شدومد سے ان علماء کی مخالفت کی جو کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ اپنے

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگرس کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے اس معنی میں جو کانگرس کے آئمہ اس سے ارادہ کرتے ہیں میرے نزدیک شرعی نقطہ نظر سے کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خودکشی کے مترادف ہے۔ مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں، عہد و پیمان کر سکتے ہیں، بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے''[۶۹]۔

اپنے پیغام کلکتہ میں متحدہ قومیت کے نظریہ کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

- ○ ''اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنوں میں بن سکے''۔
- ○ ''اکثریت میں مدغم ہو کر ہم آزادی کامل تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے''[۷۰]۔

علامہ اقبال کی طرح علامہ عثمانی کا بھی یہی خیال تھا کہ قومیت متحدہ کا نظریہ بالآخر مسلمان کی سیاسی موت پر منتج ہو گا۔ خطبہ صدارت میرٹھ کانفرنس میں فرماتے ہیں :

> ''اصل بنیادی اختلاف لیگ اور کانگرس میں یہ ہے کہ کانگرس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر قائم ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ محض رائے شماری سے ہوتا ہو، تو دس کروڑ مسلمانوں کو اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا''[۷۱]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

> ''اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے برخود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا''۔

جب مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے ہم خیال کانگرسی علماء ہندوؤں کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی تبلیغ کرنے لگے تو علامہ شبیر احمد عثمانی، جو کہ دو قومی نظریہ کے زبردست علمبردار تھے، نے ہندوستان کی سب سے بڑی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے طلباء و اساتذہ کو کانگرسی نصب العین سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے رفقاء اس بات پر مصر تھے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی جداگانہ قومیت نہیں ہو سکتی۔ وہ کانگرس کی متحدہ قومیت کا ایک جزو ہیں۔ لہٰذا وہ ایک بڑی اقلیت ہیں۔ لیکن علامہ عثمانی نے مولانا مدنی کے اس نظریہ کے خلاف جہاد کیا اور اعلان فرمایا کہ ہندوستان میں مسلمان دیگر اقوام سے بالکل ایک علیحدہ اور مستقل قوم ہیں۔

علامہ عثمانی نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسلمانوں کے لئے پیغام موت قرار دیا۔ اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں کہ:

> ”متحدہ قومیت ایک فریب ہے، ایک باطل نظریہ اور منفی رجحان ہے۔ یہ نظریہ برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کی سخت توہین ہے۔ مسلمانوں کو ایک مستقل قومیت کا مقام حاصل ہے اور متحدہ قومیت ان کے لئے پیغام موت ہے“[۲۷]۔

مجدد الف ثانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، اکبر اور گاندھی

مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے برصغیر میں دین الٰہی قائم کر کے ہندو مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی اور اس نام نہاد دین الٰہی کے ذریعہ ”متحدہ قومیت“ کا پرفریب نعرہ بلند کیا۔ مگر قدرت خداوندی نے حضرت مجدد الف ثانی کو پیدا کیا۔ جنہوں نے اکبری قومیت متحدہ کے خلاف جہاد کیا اور جہانگیری عہد میں اکبری متحدہ قومیت کے طلسم کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ ہندوستان کے انگریزی دور غلامی میں ہندی قومیت متحدہ کے مردہ بت کو گاندھی نے پھر زندہ کیا۔ ہندو قائد کی یہ کرامات دیکھ کر بہت سے نام نہاد علماء اس بت پر بالکل اس طرح ایمان لے آئے اور اس کے معتقد و مرید بن گئے جس طرح ابوالفضل اور فیضی جیسے خوشامدی، ان پڑھ اور ملحد اکبر پر ایمان لے آئے تھے اس کے حلقہ بگوش اور مرید بن گئے تھے۔ مگر ملحد گاندھی کے اس بت (متحدہ قومیت) کو ہمارے علامہ شبیر احمد عثمانی نے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ فرماتے ہیں:

> ”یہ چیز بھی لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی (جن کو یہ سعادت ہوئی) وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی قومیت متحدہ اور نام نہاد دین الٰہی کے مقابلہ پر تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے ادھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چل کر جب قومیت متحدہ ایک

دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الٰہی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے گا۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ گرامی اور التفات خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہوگا جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہوگی، پھیلے گی، پھلے گی اور پھولے گی''[۷۳]۔

الغرض علامہ عثمانی نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ثابت کردکھایا کہ متحدہ قومیت کا تخیل باطل، خلاف اسلام اور مسلمانان ہند کے لئے پیغام موت ہے۔

متحدہ قومیت اور مولانا مودودی

ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو مشرف بہ اسلام کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے صف اول کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی نے ''متحدہ قومیت اور اسلام'' کے نام سے ایک مقالہ تحریر کیا۔ لیکن افسوس صد افسوس یہ مقالہ احساس ذمہ داری سے بالکل عاری اور معیار حق سے گرا ہوا ہے۔ مولانا کا قومیت، کلچر، تہذیب وتمدن، پرسنل لاء اور بنیادی حقوق جیسے الفاظ کے حقیقی مفہوم سے ناآشنائی اور جہالت کا نمونہ ہے۔ اس مقالہ میں حقائق کو، لغت کو، آیات قرآنی کو، اخبار وحدیث کو، تاریخی واقعات کو، غرض ہر چیز کو توڑ مروڑ کر اپنا مدعا ثابت کرنے کی سعی ناتمام کی گئی ہے۔ تحریر وتقریر کا یہ طریقہ اور سوچ کسی طرح بھی ایک عالم باعمل کے شایان شان نہیں تھا۔ یوں تو اس مقالہ کے رد میں مفکرین اسلام اور اکابر علماء دین کے بہت سے بیانات ہیں، لیکن جس مدلل، منطقی، مستند، نرم اور شائستہ انداز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی[۷۴] نے اس کا جواب دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کانگرس اور کانگرسی علماء کی اس سوچ اور دجل وفریب کی شکست وریخت کا سہرا مولانا مودودی کے سر پہ ہے۔ مولانا مودودی کی عالمانہ شخصیت، مضبوط دلائل، منطقی لہجہ اور ان کی جدید سیاسی قوانین ونظریات سے بخوبی واقفیت نے کانگرس اور کانگرسی علماء کا منہ بند کردیا اور ان کے لئے مولانا کے مضبوط اور منطقی دلائل کا جواب دینا ناممکن تھا۔ مولانا مودودی کا یہ جوابی مضمون ماہ نامہ ''ترجمان القرآن'' فروری ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا۔ بعدازاں ''تحریک آزادی ہند اور مسلمان'' میں بھی یہ مضمون شامل کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی کے اس مقالہ کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

- غیر علمی زاویہ نظر
- اثبات مدعا کے لیئے حقائق سے چشم پوشی
- قومیں اوطان سے کہاں بنتی ہیں

- لغت اور قرآن سے غلط استدلال
- ایک اور لفظی مغالطہ
- بناء فاسد علی الفاسد
- افسوسناک بے خبری
- اشتراک لفظی کا فتنہ
- وطنی قومیت کا حقیقی مدعا

نیشنلسٹ مسلمان

انگریزوں کے دور اقتدار میں جدید ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو مسلم لیگ اور عام مسلمانوں کے نظریہ تقسیم ہندوستان کی بجائے کانگرس کے متحدہ ہندوستان کے نظریہ کو درست خیال کرتا تھا۔ ان کے خیال میں ہندو مسلم اتحاد ناممکن نہیں تھا اور وہ تقسیم ہی کو ہندوستانی مسئلے کا واحد حل تصور نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے سیاسی طور پر کانگرس کے ساتھ الحاق کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے کو اپنا دین، ایمان اور شعار بنا لیا تھا، اس لئے ان مسلمانوں کو کانگرس مسلمان یا کانگرسی نواز مسلمان کہتے تھے۔ لیکن کانگرس نے ان کو قوم پرست (پرور) مسلمان یا نیشنلٹ مسلمان (Nationalist Muslim) کا خاص سیاسی لقب یا لیبل دے رکھا تھا اور انہوں نے اس لیبل کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیشنلٹ مسلمان کانگرس کے حلیف تھے اور انہوں نے ہندوؤں سے بھی زیادہ شدومد کے ساتھ مسلم لیگ، تقسیم ہند، دوقومی نظریہ اور مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی۔ ہندوؤں کی طرح یہ مسلمان بھی متحدہ قومیت ایک قومی نظریہ کے پرجوش حامی اور مبلغ تھے۔ آزادی ہند کے بعد ہندو مسلم تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اس پر غور وخوض کو وہ غیر ضروری خیال کرتے تھے۔ مسلم عوام میں یہ مسلمان سخت ناپسندیدہ اور غیر مقبول تھے۔ ان نیشنلٹ مسلمانوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید محمد میاں، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین[۷۵] سر فہرست تھے۔ کانگرس نے تو اپنے نام کے ساتھ "نیشنل" اور قومی جماعت کا لیبل لگا کر اس گروہ کو اپنے دام مکر وفریب میں پھانس رکھا تھا اور اسے یہ دھوکہ دے رکھا تھا کہ وہ جماعت انگریز کو ہندوستان سے اس لئے نکالنا چاہتی تھی تاکہ سارے ہندوستان کے باشندے مساوات کے اصول پر آزاد زندگی گزار سکیں۔ مسلمانوں کا یہ گروہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز کے شدید ظلم وستم کے نتیجہ میں پیدا

ہوا تھا۔ ان مظالم کے ردعمل کے طور پر وہ عقل وخرد سے ماوراء ہو کر صرف اور محض انگریز دشمنی میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس سلسلے میں وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ انگریز کو نکالنے کے لئے بقول ان کے اگر خنزیروں اور کتوں سے بھی تعاون کرنا پڑے تو ان سے بھی تعاون کرنے کو تیار تھا۔

یہ احمق، ناداں، بے شعور، گم کردہ راہ اور سادہ لوح نیشنلسٹ مسلمان رہنما مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ کانگرس میں ہندو کے خوف سے شمولیت اختیار کرنے سے گریز کرنا ایمان کی کمزوری اور خود اعتمادی کی قلت کا نتیجہ ہے اور بہادر مسلمان تو وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور آزادی کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ ان جذباتی باتوں کے پیچھے سب نتائج وعواقب چھپ جاتے تھے۔ یہ نیشنلسٹ مسلمان شاید نہیں جانتے تھے کہ ہندوستان میں مشترکہ اور متحدہ قومیت کی بنا پر ہر قومیت کی آزادی درحقیقت ہندو اکثریت کے سوا ہر کسی کی غلامی تھی اور غلامی بھی ایسی جو ابدالاباد تک کے لئے تھی جس سے نجات کا کوئی راستہ نہ تھا اور جو ایک ایسی تنگدل اور تنگ ظرف قوم کی غلامی تھی جس کے مقابلے میں موت بھی ایک خوش آئند وخوشتر چیز تھی۔

نیشنلسٹ مسلمان مستند کافر گاندھی اور نہرو کو اپنا قائد اور رہنما خیال کرتے تھے۔ مسلم لیگ اور اس کے مسلم قائد قائد اعظم محمد علی جناح سے ان کو ازلی بیر تھا اور وہ انہیں اپنا دشمن نمبر ایک خیال کرتے تھے۔ مسلم لیگ اور قائد اعظم سے ان کی نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ مسلم لیگ، قائد اعظم اور پاکستان دشمنی میں نیشنلسٹ علماء عام نیشنلسٹ مسلمانوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

ان نیشنلسٹ کانگرسی علماء کی ذہنیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جس نے انہیں ہندوؤں کے چرنوں میں سجدہ ریزی سے روکا یا ہندو کانگرس پر تنقید کی تو انہوں نے اپنے بیگانے کی تمیز کئے بغیر فوراً اس پر انگریز دوستی، وطن دشمنی، تنگ نظری، فرقہ پرست، آزادی ہند کا دشمن، برطانیہ پرست، سامراج ایجنٹ، ٹوڈی یا رجعت پسند کا فتویٰ جڑ دیا۔

دو قومی نظریہ جس کی بنیاد کتاب وسنت اور مسلمانوں کا چودہ سو سالہ تہذیبی ورثہ ہے، اس کے مقابلے میں وطنی قومیت کا نعرہ ایک ایسا کھلا غیر اسلامی دعویٰ ہے جو گاندھی اور نہرو جیسے پر پیچ، مفاد پرست اور عیار سیاستدانوں سے تو متوقع ہو سکتا ہے مگر صاحبان جبہ ودستار اور وارثان منبر ومحراب کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ کانگرسی علماء کا یہ گروہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے مقابلے میں گاندھی کی میکیاوَلی سیاست پر زیادہ یقین رکھتا تھا اور اس نے مسلمانوں کے انحطاط وزوال کے دور میں سات کروڑ مسلم عوام کے مقابلے میں اپنا سارا وزن ہندوؤں کے پلڑے میں رکھ دیا۔ یہ کانگرسی علماء برصغیر کی ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے رہنما قائد اعظم محمد علی جناح کو ''جینا''[٧٦] اور ''کافر اعظم''[٧٧]

کے القابات سے پکارتے تھے۔ لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی گالیوں اور بدتمیزیوں کو ہمیشہ صبر و تحمل سے برداشت کیا اور ان گالیوں کا جواب دینے میں کبھی اپنا قیمتی وقت برباد نہ کیا۔ کانگرسی علماء کا خاص اخبار مدینہ بجنور ان کانگرسی علماء سے بھی زیادہ ہندوؤں کا وفادار تھا۔ ان کانگرسی علماء اور مسلمانوں نے گاندھی اور نہرو کی اعانت کی اور مسلم مفادات کو ہمیشہ نقصان پہنچایا۔

مولانا مودودی ان گم کردہ راہ مسلمانوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جس طرح کمیونسٹ اپنا ایک نظریہ رکھتا ہے، اسی طرح مسلمان بھی اپنا ایک نظریہ رکھتا ہے پھر وہ کیوں اتنا ادنیٰ اور پست ہو جائے کہ کسی نقصان سے بچنے یا کسی کی نگاہ میں وقار قائم کرنے کے لئے وہ اپنے مقام سے ہٹ جائے؟ اور اگر وہ اپنے مقام سے ہٹتا ہے تو اس میں کم از کم اس بات کا شعور تو ہونا چاہیے کہ وہ کس چیز سے ہٹ رہا ہے اور کس چیز کی طرف جا رہا ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے غیر اسلامی نظریہ اختیار کرنا صریح بے معنی بات ہے ''مسلمان نیشنلسٹ'' اور ''مسلمان کمیونسٹ'' ایسی ہی متناقض اصطلاحیں ہیں جیسے ''کمیونسٹ'' ''فاشٹ'' یا ''جینی قصائی'' یا ''اشتراکی مہاجن'' یا ''موحد بت پرست''[۷۸]۔

''شرعی حیثیت سے بلا شرط و معاہدہ شرکت کانگرس اور متحدہ قومیت کو جائز قرار دے کر یہ کانگرسی علماء مسلم عوام میں اپنی ساکھ مکمل طور پر کھو چکے تھے۔ جوں جوں ان کی ساکھ مسلم عوام میں گرتی گئی ان کی تحریروں اور تقریروں میں مسلم لیگی رہنماؤں پر تنقید کا عنصر بڑھتا گیا۔ مولانا احمد سعید[۷۹] کے خطبہ صدارت میرٹھ کا ایک تنقیدی اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> ''ہم میں کبھی مسلم کانفرنس بنتی ہے کبھی جناح لیگ اور شفیع لیگ کی تقسیم ہوتی ہے، کبھی خود مسلم لیگ ہی میں سرکاری آدمیوں کو داخل کر دیا جاتا ہے، پھر مسلم لیگ کچھ سرسبز ہوتی معلوم نہیں ہوتی تو جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے فوراً ایک جماعت بنالی جاتی ہے اور پاکستان کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اور دو قوموں کی تھیوری پر زور دیا جاتا ہے اور اس مطالبہ کو کچھ ایسا رنگ دیا جاتا ہے کہ اچھے اچھے ذی فہم عالم بھی مخلصین اور مجاہدین کی برگزیدہ جماعت سے کٹ کر بزدلوں، نامردوں، بدنیتوں، بےعملوں اور کاسہ لیسان ازلی کی ٹولی میں جا داخل ہوتے ہیں اور دشمنان دین کی محفل میں رونق محفل کا کام دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیمی کی کوئی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں''[۸۰]۔

مولانا احمد سعید نے مسلم لیگ کی عوامی حیثیت کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے جس کا مظاہرہ انتخابات میں ہو چکا تھا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قیام پاکستان ایک برطانوی سازش ہے۔

نیشنلسٹ علماء کی اس ساری مہم جوئی کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی قیادت مسلم لیگ کی بجائے ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت کانگرس کے ساتھ سیاسی وابستگی کے ذریعے نیشنلسٹ علماء مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی فیصلہ کن قوت بننا چاہتے تھے مگر اس صورت میں مسلمان آبادی ہندو کے رحم و کرم پر ہوتی یا فنا ہو جاتی۔ عوام الناس نے کانگرسی ٹولے کی اس ناپاک سوچ کو شکست دی اور مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء اسلام کے علاوہ ہندوستان کی تمام ہندو اور مسلم جماعتوں نے مسلم لیگ کے پاکستان کی مخالفت اور ہندوؤں کے متحدہ ہندوستان کی حمایت کی۔ ان پاکستان مخالف جماعتوں کی تعداد ۲۷ ہے۔ تحریک پاکستان کی ان مخالف جماعتوں کی تفصیل ایڈووکیٹ ولی مظہر نے اپنی کتاب "عظیم قائد...... عظیم تحریک" کے صفحہ ۴۲۹ پر شائع کی ہے۔

متحدہ قومیت کے نقصانات

اگر متحدہ قومیت کا نظریہ برقرار رہتا یا مسلمان اسے دل و جان سے تسلیم کر لیتے تو اس کے نتائج و اثرات ملت اسلامیہ کے لئے بے حد خطرناک ہوتے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

○ مختلف قوموں کی تہذیب کو ایک جدید تہذیب کی شکل دے دی جاتی۔ مختلف اقوام کے الگ الگ نام باقی نہ رہتے بلکہ مشترکہ نام وطنیت کی بنا پر اختیار کیا جاتا۔

○ اکثریتی جماعت ہندوؤں کی زبان ہندی متحدہ زبان قرار پاتی اور ایک ایسا نظام حکومت مرتب ہوتا جس میں اکثریتی جماعت (ہندو) ملک کا قانون بناتی اور مسلمانوں کو اپنے قومی تشخص کی ہرگز اجازت نہ ہوتی۔

○ مسلمانوں کی انفرادیت، عظمت، مذہب، تہذیب و تمدن اور ثقافت کا خاتمہ ہو جاتا۔ مسلمانوں کی قومیت فنا ہو جاتی، وہ ہندو مذہب کا ایک حصہ قرار پاتیا اور محمدی ہندو کہلاتے اور آخر کار ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا۔

○ اس فلسفہ یا نظریہ سے مسلم لیگ (مسلمانوں) کے دو قومی نظریہ کی نفی ہو جاتی جو کہ نظریہ پاکستان کی اصل بنیاد ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا وہی حشر ہوتا جو کہ بارہ سو سال پہلے سپین میں ہوا تھا۔

- جمہوریت کی بنیاد پر اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہندو اکثریت کے پاس چلا جاتا، مسلمان اقلیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلام بنالی جاتی اور مسلمانوں کی سیاسی موت واقع ہو جاتی۔
- اس نظریہ کو تسلیم کرنا دراصل مسلمانوں کا سیاسی طور پر اپنے ہی پروانہ قتل (Death Warrant) پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ ہندو اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار مل جاتا، مسلمان غلام بن جاتے اور پاکستان نام کی کوئی ریاست دنیا کے نقشے پر ظاہر نہ ہوتی۔

الغرض اس باطل نظریہ کو تسلیم کرنے کی صورت میں اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کے پاس چلا جاتا اور مسلمان اقلیت کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلام بنالیے جاتے۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، ثقافت، مذہب اور قومیت کا خاتمہ ہو جاتا اور ان کی داستانوں میں داستان تک نہ ہوتی۔ کانگرس کا متحدہ قومیت کا نظریہ جس کا مقصد مسلم، اقلیت کو ہندو اکثریت میں مدغم کرنا اور انہیں برصغیر سے فنا کرنا اور مٹا دینا تھا، حقیقت میں مسلم قوم کے خلاف ایک خوفناک سازش تھی۔ نیشنلسٹ مسلمان اپنی سادہ لوحی اور کم علمی کی بناء پر اس سازش میں ہندو کانگرس کے آلہ کار اور حلیف تھے۔ مسلم اکابرین نے مسلمانوں کو اس سازش کا شکار ہونے سے بچایا اور اسلام کے دوقومی نظریہ پر زور دیا۔ جس کے نتیجے میں مسلمان اپنے قومی تشخص کو قائم رکھنے اور ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

مسلم لیگ کا دو قومی نظریہ

متحدہ قومیت کے زہر سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کا بحیثیت جداگانہ قوم ہونا ثابت کیا جاتا۔ دوقومی نظریہ متحدہ قومیت کے خلاف پیش کیا گیا تھا تاکہ واضح ہو سکے کہ مسلمان جداگانہ قوم ہیں اور انہیں اپنے اطوار، مذہب اور تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حق ملنا چاہیے۔

دوقومی نظریہ یا نظریہ پاکستان کی روح یا اساس اسلامی نظریہ حیات ہے۔ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں، اس کا اپنا ضابطہ حیات ہے۔ اس کے نظریہ حیات کا منبع قرآن مجید ہے۔ جس طرح اس کتاب کو نازل کرنے والی ہستی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اسی طرح اس کتاب مبین میں بیان کردہ سچائیاں بھی لازوال، ازلی اور ابدی ہیں۔ نہ انہیں ماضی بدل سکا نہ حال اور نہ ہی مستقبل بدل سکے گا۔ اسلامی نظریہ حیات کی تاریخ ازل سے شروع ہوتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ نظریہ حیات ۷۱۲ء میں پہنچا جب مجاہد اسلام محمد بن قاسم نے وادی سندھ میں پہلی بار اسلامی جھنڈا گاڑا اور اسی دن مسلمانوں نے اپنی سطوت وجلالت کی مہر ثبت کر کے یہ بات واضح کر دی تھی کہ کفار ہند سے ان کا ٹکراؤ ہوتا رہے گا۔ سلطان محمود غزنوی نے اسی کفر کے بت کو پاش پاش کرنے کے لئے بار بار حملے کیئے۔ حق و باطل کا یہ ٹکراؤ

صدیوں سے ہوتا رہا ہے، جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ اکبر کا دین الٰہی، بھگتی تحریک اور گاندھی کا متحدہ قومیت کا نعرہ بھی ہندو مسلم اتحاد قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برصغیر میں دو قومی نظریہ کی بنیاد تو مسلمانوں کی آمد ہی سے اس وقت پڑ چکی تھی جب یہاں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔

دو قومی نظریہ کے مطابق ہندو اور مسلمان دو مختلف اقوام ہیں۔ جن کے مابین کوئی بھی قدر مشترک نہیں۔ ہندو ذات پات کی تفریق کا قائل ہے۔ بت پرست ہے۔ آواگان میں یقین رکھتا ہے، گائے کو پوجتا ہے اور مردے جلاتا ہے۔ جبکہ مسلمان ان تمام چیزوں سے متنفر ہے۔ مسلمان توحید پرست ہے، رنگ و نسل کے جھگڑوں اور زبان و وطن کے جھمیلوں سے آزاد ہے۔ جداگانہ اصول معیشت و سیاست کا حامل ہے۔ مسلمان آخرت پر یقین رکھتا ہے اور گائے کا گوشت کھاتا ہے۔

علاوہ ازیں تہذیب و تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست، مذہبی اقدار، اخلاقی اکائیاں غرضیکہ ہر میدان میں اور ہر شعبہ حیات میں مسلمان ہندو قوم سے جدا، منفرد اور مختلف ہے۔ اسلامی قومیت اشتراک دین پر استوار ہے اور اس میں ہر وہ فرد شامل ہے جو مسلمان ہے۔ باقی تمام غیر مسلم ایک الگ قوم ہیں۔ دوسری ہر قومیت عصبیت پر استوار ہوتی ہے اور اشتراک رنگ یا اشتراک نسل، اشتراک وطن، اشتراک زبان، اشتراک اغراض و مفاد، اشتراک معیشت اور اشتراک سیاست میں سے کسی ایک اشتراک پر اس کی بنیاد ہوتی ہے اور اکثر دوسرے عناصر بھی مددگار کے طور پر قومیت کی تشکیل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسلامی قومیت صرف حزب اللہ کے لیئے مخصوص ہے اور تمام وہمی اور تخیلی تفریقات و نظریات اور عصبیتوں سے پاک ہے۔

دو قومی نظریہ کے متعلق قائداعظم کے ارادے کس قدر پختہ تھے اس کا اظہار ان خطبات سے ہوتا ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیئے۔ ۶ مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا:

> ”جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔ انہوں نے سمجھا ہے کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں، جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیے اور ادھر مسلمان ایک جھوٹے احساس سلامتی میں مسلسل مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی، آئینی اور قانونی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مسلمان کسی حیثیت سے

بھی یورپی ممالک کی اقلیتوں کی طرح اقلیت نہیں ہیں۔ ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب العین کے ساتھ بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں"[۸۱]۔

اسی طرح مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی"[۸۲]۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

"وہ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا۔ وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی"۔

۱۹۳۵ء کے قانون ہند کے متعلق، ٹائمز جیسے چوٹی کے برطانوی اخبار نے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا:

"اس میں شبہ نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف محض مذہب تک محدود نہیں بلکہ اس میں قانون، تہذیب و تمدن یہاں تک شامل ہیں کہ ہندو اور مسلمان اپنی علیحدہ اور امتیازی تہذیب کے پیروکار ہیں۔ پھر بھی ہمیں امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اوہام مردہ ہو جائیں گے اور ہندوستان صرف ایک قوم واحد کے سانچے میں ڈھل جائے گا"۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قائداعظم نے مارچ ۱۹۴۰ء میں فرمایا:

"خواتین و حضرات! اس کے یہ معنی ہوئے کہ لندن ٹائمز کی رائے میں ہماری روایات محض اوہام ہیں اور ہمارے وہ بنیادی اور شدید اختلاف جو روحانی اور اخلاقی بھی ہیں صرف وہم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے "قومی تصور" اور ہندو دھرم کے "سماجی ڈھنگ" اور "وضع" کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے"۔

"ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں اور دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں مگر ان کے اختلافات اسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آ جائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم واحد بن جائیں گے کہ ان پر جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا، سراسر غلطی ہے۔ جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی وحدانی حکومت اس

میں کامیاب نہ ہو سکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اجتماعی یا فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی عرصہ شہود میں آجائے گی''۸۳۔

''ہندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں سے متعلق نہیں بلکہ قوموں سے متعلق ہے۔ بلاشبہ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیے اور اس نقطہ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بنیادی امر واقعہ کی صحت کو تسلیم کرلیں۔ جب تک ہم اسے درست نہ مانیں گے ہمارا ہر وضع کردہ آئین ناکام رہے گا اور تباہی لائے گا''۸۴۔

آگے چل کر قائداعظم نے فرمایا :

> ''اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف اور متمیز معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کرسکیں گے''۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

> ''یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہیے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ حیات انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمنائے ترقیات کے لئے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ ان دو قوموں کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی''۸۵۔

انہوں نے ۱۹۴۰ء میں واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں اور یہ کہ ہندوستانی مسلمانوں

کے خدشات کا حل ان کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام ہی میں مضمر ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ‘ میں قائداعظم نے فرمایا:

> ''ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے۔ وہ نہ تو باہمی شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو بنیادی طور پر متصادم نظریات و تصورات پر مبنی ہیں۔ ان کا تصور حیات ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے ہیرو اور تاریخ الگ الگ ہیں۔ ایک فریق کے ہیرو اکثر صورتوں میں دوسرے کے لئے ناپسندیدہ شخصیتیں ہیں۔ ان کی تاریخ میں ایک فریق کی شکستیں دوسرے کی فتوحات رہی ہیں۔ ان دو قوموں کو اکثریت اور اقلیت کی حیثیت میں ایک ہی ریاست میں اکٹھا رکھنا ملک میں بے اطمینانی کے فروغ کا باعث ہوگا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی ریاست ملنی چاہیے''[۸۶]۔

اسی خطبے میں مزید فرمایا:

> ''قومیت کی تعریف چاہے جس طرح بھی کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور جداگانہ ریاست ہو''[۸۷]۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں گاندھی کے نام اپنے خط میں فرمایا:

> ''ہم اس کے قائل ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں جو قوم کی ہر تعریف اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ہم ۱۰ کروڑ کی ایک قوم ہیں، مزید برآں ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ایک مخصوص اور ممتاز تہذیب و تمدن، زبان و ادب، آرٹ اور فن تعمیر، احساس اقدار و تناسب، قانونی احکام اور اخلاقی ضوابط، رسم و رواج اور تقدیم (کیلنڈر) تاریخ اور روایات، رجحانات و عزائم کی مالک ہیں خلاصہ بحث یہ ہے کہ زندگی اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہمارا اپنا ایک امتیازی زاویہ نگاہ ہے اور قانون بین الاقوامی کی ہر دفعہ کے لحاظ سے ہم ایک قوم ہیں''۔

کسی قوم کی نشوونما اور ترقی کے لئے ایک علاقہ اور حکومت کا ہونا اشد ضروری ہے اس کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے قائداعظم فرماتے ہیں :

''ایک قوم کے لئے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خودمختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیے''۸۸۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں گاندھی کے ایک خط کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا :

''ہم (مسلمان اور ہندو) ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہم مذہب میں، تہذیب و تمدن میں، تاریخ میں، زبان مین، طرز تعمیر میں، موسیقی میں، قانون اور اصول قانون میں، کھانے پینے میں، معاشرت میں، لباس میں غرض کہ ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ صرف ووٹ ڈالنے والی صدوقچی میں وہ اور ہم یکجا نہیں ہو سکتے''۸۹۔

جب گاندھی نے یہ کہا کہ :

''میرے چھوٹے بھائی جناح میں اور آپ ہندوستانی ہیں۔ تبدیلی مذہب سے قومیت تبدیل نہیں ہوجاتی''۔

اس کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا تھا کہ :

''مسٹر گاندھی آپ کا خیال غلط ہے۔ میں ہندوستانی نہیں ہوں بلکہ میں مسلمان ہوں''۹۰۔

۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء میں مسلم لیجسلیوز کنونشن میں ایک قرارداد پاس ہوئی۔ اس کنونشن کی صدارت قائداعظم کر رہے تھے۔ اس قرارداد میں دوقومی نظریہ کی صاف نشاندہی کرتے ہوئے ایک جگہ اس طرح لکھا گیا ہے :

''ہرگاہ کہ ہندوؤں کا ذات پات کا نظام، قوم پرستی، مساوات جمہوریت اور ان تمام اچھے نظریات کا جن کا اسلام بھی علمبردار ہے، کی ضد ہے اور ان کا صریح مخالف ہے۔

ہرگاہ کہ مشترکہ مقاصد و تصورات کو پیش نظر رکھ کر ایک متحدہ ہندوستان میں سب کے ارتقاء کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مختلف اور متضاد تاریخی پس منظر، تمدنی روایات اور معاشی، معاشرتی نظام نے ناممکن بنا دیا ہے اور ہرگاہ کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دونوں الگ الگ قومیں ہی رہتی ہیں''۹۱۔

پاکستان کے قیام سے قبل ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے فرمایا :

> "میرے دل میں عظیم الشان ہندو قوم کی بہت عزت ہے۔ ان کا اپنا دھرم ہے، اپنا فلسفہ ہے، وہ اپنا تمدن رکھتے ہیں۔ عین اسی طرح جس طرح مسلمان اپنا ایمان، فلسفہ حیات اور تمدن رکھتا ہے لیکن دونوں الگ الگ قومیں ہیں"۔

یہ تھے دوقومی نظریہ کے بارے میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ۔ یہ دوقومی نظریہ ہی تھا جس نے مسلمانوں کو برصغیر پاک و ہند میں اقلیت ہوتے ہوئے بھی ایک نیا ولولہ اور جذبہ عطا کئے رکھا۔ مسلمانوں کے جداگانہ قوم ہونے کے نظریہ نے قیام پاکستان کو ممکن بنادیا۔

تحریک خلافت کے عظیم رہنما مولانا محمد علی جوہر دنیا میں صرف دوملتوں کے وجود پر ایمان رکھتے تھے ایک اسلام اور دوسرا کفر۔ انہوں نے اعلان فرمایا :

> "میں پہلے مسلمان ہوں اور بعد میں ہندوستانی"[۹۲]۔

مسلم قومیت کی بنیاد نسل و وطن پر نہیں بلکہ دین پر ہے۔ یہی بات ۱۹۱۰ء میں علامہ اقبال نے علی گڑھ کے سٹریچی ہال میں کہی تھی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کو الہٰ آباد میں اپنے صدارتی خطبہ میں اقبال نے دوقومی نظریے کی بنیاد پر ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ ایک اور جگہ فرمایا :

> "ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے۔ جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے مختلف اور الگ ہیں۔ ان کے اعمال وافعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوسکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح بھی نامناسب نہیں ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیئے بغیر مسلمان ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں"[۹۳]۔

ممتاز کانگرسی عالم مولانا حسین احمد مدنی بھی ہندو اور مسلمانوں کو دو علیحدہ قومیں مانتے تھے۔ لیکن اپنے ذاتی مفاد اور ہندو دوستی میں پھر بھی ہندو مسلم کو ایک قوم ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں :

> "اس مسئلہ میں تو دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔ کہ مسلمان اور ہندو بلحاظ کلچر اور ثقافت دو جدا قومیں ہیں اور رہیں گی۔ لیکن اپنے ملک کو آزاد کرانے اور اجنبی حکومت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے جو ڈیفنس یا دفاع انڈین نیشنل کانگرس کی جانب سے بصورت پرامن جنگ

جاری ہے، اس نقطہ نظر سے بلاشک ملک کی مختلف المذہب اقوام سب ایک قوم ہیں اور اس دفائی متحدہ قومیت کو کانگرس ایک قوم کہتی ہے''۹۴۔

۳۰ مارچ ۱۹۴۳ء کو سندھ اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کرتے ہوئے معروف سندھی سیاستدان جی۔ ایم۔ سید نے کہا :

''ہندوستان کے مسلمان الگ قوم ہیں، اور ایک الگ قوم کی حیثیت سے الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں''۹۵۔

مولانا مودودی دو قومی نظریہ کے زبردست حامی و مؤید تھے۔ چنانچہ اپنے مضمون قومی جدوجہد لادینی اسٹیٹ اور مسلمان میں لکھتے ہیں :

''پیدائش سے لے کر موت تک، ہر رسم، ہر تہوار، ہر خوشی اور ہر غمی میں ہندو ہندو کے ساتھ ہوتا ہے اور مسلمان مسلمان کے ساتھ۔ ان بین اختلافات کے ہوتے ہوئے کون انہیں ایک قوم کہہ سکتا ہے''۹۶۔

ان مسلمان مفکرین اور رہنماؤں کی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کے حق میں تھے اور مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کے زبردست حامی و مؤید تھے۔ یہ دونوں رہنما کانگرسی علماء کے برعکس ہندو کانگرس کے ایک قومی نظریہ کو مسلمانوں اور اسلام کے لئے ایک زبردست خطرہ تصور کرتے تھے۔ علامہ عثمانی نے بڑے شدومد کے ساتھ کانگرس اور کانگرسی علماء کے ایک قومی نظریہ کی تردید کی۔ اس مسئلہ پر علامہ شبیر احمد عثمانی کا ارشاد گویا حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کفار ہند کے مکروہ ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لئے شیخ الاسلام نے مسلم لیگ جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کی اشاعت فرمائی۔ یہ وہی نظریہ ہے جو دین اسلام کی شہ رگ ہے۔ اگر خدانخواستہ کانگرس کے عزائم کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کی حالت ہندوستان میں بھی سپین کے مسلمانوں سے مختلف نہ ہوتی۔ آپ نے دو قومی نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا :

''مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔ میں اپنے لئے فرقہ پرست کا خطاب پسند کرتا ہوں مگر اپنی قوم کا غدار یا قوم فروش کہلانا پسند نہیں کر سکتا''۹۷۔

اپنے پیغام کلکتہ میں علامہ عثمانی نے کانگرس اور کانگرسی علماء کے ایک قومی نظریہ کے پرخچے اڑا دیئے۔ مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کی تائید وحمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> ''ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے، میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔ اب اسلامی نقطہ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطر ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی سرزمین میں رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے، دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا، اس کا شرعی نام کافر ہوا''۔

دنیا میں مسلمانوں کی جو مختلف قومیتیں ہیں، وہ سہولت تعارف کے لئے اپنی اپنی جگہ قائم اور موجود ہیں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بحر بے کنار میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں، جہاں اس کے سارے امتیازات اور تفرقے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی عالمگیر اسلامی قومیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ :

> ''حضور اکرم ﷺ سے مقام روحا پر ایک قافلہ نے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تم کون قوم ہو؟ جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی، نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں۔ سب سے زیادہ قبائلی تعصب وغرور رکھنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بت ٹوٹ چکے تھے اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔ مسلمانوں کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالات دین پر ہوتی ہے''۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے تمام کفر ایک الگ ملت ہے۔ اور مسلمان ایک الگ ملت اس سلسلے میں علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ :

> ''اس اساسی نقطہ سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی

امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت صحیح معنی میں بن سکے"۹۸۔

کانگرسی علماء کی طرف سے معاہدہ مدینہ کا حوالہ دیا گیا جس میں یہودیوں اور مسلمانوں کے لئے "امتہ واحدہ" کے الفاظ استعمال ہوئے تو شیخ الاسلام نے مدلل جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ معاہدہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود مدینہ میں ہوا تھا اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق "ملت واحدہ" کا لفظ نہیں محض "امتہ واحد" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ جسے عموماً استدلال کے وقت نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، یہ تھی کہ کسی معاملہ میں فریقین کے مابین نزاع کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے جواب میں کانگرسی علماء بغلیں جھانکنے لگے اور لاجواب ہو گئے۔

اسلامی مرکز قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے علامہ عثمانی پیغام کلکتہ میں تحریر فرماتے ہیں :

"ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اس کے قومی محرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکیں"۔

"اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت واقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا"۹۹۔

ہندو اور مسلمان دو الگ مستقل قومیں ہیں اور ان میں کوئی بھی چیز مماثلت نہیں رکھتی۔ اپنے خطبہ صدارت میرٹھ میں فرماتے ہیں :

○ "ہندو اور مسلمان دو الگ مستقل قومیں ہیں اور پیدائش کے وقت سے مرنے کے بعد تک ان کے نام، ان کے کام، ان کے عقائد، اعمال و عبادات، نکاح و طلاق، رہن سہن کے طریقے، غذائیں، تاریخی روایات، ہیرو، جذبات، تجہیز و تکفین، وراثت کے قاعدے غرض جملہ معاملات مین ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں"۔

○ "اب مسلم کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے۔ ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم و کرم پر کیوں رہے"۔

دوقومی نظریہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت ''ہمارا پاکستان'' لاہور میں فرماتے ہیں :

- ''جس طرح ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں لہذا ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیے''۔
- ''ہماری تجویز ایک آزاد علیحدہ پاکستان کا تصور ہے جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں کے لئے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شہنشاہیت کا آلہٰ کار بننے سے بچائے گا۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا''۔
- ''فی الحال تو ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز ہونی چاہیے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی قوموں پر یہ ثابت کردیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے، جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹروں کے قومی احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے''[۱۰۰]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کی واضح حقیقت کو دلائل و براہین سے مزید واضح کردیا کہ مسلمان اور کافر دو الگ الگ قومیں ہیں۔ قائداعظم نے بھی کیا خوب کہا تھا کہ جو تمہارا خدا ہے وہ ہماری غذا ہے یعنی تم گائے کو پوجتے ہو اور ہم گائے کو کھاتے ہیں ہم اور تم ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔

ایک اور جگہ علامہ عثمانی فرماتے ہیں :

> ''یہ جداگانہ قومیت کا مسئلہ ملا اور مسٹر کا مسئلہ نہیں۔ نہ یہ جدت اور قدامت کی کشتی ہے۔ نہ یہ دیوبند اور علی گڑھ کا تنازعہ ہے۔ یہ تو خدا کے بندوں کے لئے سخت ترین آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور چودہ سو برس کے بعد کس عزم اور ہمت سے دنیا میں قرآن، آئین اور اسلام کے فطری اصولوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور نافذ کرنے کے لئے ہمت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں یا کہ نہیں۔

جب علامہ شبیر احمد عثمانی کے استدلال کے سامنے دوقومی نظریے کے خلاف کانگرسی علماء کسی طرح بھی مدلل جواز پیدا نہ کر سکے تو انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کردیا کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ مگر

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس محاذ پر بھی ان کو شکست فاش دی اور اس پروپیگنڈا کو مدلل ذریعہ سے غلط ثابت کر دکھایا اور شیخ الہند کے دوقومی نظریہ کے حامی ہونے کے دلائل اور ثبوت فراہم کر دیئے۔ آپ نے فرمایا:

’’حضرت شیخ الہند کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا، ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی‘‘۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع نے مذہبی اور علمی حیثیت سے دوقومی نظریہ کی حمایت اور متحدہ قومیت کے خلاف، مطالبہ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں قرآن وحدیث وفقہی دلائل کی روشنی میں بہت سے فتاویٰ اور رسائل لکھ کر شائع کیے، جن میں سے کانگرس اور مسلم لیگ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ بڑے مفید رسالے ثابت ہوئے۔ مفتی محمد شفیع کے ان فتوؤں کی تائید وحمایت اور تصدیق علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء نے کی جس سے تحریک پاکستان کو بہت تقویت ملی۔

برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم[۱۰۱] دیوبند کے مہتمم مولانا محمد طیب قاسمی بھی مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کے زبردست حامی ومؤید تھے۔ انہوں نے ۶ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ کو فتویٰ جاری کیا کہ :۔

’’مسلمان بلاشبہ ہندوؤں سے الگ ایک مستقل قوم ہیں اور کفار کے ساتھ غیر مشروط تعاون کسی طرح جائز نہیں‘‘[۱۰۲]۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی نے شرعی نقطہ نظر سے دوقومی نظریہ کو عین اسلامی نظریہ اور ایک قومی نظریہ کو باطل اور خلاف اسلام قرار دیا۔ اس سلسلے میں ان کی عظیم الشان خدمات اور کارنامے ہماری ملی تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

دوقومی نظریہ کے فوائد

○ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان کا قیام دوقومی نظریہ کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔ اگر دوقومی نظریہ نہ ہوتا تو پاکستان کبھی بھی دنیا کے نقشے پر ظاہر نہ ہوتا۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ آخرکار ہندو قومیت میں جذب ہو جاتی جیسا کہ سپین میں ہو چکا ہے یا مسلمان اقلیت کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کے غلام بن جاتے اور ان کا مذہب اور تہذیب وتمدن سب تباہ برباد ہو جاتا۔

- دوقومی نظریہ کی بدولت برصغیر کے ایک بڑے حصے میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہوا اور یہ حصہ دارالحرب سے دارالاسلام بن گیا۔ ایک قومی نظریہ اور ایک مرکز ہونے کی صورت میں یہ اختیار مسلمانوں کو کبھی حاصل نہ ہوتا اور ہندوؤں کو اکثریت کی بناء پر مسلمانوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کا اختیار مل جاتا۔ اب پاکستان مکمل طور پر دارالاسلام ہے اور ہم اپنی قسمتوں کے آپ مالک ہیں۔ اب مسلمانوں کو پاکستان میں اکثریت کی بناء پر حکومت الٰہیہ اور خلافت راشدہ کا قانون نافذ کرنے میں پوری قوت و آزادی حاصل ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہو تو ہو کہ ہم پاکستان میں احکام شریعت نافذ نہیں کر سکے اور اس کو ایک فلاحی اور مثالی اسلامی مملکت بنانے میں ناکام رہے لیکن ہمیں ایسا کرنے کی پوری آزادی اور اختیار و اقتدار حاصل ہے، ہندوؤں کی غلامی میں ایسا کبھی نہ ہو سکتا۔
- دوقومی نظریہ اور قیام پاکستان سے مسلمان اپنے مذہب، تہذیب و تمدن، تعلیم و روایات اور سماجی و معاشی طور پر آزاد و خودمختار ہیں۔ یہ علمی اور معاشی ترقی و خوشحالی دوقومی نظریہ ہی کی بدولت ہے، ہندوؤں کی غلامی میں یہ سب کچھ ناممکن تھا۔
- ہندوستان کے ایک حصہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہونے کی وجہ سے پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد پاس کی، جس کی رو سے قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون پاکستان میں رائج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قرارداد اب آئین پاکستان کا حصہ بن چکی ہے۔ اس قرارداد کی بدولت پاکستان میں سیکولرازم اور تمام لادینی ازم کے رستے بند ہو چکے ہیں اور پاکستان کا اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہونا متعین ہو گیا ہے۔
- ۱۹۷۹ء میں ممانعت شراب کا قانون پاکستان میں رائج کر دیا گیا اور شراب نوشی کی سزا شریعت کے مطابق مقرر کر دی گئی۔
- پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے کہ جس کے عوام کو یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ رائج الوقت قوانین میں سے کسی بھی قانون کو غیر اسلامی ہونے کی بناء پر عدالت میں چیلنج کر سکتے ہیں اور عدالت کے فیصلے کے بعد وہ قانون خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے اور حکومت متبادل قانون نافذ کرنے پر مجبور ہے۔

یہ سب فوائد ہمیں دوقومی نظریہ، پاکستان اور آزاد و خودمختار مرکز کی بدولت نصیب ہوئے۔ ہندو اکثریت کی غلامی میں یہ سب کچھ خواب و خیال ہی ہوتا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ شیخ الاسلام پاکستان علامہؒ شبیر احمد عثمانی برصغیر کی سیاسی تحریکات میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے پرجوش کارکن اور رہنما تھے۔ آپ نے تمام اسلامی جماعتوں کا ایک مشترکہ سیاسی محاذ بنانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن جب آپ نے محسوس کیا کہ جمعیۃ العلماء ہند جمعیۃ علماء کانگرس بن گئی ہے اور ہندو کانگرس پر فریفتہ ہوئے جارہی ہے تو آپ اس سے علیحدہ ہو گئے اور جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ جمعیۃ علماء اسلام کی تحریک نے قیام پاکستان کی تحریک میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ علامہ نے ہندو کانگرس اور جمعیۃ العلماء کانگرس کے غلط اور خلاف اسلام متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسترد کر دیا اور مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کی زبردست تائید وحمایت کی۔ متحدہ قومیت کے خلاف اور دوقومی نظریہ کی حمایت میں ان کے خطبات، اعلانات اور بیانات پاکستان کی تاریخ میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) روز نامہ "جسارت" کراچی، مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۱ء، مضمون نگار مولانا عبدالقدوس بہاری۔

(۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری "تحریک پاکستان اور قائداعظم: نایاب دستاویز کی روشنی میں" لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۴۷۔

(۲الف) مولانا مظہر الدین شیرکوٹی (۱۸۸۸، ۱۹۳۸) شیرکوٹی تعلیم دارالعلوم دیوبند، مدرس دارالعلوم دیوبند، مدیر اخبار "مدینہ" (بجنور) "الامان" "وحدت" (دہلی) تحریک خلافت کے سرگرم رکن، تحریک پاکستان کے حامی و مبلغ، متحدہ قومیت کے کٹر مخالف، جمعیۃ العلماء کانپور کے بانی۔

3. H.Qureshi *Ulema in Politics* Karachi Maarel Ltd., 1972, p.357

(۴) مولانا خیر محمد جالندھری (۱۸۹۵ء، ضلع جالندھر ۱۹۷۰) تعلیم گلاؤٹھی، بریلی، مدرس، خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی، بانی مدرسہ خیر المدارس جالندھر/ملتان، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، علامہ شبیر احمد عثمانی کے معتقد خاص، دوقومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے حامی و مؤید، صدر تنظیم "وفاق المدارس"۔

(۵) عبدالشکور ترمذی "تذکرۃ الظفر" کمالیہ (فیصل آباد) مکتبہ علمی، ۱۹۷۷ء، ص ۲۵۵۔۵۸۔۔۔؛ سہ ماہی "فکر و نظر" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔جون ۱۹۸۹ء، ص ۹۲۔

(۶) روز نامہ "امروز" لاہور، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۴ء مضمون نگار مولانا محمد اشفاق احمد۔

(۷) مولانا محمد شفیع، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ (یعنی سیاست حاضرہ مسلم لیگ و کانگرس وغیرہ کے متعلق مجدد الملت، حکیم الامت، سیدو سندی مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ارشادات کا مجموعہ) دیوبند، دارالاشاعت ۱۳۶۵ھ، ص ۵۳۔۵۴۔

(۸) مولانا محمد شفیع "کتاب مذکور" ص ۵۷۔۶۴۔

(۹) سید حسن ریاض (۱۸۹۴ء بلند شہر ۱۹۷۴ء) مدیر ہمت، ہمدم، ہمدرد، منشور، لیکچرر شعبہ صحافت کراچی یونیورسٹی، رکن آل انڈیا مسلم لیگ، مصنف "پاکستان ناگزیر تھا"۔

(۱۰) وکیل احمد شیروانی "اشرف المقالات" لاہور، مجلس صیانۃ المسلمین، ۱۹۹۵ء، ص ۵۴۸۔۔۔؛ ماہنامہ "الصیانۃ" لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۴۸۔۔۔؛ مولانا محمد شفیع، کتاب مذکور، ص ۸۸

(۱۱) علامہ شبیر احمد عثمانی "خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۱۳۔۱۴۔

(۱۲) مولانا طاہر احمد قاسمی "مکالمۃ الصدرین" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۱۶۔

(۱۳) روز نامہ "عصر جدید" کلکتہ، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء۔۔۔روز نامہ منشور دہلی، ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء

(۱۴) .محمد میاں مولانا ظفر احمد کے فتوے پر تبصرہ دہلی جمعیۃ العلماء ہند (ت۔ن)، ص ۱ بحوالہ روز نامہ خلافت بمبئی ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔۔۔؛ وحید الدین احمد قاسمی، جواز شرکت کانگرس اور ازالہ شکوک، دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، (ت۔ن)، ص ص ۵۱۔۵۳۔

(۱۵) محمد ذکی، خطبہ صدارت کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس حیدرآباد دیوبند، مکتبہ دارالاشاعت ۱۹۴۷ء، ص ۱۰۔۔۔؛

(۱۶) محمد ذکی، کتاب مذکور، حوالہ مذکور۔

(۱۷) مفتی محمد شفیع وقایہ المسلمین عن ولایہ المشرکین: یعنی کانگرس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ دیوبند، دارالاشاعت ۱۳۶۵ھ، ۱۹۴۶ء، ص ۳۔۴۸۔

18. I.H.Qureshi "Ulema in Politics" Maaref, Ltd, 1972, p.361.

(۱۹) روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ، ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

(۲۰) علامہ شبیر احمد عثمانی، ترتیب غلام مصطفیٰ امرتسری مسلم لیگ کے اقتدار کو روکنے کے لئے جاتی کے خوفناک ارادے: پیغام کلکتہ مقام ندارد (ت۔ن)، ص ۵۔

(۲۱) روزنامہ "جسارت" کراچی، ۱۴ دسمبر ۱۹۷۲ء مضمون نگار سید فضل الرحمٰن جعفری۔۔۔: منشی عبدالرحمٰن خان۔ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی لاہور ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۷۔۱۸۔

(۲۲) علامہ آزاد سبحانی (۱۸۸۲ء، سکندر پور ۱۹۵۷ء) تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما، جمعیۃ العلماء ہند کے موسس، جمعیۃ العلماء ہند سے علیحدگی ۱۹۴۴ء، صدارت تاسیسی جلسہ جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ ۱۹۴۵ء، مولانا ابوالکلام آزاد کی جگہ نماز عیدین کی امامت۔

(۲۳) روزنامہ عصر جدید کلکتہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء۔۔۔: ڈاکٹر ایچ۔بی۔خان تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی وعلمی کردار کراچی الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۶۵۔

(۲۴) علامہ شبیر احمد عثمانی پیغام کلکتہ: موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں دہلی جید پریس، (ت۔ن) ص ۱۔۔۔: ڈاکٹر فرمان فتح پوری تحریک پاکستان اور قائداعظم: نایاب دستاویز کی روشنی میں لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۷۵ سیاسی انسائیکلوپیڈیا اور مہدی حسن نے یہ تاریخ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء بیان کی ہے۔ "پاکستان کا پہلا سیاسی انسائیکلوپیڈیا" کراچی، وی انجینئرز لمیٹڈ، ۱۸۷۷ء، ص ۸۲۰۔۔۔ مہدی حسن پاکستان کی سیاسی جماعتیں لاہور، کلاسیک، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۳۔۔۔: ڈاکٹر صفدر محمود نے جمعیۃ العلماء اسلام کے قیام کی تاریخ ۲۲۔۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء اور چودھری خلیق الزمان نے جنوری ۱۹۴۶ء بیان کی ہے جو کہ غلط اور غیر تحقیقی ہے: ڈاکٹر صفدر محمود، پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں، لاہور، مقبول اکیڈمی، اگست ۱۹۹۲ء، ص ۱۶۱۔۔۔: چودھری خلیق الزماں شاہراہ پاکستان کراچی، انجمن اسلامیہ پاکستان، ۱۹۸۷ء، ص ۹۷۰۔۔۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی نے ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ جب جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی تو مولانا اشرف علی تھانوی نے اس اطلاع پر مولانا شبیر احمد عثمانی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ حیرت ہے کہ پروفیسر انوار الحسن نے اس قدر غیر تحقیقی اور غیر ذمہ دارانہ بات لکھ دی ہے۔ یاد رہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی ۱۹۴۳ء میں وفات پا چکے تھے۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی تجلیات عثمانی ملتان ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء ص ص ۶۹۰۔۹۱۔۔۔: پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی حیات عثمانی کراچی، مکتبہ دار العلوم، جون ۱۹۸۸ء، ۴۹۷۔

(۲۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" لاہور نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ص ۶۹۔۷۰

(۲۶) علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی (۱۸۷۰ء) تعلیم مولانا غلام حسن، مولوی میر حسن، سید نذیر حسین، مدیر "الہادی"، "اہلحدیث"، مسیحیت اور مرزائیت کی رد میں مناظرے، رکن مجلس عاملہ جمعیۃ العلماء ہند، بانی رکن جمعیۃ العلماء اسلام کلکتہ، تحریک پاکستان کے حامی ومؤید، مصنف "سیرت رسولؐ"

(۲۷) پیر غلام مجدد سرہندی (۱۸۸۳ء ضلع حیدرآباد۔ ۱۹۵۸ء) تعلیم مولانا محمد حسن پاٹانی، سجادہ نشین ۱۹۱۳ء، تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں زبردست خدمات۔

(۲۸) مولانا محمد متین خطیب (۱۹۰۸ء، دیوبند) تعلیم دیوبند، مدرس مدرسہ عربیہ انبالہ، جمعیۃ العلماء اسلام کے سرگرم کارکن، نظریہ پاکستان کے حامی و ناصر، درس قرآن بنام "قرآن حکیم اور ہماری زندگی" ریڈیو پاکستان کراچی۔

(۲۹) سہ ماہی "فکر و نظر" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔ جون ۱۹۸۹ء، ص ۹۸۔

(۳۰) ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان "تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار" کراچی، الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۷۰

(۳۱) مولانا سید محمد قریش شمسی "نظامنامہ کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ" کلکتہ، السرون آرٹ پریس، (ت۔ن) ص ص ۲۷۔۲۹، ۴۰، ۷۳۔۷۴۔

(۳۲) مولانا طاہر احمد قاسمی "مکالمۃ الصدرین" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن) ص ۱۷۔

(۳۳) روزنامہ "امروز" لاہور، ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء، مضمون مولانا محمد اشفاق احمد۔

(۳۴) علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان اور خطبات عثمانی لاہور، شاہد بکڈپو، ۱۹۸۹ء، ص ص ۴۶۔۴۷۔

(۳۵) علامہ شبیر احمد عثمانی، پیغام علامہ شبیر احمد عثمانی بنام کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ لاہور، ہاشمی بکڈپو، (ت۔ن) ص ۴۸۔

(۳۶) علامہ شبیر احمد عثمانی موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟ پیغام کلکتہ دہلی، جید پریس، (ت۔ن) ص ص ۴۔۱۱

(۳۷) علامہ شبیر احمد عثمانی ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس لاہور، لاہور، ہاشمی بکڈپو، (ت۔ن) ص ص ۲۳۔۷۵۔

(۳۸) حکیم آفتاب احمد قریشی "کاروان شوق" لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۴۔۵۔

(۳۹) روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ، یکم جون ۱۹۴۶ء، ۔۔۔: پروفیسر احمد سعید، حصول پاکستان لاہور، ایجوکیشنل ایمپوریم، اگست ۱۹۷۲ء، ص ۲۴۹۔

(۴۰) روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ، ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء، ۔۔۔: ماہنامہ "البلاغ" کراچی، مئی ۱۹۶۹ء، ص ۵۳۔

(۴۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، اپریل ۱۹۷۴ء، ص ص ۳۱۹۔۲۰۔

(۴۲) سید قاسم محمود "مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا" کراچی، شاہکار بک فاؤنڈیشن (ت۔ن) ص ۱۲۶۴۔

(۴۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور، دانش گاہ پنجاب، ج ۱، ۱۹۷۱ء، ص ۴۱۹

(۴۴) منشی عبدالرحمٰن خان تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، لاہور ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ص ۲۲۔۲۳۔

(۴۵) ایضاً۔۔۔: پنڈت جواہر لال نہرو "میری کہانی" دہلی مکتبہ جامع (ت۔ن) حصہ اول، ص ۲۳۶۔

(۴۶) اسعد گیلانی اقبال، قائداعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان لاہور مکتبہ تعمیر فکر، مارچ ۱۹۷۷ء، ص ۷۳۔

(۴۷) اسعد گیلانی، کتاب مذکور، حوالہ مذکور۔

(۴۸) بحوالہ "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" ص ص ۳۶۱۔۶۶، ۴۱۱۔۱۲

(۴۹) بحوالہ "اقبال، قائداعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان، ص ص ۱۲۰۔۱۲۱۔۴۳

(۵۰) علامہ شبیر احمد عثمانی "موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں: پیغام کلکتہ" دہلی جید پریس، (ت۔ن) ص ۱۱۔

(۵۱) بحوالہ "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" ص ص ۴۰۴۔۵

(۵۲) بحوالہ ''اقبال، قائداعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان'' ص ص ۹۵۔۹۸۔

(۵۳) بحوالہ ''تحریک آزادی ہند اور مسلمان'' ص ۱۸۲۔۹۰۔

(۵۴) موہن داس کرم چند گاندھی (۱۸۶۹ء، پور بندر۔۱۹۴۸ء) تعلیم راج کوٹ، لندن، ہندوؤں کے عظیم رہنما، دوقومی نظریہ اور پاکستان کے سب سے بڑے مخالف، کانگرس کے ڈکٹیٹر، جدوجہد آزادی میں نمایاں خدمات۔

(۵۵) چودھری حبیب احمد، کتاب مذکور، ص ۱۹۱۔

(۵۶) ایضاً ص ص ۱۹۴۔۹۵۔

(۵۷) پنڈت جواہر لال نہرو (۱۸۸۹ء، الہ آباد ۱۹۶۴ء) نہرو رپورٹ کے خالق موتی لال نہرو کے بیٹے، تعلیم کیمبرج (انگلستان)، تحریک آزادی ہند کے عظیم رہنما، صدر آل انڈیا کانگرس (۱۹۴۶ء) ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم۔

(۵۸) سہ ماہی 'فکر و نظر' اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔جون ۱۹۹۵ء ص ۶۲۔

(۵۹) مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء، مکہ معظمہ۔۱۹۵۸ء) نیشنلسٹ علماء کے سرخیل اور مشہور عالم دین، مدیر 'لسان الصدق'، 'الہلال'، 'البلاغ'، صدر آل انڈیا کانگرس ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۶ء، گاندھی اور نہرو کے دست راست، متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے حامی و مؤید، مسلم لیگ اور پاکستان کے کٹر مخالف تقسیم کے بعد بھارت کے پہلے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

(۶۰) ڈاکٹر ایچ۔بی۔خان 'تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار' کراچی، الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۷۔۔۔؛ روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء۔۔۔؛ چودھری حبیب احمد تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۲۱۳۔

(۶۱) مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء، اناؤ ۱۹۵۳ء) تعلیم دیوبند، مدرس مدینہ منورہ، دارالعلوم دیوبند، معروف عالم دین اور نیشنلسٹ علماء کے سرخیل، صدر جمعیۃ العلماء ہند، ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کے حامی و مؤید، مسلم لیگ، قائداعظم اور پاکستان کی بھرپور مخالفت کی۔

(۶۲) طالوت 'نظریہ قومیت و مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال' ڈیرہ غازیخان، کتب خانہ صدیقیہ، (ت۔ن)، ص ۲۰۔۔۔؛ مولانا حسین احمد مدنی 'متحدہ قومیت اور اسلام' دہلی، کتب خانہ عزیزیہ (ت۔ن)، ص ۱۰

(۶۳) وسیم احمد فاروقی ندوی 'علامہ اقبال اور سید مودودی: افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ' لاہور، حسنات اکیڈمی لمیٹڈ، اگست ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۲۔

(۶۴) اقبال 'ارمغان حجاز' لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ستمبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۹

(۶۵) طالوت، کتاب مذکور، ص ۴۸۔۔۔؛ روزنامہ احسان لاہور، ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء

(۶۶) طالوت، کتاب مذکور، ص ۲۷۔

(۶۷) مولانا حسین احمد مدنی، کتاب مذکور، ص ص ۱۱۔۵۱۔

(۶۸) محمد بن عبدالمالک بن ہشام 'السیرۃ النبی ﷺ' قاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ج دوم، ص ص ۳۔۱۲۲۔۔؛ سہ ماہی ادبیات اسلام آباد ص ۱۶۳۔

(۶۹) ماہنامہ طلوع اسلام دہلی اکتوبر ۱۹۳۹ء، ص ص ۲۲۔۲۳۔

(۷۰) علامہ شبیر احمد عثمانی 'موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟' پیغام کلکتہ دہلی، جید پریس، (ت۔ن) ص ص ۶۔۱۱۔

(۷۱) علامہ شبیر احمد عثمانی خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۶

(۷۲) روزنامہ جسارت کراچی ۱۴ دسمبر ۱۹۷۲ء، مضمون نگار فضل الرحمٰن جعفری۔

(۷۳) فیض ابالوی و شفیق صدیقی حیات عثمانی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لاہور ادارہ سیرت، ۱۹۴۹ء، ص ص ۴۰۔۴۱۔

(۷۴) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۹۰۳ء اورنگ آباد ۱۹۷۹ء، معروف عالم دین، مفسر، مفکر اور محقق، دو قومی نظریہ کے زبردست حامی و موئید اور متحدہ قومیت کے نظریہ کے زبردست مخالف، قائداعظم اور مسلم لیگ کی تحریک کے نتیجہ میں بننے والے پاکستان کے مخالف تھے۔ امیر جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء، پاکستان میں اسلامی نظام کے پرجوش داعی، مصنف ''تفہیم القرآن''۔

(۷۵) ڈاکٹر ذاکر حسین (۱۸۸۹ء حیدرآباد دکن ۱۹۶۹ء)، معروف سیاستدان، ودیا مندر اور وادھا اسکیم کے خالق، تعلیم حیدرآباد دکن، دہلی، علی گڑھ، جرمنی۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں سرگرم کردار، پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی، وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی، گورنر صوبہ بہار ۱۹۵۷ء، صدر بھارت ۱۹۶۷ء۔

(۷۶) مولانا سید حسین احمد مدنی ''پاکستان کیا ہے؟ دہلی، جمعیۃ علماء ہند، (ت۔ن)، ج اول، ص ۳۱۔۳۲۔۔۔؛ مولانا سید حسین احمد مدنی پاکستان کیا ہے؟ دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۳۶۵ھ، ۱۹۴۶ء، ج دوم، ص ۵۔۔۔؛ علامہ شبیر احمد عثمانی مراسلات سیاسیہ دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن) ص ص ۳۸۔۳۹۔

77. I.H.Qureshi, "Ulema in Politics" Karachi, Maaref Ltd., 1974, p.354.

(۷۸) سید اسعد گیلانی، کتاب مذکور، ص ۱۱۶

(۷۹) مولانا احمد سعید دہلوی (۱۸۸۷ء دہلی ۱۹۵۹ء) تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک آزادی ہند میں پرجوش کردار، متحدہ قومیت کے حامی، پاکستان اور مسلم لیگ کے کٹر مخالف، ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند، صدر جمعیۃ العلماء ہند ۱۹۵۷ء۔

(۸۰) مولانا احمد سعید ''خطبہ صدارت میرٹھ'' میرٹھ، ہمدرد پریس، ۱۹۴۶ء، ص ص ۸۔۵۹۔

(۸۱) سید اسعد گیلانی اقبال، قائداعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان ص ۷۵

(۸۲) آغا اشرف ''روداد پاکستان'' ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۶۔۔۔؛ سید اسعد گیلانی، کتاب مذکور، ص ۷۷۔

(۸۳) محمد مجاہد فاروقی ''پاکستان کی نظریاتی تاریخ، حکومت اور سیاست'' نیو بک پیلس لاہور، ص ۴۹۔

(۸۴) سید حسن ریاض ''پاکستان ناگزیر تھا'' کراچی یونیورسٹی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جون ۱۹۸۲ء، ص ۲۵۰۔

(۸۵) رئیس احمد جعفری ''خطبات قائداعظم'' لاہور، مقبول اکیڈمی، (ت۔ن)، ص ص ۱۹۵۔۹۶۔۔۔؛ سید حسن ریاض، کتاب مذکور، ص ۲۵۱۔

(۸۶) ڈاکٹر صفدر محمود ''پاکستان تاریخ و سیاست'' لاہور، جنگ پبلشرز، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ص ۲۸۔۲۹۔۔۔؛ سید حسن ریاض، کتاب مذکور، ص ص ۵۱۔۵۲۔

87. Syed Rais Ahmad Jafri, Op.Cit. p.245

(۸۸) رئیس احمد جعفری، کتاب مذکور ص ص ۲۵۸۔۵۹۔

(۸۹) سید احمد حسنین، جناح بمقابلہ کانگریس کراچی، کوزی ہومز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۶۴۔۔۔؛ عطش درانی، کتاب مذکور، ص ص ۳۴۔۳۵۔

(۹۰) روز نامہ 'جسارت'' کراچی، ۱۲ دسمبر ۱۹۸۱ء، مضمون نگار مولانا عبدالقدوس بہاری

(۹۱) محمد مجاہد فاروق، کتاب مذکور، ص ص ۵۰۔۵۱۔

(۹۲) ولی مظہر 'تنظیم تا تنظیم تحریک'' ملتان، مسلم لیگ، ۱۹۸۳ء، ص ۲۸۰

(۹۳) سید اسعد گیلانی، کتاب مذکور، ص ۴۰۔

(۹۴) مولانا محمد میاں 'خطرناک نعرے: جمعیۃ علماء ہند کا صراط مستقیم'' دلی، (ت۔ن) ص ص ۲۴۔۲۵۔

(۹۵) ڈاکٹر غلام علی الانا 'پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ'' کراچی، مکتبہ اسحاقیہ، ۱۹۸۳ء، ص ۵۹

(۹۶) سید اسعد گیلانی ''اقبال، قائد اعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان'' لاہور، مکتبہ تعمیر فکر، مارچ ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۴۔

(۹۷) ماہنامہ 'طلوع اسلام'' دہلی، اکتوبر ۱۹۳۹ء، ص ص ۲۲۔۲۳۔۔۔: پروفیسر محمد انوارالحسن شیرکوٹی 'خطبات عثمانی'' لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۶۷

(۹۸) علامہ شبیر احمد عثمانی 'موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟: پیغام کلکتہ' دہلی، جید پریس، (ت۔ن)، ص ۴۔

(۹۹) علامہ شبیر احمد عثمانی، مولف غلام مصطفیٰ انقلاب امرتسری ''مسلم لیگ کے اقتدار کو روکنے کے لئے جاتی کے خوفناک ارادے: خطبہ کلکتہ''۔ (ت۔ن)، ص ص ۳۔۴۔

(۱۰۰) علامہ شبیر احمد عثمانی 'ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت لاہور'' ص ص ۲۲، ۶۵، ۶۹، ۷۳۔

(۱۰۱) برصغیر پاک وہند کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ دارالعلوم ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں واقع ہے۔ دارالعلوم دیوبند ۱۵ محرم ۱۲۸۲ھ میں قائم ہوا اور اس کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ دارالعلوم دیوبند جامعۃ الازہر کے بعد اسلامی دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تسلیم کی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اسی یونیورسٹی کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے۔ مفصل حالات کے لئے مولانا محمد طیب قاسمی کی کتاب ''دارالعلوم دیوبند'' دیوبند، ۱۹۶۵ء ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰۲) روز نامہ 'عصر جدید'' کلکتہ، ۳ دسمبر ۱۹۴۵ء۔

باب چہارم

مراسلات سیاسیہ اور اہم خطبات

مراسلات سیاسیہ

مراسلات، مکتوبات یا خطوط کا شمار تاریخ کے بنیادی اور اہم ماخذوں میں ہوتا ہے۔ یہ مراسلات یا مکتوبات سرکاری بھی ہوتے ہیں اور غیر سرکاری یعنی ذاتی بھی۔ ان تحریروں سے اس وقت کے تاریخی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی و معاشی، دینی و علمی حالات و واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ ان مراسلات سے خط لکھنے والی شخصیت کی زبان، تحریر اور علمی استعداد و قابلیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ بہت سی تاریخی اور اہم شخصیتوں نے دوسری اہم شخصیتوں کو خطوط لکھے ہیں جو بہت مشہور ہوئے۔ مثلاً مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، خطوط قائداعظم، خطوط غالب وغیرہ۔ بہر حال مراسلات یا مکتوبات کی تاریخی اہمیت مسلمہ ہے۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کے بعد تمام مکاتیب فکر کے علماء اور مشائخ نے پاکستان کے جلد از جلد حصول کے لئے جدوجہد کو اور تیز کر دیا اور یوں بہت جلد جمعیۃ علماء اسلام نے ایک اسلامی محاذ اور تحریک کی حیثیت اختیار کر لی۔ دراصل کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کا قیام اور علامہ عثمانی کا پیغام کلکتہ مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کے لئے آب حیات اور ہندو کانگرس اور کانگرسی علماء کے لئے صور فیل سے کم نہ تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین اور کارکن اس سیاسی عمل سے حیران اور پریشان ہو گئے اور نتیجتاً برصغیر پاک و ہند کے مختلف گوشوں سے جمعیت علماء ہند سے وابستگی رکھنے والے رہنماؤں اور کارکنوں کی طرف سے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے قیام، علامہ کی جمعیۃ علماء ہند سے

قطع تعلقی، تقسیم ہند، قائداعظم، مسلم لیگ، پاکستان اور تحریک پاکستان جیسے موضوعات پر علامہ عثمانی کے نام استفساری خطوط کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کے اعلانات اور بیانات کی تائید و موافقت میں مسلمانان ہند کے تعلیم یافتہ، علماء فضلاء، قانون دان، دانش مند، اساتذہ اور طلباء، عوام اور خواص کے بے شمار خطوط آئے۔ اس کے علاوہ علامہ کے پاس معترضین کے بھی بہت سے خطوط آئے ان میں چودہ منتخب خطوط کو "مراسلات سیاسیہ" کے نام سے آل انڈیا مسلم لیگ کے تعاون سے شائع کیا گیا۔ ان خطوط یا مراسلات کو "مراسلات سیاسیہ" کہتے ہیں

ان مراسلات میں ان معترضین اور استفسارین کے وسواس اور شکوک و شبہات کو منطقی اور مدلل جوابات سے دور کیا گیا ہے جو جمعیۃ العلماء ہند کے خیالات سے متفق تھے لیکن ان کو علامہ سے بھی عقیدت تھی۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں نے جو کانگرس کے زبردست حامی تھے آپ کو خطرناک نتائج اور قتل کی دھمکیاں بھی دیں اور بہت سوں نے آپ کے دولت خانہ پر ہجوم کی صورت میں حاضر ہو کر آپ کی حفاظت اور نگرانی کی پیش کشیں بھی کیں۔ مگر آپ ان سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر خدائے مالک پر متوکل رہے اور مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں کمر بستہ رہے۔

مراسلات سیاسیہ میں قائداعظم، مسلم لیگ اور پاکستان پر استفسارات اور اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے اور قیام پاکستان کے متعلق سیاسی مسائل کا نہایت ہی غور و فکر اور تدبر سے حل کیا گیا ہے۔

مراسلات سیاسیہ کی اہمیت

مراسلات سیاسیہ تحریک پاکستان کا ایک نہایت اہم باب ہے۔ علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ، مسلم لیگ کی تائید و حمایت اور آپ کے سیاسی اعلانات و بیانات نے کانگرسی حلقہ میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اپنے دور کا سب سے بڑا عالم اب مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت کر رہا تھا۔ علامہ عثمانی کے ان سیاسی اعلانات و بیانات کا مسلم لیگی اور کانگرسی دونوں حلقوں پر زبردست اثر ہوا۔ یعنی مسلم لیگی حلقوں میں موافق اور کانگرسی حلقوں میں مخالف اثر ہوا۔ جمعیۃ علماء ہند، ہندو کانگرس کی حمایت اور مسلم لیگ کی مخالفت کی وجہ سے مسلم عوام میں اپنی ساکھ کھو چکی تھی۔ مراسلات سیاسیہ نے ان کی ساکھ کو اور بھی بری طرح مجروح کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صدر جمعیۃ علماء اسلام نے ان سیاسی خطوط میں نظریہ پاکستان کی حقیقت، وضاحت، صداقت اور صلابت کو جس شرح صدر کے ساتھ مدلل اور محقق و سیاسی اور شرعی انداز میں بیان کیا ہے اس کی مثال کوئی اور لیڈر پیدا نہ کر سکا۔ حقیقتاً یہ خطوط پاکستان کی صحیح تصاویر ہیں۔ ان خطوط میں نظریہ پاکستان کی تفصیل اور اس کے اطراف و

جوانب کی ایسے دلنشین اور بہترین انداز میں وضاحت وتشریح کی گئی ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ حقیقت شک وشبہ سے بالا ہے کہ علامہ موصوف کی تحریروں، تقریروں، اعلانات اور بیانات نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگا دیا اور ان کا عوام پر بے حد اثر ہوا۔ علامہ کے یہ خطوط اپنی اہمیت کے اعتبار سے تحریک پاکستان کا ایک اہم اور زریں باب ہیں۔

مراسلہ اول۔

مکتوب از سعید الدین صاحب بہاری، محترم المقام علامہ شبیر احمد صاحب زید مجدکم

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ کل ہند جمعیتہ العلماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۲۶۔۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک روح پرور پیغام یہ کہہ کر سنایا گیا کہ یہ پیغام علامہ شبیر احمد صاحب کا ہے اور وہی پیغام اخبار روزنامہ عصر جدید (کلکتہ) میں بھی شائع ہوا جو عریضہ ہذا کے ساتھ نظر انوار سے گزرے گا اور ایک ریزولیشن کے ذریعہ جناب والا کو کانفرنس ہذا کا مستقل صدر بھی منتخب کیا گیا ہے۔ جناب والا کا پیغام اور انتخاب صدارت کی پاس شدہ تجویز کو پڑھ کر مجھ کو تعجب ہوا کیونکہ مجھ کو آج تک یہی معلوم تھا کہ آنجناب بھی جمعیتہ العلماء ہند دہلی کے رکن وممبر ہیں اور جمعیتہ مذکور کا رکن وممبر ہوتے ہوئے یہ پیغام جناب نے کیسے ارسال فرمایا اور نومولود جمعیتہ علماء اسلام کی صدارت کیونکر آپ کو تفویض کی گئی۔ بنابریں چند سوالات میرے دل میں پیدا ہوئے جو درج ذیل ہیں۔ امید ہے کہ جواب باصواب عنایت فرما کر رہبری فرمائیں گے۔ یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوالات ذیل سے میرا منشا صرف تحقیق حق ہے۔ خدانخواستہ کسی قسم کا اعتراض کرنا مقصد نہیں۔

سوالات :۔

○ جمعیتہ علماء ہند دہلی میں آپ شریک ہیں یا نہیں؟

○ جناب نے کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس منعقدہ کلکتہ کے اجلاس میں پیغام بھیجا ہے یا نہیں اور اگر بھیجا ہے تو بعینہ وہی پیغام ہے جو اخبار عصر جدید میں شائع ہوا ہے یا اس میں تحریف کی گئی ہے؟

○ کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کی صدارت منظور فرمالی ہے یا نہیں؟

○ عصر جدید میں شائع شدہ پیغام اگر جناب نے ارسال فرمایا ہے اور اس میں قائد اعظم کے خیالی پاکستان کی حمایت فرمائی ہے تو وہ پاکستان کیا ہے۔ کیا جناب نے اس پر غور فرمالیا ہے؟

○ ایک طرف جمعیۃ علماء ہند دہلی ہر صوبہ کی اندرونی خودمختاری کی زبردست حامی ہے اور مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں کسی قیمت پر بھی ان کی اکثریت کو فنا نہیں کرنا چاہتی ہاں مرکز کو چند شرائط وقوانین کے تحت ایک رکھنا چاہتی ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ اگر کوئی صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا چاہے تو علیحدہ ہوسکتا ہے۔ دوسری جانب مسٹر جناح صاحب کا پاکستان ہے۔ جو میری فہم ناقص کے مطابق ہندوستان کے چند ٹکڑے کر کے حاصل ہوگا۔ بلکہ خود پاکستان بھی دو حصے یعنی مغربی پاکستان مشرقی پاکستان پر منقسم ہوگا۔ تو کیا جناب یہ بہتر خیال فرماتے ہیں کہ ہندوستان پاش پاش کر دیا جائے یا یہ بہتر ہے کہ وحدت بھی برقرار رہے اور اقلیت و اکثریت والی سب قوموں کو پھلنے، پھولنے اور اتحاد واتفاق کے ساتھ باعزت زندگی گزارنے کا موقع ملے؟

○ کیا جناب والا کی نظروں سے مسٹر جناح کی وہ تقریر گزری ہے جو کوئٹہ کے جلسہ میں فرمائی۔ جس میں ارشاد ہوا ہے کہ پاکستان حاصل ہونے کے بعد بھی اس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان سے جانے نہ دیا جائے گا جب تک پاکستانی مسلمان مضبوط نہ ہو جائیں۔ گویا موصوف کو کمزوری کا اعتراف ہے اور پاکستان کو بھی محفوظ نہیں سمجھتے۔ اگر بالفرض پاکستان مل گیا اور مسلمان زیر سایہ انگریز کچھ عرصہ تک اپنی طاقت کی درستی میں مصروف رہ کر دس بیس برس میں طاقتور ہو جائیں تو کیا اس عرصہ میں برادران وطن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے یا وہ بھی مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نہ کبھی مسلمانوں کی طاقت ہندوؤں کے برابر ہوگی نہ کبھی انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے کی نوبت آئے گی۔ ہمیشہ ہندوستانیوں کے سروں پر مسلط رہیں گے؟

○ ہندوؤں کی طرف سے تو صرف مسلمانان ہند کو خطرہ ہے اور انگریزوں کا غلبہ وتسلط سارے یورپ و ایشیاء پر ہے اور تمام عالم اسلامی ان کے جبر وتشدد کی چکی میں پس رہا ہے۔ نہ عرب محفوظ ہے نہ عجم، نہ شام کو آرام میسر ہے نہ فلسطین کو آزادی نہ مصر کو پناہ ہے نہ عراق کو اور یہ سب کچھ ہندوستان کی بدولت ہو رہا ہے۔ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو ان کی ساری طاقتوں کا جنازہ نکل جائے اور کم از کم پورا ایشیاء ان کے پنجہ ظلم سے نجات پا جائے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اگر خدانخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کو کچھ اپنا نقصان کر کے بھی ہندوستان کو آزاد کرانا پڑے تو کیا ایسا نہ کیا جائے یا اپنے ساتھ ساتھ پورے ممالک اسلامی کو غلام رکھا جائے؟

- اگر بغیر پاکستان دیئے برٹش حکومت ہندوستان کو آزادی عطا کرنا چاہے تو مسلمانوں کو خیر مقدم کرنا چاہیے یا ٹھکرا دینا چاہیے۔ امید ہے کہ مندرجہ بالا سوالات کے جواب کامل غور و توجہ کے بعد ارسال فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے تاکہ رفع شکوک ہو جائے اور ایک مخلص مسلمان کو سیاست کا درس حاصل ہو۔

جواب کے لئے لفافہ کے اندر ٹکٹ بھی حاضر خدمت ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ مکرر عرض یہ ہے کہ اگر ہفتہ عشرہ کے اندر جناب نے تسلی بخش جواب سے سرفراز نہ فرمایا تو بندہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جناب والا یہی مناسب خیال فرماتے ہیں کہ عوام آپ کی صحیح پالیسی کی نسبت تذبذب و گومگو کی حالت میں رہیں۔ (خادم)

(سعیدالدین بہاری)[۲]

علامہ شبیر احمد عثمانی کے جوابات

برادر محترم بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا گرامی نامہ جو چند استفسارات پر مشتمل ہے ۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو وصول ہوا۔ آپ کے سوالات کے جوابات مختصراً نمبروار معروض ہیں۔

- میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلماء (ہند) دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن کے بعد ادھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی میں نے لکھ دیا تھا کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔
- جو پیغام ”عصر جدید“ کلکتہ میں میرے نام سے شائع ہوا ہے وہ حرف بحرف میرا بھیجا ہوا ہے کوئی تحریف اس میں نہیں ہوئی۔
- صدارت کا ریزولیوشن ابھی باقاعدہ میرے پاس نہیں پہنچا اس کے پہنچنے پر منظوری یا نامنظوری کے متعلق کوئی رائے قائم کروں گا۔
- پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں اس کی آزاد حکومت قائم ہو۔ آگے وہاں کے دستور و آئین کی تشکیل کس نوعیت کی ہوگی یہ وہاں کے احوال و ظروف کی مناسبت سے اہل حل و عقد کی مشاورت کے بعد وقت پر بروئے کار آئے گی۔ اور وہاں کی اکثریت اس بارے میں اپنی قدرت کی حد تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مکمل ترین قانون عدل و حکمت اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے استنارۃ و استفادہ کی پوری سعی کرے گی۔

o جمعیۃ العلماء کے فارمولا کے موافق مرکز سے جو امور مہمہ متعلق ہوں گے ان میں مسلم قوم محض اکثریت کے رحم و کرم پر رہے گی اور کوئی آزاد طاقت یہاں ایسی نہ ہوگی جو ان کو عام مسلم مطالبات کے ماننے پر مجبور کردے۔

اس کے برخلاف جب دو قومیں الگ الگ اپنے اپنے مستقر میں آزاد ہوں گی تو ہر ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنا پڑے گا اور آزاد قوموں کے باہمی تحالف اور معاہدات کے ذریعہ وہ تمام کام باحسن اسلوب انجام پائیں گے جو ایک وفاقی مرکز کے ذریعہ انجام پا سکتے ہیں۔ اگر ملک کی تقسیم اس طرح ہو جائے تو کیا نقصان ہے ملک کی تقسیم تو اب بھی کئی وجوہ سے قدرتی طور پر موجود ہے۔

نیز قوموں کی تقسیم اس سے زیادہ صاف اور واضح کسی دوسرے ملک میں کہاں مل سکتی ہے کہ ایک قوم پر دوسری قوم کا سایہ اگر پڑ جائے تو وہ شودروں اور کتوں سے زیادہ اسے نجس سمجھتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے اچھوت سدھار کی اتنی جان توڑ کوشش کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو دور کرنے کا کبھی ہلکا سا اشارہ بھی اپنی قوم کو نہیں کیا۔ اب پاکستان اور جمعیۃ علماء کے فارمولا میں فرق یہ ہے کہ جمعیۃ بزعم خود ایک خاص درجہ میں ملک کی قومی وحدت ایک مخلوط مرکز کے ذریعے قائم رکھنا چاہتی ہے جس میں اقلیت میں ہونے کے اعتبار سے مسلم قوم کا عمومی نقصان ہے اور پاکستان کے حامی جو دو قوم کا صحیح نظریہ رکھتے ہیں، ملک کی ان ہی ضروریات میں مستحکم اور مساویانہ معاہدات کے ذریعہ عملی وحدت کو استوار کرنا چاہتے ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ جمعیۃ کے فارمولا نے جب یہ اجازت دیدی کہ جو صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا مناسب سمجھے علیحدگی کر سکتا ہے تو ملک کی تقسیم کا جواز تو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ اب اگر دوسرے لوگ ابتدا سے ایسا کرنا چاہیں تو ایک جائز چیز کو اختیار کر لینا کیوں جرم ہو گیا۔

آخر میں یہ بھی گزارش ہے کہ کم از کم جمعیۃ کے اس فارمولا کے تسلیم کرنے کا اعلان اگر جمعیۃ والے آج کانگرس سے کرا دیں تو شاید بہت سے مسلمان ایک درجہ میں مطمئن ہو جائیں اور عجب نہیں کہ بہت سے آدمی لیگ کو چھوڑ کر جمعیۃ علماء کے دائرے میں آ جائیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ فارمولا تو بڑی چیز ہے آج تک واردھا اسکیم[3] وغیرہ کی تنسیخ بھی وہ کانگرس سے نہ منوا سکے جس کی مذمت بالاجماع تمام مسلمان جماعتوں نے کی تھی۔

o مسٹر جناح کی یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی۔ ممکن ہے نقل کرنے والوں نے کوئی تحریف کی ہو۔ اس کی تحقیق خود مسٹر جناح سے ہو سکتی ہے۔ ان کی سینکڑوں تقریریں اس کے خلاف اعلانیہ ہو چکی ہیں، وہ مسلمانوں کے اطمینان کے لئے کافی ہیں۔

یہ مطمع نظر تو ہندوؤں کا ہے جبکہ پنجاب کے وزیر سر چھوٹو رام نے کہا تھا کہ بحالت موجودہ اگر انگریز اپنی خوشی سے نکلنا بھی چاہے تو ہندو کم از کم عدن تک جا کر اس کو واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ہندوستان کو خالی دیکھ کر اگر آزاد قبائل اور کوئی آزاد اسلامی سلطنت یہاں کے مسلمانوں کی مدد سے حملہ کر بیٹھے تو ہندو بحالت موجودہ اس قابل نہیں کہ اس کی موثر مدافعت کر سکیں۔ اسی لئے ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ایک مدت تک انگریز کے تسلط اور نگرانی میں بتدریج آئینی طور سے اکثریت کی بناء پر حکومت کے شعبوں کو اپنے قبضہ میں لیتے چلے جائیں تا آنکہ وہ ایسی طاقت اندرونی طور پر مہیا کر لیں کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کوئی خطرہ انہیں دوسری طرف سے باقی نہ رہے۔ جو مسلماں ان کے آلۂ کار بن رہے ہیں وہ اپنی سادہ دلی سے ان کی چالوں میں دھیان نہیں دیتے اور آزادی کامل کے زبانی دعووں پر مفتون ہو جاتے ہیں اور شملہ کانفرنس کے صریح مشاہدات کی بھی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ کیا عجیب بات اور افسوس کا مقام ہے کہ ان کی ساری بدگمانیاں اپنے بھائی مسلمانون کے حصہ میں آ گئیں اور مشرکین کو کمال حسن ظن کی بناء پر بطانہ (ہمراز) بنالیا گیا۔

- مسلم لیگ اور مسٹر جناح یہ چاہتے ہیں کہ خارجی اور داخلی دونوں قسم کے خطرات اور نقصانات کا سد باب ہو جائے آج اگر سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ متحد ہو کر کانگریس سے پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرا لیں تو مسٹر جناح وغیرہ کے اعلان کے مطابق کل کی صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں مل کر جنگ آزادی لڑیں گی اور اس میں مسلمان پیش پیش ہوں گے۔ اب ایسے صاف اعلان کو ٹھکرا کر اور پاکستان کے صحیح مطالبہ کو مسترد کر کے ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے اور جو کچھ تاخیر اس معاملہ میں ہو رہی ہے اس کی ذمہ داری اسی پر ہے بلکہ یہ چیز اس کی دلیل ہے کہ ان کی نیت میں کھوٹ ہے۔ ان کا اولین نصب العین یہ ہے کہ پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر مسلمان کے گلے سے اکثریت کی حکومت کا طوق کبھی نکلنے نہ پائے۔ گویا مسلمان یہاں انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔

اور ہندوستان سے باہر اسلامی ملکوں پر استعمار پرست انگریزوں کی دست درازیاں بھی دستور قائم رہیں۔ خود اسلامی ممالک اس کو محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستان حاصل ہونا ان ممالک کی آزادی میں بھی ممد و معاون ہے۔ اسی لئے عرب لیگ نے مسٹر جناح کو اس کی تائید میں تار دیا۔ آخر ہندو منصفانہ تقسیم اور اس کے بعد آزادانہ معاہدات کے قبول کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یاد رکھیے اگر آزاد پاکستان سے وہ معاہدہ کرنا نہیں

چاہتے تو پاکستان سے متصل دوسرے ممالک ہیں جن سے پاکستان بسہولت معاہدات کرسکتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہوسکتے ہیں۔ بنیادی حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پاکستان آزاد اور طاقتور ہوگا پھر نہ اسے ہندوستان سے کوئی خوف ہوسکتا ہے اور نہ اپنے اجزاء بعیدہ کی حفاظت دشوار ہے۔ ان سب صورتوں اور طاقت حاصل ہونے کے ذرائع پر پاکستان کے حامیوں نے اچھی طرح غور کرلیا ہے۔

○ اس کا فیصلہ آزادی کی نوعیت معلوم ہونے اور اس وقت کے حالات کا جائزہ لینے پر موقوف ہے۔ ابھی سے کچھ کہنا قبل از وقت اور ناتمام ہوگا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند۔ ۲ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/ ۸ نومبر ۱۹۴۵ء[۴]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ اول

پاکستان ایک ایسا ملک ہوگا جس میں مسلمان اپنی مرضی کے مطابق اکثریت کی بناء پر فیصلے کرنے کے مختار ہوں گے۔ جبکہ متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی وجہ سے ایسا نہیں ہوسکے گا۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے پاکستان بہترین حل، ملک کے لئے مفید اور اس کے امن و امان کا ضامن ہوگا۔ مسلمان اور ہندو میں قومی وحدت ناممکن ہے، ہاں بذریعہ معاہدات عملی وحدت ہوسکتی ہے۔ پاکستان کا انکار کرکے ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں تاخیر کا باعث ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی حکومت کا طوق کبھی اور کہیں نہ نکلنے پائے۔ اس طرح مسلمان یہاں انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔ پاکستان دوسرے ممالک اسلامیہ کے لئے بھی مفید ہوگا۔ جمعیۃ علماء ہند دہلی کا فارمولا محض ایک خیالی منصوبہ ہے پھر وہ اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔

مراسلہ دوئم

مکتوب از شورش مالیگانوی، اسلامی شریعت میں قیادت و امارت کا سوال

محترم قبلہ شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ عصر جدید کلکتہ میں آپ کا وہ پیغام جو آپ نے جدید جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کے لئے روانہ فرمایا، دیکھا۔ مضمون کے آغاز میں آپ نے جتنی باتیں لکھی ہیں اس سے ہمیں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن بعد میں مسلم لیگ کی حمایت میں جتنے دلائل پیش کیے ہیں میری ناچیز رائے میں مسلم لیگ اس کی اہل نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کے ساتھ سواد اعظم ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح امام امت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے خلاف مسلمانوں کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سواد اعظم کا ہر حکم مسلمانوں کے لئے واجب تعمیل ہے تو نعوذ باللہ حضرت امام حسینؓ صاحب نے اس حکم سے کیوں سرتابی کی۔

اسلامی شریعت میں جماعت کی تشکیل کس نہج پر ہونی چاہیے۔ آپ نے اپنے بیان میں اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ قرآن مجید میں ''حبل اللہ'' کے متعلق جو آیت نازل ہوئی تو کیا وہ مسلم لیگ پر صادق آتی ہے جبکہ قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ ہائی کمان کے اکثر ارکان شعائر اسلامی کی علی الاعلان بے حرمتی کرتے ہیں۔ کیا اسلامی جماعت کا قائد کسی فاسق وفاجر کو بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ سواد اعظم بھی مصر ہو کہ ہمارا قائداعظم مسٹر جناح ہی ہے۔ کیا ہندوستان میں ہزاروں علماء اور نائبین رسول کے ہوتے ہوئے مسٹر جناح مسلمانوں کے قائداعظم ہوسکتے ہیں۔ برائے مہربانی ان تمام سوالوں کے جوابات براہ راست میرے پاس روانہ فرمائیں یا بمبئی کے روزناموں میں شائع فرمائیں۔

اخیر میں، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ مجھ جیسا گناہ گار انسان آپ جیسے جید عالم سے اس قسم کے سوالات کرنے کی جرات کر رہا ہے۔ اس قسم کے سوالات کرتے وقت میرے سامنے حضرت عمر فاروقؓ کا اسوۂ حسنہ ہے کہ ایک معمولی بدو خلیفہ وقت حضرت عمر فاروقؓ سے بھری مجلس میں سوالات کرتا ہے اور حضرت فاروق اعظم نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح آج بھی ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے ہائی کمان سے باز پرس کرے۔ فقط۔

شورش مالیگانوی، رسولپورہ مالیگاؤں (ضلع ناسک) بمبئی ۳ نومبر ۱۹۴۵ء[5]

جواب از علامہ شبیر احمد عثمانی

برادر مکرم۔ بعد سلام مسنون آنکہ۔ میں نے اپنے مضمون میں سواد اعظم سے کوئی بحث نہیں کی۔ اس لئے اس کی جواب دہی کی مجھے ضرورت نہیں۔ آیت ''حبل اللہ'' سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔ مسٹر محمد علی جناح اور دوسرے اکابر لیگ برابر اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت وتعلیمات کا اتباع کریں اگر ان کا عمل اس کے خلاف ہے تو فسق ہوگا۔ ہم جیسے کتنے ہی علماء ہیں جو دوسروں کو شب و روز نصیحت کرتے ہیں مگر عملدرآمد بہت سی چیزوں میں اس کے موافق نہیں۔ حافظ شیرازی نے اسی کا شکوہ کیا تھا۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبری کنند۔[6]

مقصد یہ ہے کہ محض بدعملی سے کوئی شخص کافر نہیں ہوجاتا۔ باقی ارکان اسلام اور شعائر اللہ کی علی الاعلان بے حرمتی مجھے معلوم نہیں۔ اس کی تفصیل آپ نے کچھ نہیں کی تاکہ رائے قائم کی جاتی۔

بلاشبہ ہندوستان میں بڑے بڑے علماء دین اور نائبین رسول موجود ہیں لیکن آج دنیا میں جو سیاسی داؤ پیچ چل رہے ہیں اور عصری سیاست میں جو دوررس اصول مکر و کید پر مبنی ہے اس کی مہارت ہمارے بہت سے علماء کو حاصل نہیں، بلکہ اسکا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ اس لئے اس کا توڑ بھی مشکل ہوتا ہے۔ فرض کیجیے ایک بڑے سے بڑا زبردست عالم باوجود اپنے عظیم علم وتقویٰ کے ٹینک یا ہوائی جہاز کا استعمال کرنا نہیں جانتا تو اگر ایسے شخص سے کام لیا جائے جو اس سے واقف ہو گو علم دین کا ماہر نہ ہو تو اس میں علماء کی کچھ تنقیص نہیں۔

آپ نے شاید سنا ہوگا کہ غزوہ قسطنطنیہ کی جو بشارت صحیح بخاری کی حدیث میں آئی ہے اس کا امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور اس کی کمانڈ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ متعدد صحابہ کام کر رہے تھے۔ اسی غزوہ میں حضرت ابوایوبؓ کی وفات ہوئی اور قسطنطنیہ کے پھاٹک کے قریب دفن کئے گئے۔ تو کیا کوئی مسلمان یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ جیسے صحابہ اور ہزار ہا تابعین کی موجودگی میں یزید سب سے زیادہ افضل تھا۔ پھر اس کی قیادت میں جنگ کرنا کس طرح ان بزرگ ترین افراد نے قبول کیا۔ اور دور کیوں جایئے خود مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر جمعیۃ العلماء ہند نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر اسی جناح کی صدارت وقیادت میں کس قدر شد و مد سے حصہ لیا اور جس قسم کے بیانات آج اس کے خلاف دیئے جا رہے ہیں اس وقت اس کی موافقت میں دیئے۔ حالانکہ یہ سب احوال جو آپ مسٹر جناح اور لیگ والوں کے بیان فرما رہے ہیں اس وقت بھی موجود تھے۔ اب اگر کوئی مسلمان ان کے ساتھ لیگ میں شرکت کرتا ہے تو کیوں مورد اعتراض ہے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۶ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء [8]

خلاصہ مراسلہ دوئم

غزوہ قسطنطنیہ کے موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہ کی موجودگی میں یزید کو امیر لشکر بنایا گیا تھا تو مسلمانان ہند قائداعظم محمد علی جناح کو آئینی، قانونی اور سیاسی جنگ میں اپنا قائد کیوں نہیں بنا سکتے۔ جبکہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی چالوں اور ان کے داؤ پیچ کو خوب سمجھتا ہے اور ان کے مکر و فریب کو ان ہی کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ مسلم لیگ کی حمایت اگر جرم ہے تو اس جرم کا ارتکاب سب سے پہلے خود جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا۔ جب ایک صحیح کام ان کے لئے جائز ہے تو دوسرں کے لئے وہ ناجائز کیسے بن گیا۔

مراسلہ سوئم

مکتوب از حکیم رشید علی صاحب مرادآبادی

مخدومی و مکرمی مولانا دام مجدکم العالی، السلام علیکم! بندہ ناچیز آپ کے متوسلین میں ہے اور جماعت دیوبند سے منسلک ہے مگر موجودہ سیاسی خلفشار میں سخت پریشان ہے۔ خدارا میری مدد کیجئے۔

اس وقت ان لوگوں کی زندگی بہت تلخ ہے جو علماء سے اپنے دامن کو وابستہ رکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب والے تمام علماء کے وقار کو بلا کسی تفریق کے مٹانے اور مذہب کو پامال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے۔ اگر مولانا حسین احمد صاحب کو ہندوؤں کا زرخرید شیخ الہنود کہنے میں بے باک ہیں تو ان کے سیاسی مسلک کے مخالف بڑے سے بڑے مولوی کو اپنی جیب میں بتانے سے نہیں چوکتے۔ کھلے لفظوں میں مولوی کا مذہب غلط، یہ گروہ دنیا سے مٹ جانے کے قابل ہے۔ کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ایسے نازک دور میں آپ جیسے جید عالم، ہمدرد ملت کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ ہماری رہنمائی کی جاوے۔ اس لئے کہ بلا تفریق علماء سے نفرت مذہب سے دور ہٹاتی ہے۔ کیا یہ واقعی بات ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے حضرات اپنے ذاتی مفاد کی بناء پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں اور ان کی اتباع ہمارے لئے کفر و بے دینی ہے اور وہ اپنے استاد کے مسلک سے ہٹ گئے۔ اور مسٹر محمد علی جناح کی اتباع ہمارے لے، سراسر رحمت ہے اور وہ ہمارے صحیح قائداعظم ہیں اور کسی موقع پر آپ نے قائداعظم کے حد درجہ ایماندار ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

امید ہے کہ خدا کے واسطے ان خطرات سے جو مجھ کو پریشان کر رہے ہیں اپنی صحیح رہنمائی فرما کر مجھے نجات دلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ فقط جواب کے لئے لفافہ اسی خط میں ہے۔ خادم

حکیم رشید علی (مرادآبادی)[9]

جواب از علامہ عثمانی

برادر مکرم دامت مکارمہم۔ بعد سلام مسنون آنکہ کئی روز ہوئے آپ کا خط ملا۔

علماء کا اقتدار مٹانے کا الزام

بے شک بہت سے انگریزی تعلیم یافتہ جن کو دین کی خبر یا دین سے زیادہ لگاؤ نہیں علماء کے وقار و اقتدار کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو مٹانے کی سعی میں رہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ حال کچھ ۱۹۴۵ء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سرسید کے

زمانے سے چلا آتا ہے اور سیاسی کشمکش بھی بیسیوں برس سے قائم ہے۔ اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ الاستاذ شیخ الہند نے مالٹا سے واپسی کے بعد انتہائی شدت مرض کے باوجود علی گڑھ کا سیاسی سفر انہی انگریزی پڑھے ہوئے حضرات کی درخواست پر گوارا فرمایا۔ اور جو خطبہ حضرت کی طرف سے وہاں پڑھا گیا اس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ اے نونہالان ملت جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس سے مری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔

اس کے بعد ۱۹۳۷ء میں مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے بڑے بڑے علماء جمعیۃ نے پورے زور وشور کے ساتھ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں جو اس مسٹر محمد علی جناح کی قیادت اور صدارت میں تھی، شریک ہو کر لیگ کی انتہائی حمایت شرعی اور سیاسی حیثیت سے فرمائی جبکہ عامہ مسلمین اس میں اس قدر تعداد میں شریک بھی نہ تھے۔ اس وقت بھی یہی مغرب زدہ لوگ اپنے انہی اعمال وعقائد کے ساتھ پیش پیش تھے۔ اس وقت یہی خیال کیا گیا کہ محمد علی جناح آج کل کی سیاست کا ماہر ہے اور انگریز وہند کی چالوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اس لئے کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ اس کے اور اس کے ہمنوا مغربی تعلیم یافتہ رفقاء کے ذاتی حالات اور شخصی افعال سے تعرض کیا جاوے اور ساتھ ہی ادھر سے بھی علماء کی شان میں اس قسم کی بے ادبی نہیں کی گئی۔ پھر جب علماء ادھر سے کٹ کر کانگرس کے بلاشرط ومعاہدہ حامی بن گئے تب لیگی لوگوں نے کانگرس کے ساتھ اس کی حمایت میں غلو کرنے والوں کی برائی بھی شروع کر دی۔ جو علماء ۱۹۳۷ء والے مسلک پر قائم رہے ان کی طرف ان کا روئے سخن نہیں تھا۔ اگر الفاظ میں کبھی عموم ہوا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ نے مغربی تہذیب والوں کو علماء کے وقار کا دشمن بتلایا ہے حالانکہ مغربی تہذیب والے بھی سب ایسے نہیں۔

پھر اصل چیز اس بات کو دیکھنا ہے کہ ایک طرف اگر علماء کے وقار کا سوال ہے تو دوسری طرف انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے ہندوستان میں اسلام اور مسلم قوم کے استقلال واقتدار کو ایک دائمی خطرہ درپیش ہے بالکل اسی طرح کا بلکہ اس سے زائد جو نہرو رپورٹ کے سامنے آنے پر خود ہمارے علماء کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوا تھا۔ اب ضرورت یہ تھی کہ مسلم قوم اور اس کے ملی استقلال کو مضبوط ومامون بنانے کے لئے سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ یک زبان ہو کر اس خطرے کے انسداد کی کوشش کرنے اور علماء کو جو شکایت انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے ہیں تبلیغ وتفہیم اور جمہور کی اخلاقی طاقت کے ذریعے ان کے ازالہ کی سعی بلیغ عمل میں لائے۔ اس کا علاج یہ نہ تھا کہ ہم کلمہ گو بھائیوں سے خفا ہو کر کسی دوسری قوم کو گود میں جا بیٹھیں۔ کیا ہم کو انگریز یا ہندو سے یہ توقع ہے کہ اپنی کاربرآری کے سوا وہ علماء کی عظمت و

احترام کا پاس کریں گے اور ان مغرب زدہ گمراہوں سے زیادہ علماء کے وقار و اقتدار کے قائم کرنے یا بڑھانے کی سعی کریں گے۔ بہر حال میں قواعد شریعت کی روشنی میں حالات حاضرہ پر غور کرنے اور فیما بینی و بین اللہ تعالیٰ سب پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے۔

گویا میں آج اسی موقف میں ہوں جہاں مولانا حسین احمد صاحب اور دوسرے اکابر جمعیۃ ۱۹۳۷ء میں تھے۔ میرے متعدد مضامین اس سلسلے میں اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے اگر جی چاہے تو ان کو دیکھ لیجئے۔ آخر میں عرض ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے کسی دوسرے کو اس کا پابند کرنا مقصود نہیں جو شخص جس جانب کو اصلح سمجھے اختیار کر لے۔ ہاں میرا مشورہ دریافت کرنے والوں کے لئے یہی ہے۔ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں آ سکتا کہ مولانا مدنی اور مفتی کفایت اللہ صاحب محض ذاتی مقاصد کی بنا پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں یا ان حضرات کا اتباع معاذ اللہ کفر ہے۔ وہ اپنے نزدیک جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسی کے حامی ہیں اور اسی کو اپنے استاد مرحوم کا مسلک سمجھتے ہیں۔ ہاں ضروری نہیں کہ ان کی یہ رائے حق و صواب ہو یا دوسرے لوگوں پر ان کی تقلید واجب ہو۔

والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔ ۷ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/۱۳ نومبر ۱۹۴۵ء۔ [۱۰]

خلاصہ مراسلہ سوئم

مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر اکابرین جمعیۃ نے ۱۹۳۶ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت و صدارت میں مسلم پارلیمنٹری بورڈ میں شامل ہو کر لیگ کی شرعی اور سیاسی حیثیت سے انتہائی حمایت اس لئے کی تھی کہ قائد اعظم سیاست حاضرہ کے ماہر ہیں اور انگریز اور ہندو کی چالوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کا کانگرس میں بلا شرط و معاہدہ شریک ہونا اور کافروں کی قیادت و سیادت کو تسلیم کرنا اسلامی تعلیمات اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے اقتدار و مفادات کے بالکل خلاف ہے۔ ہندو یا انگریز سے مسلم مفادات کی امید رکھنا دھوکہ و فریب ہے۔ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے ہندوستان میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے استقلال و اقتدار کو دائمی خطرہ لاحق ہے اور قیام پاکستان ہی اس خطرے کا منطقی جواب ہے۔ ان حالات میں مسلم قوم کو صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے تاکہ قیام پاکستان سے مسلمانوں کے مذہب و اقتدار کی حفاظت کی جا سکے۔

مراسلہ چہارم

مکتوب از مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔[11]

استاذ المکرم علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جو فتوی[12] ہمارے قتل کے جواز میں کلکتے میں تیار کیا گیا اس پر آپ کے دستخط پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا میں ہر چیز کی امید کرنی چاہیے۔ آپ کے دستخطوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔ ۱۷ نومبر ۱۹۴۵ء[13]

جواب مولانا شبیر احمد عثمانی

برادر محترم! بعد سلام مسنون آنکہ۔ نوازش نامہ پہنچا۔

بحمد اللہ اس کے مضمرات کو میں نے سمجھ لیا۔ اپنے مسلک سیاسی کے خلاف میری نرم سے نرم تحریر کو فتویٰ قتل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا عام حالات میں جائزہ لے کر اس پر کوئی رائے قائم کرنا اور زیادہ سے زیادہ مہذب انداز میں اس کا اعلان صرف آپ ہی حضرات کا حق ہے، کسی دوسرے کو اس کی آزادی نہیں اور اگر محض تعلقات کی بنا پر یہ شکوہ کیا گیا ہے تو اس کا جواب اگر کبھی ملاقات ہوئی تو زبانی عرض کر دوں گا۔

اگر میرے طرز عمل سے آپ کو یہ واضح ہو گیا کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہیے تو یقیناً میں اس سے خوش ہوں بشرطیکہ اسی طرز و شان سے حق کہا جائے جس طرح میں نے کہا ہے۔ اگر بدلحاظی کا جواز اس سے نکالا جاتا ہے تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ المستعان علی ماتصفون۔[14] والسلام

العبد

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔ ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء[15]

خلاصہ مراسلہ چہارم

علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ یعنی پاکستان، قائداعظم اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت کو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے علماء (جمعیۃ علما ہند) کے قتل سے تعبیر کیا ہے اور مسلم لیگ کی حمایت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ جواباً علامہ عثمانی استفسار کرتے ہیں کہ کیا سیاست کرنا اور فتوے دینا صرف جمعیۃ علماء ہند کا حق ہے، کسی دوسری جماعت کو اس کی آزادی کیوں نہیں؟

دراصل ہندو کانگرس میں بلا شرط و معاہدہ شرکت سے علماء حق اور مسلم عوام کی بہت بڑی اکثریت جمعیۃ علماء ہند سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ اس سے جمعیۃ علماء ہند کی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام میں سب سے قد آور شخصیت علامہ عثمانی کی تھی اور آپ ہی اس تحریک کے سرخیل تھے۔ اب کانگرسی علماء کی کوشش یہ تھی کہ آپ کو جمعیۃ علماء ہند میں واپس لا کر پاکستان کی تحریک کو کمزور کر دیا جائے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا یہ خطہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

مراسلہ پنجم

مکتوب از مولوی ارشاد الحق صاحب قاسمی

اسازی و مولائی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔ مزاج اقدس۔

ایک ضروری گزارش کے لئے یہ (خط) ارسال خدمت ہے۔ امید ہے کہ حضور والا تسلی بخش جواب سے مطلع فرما کر کشمکش اور اضطراب کے تلاطم خیز سمندر سے رہائی دلائیں گے۔

سیاسی دنیا میں آج جو کھلبلی اور ہلچل مچی ہے غالباً حضور والا سے بھی مخفی نہ ہوگا۔ بالخصوص جب سے کہ حضور والا کی طرف منسوب کر کے منجانب مسلم لیگ آئے دن فتاویٰ، اشتہارات، پوسٹر ہندوستان کے ہر ہر کوچہ وگلی میں چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے جیسے علماء پرست اور خاص کر حضور والا سے عقیدت رکھنے والے سخت حیران و پریشان ہیں۔ جبکہ ہندوستان کے اکابر اور مقتدر علماء کانگرس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں؟ اور کیا آپ کا یہ ارشاد ہے کہ کانگرس یا جمعیۃ علماء ہند؟ کو سوائے مسلم لیگ کے کامیاب بنانا سیاستاً اور مذہباً ناجائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور اسلام کو سخت نقصان میں ڈالنا ہے یا غلط آپ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے؟۔

سوالات

س سیاسی اعتبار سے حضور کا کیا خیال ہے؟۔

س کانگرس یا جمعیۃ العلماء کو کامیاب بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

س مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ان دو جماعتوں میں سے کس سے زیادہ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے؟۔

س اور ہم عقیدت مند حضور کس کے ساتھ مل کر کام کریں؟۔

جوابی لفافہ نیز کاغذ مزید احتیاط کے لئے ارسال ہے۔ امید ہے کہ تلمیذ ناخلف کو بالا مذکورہ سوالوں کے جواب سے مطلع فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں گے۔ نیز رفع انتظار کی تکلیف سے بچائیں گے۔ فقط والسلام۔

ارشاد الحق قاسمی ابن حکیم مولانا عبد الغفار صاحب، قصبہ مئو محلہ اورنگ آباد۔ ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ / ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء [۱۶]

جواب از علامہ شبیر احمد عثمانی

- بعض اکابر کی حد تک یہ دعویٰ صحیح ہے۔ کل یا اکثر پر یہ حکم نہیں لگا سکتے۔
- "یا" سے یہ تردید کیسی۔ اس وقت جمعیۃ علماء کی کامیابی کانگرس کی کامیابی ہے۔
- یہ الفاظ تو میرے نہیں ہیں ہاں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کی ناکامی مسلم قوم کے لئے بہت ضرر رساں ہے۔
- اوپر جواب گزر چکا۔
- اس وقت مسلم لیگ کی کامیابی سے زیادہ توقع ہے۔
- جدھر آپ کا قلب غور وفکر اور اخلاص نیت کے ساتھ حکم کرے۔ میں اپنا خیال عرض کر چکا۔ ظاہر ہے میں وہی بتاؤں گا جو خود اچھا سمجھتا ہوں۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند[۱۷]

خلاصہ مراسلہ پنجم

بعض اکابر کی حد تک یہ صحیح ہے کہ وہ کانگرس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں لیکن اکابر اور مقتدر علماء کی اکثریت مسلم لیگ کی حمایت کر رہی ہے۔ مسلم عوام کی بھاری اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس وقت جمعیۃ علماء ہند کانگرس کی پشت پر ہے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی کامیابی دراصل کانگرس ہی کی کامیابی ہے۔ ان حالات میں مسلم لیگ کی ناکامی مسلم قوم اور اسلام کے لئے نہایت نقصان دہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو مسلم لیگ کی تائید وحمایت کرنی چاہیے۔

مراسلہ ششم

مکتوب دوم حکیم رشید علی مرادآبادی، مخدومی ومحترمی دام مجدکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میں اپنے عریضہ کے جواب کی یاددہانی کے لئے لکھ رہا تھا کہ حضور کا گرامی نامہ پہنچا۔ جس کا بہت بہت شکریہ۔

مخدومی خداوند جل شانہ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد سے شبہات بیان کرکے جواب کا متمنی ہوتا ہے میں بھی صرف طلب حق کی خاطر پیشوائے دین سمجھتے ہوئے امید رکھتا ہوں کہ میرے خدشات کا تسلی بخش جواب عنایت فرمادیں گے۔

اگر چہ میری نا اہلی سے میرا طرز تحریر آپ کی شان کے موزوں نہیں ہے، مگر آپ کے برگزیدہ و باخدا انسان ہونے سے اپنی اس گستاخی کی معافی کا امیدوار ہوں اور تسکین قلب کا متمنی اور دعا کا طالب ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک تحریر مولانا ذکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں بھیجی تھی ان کے جواب کی نقل مع اس تحریر کے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں دونوں کو ملاحظہ فرما کر اس خلجان کو دور فرماویں گے کہ آپ دونوں حضرات ہندوستان کی مایہ ناز ہستیوں میں سے ہیں اور دونوں کانگرس سے کنارہ کش وہ لیگ کی تائید کے خلاف اور آپ موافق تو قول راجح کی کیا دلیل ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل سوالات بھی پریشان کن ہیں۔

- مسلم لیگ کے ۱۹۳۷ء میں تمام کے تمام اکابر گورنمنٹ کے بہت مخالف تھے اور اب سارے کے سارے حتی کہ حکام تک ان کی حمایت اور مدد کر رہے ہیں۔ یو۔ پی کے جس قدر، امیدوار اس وقت لیگ کی طرف سے ہیں وہ خالص ٹوڈی (انگریز پرست) ہیں، جو کھٹکتا ہے اور شیخ نور اللہ مرقدہ جس درد میں پگھل رہے تھے اس درد کے درماں جو اس وقت نظر آ رہے تھے وہ ہی فرزند اس طاقت کی حمایت میں سرگرم ہیں۔ کیا ایک فرد بھی ہندوستان کے کسی کونے میں ایسا ہے جو حکومت کا نور نظر ہو اور مسلم لیگ سے باہر۔ جو باہر نظر بھی آویں وہ مسلم لیگ کے پاکستان کے حامی۔ اختلاف صرف شخصی اقتدار کا ہے پالیسی کا نہیں۔ شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے خطبہ صدارت ۱۹۲۰ء میں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز قرار دے کر ترک موالات کو فرض قرار دیا۔ مگر آج انگریز کا سایہ ضروری ہے۔ اور اسی خطبہ میں اشتراک ہنود استخلاص وطن کے لئے جائز اور آج جو اشتراک کرے وہ بے دین اور غدار۔ اور یہی مضمون حضرت انور شاہ صاحب کا ان کے بعد رہا اور یہی بیان مولانا حسین احمد صاحب کا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جن سے امید تھی وہ دشمن کے ساتھی ہو گئے۔ بڑے دشمن کے خلاف چھوٹے دشمن پر گرفت کرنے والا سرگرم عمل اس وقت کون ہے۔
- مسلم لیگ کے مسلک کے ماتحت ہمارے علاقہ میں خالص ہندو حکومت پر بخوشی رضامندی ہوتی ہے پاکستانی علاقہ میں عوام کی حکومت ہوگی جس میں ۴۵ فیصدی غیر مسلم ہوں گے اور حکومت کا اقتدار فاسق کے قبضہ میں۔ حضرت اسمٰعیل شہید منصب امامتہ کے صفحہ ۹۶۔۹۷ میں اس قسم کی اسلامی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس حالت میں پاکستانی اور غیر پاکستانی دونوں برابر ہیں۔ اس کے خلاف دوسری جماعت جو فارمولا پیش کرتی ہے وہ بحوالہ نقل اخبار مدینہ منسلکہ تحریر میں ہے ملاحظہ فرماویں۔

- یہ تمام دشواریاں برداشت کی جاسکتی ہیں۔ مفتی صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب اور فتویٰ دار العلوم دیوبند کے ہوتے ہوئے آپ کے فرمان کے مطابق ووٹ لیگ کو دیا جا سکتا ہے۔ اگر صرف اس قدر ہماری دلجمعی ہو جائے کہ کم از کم آپ کی رائے کو قانون ساز مجلس میں شرعی نقطہ نظر سے پورا پورا دخل ہوگا۔ کیا اس قسم کا آپ سے آپ کی تائید سے پیشتر مسٹر محمد علی جناح نے کوئی وعدہ کر لیا ہے اور ان کا یہ وعدہ مولوی مدنی کے ساتھ جیسا وعدہ تو نہیں ہے۔

ان خدشات کا جواب آپ کے مضامین اخبار میں نہ پاتے ہوئے تکلیف دے رہا ہوں اور آپ کی ذات سے قوی امید رکھتا ہوں کہ جلد جواب عنایت فرما کر مشکور فرمادیں۔ خادم

حکیم رشید علی محلہ کسرول مراد آباد۔ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ بروز جمعہ، ۱۶ نومبر ۱۹۴۵ء[18]

جواب از علامہ عثمانی

السلام علیکم

- مگر اس خط کی طرز تحریر اور اسپرٹ وہ نہیں جو پہلے خط کی تھی۔ ہر ایک پڑھنے والا اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔
- مولانا زکریا کے خط میں دلائل کون سے ہیں محض ایک رسالے کا حوالہ دیا ہے۔ دلائل سامنے ہوں تو ترجیح کی بحث ہو۔ میرے متعدد مضامین اس سلسلے میں چھپ چکے ہیں ان میں بہت سے شبہات کا جواب موجود ہے۔

جن کو آج گورنمنٹ پرست کہا جاتا ہے اور وہی اکابر لیگ سمجھے جاتے ہیں انہی کی قیادت و سیادت اس وقت تھی۔ مسٹر جناح، نواب اسمٰعیل خان، راجہ محمود آباد، چودھری خلیق الزمان[19] اور سر ظفر اللہ قادیانی سب اس میں شریک تھے۔ ان میں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں بلکہ بڑے بڑے کانگریسی زعماء بھی ادھر سے ٹوٹ کر لیگ میں آچکے ہیں اور عامہ مسلمین کی جو تعداد آج اس میں شریک ہے، ۱۹۳۷ء میں اس کا عشر عشیر بھی شریک نہ تھے۔ پھر جب مولانا حسین احمد اور مفتی صاحب وغیرہ اکابر علماء اس میں شریک ہوئے اور اسی کی کمانڈ میں الیکشن لڑایا، اس کے ایک ماہ بعد ہی وہ سب جو حکومت کے مخالف تھے حکومت پرست بن گئے اور اگر بالفرض ایسا ہوا تو عوام مسلمین کی طاقت نیز افہام و تفہیم سے ان کو راہ راست پر لانے یا علیحدہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ عوام تو بہر حال علماء کے ساتھ تھے۔ ان کو لاکھوں کی تعداد میں ۲ والا ممبر بنا کر اپنی اکثریت سے حسب آئین ان کو مجبور کرتے کہ وہ سیدھے چلیں یا علیحدہ ہو جائیں۔ آخر

کانگرس سے وہ کیا امید رکھتے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان تمام غیر مسلم عناصر کو مسلم مفاد کے حق میں سیدھا رکھ سکیں گے، واردھا سکیم کی مذمت تمام مسلم جماعتوں نے بالاجماع کی آج تک کانگرس سے اس کی تنسیخ نہ کرا سکے۔

○ کیا اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ کسی ایک آدھ مقام کا جزئی ذکر نہیں۔

دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حکام یا حکومت اس وقت ہندوؤں کی مدد پر ہیں۔ جب آپ اس کا ثبوت پیش کریں گے کہ حکومت لیگ کی مدد کر رہی ہے تو اس کے مخالف دعویٰ رکھنے والے بھی ایسا ثبوت پیش کرنے سے قاصر نہ رہیں گے۔

○ ٹوڈی کی تعریف کیا ہے؟ اس تعریف کے مطابق آپ اس کا ثبوت پیش کیجئے کہ سب امیدواران لیگ ٹوڈی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ لیگ کی حمایت کرنے کا ان کی طرف سے ایک باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچھلے ڈھائی سالہ عہد وزارت میں ہندوؤں نے جو مظالم فخیمہ مسلمانوں پر کئے وہ ناقابل برداشت تھے اور ہندو اس وقت عریاں ہو کر اپنی اصلی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگے نیز یہ بالکل واضح ہو چکا کہ ہندو قوم یہ چاہتی ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے لیکن مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ نہ نکلنے پائے۔ اس لئے ان لوگوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونا پسند کیا۔

○ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحیح سیاسی مصلحت کے لئے ان مغربی تہذیب والوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے تو بقول آپ کے علماء کے وقار و اقتدار کے دشمن ہیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیگ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ وہ درد جس سے شیخ الہند بے چین تھے دگنا ہو گیا ہے۔ پرانا درد تو جوں کا توں رہا اور نیا درد مسلمان کے پہلو میں ہمسایہ قوم کی طرف سے اٹھا ہے۔ جو چاہتی ہے کہ انگریز کی اتالیقی اور نگرانی میں مسلمانوں کو دائماً انگریز کے ساتھ اپنی اکثریت کا غلام بنائے رکھے۔ شملہ کانفرنس[۲۰] کے بعد یہ چیز بالکل نمایاں ہو چکی ہے۔ اب اگر شیخ زندہ ہوتے تو پہلے سے زیادہ ان مسلمانوں کا تعاون حاصل کرتے جو بقول آپ کے علماء کے اقتدار کے دشمن ہیں۔

○ ایک طرف سے تمام مسلمانوں کی نیتوں پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ پاکستان کی حمایت تو وہ کرے گا جو کانگرس اور حکومت دونوں کے نقطہ نظر سے علیحدہ ہوگا۔ کیا موجودہ وائسرائے بہادر کی کلکتہ اور راولپنڈی والی تقریریں آپ نے نہیں پڑھیں جس میں اسی نقطہ نظر کی تائید کی گئی ہے جو کانگرس کا ہے یعنی وحدانی حکومت۔

- ○ محض رجماً بالغیب (اٹکل پچو بات) دعویٰ بے دلیل سے کوئی شخص قائل نہیں ہوسکتا۔ تمام ذمہ داران لیگ کی تقریریں اور لیگ کا نصب العین پڑھیئے تو اس دعویٰ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔
- ○ ایسے بے دلیل دعویٰ کرتے چلے جانا ایک حق پسند کے لئے زیبا نہیں۔ استخلاص وطن کی مساعی سب کے نزدیک ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی مسلم قوم کا استخلاص بھی ضروری ہے۔ لیگ کہتی ہے کہ کانگرس آج پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرلے پھر کل ہی آپس میں معاہدہ کرکے استخلاص وطن کے لئے مل کر جنگ کریں اس میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔
- ○ جواب نمبر ۹ سے واضح ہوگیا کہ ہندو کی طرح مسلمان قوم بھی اپنا ایک آزاد مرکز چاہتی ہے اس کے ساتھ وطن کی آزادی میں پورا تعاون کرنے بلکہ آگے بڑھنے کے لئے تیار ہے۔ اس طرح حامیان لیگ دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک کو نکال کر دوسرے کی یا بیک وقت دونوں کی دائمی غلامی میں رہنا نہیں چاہتے۔
- ○ کیا مولانا شہید اسے پسند کرتے کہ تمام ہندوستان کی مخلوط مرکزی حکومت میں ۴۵ فیصدی نہیں بلکہ غیر مسلم ۴۰ میں سے ۳۰ ہوں۔
- ○ اس کا مفصل جواب اور جمعیۃ کے فارمولا پر بحث میرے تازہ مضمون میں جو ابھی چند روز ہوئے منشور وغیرہ میں چھپا ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔
- ○ تمام ذمہ داران لیگ کے بہت سے اعلانات اس بارے میں ہوچکے ہیں کہ ہمارا پروگرام قرآن کریم ہے اور خالص شرعی معاملات میں سنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کا فیصلہ مقدم رکھا جائے گا۔ میں اپنی ذاتی رائے کا پابند کسی کو نہیں کرسکتا۔ اگر وعدہ خلافی کریں گے تو کانگرس سے کون عہود و مواعید کی پابندی کراسکتا ہے۔ اس سے کچھ زیادہ ہم مسلمانوں کے وعدوں کا اعتبار کرسکتے ہیں۔ پھر مولانا سے کیا وعدے کئے تھے جن کی خلاف ورزی کی گئی۔ اب اگر کانگرس اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کرے تو وہاں کیا کریں گے۔

از راہ کرم میرے سب مضامین مطبوعہ کہیں سے حاصل کرکے مطالعہ فرمالیں ورنہ اتنا وقت میرے پاس نہیں کہ ایسے لمبے لمبے خطوط کا ہر ایک کو جواب علیحدہ علیحدہ لکھ کر بھیجا کروں اور اس کی نقول رکھوں۔ (والسلام)

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔ ۱۶ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء [۲۱]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ ششم

مسلم لیگ کی جو حالت آج ہے وہ اس وقت بھی تھی جب ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ علماء ہند نے اس کی بھرپور تائید و حمایت کی تھی۔ کیا مٹھی بھر مسلمان کانگرس میں داخل ہو کر یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ مسلم مفادات کے لئے اس کو سیدھا رکھ سکیں گے۔ حکومت کے ساتھ ساز باز مسلم لیگ نہیں بلکہ ہندو کانگرس کر رہی ہے۔ ہندو قوم یہ چاہتی ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے لیکن مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی بھی جگہ نہ نکلنے پائے، یعنی مسلمان انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔ اگر آج شیخ الہند زندہ ہوتے تو وہ مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرتے۔ مسلم لیگ بیک وقت دو دشمنوں سے برسرپیکار ہے۔ وہ انگریز کے ساتھ ساتھ ہندو سامراج سے بھی آزادی و نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اگر ہمیں اپنے کلمہ گو مسلمان بھائیوں کے وعدوں کا اعتبار نہیں تو کھلے ہوئے کافروں سے عہود مواعید کی پابندی کون کرا سکے گا۔

مراسلہ ہفتم

مکتوب از مولانا عبدالحنان مظاہری

محترم المقام جناب مولانا صاحب زادمجدہ

السلام علیکم! اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں اور لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو سفینہ نجات اور پاکستان کو اقرب الی الشریعت متصور فرماتے ہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ جناب والا جیسا متجر عالم ایسا بیان شائع کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ لیگ والے اپنے پروپیگنڈے کے لئے بالکل فرضی بیانات جناب کی طرف منسوب کر کے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ چند دین دار مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ جناب والا سے براہ راست خط و کتابت کر لی جائے تا کہ جناب کے خیالات صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔

جناب کو معلوم ہوگا یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسے میں فخریہ طور پر فرمایا تھا کہ میں نے اس ناپاک جماعت کے وقار کو ختم کر دیا جو اپنے آپ کو علماء کہتی ہے۔ جناح صاحب کی یہ تقریر لیگی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ جناب اس سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ مسلم لیگ وہی ہے جس کے مشہور و معروف رہنما نواب محمد اسمٰعیل خان لیڈر مسلم لیگ پارٹی یو۔ پی نے شریعت بل کی مخالفت کی اور نائب امیر شریعت

صوبہ بہار مولانا محمد سجاد صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ آپ شریعت بل پاس کر کے ہم لوگوں کو مسجد کی چٹائی توڑنے والے ملاؤں کا محتاج بنانا چاہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہماری جماعت آپ لوگوں کو ایسا موقع نہیں دے سکتی۔ کیا ان مصدقہ واقعات کے ہوتے ہوئے کوئی غیرت مند عالم مسلم لیگ میں شامل ہو سکتا ہے یا اس کی حمایت کر سکتا ہے۔

پاکستان کی تشریح مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کے بیانات کے مطابق یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبہ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان کی حیثیت ایک ریاست کی ہوگی اور اس میں موجودہ طرز کی جمہوری حکومت ہو گی۔ ہندو اور مسلم دونوں کو تناسب آبادی کے اعتبار سے میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ نیز اسمبلی وغیرہ میں ممبری نیز ملازمتیں ملیں گی۔ اس صورت میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۶۵ فیصد ہوگی اور ہندوؤں کی ۳۵ فیصدی۔ برخلاف اس کے بہار، یو۔ پی، سی۔ پی، بمبئی، اڑیسہ، آسام میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۷ یا ۸ فیصدی ہوگی۔ بین الاقوامی جمہوری قانون کی بنا پر مسلم پاکستان ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے مجبور ہے۔ بغیر ان کو رضا مند کیے ہوئے وہ حکومت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی تعداد ۳۰ فیصدی سے زائد ہوگی۔ برخلاف اس کے ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے کیونکہ اتنی غیر موثر اقلیت کی رضا مندی کے بغیر حکومت چلائی جا سکتی ہے۔ اس وقت جبکہ صوبہ یو۔ پی میں ۲۵ فیصدی ملازمتیں گورنمنٹ کے تمام محکموں میں مسلمانوں کو مل رہی ہیں تو مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ جب صرف ۷ فیصدی ملازمتیں ملیں گی تو کیا حالت ہوگی۔ کیا یہ صورت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ کیا ایسی صورت میں پاکستان کو اقرب الی الشریعت کہا جا سکتا ہے۔

بعض مخلص مسلمانوں کا یہ فارمولا ہے کہ مرکز ایک ہو لیکن ممبران ۴۵ فیصدی ہندو ۴۵ فیصدی مسلان ۱۰ فیصدی اچھوت وغیرہ ہوں اور کوئی تجویز ایسی پیش نہ ہو جو کسی کی تہذیب اور مذہب کے خلاف ہو اور جب تک ۲/۳ مسلم ممبر اس کی حمایت نہ کریں اس پر بحث نہ ہو سکے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ فارمولا سفینہ نجات نہیں بن سکتا۔

مہربانی فرما کر جواب سے جلد مطلع فرمائیے۔ مسلمانان گورکھپور جواب کے لئے بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

والسلام۔

عبدالحنان مظاہری محلہ قاضی پور شہر گورکھپور۔ [۲۲]

جواب از علامہ شبیر احمد عثمانی

○ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

○ وہ بیانات میرے ہیں محض پروپیگنڈہ نہیں۔ البتہ الفاظ میں کچھ اختصار ہو گیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں کہ اس وقت مسلم لیگ کو مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات تصور کرتا ہوں۔

○ اس کی تشریح بھی بعد میں لیگ والوں کی طرف سے ہو چکی ہے کہ اس سے تمام مراد نہیں خاص قسم کے علماء مراد ہیں۔

○ جی واقف ہوں۔ مگر اس کا علاج یہ تھا کہ علماء جمہور کی طاقت لے کر لیگ میں شامل ہوتے اور اپنا اقتدار منواتے اور عوام کی طاقت سے ایسے لوگوں کو ان عہدوں سے ہٹا کر خود لیگ پر قبضہ کرتے۔ نہ یہ کہ اسلامی مفاد کو پس پشت ڈال کر کفار کو اپنا بطانہ بنالیں۔

○ یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی اگر صحیح ہو تو اس کا جواب وہی ہے جو نمبر ۴ میں گزرا۔ اور اب انہی صاحب کی وہ اپیل پڑھیے جو منشور ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ نیز وہ پیغام جو جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو انہوں نے بھیجا ہے اور مسلم لیگ کے دستور اساسی کی ابتدائی دفعات بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

○ نواب زادہ کی اس تقریر کا کٹنگ میرے پاس بھیج دیجئے۔ پھر یہ شخصی رائے ہے مسلم لیگ کا پاس کیا ہوا ریزولیوشن نہیں۔ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ تمام پاکستانی صوبہ جات کا ایک مستقل مرکز ہوگا جو پورے پاکستان کا دستور بنائے گا۔ اسی دستور اساسی کے تحت صوبے کام کریں گے۔ اس مرکز میں پاکستان کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے یہ نسبت نہیں رہے گی، وہاں تقریباً سات اور ڈھائی کا تناسب ہوگا۔

اقرب الی الشریعت اس لئے کہا گیا ہے کہ پاکستان کی بنا جغرافیائی تقسیم پر نہیں بلکہ مسلمانوں کو ایک مستقل قوم تسلیم کر لینے پر ہے۔ وہ من حیث القوم دوسری قوم سے مساویانہ معاہدات کرے گی اور دونوں قومیں انہی معاہدات کے تحت اپنے اپنے ہاں انتظامات کرنے پر مجبور ہوں گی۔ دو قوموں کے معاہدات میں عددی قلت وکثرت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پھر پاکستان کے متصل ایسے ملک ہیں جن سے آزاد پاکستان معاہدات کر کے زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کر سکتا ہے۔

○ اس کا جواب میرے اس مضمون میں موجود ہے جو منشور ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء میں چھپا ہے۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔ ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ ہفتم

حالات وواقعات کے تناظر میں اس وقت میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال کے لئے سفینہ نجات تصور کرتا ہوں۔ مسلم مفادات کو پس پشت ڈال کر ہندوؤں کو دوست بنانا ہرگز درست نہیں۔ تمام پاکستانی صوبہ جات کا ایک مستقل مرکز ہوگا جو پورے پاکستان کا دستور بنائے گا۔ اسی دستور کے تحت صوبے کام کریں گے۔ پاکستان میں مسلم اور غیر مسلم کا تناسب تقریبا سات اور تین کا ہوگا۔ پاکستان کو اقرب الی الشریعت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی بنیاد جغرافیائی تقسیم پر نہیں بلکہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور مستقل قوم تسلیم کر لینے پر ہے۔

مراسلہ ہشتم

مکتوب از مولوی احمد اسمٰعیل صالح بوڈھان سائن ضلع سورت ۱۸ نومبر ۱۹۴۵ء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محترم المقام زید مجدکم۔ مزاج شریف۔ بعد تحیۃ مسنونہ حضرت اقدس میں گزارش اینکہ۔ اس موجودہ دور میں ہندوستانی مسلمان جس سیاسی کشمکش میں گھرے ہوئے اور وہ ہر اس احباب کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کو نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک سنجیدہ مسلمان اور راہ حق کے متلاشی کو کیا کرنا چاہیے اس کے متعلق حضور والا استفسار بطور آگاہی حقیقت حال اور یافتن راہ حق دریافت کرنے کی جرات کرتا ہوں حضور والا کی ذات گرامی سے امید ہے کہ گم گشتہ راہ حق کی راہنمائی فرمائیں گے۔

استفسارات

کیا حضور والا نے کوئی بیان بنام جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ ارسال فرمایا ہے اور آیا اس میں اس قسم کا مضمون بھی سپرد قلم کیا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا وہ نصب العین جس کا اظہار کرتی رہی ہے وہ کوئی برا نصب العین نہیں تھا اور نیز اس کی تاریخی قربانیاں بھی اوراق تاریخ میں ایک نمایاں شان رکھتی ہیں مگر آج اس پر جو کچھ شکوک وشبہات کیئے جا رہے ہیں وہ اس کی پچھلی چند سالہ روایات کی بنا پر ہے۔ اب گزارش حضرت والا سے ہے کہ کیا اس قسم کا بیان آپ نے جاری فرمایا ہے۔ اگر ہے تو پھر دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا اس کی پالیسی میں یا اس کے نصب العین ودستور اساسی میں کسی قسم کی ترمیم وتنسیخ ہوئی ہے۔

آیا مولانا حسین احمد صاحب یا مفتی صاحب یا مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ کی اس پالیسی میں جو شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی موجودگی میں تھی اس میں ردوبدل ہوا ہے۔

حضور والا آج جس پاکستانی سکیم کو ہمارے سامنے کبھی اسلامی حکومت کی شکل میں اور کبھی جمہوری حکومت کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے آیا وہ مسلمانان ہند کے لئے شرعی اور جغرافیائی حیثیت سے مفید ہے یا مضر۔

اگر یہ مضر ہے تو پھر اس مضمون کا کیا جو اسی مذکور الصدر بیان میں موجود ہے کہ پاکستان کے بغیر اسلامی ہند کی آزادی ممکن نہیں اور ہندوستان کا علاج بھی پاکستان ہی ہے۔

محترم مسلمانوں کی سیاسی و مذہبی رہنمائی وہ شخص کرسکتا ہے یا مسلمانوں کا لیڈر وہ شخص بن سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور اتباع شریعت میں کوسوں پیچھے دور ہو۔ یا وہ شخص جو متبع شریعت اور اسلامی روایات اور اصول کا پابند اور آشنا ہو۔ اگر یہ ثانی الذکر ہوسکتا ہے تو پھر ہم اس چیز کے دریافت کرنے کی جرات کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کا رہنما اور لیڈر مسٹر جناح بن سکتے ہیں یا مولانا حسین احمد صاحب۔

امید ہے کہ حضرت والا جواب باصواب سے جلد از جلد نوازتے ہوئے شکر گزاری کا موقع عنایت فرمائیں گے اور بہتر ہوگا اسی کاغذ میں جوابات تحریر فرما کر ارسال فرمائیں گے۔[۲۳]

جواب از علامہ عثمانی

○ میں نے روایات کا لفظ نہیں لکھا بلکہ طرز عمل لکھا ہے۔

○ نصب العین یا دستور اساسی اور طرز عمل کیا ایک ہی چیز ہیں؟ شیخ الہند کا ہرگز وہ طرز عمل نہ تھا جو آج کل جمعیۃ العلماء دہلی کا ہے۔

○ میں اپنے مشاہدات کی بنا پر یقین رکھتا ہوں کہ جو طرز عمل آج جمعیۃ علماء کا ہے ہرگز شیخ الہند کا نہ تھا۔ وہ (معاذ اللہ) ہندو اکثریت کی دم کبھی نہیں بنے نہ ان کا تابع مہمل بن کر رہے۔ وہ تو غالباً کانگرس کے آنے والے ممبر بھی نہ تھے۔ ان کے آخری پیغام صدارت کو دیکھیے جو وفات سے نو دن پہلے جمعیۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں پڑھا گیا تھا۔ اس سے دو قوموں کا نظریہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔

○ میرے نزدیک مفید ہے۔

○ یہ الفاظ میرے بیان میں نہیں۔ اصلی الفاظ نقل کرنے چاہئیں تب جواب دیا جاسکتا ہے۔

○ خالص مذہبی حیثیت میں مولانا سے مسٹر جناح کا مقابلہ نہیں کیا جارہا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آج کل دنیا کی سیاست اسلامی سیاست نہیں بلکہ یہ سیاست بہت ہی گہرے اور باریک اصول مکروکید پر مبنی ہے۔ اس کا توڑ وہ کرسکتا ہے جو پہلے ان آئینی چالوں کو سمجھ لے۔ اس اعتبار سے بکثرت مسلمانوں نے مسٹر جناح کو آگے رکھا ہے کہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی چالوں اور ان کے داؤ پیچ کو بخوبی سمجھتا ہے اور ان کا مکروکید ان ہی کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اگر یزید کی قیادت میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ وتابعین غزوہ قسطنطنیہ میں کام کر سکتے ہیں تو یہاں کے مسلمان مسٹر جناح کی قیادت میں کیوں یہ سیاسی کام نہیں کر سکتے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/ ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء [۲۴]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ ہشتم

شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا طرز عمل ہرگز وہ نہ تھا جو آج جمعیۃ علماء ہند کا ہے۔ وہ ہندو اکثریت کی دم کبھی نہیں بنے، نہ ان کا تابع مہمل بن کر رہے۔ پاکستانی اسکیم مسلمانان ہند کے لئے شرعی اور جغرافیائی حیثیت سے مفید ہے۔

خالص مذہبی حیثیت سے مولانا مدنی سے مسٹر جناح کا مقابلہ مقصود نہیں، بلکہ مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا سیاسی قائد اس لئے بنایا ہے کہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی چالوں اور مکروفریب کو خوب سمجھتا ہے اور ان کے مکروفریب کو ان کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اگر یزید کی قیادت میں حضرت ابوایوب انصاری اور دوسرے جلیل القدر صحابہ وتابعین غزوہ قسطنطنیہ میں کام کر سکتے ہیں تو مسلمانان ہند قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت وسیادت میں یہ سیاسی کام کیوں نہیں کر سکتے۔

مراسلہ نہم

مکتوب از مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی

حضرتنا المطاع! ازید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل سیاسی بحران کے پرفتن دور میں علماء کرام کے معمولی سے معمولی اختلاف کو جو حیثیت دی گئی ہے وہ حضرت والا سے یقیناً مخفی نہیں۔

بناء علیہ قلبی اطمینان کے لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں۔ للہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔

- کیا مولانا حسین احمد نے گاندھی کی پالیسی کو جمعیۃ العلماء کا نصب العین بنالیا؟
- جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے جو جمعیۃ کلکتہ میں قائم ہوئی ہے کیا اس کا مسلک وہی ہے جو سیدنا الامام شیخ الہند مولانا محمود حسن کا تھا؟
- کیا حضرت والا مسلم لیگ کے ممبر نہیں؟
- قومی مدارس اسلامی (جو برطانیہ کی تائید سے مبرا ہیں) کو چھوڑ کر برطانیہ کے ماتحت اداروں میں (جہاں اعلانیہ فسق و فجور کا شیوع طلبہ و اساتذہ میں ہوتا ہے) حدیث ڑھانے پر مقرر ہونا کیا اکابر دیوبند کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔
- ڈھاکہ کی جمعیت جو چند سال سے جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت کام کر رہی ہے اس کے بارے میں ازروئے شریعت اسلام حضرت والا کیا فرماتے ہیں کہ وہ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے ساتھ متعلق ہو جائے یا پرانی جمعیۃ علماء ہند ہی کے ساتھ تعلق رکھے۔
- حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کے بارے میں عام طور افواہ ہے کہ وہ حکیم الامت تھانوی کے اب خلیفہ نہیں رہے۔ کیونکہ حضرت نے خلافت چھین لی تھی کیا اس کی کچھ اصلیت ہے۔

یہ چند شبہات تھے جو پیش خدمت کئے گئے۔ آستانہ عالیہ سے امید ہے کہ جواب سے جلد سرفراز کیا جاؤں۔

والسلام

عبدالاحد

جواب از علامہ عثمانی

السلام علیکم۔ بعد سلام مسنون

- نصب العین تو نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جمعیۃ بالکل کانگرس کے تابع ہے اور کانگرس کا گاندھی کی پالیسی پر چلنا کسی عاقل سے مخفی نہیں۔
- بنیادی حیثیت سے صحیح مسلک وہی ہے ہاں جو صورت حالات اب ہے اس وقت وہ نہ تھی اس لئے جزماً دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اب اگر زندہ ہوتے تو کیا طریق کار اختیار کرتے۔
- ممبر نہیں۔

- یہ حالات ومصالح کی رعایت سے حکم لگا سکتے ہیں۔ عام حکم نہیں دیا جا سکتا۔ کسی مفتی سے مفصل فتوئی منگالیں۔
- یہ آپ حضرات کی صوابدید پر ہے دوسرے سوچ سمجھ کر جو جانب آپ کو اصلح اور مسلمانوں کے لئے انفع معلوم ہو وہ اختیار کیجئے۔
- مجھے اس کی کوئی تحقیق نہیں۔ تھانوی کے دوسرے خلفاء وغیرہ سے معلوم کر لیجئے۔

شبیر احمد عثمانی۔ ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء

خلاصہ بضمن مراسلہ نہم

اگر چہ جمعیۃ علماء ہند کا نصب العین گاندھی کی پالیسی پر چلنا نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جمعیۃ علماء ہند، کانگرس اور گاندھی کی پالیسیوں کے تابع ہے اور کانگرس کا ایک ہندو جماعت ہونا، مسلمانوں کے حقوق ومفادات کے خلاف کام کرنا اور گاندھی کی پالیسی کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

مراسلہ دہم

مکتوب از بشیر الدین احمد صاحب

محترمی و معظمی قبلہ جناب مولانا صاحب دام فیوضکم۔ التماس خدمت۔ جناب کے نام سے میں نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ہمراہ رکھتا ہوں مجھ کو یقین نہیں آتا کہ آپ کی طرف سے یہ اشتہار شائع ہوا ہے۔ یقین کامل حاصل کرنے کے لئے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں۔

آپ نے پورے یقین کے ساتھ مسلم لیگ کو ووٹ دینے کی دعوت فرمائی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں خود ۱۹۴۴ء تک مسلم لیگ میں کام کرتا رہا ہوں اور مجھ کو ان سروں اور خان بہادروں اور سرمایہ داروں کی حالت کا بہت اچھی طرح پتہ ہے اور جو ان کا مقصد ہے خوب جانتا ہوں۔ میں اکثر لاہور رہتا ہوں اور حالات دیکھتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں کانگرسی نہیں ہوں۔ میں مسلم لیگ کے بعد سے مجلس احرار اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو کہ کسی بھی غیر مسلم کو اپنے میں ملانا اپنا پروگرام نہیں رکھتی اور حکومت الہیہ اس کا مقصد ہے جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ مجلس احرار چاہتی ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر آجائیں اور حکومت الہیہ کو قائم کریں جس کے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کے واسطے جواب سے مستفیض فرمائیں کہ کیا واقعی آپ نے مسلم لیگ کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اپنے ٹھیک خیال سے آگاہ فرمائیں۔ مجھ کو آپ پر پورا اعتبار ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید مجھ کو کچھ سمجھنے میں غلط فہمی ہو۔

آپ کے ان بیانات سے مسلمان عجیب پریشانی میں پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف آپ ہیں اور دوسری طرف آپکے بھائی مدنی صاحب ہیں۔ یہ چیز مسلمانوں میں بہت اختلاف برپا کررہی ہے۔ سادہ لوح مسلمانوں کا دماغ پریشان ہے کس کی مانی جائے دونوں عالم اور مولانا۔ جواب سے جلد عنایت فرمائیں۔ آپ کا ناچیز خادم

احقر بشیر الدین احمد عقب تحصیل مکان ۱۵۵/۱۵۱ میرٹھ شہر [۲۵]

جواب از مولانا شبیر احمد عثمانی

برادر محترم۔ دامت برکاتہم بعد سلام مسنون آنکہ۔

گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے جو کچھ لیگ والوں کے حالات اپنے تجربہ کی بناء پر معلوم کئے ہیں مجھے ان کی تفصیلات نہ پوری معلوم ہیں اور نہ سردست یہ چیز اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس وقت تو ایک اصول کی جنگ ہے اور اسی اصول پر لیگ کانگرس کا مقابلہ کررہی ہے۔

لیگ کہتی ہے کم از کم ہندوستان کے ایک وسیع علاقے میں مسلم قوم کی آزاد حکومت ہو جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ کانگرس اس اصول کو نہیں مانتی۔ کیونکہ ہندو قوم کا غلبہ ہے اور اس کا فائدہ اسی میں ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر کسی وقت اور کسی جگہ ہندو اکثریت کا طوق غلامی مسلمانوں کی گردن سے نکلنے نہ دیا جائے۔ مسلمانوں میں اس وقت جو کانگرس کی امدادی اور معاون جماعتیں ہیں وہ ان کے ہمنوا ہیں اس لئے لیگ ان جماعتوں کے مقابلے پر بھی مجبور ہوئی ورنہ اصل مقابلہ اس سے نہ تھا۔ میں نے اور بہت سے دوسرے علماء نے فی الحال جو تائید مسلم لیگ کی کی ہے اس سے مقصود صرف اس اصول کی تائید ہے جس کو ہم قواعد شریعت کے موافق سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس کے خلاف کرنے میں مسلمانوں کا عظیم اور دائمی نقصان نظر آتا ہے۔

حکومت الہیہ کے نصب العین سے کون مومن انکار کرسکتا ہے۔ اب اگر حکومت الہیہ سے مراد خدا کی وہ حکومت لی جائے جو تکوینی طور سے تمام مخلوقات پر اسے خود بخود حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:۔ وللہ ملک السموات والارض۔ یا فرمایا ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون [۲۶]۔ تو یہ بحث سے خارج ہے اور اگر تشریعی حکومت مراد ہے تو یہ حکومت الہیہ ہم سردست ہندوستان میں کس جگہ قائم کریں گے۔ کیا ہندو مسلم کی مخلوط حکومت میں جہاں ایک اور تین چوتھائی کی نسبت ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ صورت حکومت الہیہ کی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی وسیع خطہ پہلے ہم ایسا حاصل کرلیں جہاں حکومت الہیہ قائم کرسکیں۔ اب اگر پاکستان کا فیصلہ ہو جائے تو وہ ایک جگہ ایسی ہوگی جہاں قانون سازی کی طاقت مسلم اکثریت کے پاس رہے گی۔ لیگ کے موجودہ قائدین بھی بار بار

اعلان کر رہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآنی اصول کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی۔ ابھی حال میں بمقام پشاور پھر مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اگر فرض کیجئے اس وقت یہ لوگ منحرف ہو جائیں تو احرار تمام مسلمانوں کی طاقت ساتھ لے کر ان کو حکومت الہیہ قائم کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ پھر آئندہ اللہ چاہے تو اس کو اور آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ حکومت الہیہ کے حصول کے لئے پاکستان ہی زمین تیار کرے گا۔

رہا علماء کا اختلاف یہ رایوں کا اختلاف ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ جس کو اچھا سمجھے اس پر عمل کرے۔ جس طرح ایک مریض شہر کے جس طبیب سے چاہے علاج کرائے۔ ہاں یہ عالم اور حکیم مشورہ اپنی طرف سے وہ ہی دے گا جسے وہ لوگوں کے حق میں مفید اور نافع سمجھے گا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء[۲۷]

خلاصہ بضمن مراسلہ دہم

مسلم لیگ کا مقصد ہندوستان کے ایک وسیع علاقے میں مسلم قوم کی ایک آزاد خود مختار حکومت قائم کرنا ہے، جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ ہندو کانگرس چاہتی ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر کسی وقت اور کسی جگہ ہندو اکثریت کا طوق غلامی مسلمانوں کی گردن سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ کا اصل مقابلہ کانگرس سے ہے۔ کانگرس کی حمایت میں مسلمانوں کی جو امدادی جماعتیں کام کر رہی ہیں وہ ان کے ہمنوا ہیں اس لئے مسلم لیگ کو مجبوراً کانگرس کے ساتھ ساتھ ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اس وقت مسلم لیگ اور اکثریت کے خلاف کام کرنے سے مسلم قوم کا عظیم اور دائمی نقصان ہوگا۔

حکومت الہیہ کے نصب العین سے کوئی مومن کیسے انکار کر سکتا ہے لیکن یہ حکومت الہیہ ہم کہاں قائم کریں گے۔ ہندو مسلم کی مخلوط حکومت میں یہ ناممکن ہے۔ پاکستان ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں قانون سازی کی ساری طاقت مسلم اکثریت کے پاس ہوگی اور حکومت الہیہ کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ حکومت الہیہ کے حصول کے لئے پاکستان ہی زمین تیار کرے گا۔

مراسلہ نمبر گیارہ

مکتوب از مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی امرتسری

حضرت مخدوم مناو مولانا المکرم مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ آج روزنامہ نوائے وقت لاہور میں آپ کا ایک اعلان نظر سے گزرا

جس میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

"مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینہ نجات ہے۔"

یقین نہیں آتا کہ یہ اعلان آپ ہی کی طرف سے ہو۔ اگر فی الواقع یہ آپ ہی کا اعلان ہے تو میں اس کے متعلق چند گزارشات پیش خدمت کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ براہ کرم اولین فرصت میں جواب باصواب سے مجھے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم لیگ کے ممبر کیمونسٹ بھی ہیں اور کیمونزم کی بنیادی دہریت اور عداوت مذہب پر قائم ہے۔ مرزائی بھی لیگ کے ممبر ہیں اور ان کی دونوں پارٹیاں (قادیانی اور لاہوری) الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش اور انتہائی جدوجہد کر رہی ہیں۔ بلکہ مرزا محمود قادیانی نے اعلان کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کی کامیابی "احمدیت" کی کامیابی ہے۔ ان کے علاوہ آج لیگ کی سیاست پر وہ شعیہ لیڈر چھائے ہوئے ہیں جنہوں نے ایجی ٹیشن میں تبرائیوں کو ہر طرح امداد دی۔ جس جماعت کی تشکیل اس قسم کے بددینوں اور مرتدوں سے عمل میں لائی گئی ہو اور جو جماعت کیمونسٹوں اور مرزائیوں کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتی ہو، اس جماعت کو "سفینہ نجات" قرار دینا آپ کی ذات گرامی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ ازراہ لطف وکرم مطلع فرمایئے کہ کیا مذکورہ بالا اعلان آپ ہی کا ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو براہ کرم اس کی توجیہہ بیان فرمایئے اور اگر یہ اعلان آپ کا نہیں تو اخبارات کے ذریعہ اس کی تردید فرمایئے۔ تاکہ اہل علم اور دیندار حلقوں میں اس اعلان سے جو اضطراب پیدا ہو گیا ہے دور ہو جائے۔ والسلام مع الاکرام۔

منتظر جواب محمد بہاء الحق قاسمی گلو والی دروازہ، امرتسر

جواب حضرت از علامہ عثمانی

خلاصہ مکتوب عثمانی :

کرم فرمائے محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ گرامی نامہ صادر ہوا۔ ممنون فرمایا۔ نوائے وقت تو میں نے دیکھا نہیں مگر اس قسم کا ایک اعلان کسی کے استفسار پر نکلا ہے جس کے اصل الفاظ اصل مقصد کے بیان کے بعد یہ ہیں۔

اس مقصد کے پیش نظر میں مسلم لیگ کو اس وقت مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال کے لئے سفینہ نجات تصور کرتا ہوں۔

میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس وقت کوئی جماعت بجز مسلم لیگ کے یہ دعویٰ لے کر کھڑی ہوئی ہے کہ الیکشن میں یہاں کے مسلمان ایک جداگانہ اور مستقل قوم ہیں اور ان کو یہاں کی دوسری قوموں سے ایسی پوزیشن میں رہ کر معاملہ طے کرنا ہے۔ کیا اس خاص حیثیت سے مسلم لیگ سفینہ نجات نہیں۔

اب رہا مسلم لیگ کی تشکیل کا قصہ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس تشکیل میں حصہ دار نہ تھے۔ کسی نہ کسی طرح تکوینی طور پر یہ تشکیل ہوگئی جس میں بے خبری یا لاپرواہی سے بہت سے اہل باطل یا بے دین حتیٰ کہ بعض مرتدین کو اس بناء پر شامل کر لیا گیا کہ وہ اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ لیگ کو کوئی مذہبی فتویٰ دینا نہیں کہ کون لوگ فی الواقع مسلمان ہیں کون نہیں۔ ان کے دستور میں صرف یہی ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ میں ان کے اس عمل کو تصویب نہیں کر رہا ہوں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ غلط اور صحیح سے قطع نظر کر کے ایسے لوگوں کو لیگ میں شامل کر لیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کی شرکت پر اب وہ بدون ہماری ادنیٰ شرکت یا سعی کے ایک مضبوط جماعت بن گئی۔ اندرین صورت ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اس میں شامل کرنا سخت غلطی اور ایک ناجائز چیز کا ارتکاب کرنا ہے۔ لیکن اصلی بحث یہ ہے کہ ایسی جماعت جس کے نظام میں غالب اکثریت اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی، بہت مغلوب تعداد شیعوں کی اور ناقابل التفات کیمونسٹ یا قادیانیوں کی ہے اور دس کروڑ مسلمانوں کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ ادھر آئینی طور پر اس کے تمام کام کثرت رائے کے اصول پر انجام پاتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اختیارات بھی سپرد کر دیئے جاتے ہین وہ بھی کثرت یا اتفاق رئے سے۔ ایسی جماعت کے ساتھ مل کر کفار محاربین (صاف کافر) کے خواہ انگریز ہو یا ہندو یا اور قوم، مسلمانوں کے قومی استقلال و آزادی اور نفس کلمہ اسلام کے اعزاز و اعلا کی غرض سے کسی نوع کی جنگ کرنا شرعاً کہاں تک درست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمت امام محمد بن الحسن اشیبانی پر کہ انہوں نے یہ مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ پہلے سے صاف کر دیا اور تصریح کر دی کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع فتنہ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہوگی اور اس میں اعلاء کلمتہ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے۔ (دیکھو شرح السیر للسیر خسی ص ۳/۲۴۱) اس سے شیعہ اور دوسرے فرقہ باطلہ کا قصہ تو صاف ہو گیا کیونکہ کسی فرقے کے متعلق اتنی واضح اور اس قدر کثرت سے نصوص صریحہ موجود نہیں جس قدر خوارج کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جن کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

”میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو تباہ کروں گا۔“

اب رہ گیا کلمہ گو مرتدین کا معاملہ ان کی تعداد لیگ میں لایعبابہ (کسی شمار میں نہیں) ہے جن کے غلبہ کی کوئی صورت نہیں اور خدانکردہ آئندہ ایسا ہو تو اس وقت جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب الیکشن کے موقع پر اگر مرزا محمود وغیرہ نے بدون لیگ میں شرکت کر کے لیگ کی تائید کا اعلان کر دیا تو یہ ان کا فعل ہے جو ہمارے لئے مضر نہیں اور لیگ کی کامیابی کو احمدیت کی کامیابی بتلانا اس کا سودائے خام ہے۔

ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مرتدین وملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمہ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں۔ وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ وتسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمہ اسلام کو ان کے مقابلے میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی وملی استقلال کی حفاظت ہو۔ گو حقیقتاً و باطناً وہ کلمہ اسلام سے بالکل دور جا پڑے ہوں جیسا کہ بہت سے علماء نے خوارج کے متعلق بھی ظواہر احادیث کی شہادت کی بنا پر یہ حکم لگایا ہے۔ اس اعتبار سے جو علت خوارج و مشرکین کے مسئلے میں اوپر بیان ہوئی وہ یہاں بھی موجود ہے جو قدرے توسیع مسئلہ مبحوث عنہا میں پیدا کر دیتی ہے۔

شاید ۱۹۳۶ء میں ہمارے بعض اکابر علماء جمعیۃ نے شدومد کے ساتھ مسلم لیگ میں شرکت کرتے وقت اس نکتے پر نظر کی ہو ورنہ سر ظفر اللہ قادیانی[۲۸] کی رکنیت کے باوجود اس میں ایک لمحے کے لئے بھی کیسے شرکت گوارا کی۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ مسلم لیگ کی ایسی غلطیوں کا علاج بھی یہی تھا کہ ذی اثر علماء کی جماعت جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر اور کثیر تعداد میں اہل حق کو لیگ کا ممبر بنا کر اس کے دستور اساسی کے موافق اکثریت کے زور سے ایسے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کرتی نہ یہ کہ فوراً نفس لیگ ہی سے خفا ہو کر کفار مجاہرین کی اکثریت میں (جن کی دشمنی اور ظلم بالکل عیاں ہو چکے ہیں) اپنے وجود کو تحلیل کر دیتے اور جو کوشش ایسے حضرات کانگریس میں رہ کر کرنا چاہتے ہیں وہ لیگ میں بروئے کار لاتے۔

رہا مسلمانوں کی قومی وحدت اور استقلال کا مسئلہ اس پر میرے متعدد مضامین حال میں شائع ہو چکے ہیں انہیں ملاحظہ فرمالیں۔ جناب چونکہ ماشااللہ اہل علم ہیں اس لئے ذرا تفصیل سے جواب عرض کرنے کی ہمت ہوئی۔ یقین ہے کہ میرا مطلب اخذ کرتے وقت کسی ایک دو جملے کو پورے مضمون سے علیحدہ نہیں کریں گے۔ آخر میں مودبانہ گزارش ہے کہ جناب نے اس وقت دوسری طرف مشرقی پر بھی نظر کی کہ اس کے ساتھ آج ہمارے علماء وزعماء کا کیا معاملہ ہے کیا اس کا فتنہ آپ کے نزدیک قادیان کے فتنے سے کم ہے۔

نیز کانگرس میں ہر قسم کے لوگ، بے شمار ہندو، عیسائی، سکھ، مرتد، دہریے اور اگر چاہیں تو قادیانی اور مشرقی بھی شریک ہو سکتے ہیں یعنی کسی کے لئے ممانعت نہیں۔ کیا محض سیاست کے حیلے سے ایسی جماعت کی شرکت جناب کے خیال میں درست ہے۔ کیا جناب ادھر بھی کچھ توجہ فرمائیں گے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی، ۱۹ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ، ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء۔ [۲۹]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ نمبر گیارہ

مسلم لیگ اس وقت مسلمانون کے قومی وسیاسی استقلال کے لئے سفینہ نجات ہے۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس میں مسلمانوں کا سواد اعظم شریک ہے۔ اس میں انتشار ڈالنا اور اسے کمزور کرنا درست نہیں ہے۔ لیگ کو کوئی مذہبی فتویٰ تو دینا نہیں ہے کہ کون لوگ فی الواقع مسلمان ہیں کون نہیں، ان کے دستور میں صرف یہی چیز ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہے وہ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ جب دفع کفر اور اظہار اسلام کے لئے اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ مل کر مشرکین سے جہاد کر سکتے ہیں تو مسلم لیگ کے مسلمان گنتی کے چند قادیانیوں اور کمیونسٹوں وغیرہ کے ساتھ مل کر استقلال پاکستان کی جنگ کیوں نہیں لڑ سکتے؟ قادیانی اور کمیونسٹ وغیرہ اس وقت بھی مسلم لیگ میں شریک تھے جب ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ دہلی نے اس میں شرکت کی اور اس کی شدومد سے حمایت کی تھی۔ مسلم لیگ پر اگر بعض بے دینوں کی شرکت کا الزام ہے تو کیا کانگرس اس سے بری ہے؟ کیا کانگرس میں شریک سب لوگ مومن ہیں؟

مراسلہ نمبر بارہ

مکتوب دوم از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی استاذ المکرم علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ جواب کا بہت بہت ممنون ہوں۔ آپ کی عزت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سینکڑوں بے غرض مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت کو سوائے قتل کے فتوے سے اور کن الفاظ سے تعبیر کروں۔ یہ کس کی مجال ہے کہ کوئی آپ کو یہ کہے کہ آپ کو اپنی رائے کے اظہار کا حق نہیں۔ لیکن آپ انصاف فرمائیں جو شخص کسی سیاسی جماعت میں کوئی کام نہ کر رہا ہو، اسے کسی سیاسی رائے دینے کا کیوں حق حاصل ہے۔ آپ یقین فرمائیں کہ آپ نے ہمارے ہی قتل کا فتویٰ نہیں بلکہ آپ نے اپنے اور تمام علماء کے خلاف قتل

کا فتویٰ دیا ہے۔ زمانہ میری اس بات کی شہادت دے گا اور وقت بتائے گا کہ علماء نے جناح کے پیچھے لگ کر اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ آج اس جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں جو قادیانیوں، تبرائیوں اور خدا و مذہب کے منکر کمیونسٹوں کو ہمراہ لے کر اسلام کو سربلند کرنے کے لئے چلی ہے۔ آپ کے بزرگوں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سرسید احمد خان کے ساتھ اشتراک عمل بھی جائز نہیں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر دنیاوی کام چلانے میں کوئی حرج نہیں۔ تقریباً تیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے دیوبند میں مجھ سے نصرۃ الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تمہارے بزرگوں نے سرسید احمد اور قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا وہ ان کا کشف صریح تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا۔ رسالہ نصرۃ الابرار بھیج رہا ہوں اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سرسید کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اسی سرسید کی روحانی اولاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔ اور اسی کو اسلام میں مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔

میں اور مولانا حفظ الرحمٰن سہارنپور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے کہ مولانا حفظ الرحمٰن کے آنسو نکل گئے اور انہوں نے کہا آگے تھانوی کے ذریعہ سے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے۔ اب آپ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ ایک طرف آپ کی عظمت و عزت اور دوسری طرف دشمنان اسلام کے ہاتھوں اپنی اور اسلام کی تباہی دیکھ رہے ہیں اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ آخر آپ ہی فرمائیے کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

آپ نے لفظ بدلحاظی کا تحریر فرما کر مجھے بہت دکھ پہنچایا۔ میری بدلحاظی کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے سہارنپور کے جلسے میں آپ کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ :

> میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے جوتوں کو اپنے سر پر باندھنا اور اپنے لئے باعث نجات سمجھتا ہوں۔

آپ نے مجھے جناح خیال فرما لیا ہے کہ میں اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو گالی دوں اور ان کی بے عزتی کروں۔ میں نے آج تک اپنی کسی تقریر میں معمولی سے معمولی لیگی کے متعلق سخت باتیں نہیں کیں چہ جائیکہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے متعلق کوئی سخت بات کہوں یا دل میں بھی لاؤں۔

حضرت اقدس غور سے سنیئے یہ مسلم لیگ طبقہ کسی بھی عالم کا وقار اور اس کی عزت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے اور مذہب کو مٹانے کے لئے مذہب کے نام پر آپ حضرات سے کام لے رہا ہے۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں صداقت ہے تو پچاس فیصدی نشستیں علماء کے لئے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احرار اور کانگرس کے ٹکٹ پر چھ مستند علماء کو کھڑے کر رہے ہیں اور دو تین دوست مثل علماء کے ہیں۔ عالموں

کے لئے میں کوئی شرط نہیں لگاتا۔ عالم ہوں خواہ بریلوی ہوں خواہ دیوبندی ہوں کیونکہ میرے نزدیک ہندوستان کی آزادی اور ہندو مسلمان کے مسئلے کا حل اور مذہب کی حفاظت صرف علماء کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاست پر قبضہ ہونا چاہیے۔ جب تک علماء اسمبلیوں میں پچاس فیصدی نہیں ہوں گے ہندوستان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور یہ پاکستانی مسلمان اسمبلیوں کے ذریعہ سے ایسا نصاب تعلیم بنائیں گے جس سے مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے گا اور اگر علماء اسمبلیوں کے اندر موجود ہوں گے تو نصاب تعلیم میں مذہب کا خیال رکھا جائے گا۔

حضرت والا کیا یہ حقیقت نہیں کہ جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ کو اس لئے وجود میں لایا گیا کہ وہ جیناح کی قیادت اور مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کی لوگوں میں تبلیغ کرے نہ کہ علماء کی قیادت اور مذہب کی سربلندی کے لئے۔ دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا وجود انگریزی اقتدار قائم رکھنے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ آپ خود جانتے ہیں کہ ان میں اکثر وہ علماء ہیں جو تحریک خلافت سے لے کر آج تک ہر اسلامی تحریک کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اگر آپ یا علماء یہ کہتے کہ ہماری تقلید کرو۔ ہم قربانی اور ایثار کے راستے سے ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور اسلام کو سربلند کرکے دکھائیں گے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہوجاتا کہ ہم صرف مسجدوں کے ملا ہی نہیں ہیں بلکہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعہ سے دنیا کی سیاسی رہنمائی بھی کرسکتے ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم ہی سے دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے تو میرے دل کو بے حد مسرت حاصل ہوتی۔ مگر آپ نے اور جمعیۃ علماء اسلام نے کہا تو یہ کہا کہ جیناح کی تقلید کرو وہی ہندوستان کا سیاسی رہنما ہوسکتا ہے۔ اس اعلان کا نتیجہ سوائے اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآن جاننے والے قرآن کے ذریعہ سے سیاسی رہنمائی نہیں کرسکتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی عزت اس وقت میرے دل میں اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ کانگرس کے صدر ہوکر مذہب اور اسلام کی حفاظت کررہے ہیں۔ انہوں نے کانگرس کی صدارت لے کر دہریوں اور تمام غیر مذاہب ہی پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے اس غیر اسلامی ذہن رکھنے والے طبقے پر یہ بات ثابت کردی کہ قرآن کا عالم اور صرف قرآن کا عالم جو دنیا کی موجودہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اس دنیا میں بڑی سے بڑی سیاسی رہنمائی کرسکتا ہے۔ مولانا آزاد کے اس طرز عمل نے یہ اعلان کردیا کہ قرآن کا جاننے والا ہی حقیقی معنی میں غلاموں کو آزادی دلاسکتا ہے اور امن قائم رکھ سکتا ہے کاش آج آپ بجائے جناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہوتے تاکہ دنیا پکار اٹھتی کہ قرآن جاننے والے ملا ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔ مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جیناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر کہا جائے بڑا دکھ ہوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی داں طبقے کے سامنے اقرار کرلیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہ چلاسکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یہ علماء کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے محترم ومکرم! پاکستان الیکشن کے لئے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا تو مسلم لیگ کانگرس کے ساتھ مل کر وزارتیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد نمائندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار بد دین طبقے کے ہاتھ میں رہے اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آ جائے جو مذہب کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہو۔ اور یہ بھی میری بات خیال شریف میں رکھنی چاہیے کہ یہ انگریزی طبقہ کانگرس سے صلح کے بعد علماء کو کچلنے کے لئے علماء ہی کے فتوے پیش کرے گا کہ ان علماء نے ہمیں کانگرس میں شامل ہونے اور وطن کی آزادی سے روکا تھا۔ کیونکہ اس طبقے کے سامنے مذہب نہیں ہے چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔ اور جب ہندو نے یہ ٹکڑا ان کے سامنے ڈال دیا اور یہ طبقہ انگریز سے مایوس ہو گیا تو پھر یہ طبقہ اپنی ملازمتوں اور نشستوں کے لئے اسلام کو مٹا کر ہندو دوستی کا ثبوت دے گا۔

میں نے اپنے دل کا سارا دکھ ان الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ کا جی چاہے اپنوں کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ مصیبت زدہ دردمند اور بالخصوص جس کو اپنے ہی نے مارا ہو وہ اچھی زبان اور اچھے الفاظ لکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام حبیب الرحمٰن۔ [۳۰]

جواب از مولانا شبیر احمد عثمانی

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ مدت ہوئی خط اور رسالہ ''نصرۃ الابرار'' مل چکا ہے۔ میں اپنے احوال وعوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پا سکا۔ اصولی بحث سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر شرعاً تنقید کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ جن مقدمات پر وہ مبنی ہیں وہ صحیح نہیں۔ محض زوردار اور مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تخمینیات کا اظہار میرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

جن خوفناک عواقب دینیہ پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں میں بحمد اللہ ان کے امکان سے غافل نہیں۔ لیکن اگر خدانہ کردہ وہ وقوع میں آ گئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کر کے ہندوؤں کی کانگرسی سیاست کے پیچھے چل پڑے اور اپنی قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصب العین کو نہایت لاپرواہی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرا دیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی مہلک غلطیوں کا خمیازہ حاملین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس

سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری بہت ہی ناتواں اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان برے نتائج کی شدت میں کچھ کمی ہو گئی، تو میں اسے بھی سب کے حق میں ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی کے سچے جذبہ کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہو کر جس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے، سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر قبضہ کر لیتے اور بھیڑ بکریوں کے گلے کو بھیڑیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ کے دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں۔ اور وقت نہیں گیا اب بھی ایسا کر سکتے ہیں آپ لوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے اور ان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کی بجائے کھلم کھلا ایسا رویہ اختیار کر لیا جو قوم سے بے وفائی اور احکام شرعیہ سے لاپرواہی کی طرف مشعر ہے۔

کیا ہندو اکثریت کی حکومت میں آپ ''واردھا اسکیم'' سے بہتر نصاب تعلیم بنائے جانے کی امید رکھتے ہیں۔

وہ جماعت جو بے شمار سنی مسلمانوں، قلیل التعداد شیعوں اور چند بزعم خود دعوی اسلام رکھنے والے اور کلمہ پڑھنے والے ملحدوں یا زندیقون پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے نام پر لڑ رہی ہے، کی اس کے مقابلہ میں آپ اس جماعت کا تسلط و اقتدار بڑھا کر اسلام کو سربلند اور مسلمانون کو معزز اور علماء کو موقر بنائیں گے، جس میں اکثریت غالبہ ان افراد کی ہے جو کلمہ اسلام سے اعلانیہ بیزار، حکومت الہیہ کے شدید ترین مخالف اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے بدترین دشمن ہیں۔ جن کی اسلام دشمنی برملا اور بکرات و مرات ظاہر ہو چکی ہیں اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر وہاں دہریئے بھی ہیں بلکہ ایک دہری آج کل اس پر مسٹر گاندھی کے بعد اقتدار رکھتا ہے اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی، کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے۔

مسلم لیگ میں اگر کچھ بددین آج شریک ہیں تو وہ اس وقت بھی شریک تھے جب اہل جمعیۃ اس کے شریک اور حامی تھے :

> در آں حالیکہ اکابر علماء نے اس کے رکن اور عہدہ دار بنے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے الحاد و ارتداد کی وجہ سے خارج نہیں کیا گیا ورنہ پنڈت جواہر لال نہرو ان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی مدح سرائی اب بھی سیاسی اسٹیج پر بڑے بڑے مقدسین کرتے ہیں۔

رہا علماء محدثین و مفسرین کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کو ابتداء قائد نہیں بنایا وہ اپنی دماغی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بناء پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، دراں حالیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں، کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ سلطان متغلب یا فاقد الشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں اور جبکہ اس قیادت کو خود اکابر جمعیۃ العلماء ۱۹۳۷ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کر کے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں۔ دیکھو خط مطبوعہ مولانا حسین احمد مدنی بابتہ الیکشن ۱۹۳۷ء غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرتکز ہو گی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی لیکن جو آئینی کشتی لڑی جا رہی ہے، اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہے[۳۱] ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں۔ لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں جس کا نشان انہوں نے ’’الہلال‘‘ وغیرہ میں دیا تھا۔ اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے۔

رسالہ ’’نصرۃ الابرار‘‘ میں جو کچھ لکھا ہے آج بھی اس کا مخالف کون ہے۔ دنیوی معاملات میں ہندو کے ساتھ نفس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے۔ سر سید احمد اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام علی گڑھ والوں کو یک قلم ان کے جملہ عقائد میں ہم نوا رکھنا محض تحکم ہے۔ کیا آپ کے اور دوسرے اکابر علماء کے نزدیک تمام علی گڑھ والے کافر و مرتد ہیں؟ ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ غلط مبحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین مباحث میں سے ہے۔ آپ کے آزاد پارلیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو امیدوار منتخب کیا ہے کیا ان میں کوئی علیگ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور اس میں فیصدی کتنے علماء دین لئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگرس کا نہ تھا خالص مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علماء کا مطالبہ آپ مسلم لیگ سے رہے ہیں، وہاں کیوں نہ منوایا گیا۔ بلکہ بعض ایسے کنڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جن کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔

ہاں تو نصرۃ الابرار کا ذکر تھا جو الفاظ آپ نے میرے نقل کئے ہیں، میں اب بھی ان کو صحیح سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی کانگرس اٹھاون برس پہلے کی کانگرس نہیں۔ نہ آج عام حالات وہ ہیں جو اس وقت تھے۔ اگر آج کل کے حالات اس وقت ہوتے تو کیا نصرۃ الابرار پر پہلے سوال کا جواب آپ کے اور علماء زمانہ کے نزدیک یہی ہوتا کہ سرکار انگلشیہ بہتر ہے۔ کیونکہ سرکار دولتمدار مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطان روم جو ایک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین شریفین اور حافظ بیت المقدس و کربلائے معلیٰ ہے اور سرکاری دولتمداری میں برخلاف روس کے اتحاد قائم چلا آتا

ہے اگر بالفرض والتقدیر سرکار دولتمدار مملکت روس سے بہتر نہ سمجھی جائے تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے برخلاف روس یا سلطان روم وغیرہ سے درپردہ رابطہ اتحاد پیدا کرے۔

غور کیجئے کہ شرکت کانگرس کے متعلق جس سوال کا جواب علماء نے دیا ہے اس سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں اور ان کا (یعنی کانگرس والوں کا) اصل اصول یہ ہے کہ بحث ان ہی امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر موثر ہوں اور ایسے امور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلاف سرکار ہو۔ اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔

کیا آج بھی شرکت کانگرس کے متعلق آپ کے سوال کے یہ ہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے اصول پر نظر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ۵۸ برس پہلے کے فتوے کو موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر گنگوہی اور بہت سے ایسے علماء کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے کیا آپ کے نزدیک ان علماء کبار کو ایسے سیاسی مسائل میں فتویٰ دینے کا حق تھا۔ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں؟

میرے بھائی اپنے کو حد سے زیادہ ذہین وفہیم اور دوسروں کو بالکل الو نہ سمجھیئے۔ کبھی ایک چیز غائب حاضر سے بہتر سمجھ لیتا ہے۔ میں جس چیز کو پورے غور وفکر کے بعد بحمد اللہ شریعت کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں جب تک اس بنیادی اصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو زوائد سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ لیکن طویل خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر ہر سطر کے جواب میں رسالہ لکھنا بحث کو ختم کرے گا۔ اس قسم کے شبہات جو نفس مسئلہ سے متعلق ہیں ان کے متعلق میں ایک تحریر مرتب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی کیونکہ ہر شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں۔ ایک آپ ہی کے خط کے ہر ہر لفظ اور سطر پر بحث کی جائے تو خاصی کتاب تیار ہو جائے۔

یہ چند سطور قلم روک کر لکھی گئی ہیں امید ہے کہ انہیں پڑھ کر قدیم تعلقات کی نسبت کوئی برا اثر نہ لیں گے اور اگر یکسوئی کی ساعتوں میں ٹھنڈے دماغ سے غور کریں گے تو کیا بعید ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے صحیح راستہ سمجھ میں آجائے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا قول ہے :۔

الصادق يتقلب في يوم واحد مائة مرة والمرائي يثبت على حالة واحدة مائة سنة.

(سچائی کا عاشق ایک دن میں سو مرتبہ بدل سکتا ہے اور ریاکار ایک ہی حالت پر سو برس تک جما رہتا ہے)

والسلام، العبد، شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ، ۲۹، ۱۹۴۵ء[۳۲]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ نمبر بارہ

مسلم لیگ سے جن خطرات کا اندیشہ کیا جاتا ہے اگر وہ پیش آئے تو اس کے ذمہ دار کانگرسی علماء ہوں گے۔ مسلم لیگ سے مضر اسلام قوانین کا اندیشہ کرنے والے کانگرس کی واردھا سکیم کو کیوں نہیں دیکھتے؟ مسلم لیگ میں اگر کچھ بے دین شامل ہو گئے تو کیا کانگرس خالص دین داروں کی جماعت ہے، جس کو بمقابلہ مسلم لیگ ترجیح دی جاتی ہے۔

مسلم لیگ میں اگر کچھ بے دین آج شریک ہیں تو وہ اس وقت بھی شریک تھے جب جمعیۃ العلماء ہند نے ۱۹۳۶ء میں اس کی شدومد سے حمایت کی تھی، جو چیز ۱۹۳۶ء میں جنت تھی، ۱۹۴۵ء میں جہنم کس طرح بن گئی؟ علماء کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا سوال زبسکو کے مقابلہ میں گاماں کو آگے لانے والی بات ہے۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی، لیکن جو آئینی جنگ لڑی جارہی ہے اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہیں۔ جب حضرت اشموئیل علیہ السلام نبی کی موجودگی میں طالوت کو اور حضرت ابوایوب انصاری کی موجودگی میں یزید کو امیر لشکر بنایا جاسکتا ہے تو کسی مفسر قرآن یا عالم کی موجودگی میں مسٹر جناح کو مسلمانوں کا قائد کیوں نہیں بنایا جاسکتا؟ مولانا آزاد اور دوسرے کانگرسی علماء جس لائن پر چل رہے ہیں وہ منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں۔ ان کی اور ان کے ہندو حلیفوں کی کامیابی دراصل ملت اسلامیہ کی غلامی اور بربادی ہے۔

مراسلہ نمبر تیرہ

مکتوب از مولانا منظور احمد نعمانی حضرت مخدومنا دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

خدا کرے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہو۔ یہ عریضہ ایک نہایت گہرے تاثر سے لکھ رہا ہوں امید ہے کہ غور سے ملاحظہ فرما کر جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔

- حضرت والا کو غالباً معلوم ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں جنرل انتخاب کے بعد جب کانگرس نے وزارتیں قبول کرلیں اور اس کے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیۃ نے جو راہ عمل اپنے صوابدید سے اختیار کی تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا اور جب اس پالیسی میں ترمیم وتبدیلی سے مایوسی ہوگئی تو جمعیۃ کے نظام سے بھی الگ ہو گیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کردی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔
- مسلم لیگ کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لئے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

○ لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین واخلاق کا جوخون ہو رہا ہے اور دیانت وآدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جارہی ہے اور شیطنت ودرندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانے پر امت میں فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر جو کچھ گزر رہی ہے۔ لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں۔ میں اپنے تاثر واحساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاج نبوی کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق وآدمیت کو خیرباد کہہ کر شیطان اور درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء وعلماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔

○ اخباری اطلاعات اور دیگر نجی ذرائع سے جو کچھ علم میں آتا ہے اور یہاں بریلی میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں اس کی بنیاد پر یہ بھی یقین پیدا ہو گیا ہے کہ شیطنت اور درندگی کا یہ فروغ اس وقت تک یک طرفہ سا ہے یعنی اس بارہ میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں وہ عموماً لیگ والوں میں ہی ہو رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ایسا نہ ہو یا کہیں اس کے برعکس بھی ہو۔ لیکن جہاں تک میرا علم ومشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ لیگی کیمپ ہی اس وقت دین واخلاق کا مذبح بنے ہوئے ہیں اور ظلم وعدوان اور غنڈہ پن کو انہوں نے اپنا ہتھیار بنا لیا ہے کہ جہاں وہ موقع مناسب دیکھتے ہیں اس ہتھیار کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔

○ ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو یہاں بریلی میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے۔ میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یکسو اور غیر متعلق ہوں اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سننی نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فساد مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اس کی تصحیح کر سکوں۔ میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کی

بجائے الگ ایک ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھ سکوں۔ پھر بدنصیبی نے جو کچھ دکھایا قلم سے یا زبان نے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ گالیوں اور بدتمیزیوں کا ایک عجیب وغریب طوفان تھا، معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین واخلاق ہی کو خیر باد کہہ کر آئے ہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اتار کے بھوت اور درندے ہو گئے ہیں۔ غدار کہہ کہہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آج کل کا عام فیشن ہے اس کا تو ذکر ہی کیا لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندگی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خالص حیوانیت اور شیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے ڈنڈے اور ہاکیاں دکھا دکھا کے جس اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں جس بے دردی سے سارے جلسے پر پتھراؤ کیا جس سے تقریباً ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی زخمی ہوئے اور جن میں سے بعض رات بھر بے ہوش رہے۔ جلسہ گاہ کے گرداگرد سڑک کاٹنے کے لئے پتھر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ صرف میرے قریب والے ایک ڈھیر سے پتھر اٹھا اٹھا کر جو لوگ بلا توقف اور مسلسل پتھر برسا رہے تھے ان کی تعداد میرے اندازے میں ۱۰۰ (سو) کے قریب ہوگی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ جلسہ کا کوئی آدمی بھی کیونکر صحیح وسالم رہا۔ بہر حال شیطنت اور درندگی کا یہ منظر جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا وہ کبھی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ حرکتیں کرنے والے صرف جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ اس کی قیادت کالجوں اور اسکولوں کے وہ تعلیم یافتہ اور وہ زیر تعلیم طلبہ کر رہے تھے جو اس وقت مسلم لیگ کی روح حیات اور اس کے جسم کا خون بنے ہوئے ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ مسلم لیگ اس طبقہ کا نام ہے۔ اس یورش کے کرنے والے کئی سو لیگی تھے جن میں غالب تر تعداد ان تعلیم یافتوں کی تھی۔ سب سے زیادہ تاریک اور اہل دین کے لئے قابل غور پہلو اس مظاہرہ کا یہ تھا کہ ان تمام گندگیوں کا نشانہ صرف مولویت اور ملائیت اور اسکے لوازم کو بنایا جا رہا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اس سارے لشکر کو اصل غیظ صرف مولوی اور ملا اور اسلامیت کے ان بچے کھچے نشانات سے ہے جن کا حامل اب بے چارہ مولوی رہ گیا ہے۔ پھر یہ سارا طوفان بدتمیزی کسی تقریر پر مطلق نہ تھا بلکہ صرف مولانا کی آمد پر اس انداز سے گویا استقبال کیا گیا تھا۔ تقریر کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔

اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا اور اب میں اس یقین کو با آسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کا مترادف ہے اور دین اور اہل دین کو جو نقصان اس اقتدار سے پہنچ سکے گا غالباً انگریز اور ہندو نہ پہنچا سکے گا۔ اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مثلہ بھی کرنا چاہیں گے اور اہل دین کو پھانسیاں بھی دیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ لگا کر اور غدار غدار کا شور مچا کر دیں گے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کر سکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کرے گی۔ انگریز یا ہندو کو کبھی یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالباً سر کا بھی خطاب رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو کہتا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس دن پالیسی بھی ہمارے ہاتھ میں جاویگی ہم آپ لوگوں اور آپ کے ان اڈوں کو ختم کر دیں گے اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریزوں یا ہندوؤں کے خلاف پیدا کر دیتے ہیں ہمارے خلاف پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ کر دیں گے کہ وہ آپ لوگوں کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہو چکا ہے۔

بریلی میں جس دن سے یہ ہنگامہ دیکھا ہے مجھے برابر ان صاحب کی یہ گفتگو یاد آتی رہتی ہے۔ جس دن سے بریلی میں یہ واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے میں دین اور اہل دین کے مستقبل کے بارہ میں سخت فکر مند ہوں۔

یہ واقعہ ہے کہ سیاسی و ملکی معاملات میں عدم توافق کے علاوہ یوں بھی مولانا مدنی سے میرا ایسا خاص تعلق نہیں جیسا ان کے خواص کو ہوگا۔ اس لئے میرے یہ تاثرات محض ان کی شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ معاملہ دین اور اہل دین کا ہے اور سب سے زیادہ ہمارے ان حضرات کی توجہ کا مستحق ہے جو لیگ کی حمایت فرما رہے ہیں۔ میرے نزدیک صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے کہ کبھی کبھی کسی بیان کے ضمن میں اس کے متعلق چند لفظ لکھ دیئے جائیں بلکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت کو محسوس کر کے اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے۔ ہمارے جو بزرگ لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ اتنا زیادہ کام عوام میں آ کر کریں کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متاثر ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے طبقے میں اپنی بے انتہا جدوجہد کی وجہ سے مدنی کو جو مقام حاصل ہے اگر آپ حضرات ایسی ہی بے تحاشا کوشش سے لیگ کی دنیا میں ایسا

ممتاز مقام حاصل نہیں کرتے تو آپ کی موجودہ طرز کی کاغذی حمایت کا نتیجہ ایک بدترین دشمن دین وانسانیت عنصر کو مزید قوت بہم پہنچانے کے سوا اس نیاز مند کے نزدیک تو کچھ بھی نہ ہوگا لہذا میں اپنی کمتریني کا پورا احساس کرتے ہوئے اتنا عرض کرنے کی جسارت کرنے پر مجبور ہوں کہ جناب والا یا تو مدنی کی طرح لیگ کے کام کے لئے کمربستہ ہوں اور کم از کم آنے والے صوبجاتی انتخابات تک جناب کے بھی مسلسل دورے ہوں تا کہ لیگ کی دنیا میں آپ کا اثر ورسوخ ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں امکانات پیدا ہوں اور شیطنت کا جو طغیان اس میں اٹھ رہا ہے اس کا انسداد ہو سکے۔ اور اگر طبع سامی اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو لیگ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ بیانات سے اس کی تائید کر کے اس کو تقویت پہنچائی جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس طرز کی حمایت کرنیوالے حضرات کو لیگی زعماء اپنے آلہ کار سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ان کی حمایت کو بھی مخلصانہ اور بے غرض نہیں سمجھتے۔ میں نے خاص تاثر کی حالت میں عریضہ لکھا ہے اور اندازہ ہے کہ اپنے منصب سے یہ میرا تجاوز ہے اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا بے اعتدالی سرزد ہو گئی ہو اس لئے استدعا معافی پر ختم کرتا ہوں۔ آخر میں پھر مکرر معروض ہے کہ امت اس وقت جس ابتلاء میں ہے اس کے لئے دعا بھی فرمائیں اور اصلاح حال کے لئے سعی بھی۔ والسلام

خادم مکم محمد منظور نعمانی، دفتر الفرقان بریلی ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ۔ [۳۳]

جواب از مولانا شبیر احمد عثمانی

مکرمی بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

○ یہ مایوسی امکانی جدوجہد اور استفراغ کے بعد ہوئی یا محض حالات کو دیکھ کر مایوس ہو بیٹھے۔ غالباً ۱۳۳۹ھ میں اجلاس جمعیۃ علماء ہند دہلی کے موقع پر یاد ہوگا کہ آپ نے قبل از اجلاس کچھ گفتگو مجھ سے کی تھی۔ مجھے بہت کچھ امید ہو گئی تھی کہ آپ جیسے لوگ وہاں میری ہمنوائی کریں گے۔ میں ورکنگ کمیٹی میں دو روز تک ان حضرات سے بحث کرتا رہا خیر اس میں تو آپ شامل نہ تھے پھر سبجیکٹ کمیٹی میں مسئلہ آیا آپ بھی اس میں شریک تھے۔ میں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ اس کی تائید میں آواز اٹھائیں گے۔ مگر میں نے دیکھا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی تقریر پر کوئی شخص نہ بولا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس کا بھی کوئی احساس آپ حضرات کو نہ ہوا۔

آپ آج لیگیوں کے جس طغیان و عدوان کا ماتم کر رہے ہیں اس کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علماء نے اپنے ہاتھوں سے اس وقت ڈالی جب انہوں نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی انتہائی حمایت شروع کی۔ اس کے بورڈ میں شامل ہو کر تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف گرمجوشی سے متوجہ کیا۔ پھر ۱۹۳۷ء میں جب لیگ طاقتور ہو گئی تو خدا جانے کن جھگڑوں میں پڑ کر اس سے علیحدہ ہو گئے اور ہندو قوم کی پیروی میں اس کے خلاف مستقل محاذ جنگ قائم کر دیا گیا۔

اصلاح حالات کی بہترین اور واحد صورت

حالانکہ اصلاح حالات کی اگر نسبتہً کوئی سہل صورت تھی تو یہی کہ عام مسلمانوں کو کثیر تعداد میں لیگ کا ممبر بنا کر آئینی اکثریت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی اور افہام و تفہیم یا معقولیت کے ساتھ نصیحت و فہمائش اگر موثر نہ ہوتی تو جمہور کی اخلاقی طاقت سے کام لیتے۔ جب ان سے کوئی چیز نہ ہوئی اور لیگ کا اثر بڑھتا گیا اور اس کے قائد کی پوزیشن نے کم از کم سلطان متغلب کی نوعیت اختیار کر لی تو ہم وہاں سے کٹ کر ہندو اکثریت میں مدغم ہو گئے۔

○ مگر کم از کم آپ کو یکسوئی سے پہلے مسلم لیگ کی سیاست پر کسی ماہر سے تبادلہ خیالات کرنا مناسب تھا اس کے بعد جو سمجھ میں آتا کرتے کیونکہ فی الوقت ملک و قوم کی سیاست ایک فیصلہ کن مرحلہ پر ہے۔

○ کیا چند شریر اور فتنہ انگیز اشخاص کا نام مسلم قوم ہے۔

○ مبالغہ کی حد ہو گئی۔ میرے بھائی محض سیاسی اختلاف کی بنا پر تو کبھی کبھی خون کی ندیاں بہ گئی ہیں اور غیر ضروری فروعی مسائل کی بحثوں میں بڑے بڑے آئمہ کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ ذلت انگیز اور اہانت آمیز ایذائیں پہنچی ہیں جن کو پڑھ کر صدیوں کے بعد بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ میں شیطنت بہیمیت اور درندگی کا جواز ثابت نہیں کر رہا ہوں اس قسم کے واقعات سن کر میرا دل بھی آپ سے کم متاثر نہیں صرف خبر اور معائنہ کا فرق ہے۔ لیکن تاثرات کے بیان میں اس قدر مبالغہ آپ جیسے ذی علم اور باخبر شخص سے بہت ہی حیرت انگیز ہے۔ آپ کے بیان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ گویا تاریخ اسلامی میں کبھی کوئی سانحہ اس کے برابر پیش ہی نہیں آیا۔ بے شک جو واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے گزرا نہایت رنجیدہ، ایذا رساں اور افسوسناک تھا۔ مگر میں گمان کرتا ہوں کہ بعض اسی نوعیت کے دوسرے واقعات کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو شاید اس سے کم اثر پذیر نہ ہوتے۔

وہ قصہ کسی کالج اور سکول کے طلبہ کا نہیں بلکہ ایک مشہور دار العلوم کے طلبہ کا ہے جس کے آپ رکن بھی ہیں۔ اس دار العلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق و روحانیت کا مرکز ہے جہاں بخاری کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔ بریلی میں جن شریروں نے یہ حرکات کیں وہ مولانا کے مرید یا شاگرد نہ تھے اور اپنے زعم میں یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلم قوم کو ہندوؤں کا دائمی غلام بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ مولانا الیکشن کے سلسلے میں دورے کر رہے ہیں وہ ہی مضامین یہاں بیان کریں گے۔

لیکن دار العلوم کے طلبہ نے اس شخص کے حق میں وہ حرکات کیں جو ادارے کا صدر اور ان کے اکثر استادوں کا بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد تھا۔ فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ کارٹون بنا کر لگائے جنازے نکالے اس پر لکھا کہ ابوجہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ پندرہ طلبہ نے قتل کے حلف اٹھائے۔ محلے کی مسجد کے اندر دیوار پر لکھا اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیونکہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھتا ہے۔

نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے استاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے اور ایسے نالائق مفسدوں کی پرزور حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی۔ جس کے ایک رکن اب آپ بھی ہیں۔ کسی کی زبان سے حرف ملامت بھی نہ نکلا حالانکہ وہ ان کے کنٹرول میں تھے۔

ہمارا کنٹرول کالجوں کے طلبہ اور عوام پر کیا ہے پھر بھی ہم نے سخت ترین الفاظ میں ملامت تنبیہ اور اظہار بیزاری تو کیا افسوس آپ کی نظر کبھی اس طرف ملتفت نہیں ہوئی۔ یہ سب کچھ اس جماعت کی طرف سے ہوا جو دنیا کی ہادی بننے والیصل ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو علماء کی ان حرکات سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ہوگا۔

○ مگر یہ طوفان لایا ہوا کس کا ہے۔ اس کے اصل اسباب پر غور کیجئے جن کی طرف ہلکا سا اشارہ شروع خط میں کر چکا ہوں۔

○ یہ آپ کی حد سے زائد بدگمانی کلمہ گو مسلمانوں کے ساتھ ہے یا حد سے زائد حسن ظن ہندو یا انگریزوں کے ساتھ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ پھر اس مسئلہ کا حل آپ کے نزدیک کیا ہے کیا یہی کہ بڑے بڑے علماء اور کام کرنے والے لوگ مشرکین اور کفار مجاہرین کے ساتھ مل کر لیگ کے خلاف محاذ بنائیں۔ اس کے نتیجہ میں دس کروڑ

فرزندان اسلام کو ہندو اکثریت کا دائمی غلام بنائے رکھیں۔ اور دوسری طرف غیظ و غضب اور نفرت و عداوت کی اس آگ کو بیش از بیش مشتعل کرتے رہیں جو سیاسی اختلاف کی بناء پر نئی نسل اور پرانی روشنی والوں میں خوب بھڑک چکی ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ علماء کی موجودہ روش سے اب مسلم لیگ یا مسلم لیگ والے ختم ہو جائیں گے۔ یا آئندہ حکومتی اقتدار ان کی جگہ انگریز یا ہندو ہمارے علماء کے سپرد کر دیں گے اگر یہ تصور ہے تو خوش فہمی کی انتہا ہو گئی۔ اگر غور کرو گے تو ان مشکلات کا حل بجز اس کے کچھ نہیں جس کی طرف میں اوائل تحریر میں اشارہ کر چکا ہوں کہ کانگرس کے رحم و کرم پر پڑے رہنے کی بجائے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر سب مل کر قبضہ کر لیں اور فاسد عناصر سے اس کو صاف کر دیں اور اصلاحی اور ارتقائی دونوں قسم کی مساعی جاری رکھیں۔

○ آپ کے وہ کون کون ذی اثر بزرگ لیگ میں شامل ہیں۔ ایک چنا تو بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا۔ یہ مشورہ ان حضرات کو بھی دیجئے جو اپنی بے انتہا جدوجہد سے دوسری طرف خاص مقام حاصل کر چکے ہیں کہ وہ مع آپ کے ادھر آ جائیں تا کہ سب سے اتحاد کے کایا پلٹ ہو سکے۔

○ ہر شخص اپنی وسع اور طاقت کے موافق ہی کام کر سکتا ہے اور اگر اللہ چاہے تو کسی ضعیف و معذور کے تھوڑے سے کام میں بہت برکت دے سکتا ہے۔ پھر جب کوئی شخص عوام میں بے اثر ہے اس کی معمولی سی ایک آدھ تحریر سے مولانا مدنی کے طوفانی دوروں کے بالمقابل کیا خاص فائدہ لیگ کو پہنچ سکتا ہے اور اگر یہ معمولی تحریر عوام پر کچھ موثر ہے تو آئندہ کوئی اصلاحی قدم بھی انشاء اللہ ایک درجہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔ پھر آپ بھی تو محض کاغذی نصیحتوں پر قناعت نہ کر کے اس میدان میں تشریف لائیں۔

○ آپ ایک سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ لیگ کی حمایت و تقویت کا ذکر کرتے وقت یہ پیش نظر نہیں رکھتے کہ تقویت و حمایت مشرکین و کفار مجاہرین کے مقابلہ پر ہے۔ خوارج کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ یمرقون من الدین کما یمرقون السهم من الرمية اور لئن ادرکتم لا قتلهم قتل عاد و ثمود اور انهم کانوا مسلمين ثم صاروا کفارا۔ (وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کیطرح ان کو تباہ برباد کروں گا وہ مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے۔)

ان کے دوسرے عقائد وفضائح کو چھوڑ کر شامی کے ان الفاظ پر غور کیجئے۔

یستحلون دماء المسلمین واموالھم ویکفرون الصحابة (وہ مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ کو کافر کہتے ہیں)

ان خوارج کو اگر مشرکین سے قتال کی نوبت آئے تو امام محمد لکھتے ہیں کہ اہل حق کے لئے ان کی اعانت وامداد کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ بہر حال اصل کلمہ اسلام اور اثبات اصل طریق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جو علت بیان کی گئی ہے وہ یہاں موجود ہے۔ پھر امام محمد نے یہ بھی شرط نہیں لگائی کہ اعانت جب صحیح ہے جبکہ اہل حق کا اس سے غلبہ حاصل ہوتا ہو۔ اس مسئلے کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے گا انشاء اللہ اسی قدر خلجانات سے نجات مل جائے گی۔

○ اگر لیگی زعما ہمیں کچھ نہیں سمجھیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو نہ سمجھا کریں۔ کیا ہم نے اس لئے کوئی کام کیا ہے کہ وہ قدر کریں اور ہم کو مخلص سمجھیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کو خود غرض ہی سمجھتے ہوں۔ مولوی صاحب اخلاص اگر ہوگا تو اپنا اثر لائے بدوں نہ رہے گا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند، ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء، ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ۔ [۳۴]

خلاصہ بحث بضمن مراسلہ نمبر تیرہ

ہر شخص کو اپنی سیاسی رائے اختیار کرنے کا حق ہے۔ مسلم لیگ کی حمایت اگر جرم ہے تو اس کی پہلی مرتکب جمعیۃ علماء ہند ہے مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہونا اور جمعیۃ علماء ہند کا ہندو قوم کی پیروی میں مسلم لیگ کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔ کلمہ گو مسلمانوں سے آپ کی حد سے زیادہ بدگمانی اور ہنود ونصاریٰ سے بے جا حسن ظن بھی درست نہیں۔ بعض لیگی عناصر کی شکایت سے پہلے دارالعلوم کے طلباء کی حرکات کا بھی جائزہ لیں۔ علماء کے اقتدار کی یہ تدبیر غلط ہے کہ آپ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنالیں، جس کے نتیجہ میں دس کروڑ فرزندان اسلام دائمی طور پر ہندو اکثریت کے غلام بن جائیں۔ علماء کے اقتدار کی بہترین صورت یہ ہے کہ کانگرس کے رحم وکرم پر پڑے رہنے کی بجائے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر سب مل کر قبضہ کرلیں اور فاسد عناصر سے اس کو پاک کردیں۔ بحالت موجودہ مسلم لیگ کی تائید وحمایت مشرکین وکفار مجاہرین (ہندو کانگرس) کے مقابلہ میں کی جاتی ہے اعتراض کے وقت مقابلہ سے قطع نظر کرلینا بھاری غلطی ہے۔

مراسلہ نمبر چودہ

مکتوب از مولانا علی احمد صاحب

شریف ملاحظہ حضرت العلام حجۃ الاسلام رئیس المحدثین والمفسرین شیخ عثمانی دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

امابعد۔ گزارش بخدمت مخدوم اعلیٰ یہ ہے کہ احقر الخدام نوعی خیریت رہ کر خیریت آنجناب بدرگاہ خداوند کریم شبانہ روز طالب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

دیگر دست بدستہ گزارش بخدمت اقدس یہ ہے کہ احقر بوجہ شامت اعمال خط خطوط دے کر از استفادہ مخدوم محروم۔ امید ہے کہ احقر کو یقیناً معاف فرمودہ از دعائے قلبی فراموش نہ فرمائیں اور مولانا محمد یحییٰ صاحب صدیقی کو منجانب احقر سلام مع الکرام (الاکرام) مقبول باد۔

اور دیگر عرض نیاز یہ ہے کہ آج کل دنیا میں جو جو جماعتیں اپنی صدر کی ماتحت کام کر رہی ہیں ان میں سے ایک مسلم لیگ جو مسٹر جینا کے تحت میں ہیں۔ دیگر جمعیۃ العلماء ہند جن کی صدر مولانا مدنی (مولانا حسین احمد) صاحب ہیں۔ لیکن آج دو چار روز گزر چکی کہ میرے مخدوم اعلیٰ جمعیۃ العلماء اسلام کی ہمیشہ کے لئے صدارت منظور فرما چکے ہیں۔ احقر یہ چیز جس وقت سنا اسی وقت سے نہایت ہجوم (ہموم) وغموم میں مبتلا ہے۔ صرف احقر نہیں بلکہ بنگال کی وہ علماء کرام جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیران ہیں۔ آپ حضرت والا سے دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت والا کی حالات تسلی وتشفی فرمائیں اور احقر کس جماعت میں شریک ہو۔ حضرت مخدوم اعلیٰ سے مشورہ طلب کرتا ہے کیونکہ دونوں پارٹی کے لوگ احقر کو مجبور کر رہے ہیں اور حضرت والا کے لئے جو تیل احقر نے ارسال خدمت کیا اس کی صرف بجائے درد گرم کر کے مالش کریں۔ اور حضرت والا کی حالات سے اطلاع فرمودہ بند مغموم ومہجور الوصال کو مشکور وممنون سازند اور اگر حضور فرما دیں کہ کسی جماعت یا پارٹی میں شریک نہ ہونا میرے لئے مفید ہے تو کسی میں شریک نہ ہوں گا۔ فقط

احقر علی احمد غفرلہ۔ [۳۵]

جواب از علامہ شبیر احمد عثمانی

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ خط پہنچا۔ الحمد للہ مجھے بہت کچھ صحت ہے۔ مرض کا خفیف اثر باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی زائل ہو جائے گا۔ یہ خبر سن کر کہ جمعیۃ العلماء اسلام نے مجھے مستقل صدر منتخب کیا خدا جانے آپ کیوں ہموم وغموم میں

پڑ گئے اور دوسرے لوگ کیوں حیران ہیں۔ اس کے مقاصد کیا برے ہیں اور اس کے موجودہ طرزِ عمل پر کیا اعتراض ہے؟

رہا مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء ہند کا مقابلہ وہ سرے سے بے موقع ہے۔ اصل مقابلہ لیگ کا کانگرس سے ہے۔ کانگرس یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے یا نہ ملے مگر اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ کہتی ہے کہ یہاں (ہندوستان میں) دو مستقل قومیں آباد ہیں۔ جس صوبے میں جس قوم کی اکثریت ہے وہاں وہ آزاد ہو اور دونوں قومیں آپس میں باعزت اور مساویانہ معاہدہ کر کے سارے ملک کی آزادی اور خوشحالی کا سامان کریں۔

اسی اصول پر مسلم لیگ الیکشن لڑ رہی ہے۔ یہ اصول بلا شبہ اصول و فروغ شریعت سے اقرب اور مسلمانوں کے حق میں احوط ہے۔ اس کے خلاف کانگرس میں کچھ مسلمانوں کا بلا شرط و معاہدہ منفرد اور منتشر طور سے شریک ہونا اس وقت مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے۔ بناء علیہ میں دریافت کرنے والوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس وقت شخصیات سے بے پرواہ ہو کر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیا جائے۔ اب جو مسلم جماعتیں کانگرسی نظریے کی حامی اور لیگ کے نظریئے کی مخالف ہیں خواہ وہ جمعیۃ العلماء ہو یا کوئی اور ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہے۔ لہذا اس کا بھی وہی حکم ہوگا۔ (والسلام)

شبیر احمد عثمانی از دیوبند[۳۶]

خلاصہ حاصل بحث بضمن مراسلہ نمبر چودہ

مسلم لیگ کا اصل مقابلہ کانگرس سے ہے نہ کہ جمعیۃ علماء ہند سے۔ لیکن جمعیۃ علماء ہند کانگرس کی پشت پر ہے اس لئے مسلم لیگ کو کانگرس کے ساتھ ساتھ جمعیۃ علماء ہند کا مقابلہ بھی کرنا پڑ رہا ہے۔ کانگرس یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے یا نہ ملے مگر ہندو اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ یہ کہتی ہے کہ یہاں ہندوستان میں دو مستقل قومیں آباد ہیں، لہذا ہندوستان کو مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے صوبون میں تقسیم کو دیا جائے۔ ہر دو حصے مکمل طور پر آزاد و خود مختار ہوں۔ اسی اصول پر مسلم لیگ الیکشن لڑ رہی ہے۔ یہ اصول اقرب الی الشریعت اور مسلمانون کے لئے مفید ہے۔ اس وقت کانگرس میں کچھ مسلمانوں کا بلا شرط و معاہدہ منفرد اور منتشر طور پر داخل ہونا مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند یا دوسری مسلم جماعتیں جو ہندو کانگرس کی حامی اور مسلم لیگ کی مخالف ہیں، ان کو ووٹ دینا در اصل کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہے۔ لہذا اس وقت شخصیات سے بے پرواہ ہو کر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیا جائے۔

نتائج واثرات

- مراسلات سیاسیہ تحریک پاکستان کا ایک اہم اور زرین باب ہے ان مراسلات سے پاکستان کی صحیح تصویر سامنے آ گئی اور نظریہ پاکستان اور بھی کھل کر سامنے آ گیا۔ مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ پاکستان کا مطلب ان صوبوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنا ہے جہاں حتی الوسع قرآنی عدل اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی نظام قائم کرنے کی سعی کی جائے گی۔
- مسلم قوم پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ جمعیۃ علماء ہند اور دیگر کانگرس نواز مسلم جماعتوں کی کامیابی دراصل ہندو کانگرس کی کامیابی ہے۔ ہندو کانگرس کی کامیابی میں ملت اسلامیہ کا عظیم اور دائمی نقصان ہے جس کے نتیجہ میں مسلم قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کی غلام بن جائے گی۔ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ جمعیۃ علماء ہند اور دیگر مسلمان جماعتیں ہندو کانگرس کی آلہ کار ہیں اور صرف مسلم لیگ دشمنی میں ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا محض ایک خیالی پلاؤ ہے۔ جس کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اس میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔
- علامہ عثمانی کے ان خطوط سے ان مسلمانوں کو جو گومگو، تذبذب اور کشمکش کی حالت میں تھے، صراط مستقیم نصیب ہوئی اور ان کے بے چین اور پریشان قلوب مطمئن ہو گئے۔ اب یہ مسلمان شرح صدر کے ساتھ تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کرنے لگے۔ مسلمانان ہند پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہو گا جہاں قانون سازی کی ساری طاقت مسلم اکثریت کے پاس ہو گی اور حکومت الہیہ کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ مسلمانان ہند اس بات کو خوب سمجھ گئے کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کی بقا و ترقی کا دارومدار مسلم لیگ کی کامیابی پر ہے۔ اس لئے الیکشن میں لوگوں نے شخصیات سے بے پرواہ ہو کر صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیئے۔
- مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ صرف مسلم لیگ دونوں دشمنوں انگریز اور ہندو سے بیک وقت آزادی و نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ صرف مسلم لیگ مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے لئے سفینہ نجات ہے۔ مسلمان ہر لحاظ سے ایک جداگانہ اور مستقل قوم ہیں۔ ہندو اور مسلم میں کوئی ایک قدر

بھی مشترک نہیں۔ مسلم لیگ کی قیادت پر مسلمان شرعی اور سیاسی حیثیت سے مطمئن ہو گئے اور مسلم رائے عامہ قیام پاکستان کے حق میں ہموار ہونے لگی۔

- علامہ عثمانی نے شرعی نقطہ نظر سے یہ ثابت کر دکھایا کہ قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے سکتے ہیں کیونکہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی سیاسی چالوں اور مکروفریب کو خوب سمجھتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کی ملت اسلامیہ کے واحد رہنما تسلیم کر لئے گئے۔ مسلم قوم نے انہیں اپنا نجات دہندہ قرار دیا اور ان کی قیادت میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحد ہو گئے۔ قائداعظم کی رہنمائی میں مسلم قوم نے صدیوں کا سفر دنوں میں طے کر ڈالا۔
- شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی کے ہر مراسلہ میں پاکستان اور نظریہ پاکستان کی تفصیل اور اسکے اطراف و جوانب کی ایسی وضاحت کی گئی ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان بھی پاکستان اور نظریہ پاکستان کی حمایت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لاریب مراسلات سیاسیہ اور علامہ عثمانی کی تحریروں نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگا دیا اور وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اہم خطبات

جس طرح مراسلات اور مکتوبات تاریخ میں بے حد اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اسی طرح خطبات کی تاریخی، سیاسی اور علمی حیثیت بھی مسلم ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے یہ خطبات تاریخ پاکستان کا نہایت اہم اور قیمتی سرمایہ ہیں۔

خطبہ ترک موالات

- یہ زبردست خطبہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے استاد شیخ الہند کی فرمائش پر لکھا تھا اور جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس دہلی میں ۱۹/۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو پڑھ کر سنایا، جسے سامعین بالخصوص علماء نے بے حد پسند فرمایا، اس پر تفصیلی بحث ہم پہلے ہی میں کر چکے ہیں۔

خطبہ/ پیغام کلکتہ کے اہم اقتباسات

- علامہ عثمانی کا یہ بے نظیر، روح پرور اور ایمان افروز پیغام خطبہ کی شکل میں کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۲۶۔۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پڑھ کر سنایا گیا۔ پیغام نے سامعین میں ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ مسلمانوں میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا اور ان کے جذبات تحریک پاکستان کے حق میں ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

- ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

اب اسلامی نقطہ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطر ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی سرزمین میں رائج کرنے کا التزام کرلیا ہے، وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا اس کا شرعی نام کافر ہوا۔

- دنیا میں گو سینکڑوں قومیں سہولت تعارف کے لئے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہیں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم ہو جاتے ہیں[۳۷]۔
- اس اساسی نقطہ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔
- بہرحال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو، جہاں سے اس کے قومی محرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے۔ بلکہ اس بے مثال قانون عدل و حکمت کا کوئی عملی نمونہ قائم کر کے دنیا کو وہ مشعل ہدایت دکھلا سکے جس کی آج ہمیشہ سے زیادہ دنیا کو ضرورت ہے۔
- یہ بھی اللہ کی عجیب قدرت و حکمت کی نشانی ہے کہ باوجود یہ کہ مسلمان اس ملک میں مجموعی طور پر دوسری اقوام سے کم تعداد میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمی کو ملک کے تمام صوبوں میں مساوی نسبت پر تقسیم نہیں کیا، بلکہ بعض صوبوں میں جو جغرافیائی حیثیت سے اہم بھی ہیں، ہم کو دوسروں کے مقابلہ میں اکثریت عطا فرما دی۔ یہ گویا قدرت کی طرف سے پاکستان قائم کر لینے کے امکان کی

طرف ایک غیبی اشارہ ہے۔ بہر حال اس کا نام پاکستان رکھو یا حکومت الٰہیہ یا اور کوئی کچھ مگر اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور اس کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت و اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

آج مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھیئے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گی۔

○ بلاشبہ مسلم لیگ اور اس کے قائد میں انسانی کمزوریاں ہیں لیکن جہاں تک میں اپنی بساط کے موافق اندازہ کر سکا ہوں مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آج کل کی سیاست کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہیں۔ پھر نہ وہ کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں اور کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتے ہیں۔

○ میں زمانہ دراز تک ان مسائل کے اطراف و جوانب پر غور کرتا رہا۔ فیما بینی و بین اللہ۔ سب اچھے برے پہلوؤں پر نظر کر کے آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہوگئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے زعمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصل قومیت کی حفاظت کے لئے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں اگر خدا نہ کردہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاءاللہ ایسے فاسد عناصر سے لیگ کو صاف کر کے دم لیں گے۔

○ میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے۔ ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے جب قفس کا دروازہ کھولیے قید سے نکل کر اڑ جانے کا خواہش مند ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گربہ مسکین گشت لگا رہی ہے تو قفس کا دروازہ کھلنے پر بھی بجائے باہر کے الٹا قفس کی تیلیوں میں چمٹنے لگے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں اصل زندگی ہی کا خاتمہ ہے۔

کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان آزادی کے طلبگار نہ ہوں؟ چنانچہ کانگرس کی طرح مسلم لیگ بھی آزادی کامل اپنا نصب العین رکھتی ہے۔ لیکن کچھ تو پہلے سے اور زیادہ شملہ کانفرنس کے بعد مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہندو کانگرسیوں کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ ان کی اکثریت میں ہم مدغم ہو کر آزادی کامل تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے۔

○ میری عرض یہ ہے کہ ایک مرتبہ سب مل کر لیگ کا پاکستانی راستہ اختیار کر کے دیکھ لیں۔ کیا بعید کہ سب مسلمان اگر مل کر اور ایک زبان ہو کر اسی چیز کا مطالبہ کریں تو اسی راستے سے منزل مقصود تک پہنچ جائیں[۳۸]۔

خطبہ صدارت میرٹھ کے اہم اقتباسات

○ یہ زبردست خطبہ صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء میں پڑھ کر سنایا۔ الیکشن کے موقع پر اس تاریخی خطبہ میں انہوں نے مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ وہ صرف اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دین۔ علامہ عثمانی کے اس خطبہ کا مسلم عوام پر زبردست اثر ہوا اور اس الیکشن میں مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی نصیب ہوئی۔ فرماتے ہی:۔

○ مجھے آپ کے ہاں نہ کوئی منصب چاہیے نہ تحسین آفرین نعرے۔ ایک اور صرف ایک ہی چیز مجھے مطلوب ہے کہ مسلم قوم وقت کی نزاکت اور سامنے آنے والے مسائل کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لے اور جو رکاوٹیں رستہ میں حائل ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے اور جس چیز کو حق وصواب سمجھ لے اس کی حمایت میں جان ودل سے سرگرم ہو جائے۔

○ موجودہ الیکشن میں جو نمائندے جائیں گے مستقل دستور بنانے میں انہی کا دخل ہوگا۔ اس لئے ووٹ ڈالنے والوں کو قرابت، پارٹی، لالچ، دوستی، تلمذ، پیری مریدی اور عقیدت وغیرہ کے تمام تعلقات سے قطع نظر کر کے اپنی عظیم ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہیے۔ آج شخصیتوں کی جنگ نہیں اصول کی جنگ ہے۔

○ اصل مقابلہ لیگ کا کانگرس سے ہے دوسری مسلم جماعتوں سے نہیں۔ لیکن کانگرس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو جماعت یا شخص مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہو، کانگرس اس کی حمایت اور امداد کرے گی۔ اس لئے مسلم لیگ قدرتی طور پر کانگرس کے ساتھ اس کی امدادی یا معاون جماعتوں اور اشخاص کا مقابلہ کرنے پر بھی مجبور ہوئی۔ کیونکہ یہ جماعتیں اس وقت جو کچھ کہہ رہی ہیں، وہ فی الحقیقت ہندو

اکثریت کے مطلب کی باتیں ہیں جو ان کی زبان سے ادا ہوتی ہیں۔ جدوجہد محنت ومشقت اور دوڑ دھوپ ان کی ہے اور اس کا میٹھا پھل آخر کار اسی ہندو قوم کو ملنے والا ہے[۳۹]۔

- اصل بنیادی اختلاف لیگ اور کانگرس میں یہ ہے کہ کانگرس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر قائم ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلم ایک قوم ہیں۔ اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ محض رائے شماری سے ہوتا ہو، تو دس کروڑ مسلمانوں کو اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ ہر جگہ ان کے رحم وکرم پر رہنا ہوگا۔
- مسلم لیگ کہتی ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ مستقل قومیں ہیں اور پیدائش کے وقت سے مرنے کے بعد تک ان کے نام، ان کے کام، ان کا عقائد، اعمال، عبادات، نکاح وطلاق، رہن سہن کے طریقے، غذائیں، تاریخی روایات، ہیرو، جذبات، تجہیز وتکفین، وراثت کے قاعدے غرض جملہ معاملات میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے بڑے سے بڑا اصاف ستھرا، پاک نفس، پاک باطن، عالم، متقی اگر اپنی انگلی ہندو کے برتن کو لگا دے جسے کتے چاٹ رہے ہوں تو ہندو اسے مٹی اور گوبر سے مانجھ کر صاف کرتا ہے اور اس چھوت چھات کے دور کرنے کی ادنیٰ ترین کوشش بھی انکا لیڈر نہیں کرتا جو اچھوت قوم کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔
- اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے۔ ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم وکرم پر کیوں رہے۔ خصوصاً وہ غیور قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے اور آج بھی وہ زمین کے ایک بہت بڑے حصہ پر حکمران ہے۔ اس لئے ہم کم از کم یہ چاہتے ہیں کہ آج کل کے اصول کے موافق جن صوبوں میں جس قوم کی اکثریت ہو وہاں اس کی آزاد حکومت ہو۔
- یہ نہ کریں کہ آپ اپنے بھائیوں سے خفا ہو کر دوسری قوم کی گود میں جا بیٹھیں کہ یہ چیز غیرت ایمانی اور شرافت انسانی دونوں کے خلاف اور اپنی قوم کے لئے سخت ضرر رساں ہے۔
- اب جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگرس کے ساتھ ملحق ہیں، ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔

- مسلم لیگ تنہا ان سب کے اجتماعی نظریہ کے بالمقابل کھڑی ہے۔ کیا ان حالات میں آپ پسند کریں گے کہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دے کر کانگرس کی صراحتوں اور حکومت برطانیہ کے سب سے بڑے نمائندے کے اشاروں کی تائید وحمایت کریں۔

- کیا واقعی آپ کے نزدیک ہندوؤں کو اس قدر بے قراری اور اضطراب اور درد اس کا ہے کہ گو ہمارا فائدہ ہے لیکن پاکستان بننے میں بیچارے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔ ہم اپنے فائدہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کا نقصان برداشت کریں۔ اسی لئے ہم لاکھوں روپیہ ان جماعتوں کی مدد پر خرچ کررہے ہیں جو پاکستان کی مخالف ہیں۔

- ان تمام صاف اور کھلی ہوئی باتوں کو سمجھ کر بھی اگر کوئی شخص مسلم لیگ کے مخالف ووٹ دیتا ہے تو وہ خود اپنے اور اپنی قوم کا انجام سوچ لے اور آخرت کی جواب دہی کی بھی فکر کرلے اس نے جان بوجھ کر اپنی قوم کو نقصان پہنچایا اور اسے کفار کی نظروں میں ذلیل اور رسوا کیا۔ بناء علیہ میں تمام ووٹ دینے والوں کو جو میرا مشورہ چاہتے ہیں پوری بصیرت سے اور غور وفکر کے بعد یہی مشورہ دوں گا کہ وہ بحالت موجودہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں اور اس کے خلاف کسی شخصیت اور کسی تعلق کی پرواہ نہ کریں۔

- مسلمان ہر چیز کو برداشت کرسکتا ہے لیکن وہ کتنا ہی گنہگار ہو یہ کبھی برداشت ہیں کرسکتا کہ دین اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا دیکھے یا ایسے لوگوں کی تائید کرکے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ بہر حال جمہور اہل اسلام کا دینی جذبہ کبھی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ دہریوں، بے دینوں، مرتدوں اور باطل پرست فرقوں یا اعلانیہ احکام دینیہ سے بے پرواہی برتنے والوں کی ہمت افزائی کریں یا ان کی بے دینی میں مدد کریں[۴۰]۔

- مسلم لیگ کا دروازہ چونکہ ہر مدعی اسلام کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت مذکورہ بالا گروہوں میں سے بعض کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے بہت سے دیندار مسلمان اس میں کشادہ دلی کے ساتھ شامل ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک سچا دینی جذبہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے۔ اور راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اس شش وپنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قدم اٹھایا۔ میں نے اپنی

قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور فکر کیا، اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے۔ بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے اور آپ جانتے ہیں کہ فقہ حنفی کا سارا دارومدار انہیں امام محمد کی تصنیفات پر ہے۔

- امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کے ساتھ ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں کیونکہ وہ اس وقت کفر کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کیلئے لڑ رہے ہیں۔
- اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار ومشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمہ، اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں۔
- اب تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح پہلے ۱۹۳۷ء میں آ چکے تھے اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اس چیز کی اصلاح کریں اور فاسد عناصر سے اس کو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں۔ نہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہو کر دشمن کے کیمپ میں شامل ہو جائیں۔ اگر آپ تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آ جائیں تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑے گا۔
- ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اصول کی تائید وحمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے۔ مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو بلکہ فرض کر لیجئے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے اس نے آج اختیار کر رکھا ہے تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اسے غلط کہنے لگیں۔
- حق کہنے والے کو اکیلا رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئیں گے جن کا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی

ہوں گے۔ بلکہ بعض وہ ہوں گے جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ معاذ اللہ حق پر نہ تھے۔

- قائداعظم محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء میں بمبئی میں عید الفطر کے موقع پر فرمایا تھا کہ :۔

مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوئے ہوتے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقع پر فرمایا تھا کہ :۔

قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت پناہ ملجا و ماویٰ اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں۔

اسی طرح کی نصیحتیں علی گڑھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ ستمبر ۱۹۴۵ء کی گزشتہ عید کے موقع پر انہوں نے فرمایا کہ :۔

ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرے تا کہ احکام الٰہی سے واقف ہو اور ان پر عمل کرنے سے دنیاوی معاملات میں خیر و برکت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔

- نواب زادہ لیاقت علی خان نے مسلم لیگ کی مجلس عمل میں اعلان فرمایا کہ :۔

پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام و اصولوں کے بموجب ہوگا۔

- پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو مابعد پاکستان کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف ان امور کا خوگر بنانا ہے جو زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہوں گے۔
- خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے عملاً قرآنی احکام کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کر دی تو موجودہ تحریک میں بے حد و حساب زور پیدا ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ عوائق و موانع اللہ کی مدد سے سب دور ہوتے چلے جائیں گے۔
- تمام ذمہ دار قائدین لیگ قرآنی احکام کی سراً و علانیتہً پابندی فرمائیں اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک

کوئی ایسا قانون بنائے جانے کی اجازت نہ دیں گے جو ہمارے پرسنل لاء اور شرعی معاملات کے بارہ میں علماء اسلام کے طے کردہ فیصلے کے خلاف ہو۔

- آپ پورے جوش، ولولہ، عزم اور استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیے۔[۴۱]

خطبہ صدارت لاہور ’’ہمارا پاکستان‘‘ کے اہم اقتباسات

- شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا یہ زبردست خطبہ صدارت لاہور ’’ہمارا پاکستان‘‘ جمعیۃ العلماء اسلام کی عظیم الشان صوبائی کانفرنس پنجاب منعقدہ ۲۵۔ ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء میں پڑھ کر سنایا گیا۔ صوبہ پنجاب کی تاریخ میں حضرت کا یہ خطبہ صدارت اپنی عظمت و رفعت اور اہمیت کے اعتبار سے سنہری الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس خطبہ صدارت میں علامہ عثمانی نے مملکت پاکستان کے تمام پہلوؤں، حدود، نظام حکومت، سیاست، معیشت، صنعت و حرفت، دفاع، تجارت، تعلقات خارجہ وغیرہ پر کھل کر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ علامہ عثمانی نے مملکت پاکستان کی حقیقت کا نقشہ الفاظ میں کھینچ کر رکھ دیا۔ مسلمانوں میں ایک نیا جوش و خروش، جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ صوبہ پنجاب کی فضا ایک دم مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں سازگار ہو گئی۔ آپ نے فرمایا:

- ’’میں آج زندہ دلان پنجاب کے ماحول میں اپنے اندر بھی ایک قسم کی زندہ دلی محسوس کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کے قلب و جگر سے جو صدائے حق بلند ہو گی اس کی گونج اخوت اسلامی کی عروق و شرائین کے ذریعہ بہت تیزی کے ساتھ تمام جسد پاکستان بلکہ ملک ہند کے اعضاء میں پھیل جائے گی۔

- یہ چیز بھی لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی جن کو لاہور کی سعادت مکشوف ہوئی وہ ہی بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی ’’قومیت متحدہ‘‘ اور نام نہاد دین الٰہی کے مقابلہ پر تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے ادھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چل کر جب قومیت متحدہ ایک دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الٰہی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ گرامی اور التفات خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہو گا جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہو گی، پھیلے گی، پھلے گی اور پھولے گی۔

- جداگانہ قومیت کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے جذر قلوب میں بطور ایک مفروغ عنہ مسئلہ کے مرتسم و متمکن ہے اور کانگرس کے چند سالہ شور وغل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا چنانچہ شیخ الہند کے آخری پیغام صدارت میں جو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی۔
- آج پاکستان جمہور مسلمانان ہند کے لئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر ان کے دلوں میں جذبات مسرت وابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف کو تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کر لے اور مطمئن ہو جائے کہ اسلامی نقطہ نظر سے وہ صاف، واضح، غیر مبہم اور بے غبار ہے تو اس کے حصول کے لئے اسے کوئی قربانی بھاری نہیں معلوم ہوتی۔ وہ آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا۔
- لیکن مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا ایسا موقع کہاں میسر تھا۔ آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز و مستقر کی ضرورت تھی۔
- اگر خداوند قدیر چاہتا تو ان ہی مٹھی بھر مظلوم و مجبور مسلمانوں کو ان سب پر غالب کر دیتا اور اس کے دشمنوں کو دفعتہً کچل کر تباہ کر ڈالتا۔ مگر حکمت الہیہ کا تقاضا یہ تھا کہ امت مرحومہ ہر قدم پر اس عالم اسباب کے محکم نظام کے ماتحت اپنے نبی سے سبق حاصل کرے اور زندگی کے ہر اک روشن یا تاریک دور میں اپنے مستقبل کی تعمیر کا کام سیکھے۔

کفار مکہ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اسلام کے پودے کی جڑ مدینے کی سرزمین میں انصار مدینہ کی آبیاری سے مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ تناور درخت بننے سے پہلے ہی اس کی جڑ نکال دی جائے۔

- امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس امت کا آخر بھی اس چیز سے درست ہو سکتا ہے جس سے اس کا اول درست ہوا تھا۔
- ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایسی بری طرح ہم کو کچلا گیا کہ مدت تک موت کی سی بے ہوشی سارے ملک

پر طاری رہی۔ کچھ افاقہ ہوا تو چاروں طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ مایوسی کے بعد حکومت کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کا دور آیا۔ پھر مدت کے دبے ہوئے جذبات کچھ ابھرنے شروع ہوئے۔ یہاں کے حاکموں نے جب دیکھا کہ موت کی نیند سونے والے کچھ کروٹیں بدلنے اور جھرجھری لینے لگے ہیں تو انہوں نے معروضات اور گزارشات پیش کرنے کا راستہ سمجھا دیا۔ مبادا یہ تازہ حرکت، اٹھتے ہوئے جذبات اور بیدار کن احساسات کے نکلنے کا کوئی دوسرا خطرناک راستہ اختیار کر لے۔ معروضات سے گزر کر اول نرم پھر گرم لہجہ میں مطالبات کا آغاز ہوا۔

- کانگرس کی ڈھائی سالہ وزارتوں میں جو دردناک، سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم مسلمانوں پر کیے گئے ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں نے آخر سمجھ لیا کہ جب ہندو کا نشہ حکومت وزارتی اقتدار میں اس قدر تیز ہے تو آزاد حکومت میں کیا کچھ نہ ہوگا۔

کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ فرزندان اسلام انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کے لئے قبول کر لیں۔

- مسلم لیگ نے آخر کار آپ کے اس تاریخی شہر میں دوٹوک فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہندو مسلمان دو الگ قومیں ہیں لہذا ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیے۔
- خوش نصیبی سے خود قدرت نے ہندوستان میں آبادی کی تقسیم ایسے نہج پر کر دی ہے کہ ہمارے لئے مروجہ اصول سیاست کے موافق ایسے خطہ کا حاصل ہو جانا ممکنات سے ہے۔ یعنی مسلم اکثریت والے صوبوں میں ایک ایسا مرکز قائم ہو سکتا ہے۔ جہاں آزادی حاصل ہونے پر مسلمان اپنے نیک عزائم اور قومی رجحانات کو فروغ دے سکتے ہیں اور وہ ایک ایسی طاقت حاصل کر سکتے ہیں جو نہ صرف ان مسلم صوبوں میں ان کی آزادی کی ضامن ہوگی بلکہ اپنی اس اقلیت کے تحفظات کا بھی اچھا انتظام کر سکے گی۔
- جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتۃً وبغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔ آخر مدینہ کا اعلیٰ پاکستان بھی تو اپنے عظیم الشان مرتبہ کے موافق بتدریج ہی حد کمال

کو پہنچا تھا۔ شروع میں مکہ سے خاص خاص صحابہ مدینہ تشریف لے گئے جنہوں نے سطح ہموار کی۔

- کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ بلکہ ممکن ہے کہ پاکستان کے طرز حکومت اور اس کے منصفانہ و فیاضانہ رویہ کو دیکھ کر خود ہندوستان یہ خواہش کرنے لگے کہ ہمارے ہاں بھی اسی پاکستانی نوع کی حکومت قائم ہو جائے۔

- کہا جاتا ہے کہ کانگرس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت حاصل ہوگا اور نیز یہ بھی کہ جو صوبے چاہیں وہ آل انڈیا یونین سے الگ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان ہی صوبوں سے مسلم لیگ پاکستان بنانا چاہتی ہے۔ جب ان کا حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا اور یہ بھی کہ جب یہ چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ پھر اب اس اصرار کی کیا ضرورت ہے کہ پاکستان کو ایک جداگانہ آزاد اور خود مختار اسٹیٹ کی حیثیت سے اس وقت تسلیم کیا جائے۔ مسلم لیگ یہ کیوں نہیں کرتی کہ اب کانگرس کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرنے کے لئے جدوجہد کرے اور جب ہندوستان آزاد ہو جائے تو مسلم اکثریت کے خود اختیار صوبوں کو آل انڈیا یونین سے الگ کرے۔

کانگرس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت ہوگا اور اگر وہ چاہیں تو تمام ہندوستان کی مرکزی یونین سے علیحدگی کا بھی۔ اس کے معنی ہوئے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان میں پہلے ایک یونین یا فیڈریشن کے ماتحت حکومت قائم ہوگی۔ اختیار حکومت برطانیہ سے اسی یونین کو منتقل ہوگا یعنی مجموعی طور پر پورے ہندوستان کو کامل یا زیر سایہ حکومت برطانیہ آزادی حاصل ہوگی۔ اس یونین کے ماتحت مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حق خود ارادیت حاصل ہوگا۔

- جب یہ ثابت ہو کہ مرکزی مداخلت مسلمانوں کو ان کی منشاء کے مطابق حکومت نہیں کرنے دیتی تب وہ مطالبہ کریں کہ ہم مرکزی وفاق سے الگ ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت صورت حال کیا ہوگی یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی کے حق کے نفاذ کی منظوری اور نفاذ مرکزی فیڈرل گورنمنٹ

کے اختیار میں ہوگا اور اس مرکز کے پاس فوج ہوگی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کے پاس جو داخلی طور پر خود اختیار ہوں گے فوج نہیں ہوگی۔ یہ فیڈرل گورنمنٹ مسلم اکثریت کے ان صوبوں کی ان وجوہ کو غلط قرار دے کر جن کی بنا پر وہ علیحدگی چاہیں گے اپنی عسکری قوت کے دباؤ سے مسلم اکثریت کے صوبوں کا یہ مطالبہ مسترد کر دے گی اور اگر وہ اس پر اصرار کریں گے تو فوج کے ذریعہ ان کی سر کوبی کی جائے گی۔

کانگرس نہیں کہتی۔ مسٹر گاندھی نہیں کہتے۔ اس کا کوئی ہندو لیڈر دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اسلحہ سے جنگ کر کے انگریزوں سے ہندوستان کا اختیار حکومت چھیننا چاہتے ہیں۔ کانگرس کی تمام جدوجہد اور تحریک ایک طرح کا آئینی ایجی ٹیشن ہے۔ سول نافرمانی بھی اس سے زیادہ نہیں کہ کانگرس کی ہر تحریک برطانیہ کی خدمت میں معروضات سے شروع ہوتی ہے۔ پھر لہجہ گرم ہوتا ہے یہ ہمیں تسلیم ہے مگر وہ ہوتا ہے معروضہ ہی اور ہر تحریک کا انجام بھی معروضات ہی پر ہوتا ہے۔ کوئٹ انڈیا یعنی تخلیہ ہند کا ریزولیوشن بھی مطالبہ ہی تھا۔ جو بات سخت لہجے میں کہی جائے وہ مطالبہ جو نرم لہجے میں کہی جائے وہ معروضہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ جاپان کی قوت کے بھروسہ پر تھا۔ کانگرسی حکومت برطانیہ سے اختیار مانگتے ہوئے جیل گئے اور اختیار مانگتے ہوئے جیل سے نکلے۔ ان کا یہ تنزل البتہ ساری دنیا نے دیکھا ہے کہ تخلیہ ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے گئے اور عارضی حکومت کے لئے انہوں نے شملہ میں لارڈ ویول کے قدموں پر سر رکھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے بزور دفع کرنے کا نہ ارادہ ہے اور نہ سامان ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو کامل یا نیم آزادی اگر ملنے والی ہے تو وہ انگریزوں کے دینے سے ملے گی۔ اگر یہ ہوتا کہ فوجیں بھرتی ہو رہی ہوتیں، اسلحہ اور سامان حرب کا انتظام ہوتا اور انگریزوں سے جنگ کر کے ہندوستان کی آزادی حاصل کی جاتی تو بلاشبہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ ایسے حقوق اور مفاد کے متعلق پہلے ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ یا پاکستان کا اصول تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ فوجوں کی تنظیم کرتے۔ زیادہ تعداد میں اور بہتر مسلم فوجیں اس کی ضمانت ہوتیں کہ ہندوستان میں مسلمان آزاد ہوں گے اور ہندو ان کے ساتھ ناانصافی نہیں کریں گے۔

○ جب صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان کو جو کچھ ملنے والا ہے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قانون سے ملے گا تو مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہندو اکثریت کو اس کا موقع دیں کہ ہندوستان کی خدمت کا اختیار و اقتدار اس کے حق میں منتقل ہو اور پھر مسلمانوں کو اس ہندو اکثریت سے معروضات کرنے پڑیں۔ اس کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا پڑے اور ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح حکومت برطانیہ ہندوستان کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ اس کی کون سی وجہ ہے کہ مسلمان یہ مطالبہ نہ کریں کہ پہلے ہندوستان کی تقسیم اور آزاد و خود مختار پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے اور جب برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو اختیار حکومت منتقل ہو تو ہندوستان کے دونوں علاقوں میں بیک وقت انتظامی عدالتی اور دفاعی و تحفظ کے نظامات قائم ہوں۔ اس صورت میں ہندوستان کی کیا مجال ہے کہ پاکستان کی آزادی سلب کرنے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ ہندوستانی انگریزوں سے کیوں آزادی حاصل نہیں کر سکتے کیا اس کے سوا کوئی دوسری وجہ ہے کہ انگریزوں کے پاس طاقت اور فوج ہے ہندوستانیوں کے پاس نہیں ہے اور برطانیہ کی طاقتور فوج کی موجودگی میں ہندوستانیوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی فوج بھرتی کریں اور اس کی تنظیم کریں۔

مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کو، جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی، ہندوستان کا اختیار حکومت دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اس کے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہ بے حیثیت کر دی جو برطانیہ کے مقابلے میں تمام ہندوستان کی ہے۔ آزادی کی حفاظت فوج اور اسلحہ جنگ سے ہوتی ہے، تعلیموں اور شیخیوں سے نہیں ہوتی۔

○ یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستر فیصدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں اور جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔ نیز ہماری صوبجاتی قلیل اکثریت جو آپ کے نزدیک غیر موثر اور نا قابل اعتداد ہے متحدہ حکومت کی صورت میں کس طرح موثر بن جائے گی جبکہ اوپر مرکز میں بھی ہم اقلیت میں ہوں گے۔ کیا کوئی عاقل اسے باور کر سکتا ہے کہ ہماری صوبجاتی تھوڑی سی اکثریت اس وقت تو کارآمد نہیں جبکہ اس

کے مرکز حکومت میں ہم ستر فیصدی ہوں لیکن جب وہ اکثریت ایک ایسے مرکز کے ماتحت آ جائے جہاں ہم ۴۵ فیصدی رہ جاتے ہیں تو وہ نہائیت محفوظ اور کارآمد ہو جاتی ہے۔

- رہا یہ سوال کہ قیام پاکستان کی صورت میں ان دو ڈھائی کروڑ مسلمانوں کا کیا بنے گا جو ہندو اکثریت کے ماتحت رہیں گے، تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اپنی اس اقلیت کی فکر ہے، ہندوؤں کو تین کروڑ ہندو اقلیت کے تحفظ کا کوئی احساس نہ ہوگا جو پاکستان میں آباد ہوں گی۔
- ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمانوں سے کٹ جانے کے مترادف نہیں سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستے میں جغرافیائی حدود بندی کوئی شے نہیں۔

— اب اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنے والے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں تو کیا کوئی فائدہ کی چیز نہیں؟

- آپ کو معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ کے معابد کو اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں لے گئے اور بے کس و بے بس مستضعفین کو بھی وہیں چھوڑنا پڑا۔
- اگر دارالحرب میں کفار ارکان دین کے ادا کرنے سے روک دیں اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو ایسے ملک سے ہجرت کرنا بشروطہا واجب ہے۔ فرض کیجئے ایسی صورت آج کسی ملک میں پیش آ جائے تو ہجرت کرنے والے مسلمان اپنے معاہد و معابد کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے یا غیر مستطیع مستضعفین کی وجہ سے ہجرت ترک کرنا ضروری سمجھیں گے۔

ایک مرتبہ کم از کم پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں۔ اگر ناکام رہے گا تو بھی یہ موقع تو ہر وقت حاصل ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں۔

- آپ نے یہ بھی خوب کہی کہ پاکستان ماننے کی صورت میں انگریز کی دائمی غلامی سب پر مسلط رہے گی۔ کیا آپ نے پڑھا نہیں کہ بار بار قائدین لیگ اعلان کر رہے ہیں کہ آج کانگرس مسلمانوں کا یہ منصفانہ اور صحیح مطالبہ تسلیم کر لے تو کل صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں کامل تعاون اور وحدت عمل کے ساتھ آزادی کی جنگ دوش بدوش ہو کر لڑیں گی بلکہ مسلمان اس میں پیش پیش رہیں گے۔

مطالبہ پاکستان کا انکار کر کے انگریز کو یہ موقع خود ہندو دے رہا ہے کہ ہم کو باہم ٹکراتا اور لڑاتا رہے۔ دونوں

قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپس کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کرنا سیکھیں گے۔

○ آج اگر تمام علماء و زعماء مل کر لیگ میں آ جائیں اور لاکھوں صحیح الخیال و صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں پھر اکثریت آپ کی ہو گی آپ ہر طرح کی اصلاح جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر کر سکیں گے اور نا قابل اصلاح ہونے کی تقدیر پر فاسد عنصر کو نکال باہر کریں گے۔ بہر حال ان مشکلات کا واحد حل یہی ہے۔ ورنہ کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہو گی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے"[۴۲]۔

○ کیا جمعیۃ العلماء نے موجودہ فارمولا کانگرس اور دوسری اقوام متعلقہ سے منظور کرا لیا ہے یا محض ہوا پر قلعہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ پہلے جمعیۃ علماء ہند اپنا فارمولا کانگرس وغیرہ سے تسلیم کرائے تب دوسری مسلمان جماعتوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ عجیب بات ہے کہ کانگرس میں دوسری اقوام غالبہ کی شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اس کی تائید کرنے کے لئے، جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے۔ گویا مشرکین کی بات پر تو ہم اعتبار کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔

کیا اس قدر واضح اور کھلے ہوئے حقائق کی موجودگی میں کوئی مسلمان بشرط سلامتی ہوش و حواس یہ گمان کر سکتا ہے کہ چند منفرد و منتشر مسلمانوں کا کانگرس میں شریک ہو کر مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنانا صحیح ہو گا۔

سب مسلمان یک دل و یک زبان ہو کر اپنا متفقہ مطالبہ حکومت اور کانگرس دونوں کے سامنے رکھیں تو کس کی مجال ہے کہ دس کروڑ فرزندان توحید کی پر قوت و پر ہیبت آواز کو یوں ہی بے اعتنائی سے ٹھکرا دے اور اگر ایسا ہو بھی تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے ٹھکرانے کے بعد وہ دنیا میں چین سے بیٹھ کر حکومت کرتے رہیں گے۔

○ یاد رکھیے مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے اس نے اپنی منزل مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس رستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علماء امت اور مشائخ طریقت نے مذہبی نقطہ سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑا اٹھایا ہے

اور وہ اپنے پیروؤں کو برابر یہ تلقین کر رہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی انتہائی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں۔ کیونکہ اس وقت یہ مسلمانان ہند کی موت وحیات کا مسئلہ ہے۔ ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو کے لئے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شاہنشاہیت کا آلہ کار بننے سے بچائے گا۔ ہم مسلماں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔

کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لئے ملی خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برطانوی راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے۔ لیکن ایسا ہونا قبیل محالات سے ہے[۴۳]۔

یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جوانمردی اور کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔

اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے برخود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا۔

o سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو۔ تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاءاللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا۔

- فی الحال تو ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز ہونی چاہیے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی قوموں پر ثابت کر دیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹروں کے قومی احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے۔

ہمارے احرار بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنوانے کی خدمت پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے۔

بہر صورت اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس معرکہ انتخاب میں حصول پاکستان کے پیش نظر مسلم لیگ کی آواز کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور موثر بنانے کی کوشش کریں۔

- حالات کا آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

- میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان باوجود پاکستان کے حامی ہونے کے کس نوعیت کا اختلاف مسلم لیگ سے رکھتے ہیں۔ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ایسے دقیق سیاسی اختلافات کا سمجھنا شاید میری دسترس سے باہر ہے۔ اخبارات و جرائد سے جو کچھ مجھے اندازہ ہوا وہ یہ ہے کہ اصولاً اختلاف زیادہ شدید قسم کا معلوم نہیں ہوتا مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھ دار اور با اثر ایسا نہیں جو اختلاف کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اوس و خزرج کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی ربانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا[۴۴]’’۔

خطبہ پشاور

علامہ شبیر احمد عثمانی نے سرحد ریفرنڈم کے سلسلے میں ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو کننگھم پارک پشاور میں غیوران سرحد کو ایک خطبہ دیا۔ جس میں انہوں نے صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ دینے کی اپیل کی۔ اس ریفرنڈم میں پاکستان کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی اور علامہ عثمانی کی کوششوں سے صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو گیا۔

خطبہ صدارت ورلڈ مسلم کانفرنس کراچی کے اہم اقتباسات

علامہ شبیر احمد عثمانی کا یہ تاریخی خطبہ صدارت ورلڈ مسلم کانفرنس کی موتمر کراچی منعقدہ ۲۰۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۸ء کو پڑھا گیا۔ علامہ عثمانی ورلڈ مسلم کانفرنس کے صدر بھی تھے۔ اس موتمر میں ۱۶ اسلامی ممالک، دس ہزار علماء، مفکرین اور مدبرین نے شرکت فرمائی۔ اس خطبے میں علامہ عثمانی نے عالم اسلام کو اخوت، اتحاد اور عظیم اسلامی بلاک کے تشکیل کی دعوت دی۔ علامہ کا اصل خطاب عربی میں ہے جس کا ہم ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

- پاکستان ایشیا میں ایک بڑی اسلامی سلطنت ہے جو اسلام کی تبلیغ کا اس سرزمین میں بہت زیادہ شوق رکھتی ہے اور جو اس کے بلند منصب کے لائق ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ پاکستانی دنیا میں پہلی جماعت ہے کہ جس میں سے اسلام خالص ہو کر نکلا اور اسلام کے نام پر یہ قوم وجود مین آئی اور اس امت میں اسلام کی روح پھونکی گئی۔ چنانچہ پاکستانی قوم اسلام کی قوت بنی اور اسلام کی روح بنی کہ ہم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔
- یہ موتمر اپنے اپنے اوپر اس امر کو لازم کر لے کہ سیاست میں آپس میں نہیں ٹکرائیں گے اور کسی صورت میں بھی ایسا اقدام نہ کریں گے جو کسی حکومت اسلامی کے منافی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ تخریبی قوتوں کے خلاف ڈٹ جائیں گے اور مددگار مخلص بن کر اسلامی حکومتوں کی دینی طور پر ان کے بلند مقاصد کی حقیقت کے مطابق مدد کریں گے[۴۵]۔
- موتمر کے ممبران اور مددگار تمام مسلمانوں کے متفق علیہا مسائل میں محدود رہ کر باہمی تعاون سے کام لیں گے اور ایسے نظریات سے بچیں گے جس میں زیادہ بحث اور اختلاف کرنا پڑے اور جو باہمی اختلافات پیدا کریں اور موتمر کے متفقہ فیصلوں لو پارہ پارہ کردیں۔
- ہمارے سامنے ایک تلخ حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام ایسی جماعتوں، تقریریں، طبقوں اور وضاحتوں میں مبتلا ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اسکے پیچھے کوئی عمل نہیں ہے اور جو امت اسلامیہ میں رہبروں اور علماء کے ساتھ بدگمانی اور نامیدی کے سوائے کوئی نتیجہ نہیں رکھتی۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی نہین رہی کہ امت اسلامیہ جس مصیبت میں مبتلا ہے اس سے اسکو کوئی چھڑا سکے۔ اس تلخ حقیقت کے بناء پر میں امید کرتا ہوں کہ موتمر کے اشخاص اپنے دلوں میں اس بات کو مضبوط کرلیں کہ وہ اس موتمر سے عملی نتائج کے بغیر خواہ وہ معمولی ہے، کیوں نہ ہو نہ اٹھیں حتی

کہ وہ محسوس کریں کہ انھوں نے اسلام کی کوئی خدمت انجام دی ہے اور مجھے بھروسہ ہے کہ یہ موتمر اللہ کی مدد سے کامیاب ہوگی اور اچھے نتائج پیدا کرے گی اور مسلمان اور اسلامی حکومتیں اطراف زمین میں اسکی مدد کریں گے کیونکہ یہ موتمر اس زمانہ میں اپنی نوعیت کی پہلی موتمر ہے۔[۴۶]

خطبہ عید الفطر ۱۹۴۹ء کے اہم اقتباسات

علامہ عثمانی نے یہ خطبہ یا پیغام پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے بعد عید الفطر ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء کے موقع پر مسلمانان پاکستان کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ خطبہ کیا ہے پاکستان میں خلافت اسلامیہ کے احیاء اور اسلامی نظام حیات کے نفاذ کا ایک خوبصورت پروگرام ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کی اس کرم گستری اور نعمت بخشی کا کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں صدیوں کی محکومی سے نجات دی اور ہر طرح کی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرما کر محض اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں قطعہ زمین پر اقتدار بخشا اور موقع دیا کہ ہم اپنی وہ دیرینہ آرزوئیں پوری کر سکیں جو اسلام کو سربلند اور زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما دیکھنے اور دنیا پر ثابت کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن رہی ہیں۔ اسلام اور حاملین اسلام کا غلبہ واقتدار عالم انسانی کے لئے کن کن فیوضات و برکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوشحالیوں کا حامل ہوتا ہے۔ یہ رحمت ایزدی کا کرشمہ ہے کہ ہم اغیار کے تسلط سے آزاد ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے مختار و کارفرما قرار پائے۔

پاکستان کی شکل میں ہمیں ایک خطہ زمین اس جنت ارضی کی تعمیر و تشکیل اور ان فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے مل گیا جو ہم پر خیر الامم ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم اچھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کے روحانی تصرفات کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ بارگاہ ایزدی سے عالم اسلام میں احیائے اسلام اور تجدید خلافت اسلامیہ کے لئے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا انتخاب ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے بخت کی فیروزمندی اور طالع کی ارجمندی کس قدر قابل رشک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ لطف و کرم ہندوستان کے بکھرے اور منتشر مسلمانوں پر پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنی غلام اور عاشق

علامہ اقبال نے ''نغمہ ہندی'' کے ساتھ حجازی لے میں پاکستان کی اسلامی مملکت کا تصور ملت کے سامنے پیش کیا عالم روحانیت اور عالم ملکوت سے پاکستان کی اسلامی سلطنت کا نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے ملت اسلامیہ کے قلب پر نازل ہوا۔

○ انگریز اور ہندو کے ناپاک عزائم کو دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ مسلمانوں کو استقلال اور آزادی حاصل ہوگی۔ لیکن بارگاہ ایزدی سے پاکستان کی جلیل الشان مشرقی اور مغربی حکومتوں کے قیام کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ محبوب رب العالمین کی دعائیں اپنی اُمت کے لئے مقبولیت سے سرفراز ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے اپنے حبیب پاک ﷺ کی امت کو عزت و اقتدار اور استقلال عطا کر رہا تھا۔ پھر اس کی رحمتوں کو روکنے والا کون ہو سکتا تھا۔ مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ۱۴ اگست کو رمضان المبارک کا جمعۃ الوداع اور لیلۃ القدر ہے۔ لیکن وہ فیصلہ بارگاہ ایزدی میں ہو چکا تھا اس کے مطابق یہ دن جمعہ کا مقدس دن تھا جس روز ملت اسلامیہ کو عید سے دو دن پہلے آزادی اور استقلال کی خداوندی نعمتیں عطا ہوئیں[۴۷]۔

○ الحمد للہ کہ پاکستان کی اسلامی مملکت قائم ہو چکی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کی مجلس دستور ساز میں قرارداد مقاصد بھی منظور ہو چکی ہے کہ یہاں قرآن وسنت کے ماحول میں اسلامی نظام حیات جاری کیا جائے گا۔ پاکستان کے قیام کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطہ اراضی مل جائے جہاں مسلم قوم کو قدرت حاصل ہو کہ وہ تمام وکمال اسلامی آئین وقوانین جاری کرے اور اللہ رسول کے دین کو غالب اور سربلند کرے۔ بعض مغرب زدہ لوگ جو اپنی اسلامی بصیرت کھو چکے ہیں اور خفاش کی طرح ظلمت سے نکل کر روشنی میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اوروں کا بھی راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ''چودہ سو سال کا معاذ اللہ فرسودہ نظام''[۴۸] اس نئی روشنی کی دنیا میں کہاں چل سکتا ہے۔ لیکن جو نئی دنیا طرح طرح کی روشنیوں کے باوجود کروڑوں برس کے فرسودہ شمس وقمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی تو چودہ سو برس کے قرآنی نظام سے اس کا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔ قرارداد مقاصد سے پہلے بعض لوگوں نے جو مسلمانوں کی قیادت کا دم بھرتے ہیں یہ بھی کہا کہ قرآنی نظام چلانے کے لئے ابھی ماحول تیار نہیں۔ لیکن قرآن جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا کی سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ ختم نہ

ہوتا۔ قرآن تو اپنے لئے ماحول بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے۔

- خواہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی اسلامی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔

- ہم ایک ایسی اسلامی مملکت تعمیر کرنا چاہیے ہیں جس کی بنیاد اسلام اور قرآن کے اصولوں پر رکھی جائے، جس کی تعمیر میں تقویٰ اور دین شامل ہو۔ ہاں ایک ایسی اسلامی سلطنت جو آگے چل کر خلافت راشدہ کے نمونہ کی مثالی حکومت بن سکے۔ ہم پاکستان کو اسلامی عدل وانصاف کا گہوارہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کو کرہ ارضی میں جنت ارضی بنانے کے آرزو مند ہیں۔ ہم پاکستان کے ذریعہ خلافت راشدہ کا قیام واحیاء چاہتے ہیں۔ ہاں ہم پاکستان ہی کے ذریعہ عہد صحابہ کے اسلامی اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حیات افروز اعمال کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ انشاءاللہ پاکستان کے ذریعہ ہی تمام اسلامی مملکتوں کا اتحاد اور خلافت اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

- برادران عزیز! آج عیدالفطر کے مبارک دن آپ کے قلوب نور ایمان سے لبریز اور اسلامی مسرتوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ لیکن آج کے مقدس دن ہم کشمیر کے مسئلہ کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ یہ نازک مسئلہ ناخن تدبیر سے سلجھ جائے لیکن اگر گرہ آسانی سے نہ کھل سکے تو پھر اسے کھینچ کھینچ کر توڑ دیا جائے۔ تالا اگر چابی سے نہ کھل سکے تو پھر ہتھوڑے سے اسے توڑنا ہی پڑتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ اگر ضرورت پیش آئے اور استصواب رائے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو پھر آخری صورت جہاد ہی کی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر کشمیر کو سلام اور پاکستان کے لئے حاصل کرنا ہے۔ ملت پاکستانیہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہے۔ پاکستان کی زندگی کے سرچشمے کشمیر میں ہیں۔ کشمیر کے بغیر پاکستان کی سالمیت خطرہ میں ہے[۴۹]۔

- آج عید کے دن ہم مہاجرین کی امداد اور ان کی آبادی اور بحالی کو بھی ملت کی سب سے بڑی اہم ضرورت خیال کرتے ہیں۔ حکومت پاکستان کے علاوہ ہر ذی استطاعت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی دولت اور ثروت میں مہاجرین کو بھی شامل کرے۔ ہر غریب اور مہاجر کے لئے رہنے کو گھر،

کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا مہیا کرنا ہماری حکومت کا جہاں فرض ہے وہاں ہماری ملت کے متمول طبقے کا اسلامی فرض ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری، ان کی نو آبادیاں قائم کرنے، مکانات تعمیر کرنے اور دیگر ضروریات زندگی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے۔ صدقہ، فطر، زکوٰۃ اور صدقات کا نظام اسی لئے قائم کیا گیا تھا کہ ملت کے تمام طبقات میں زندگی کے معیار کا توازن قائم کیا جائے دولت کی غلط تقسیم ہی سے کیمونزم اور دوسری ملحدانہ تحریکیں فروغ حاصل کرتی ہیں۔ جہاں معاشی ناہمواری کا دور دورہ ہوگا وہاں روسی اشتراکیت کے لئے گویا تیار میدان مل جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات بالکل فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا آ رہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کرسکتا ہے تو وہ اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر پاکستان عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرے سے بچانا چاہتا ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں لائیں۔

○ ہماری مملکت کی خوبی اور استحکام اور راز اسلامی نظام حیات کے نفاذ میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ پاکستان اسلام کے نام سے حاصل ہوا ہے اور اسی نام پر ہی مضبوطی کے ساتھ باقی بھی رہے گا[50]۔

○ عزیزان ملت! اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ دونوں پاکستانوں کو ایک مستحکم اسلامی مملکت میں مربوط رکھنے کا واحد ذریعہ صرف اسلام اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ ہمارے اتحاد ملت کی بنیاد کسی نسل، قوم، قبیلہ یا صوبے کی برتری پر نہیں۔ ہم نے (پاکستان) محض اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حاصل کیا۔ پاکستان کے دونوں حصوں کو فکر وعمل کے اعتبار سے متحد رکھنے کے لئے اسلامی اخوت[51] کا رشتہ ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کا نام ہی دونوں مملکتوں کو پاکستان کی اسلامی وحدت میں مربوط رکھے گا۔

افسوس کہ ہم نے علامہ عثمانی کے اس سبق کو بھلا دیا کہ صرف اسلام اور اسلامی اخوت ہی مملکت پاکستان کے دونوں حصوں کو مربوط اور متحد رکھ سکتی ہے۔ ہم پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے میں ناکام رہے نتیجۃً پاکستان کا مشرقی بازو، مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ اب بھی وقت نہیں گیا کہ ہم اسلامی نظام کو مملکت خداداد پاکستان میں نافذ کر دیں تا کہ اس ملک کے باقی حصے متحد اور اکٹھے رہ سکیں۔ اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو پھر اس باقی پاکستان کی سلامتی اور استحکام بھی مشکل ہو جائے گا۔

- اس بات کو فراموش نہ کیجئے کہ صرف اسلام کی روحانی قوت ہی سے پاکستان کے دونوں حصوں میں اخوت اسلامی کی برقی رو دوڑائی جاسکتی ہے۔
- پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے۔ پاکستان کا قیام ہی رحمت ایزدی کا ایک کرشمہ ہے اگر امریکہ کی اڑتالیس مختلف ریاستیں ”ریاستہائے متحدہ امریکہ“ کی شکل اختیار کرسکتی ہیں اور علم، دولت وثروت اور وسائل حیات کی فراوانی کے اعتبار سے عظیم طاقت حاصل کرسکتی ہیں تو اسلامی ممالک کا اتحاد تو امریکی اتحاد سے بھی زیادہ پائیدار بن سکتا ہے۔ لاہور سے مسجد اقصیٰ تک اسلامی ریاستوں اور اسلامی ممالک کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا گیا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ پاکستان کا قیام انشاء اللہ تمام ممالک اسلامیہ میں بین الملی اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس اتحاد سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا بھر میں پھر خلافت اسلامیہ کا احیاء ہوگا۔
- اے حضرات علماء کرام! یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی قسم کے نزاعات سے کنارہ کش ہوکر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد ویکجہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوجاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنالے۔ تعطل اور جمود اور کسل وبطالت کو چھوڑ دو۔ عمل صالح کے ہر میدان میں نکلو خدا ہماری مدد کرے گا۔

خطبہ صدارت ڈھاکہ کے اہم اقتباسات

یہ خطبہ صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی نے جمعیۃ علماء اسلام (پاکستان) کی ایک عظیم الشان کانفرنس ڈھاکہ میں ۹-۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو پڑھ کر سنایا۔ اس خطبہ میں قیام پاکستان کے اسباب اور مقاصد، مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز، دنیا کے امن اور نجات کا واحد راستہ، پاکستان میں قرآن وسنت کے مطابق دستور سازی اور اسلامی آئین کے نفاذ کے مبصرانہ، عالمانہ اور محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرارداد مقاصد اسی خطبہ اور کانفرنس کا نتیجہ ہے۔

- کیا کوئی شخص اس حقیقت کو جھٹلانے کی جرات کرسکتا ہے کہ صوبہ بنگال میں خصوصاً اور پورے برصغیر میں عموماً جمعیۃ علماء اسلام کے وجود میں آنے سے ایک دم ہوا کا رخ پلٹ گیا اور تحریک پاکستان نے وہ قبول عام حاصل کیا جس کی بدولت خدا کے فضل سے آج آپ اتنی بڑی آزاد اور ذی اقتدار مملکت کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ مسلم لیگ کی تحریک کو مکمل طور پر عمومی اور عوامی بنانے کا سہرا علمائے

اسلام اور مشائخ عظام کے سر ہے۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں فتح مبین ان ہی حضرات کی بدولت حاصل ہوئی۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ صرف صوبہ سرحد میں پانچ سو سے زیادہ علماء و مشائخ کو جیلوں میں جانا پڑا اور انہوں نے دوسرے لیڈروں سے زیادہ سختیاں برداشت کیں۔

○ ہم اس کوشش سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کے وہ دستور و آئین اور وہ نظام حکومت تشکیل پذیر ہو جس کی رو سے اس بات کا موثر انتظام کیا جائے کہ مسلم قوم اپنی زندگی اسلام کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق (جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں) مرتب کر سکے اور کوئی ایسا قانون، بل اور آرڈی نینس جاری یا نافذ نہ ہو سکے جو احکام اسلام کے خلاف ہو۔

○ بلاشبہ کسی قوم کے لئے ''آزادی'' بڑی بھاری نعمت ہے جس کیلئے میدان جنگ میں لاکھوں سپاہی کٹوائے جاتے ہیں۔ لاتعداد عورتوں کو بیوہ اور بے شمار بچوں کو یتیم بننا پڑتا ہے۔ کتنی بستیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ کتنے عزت والے ذلیل اور کتنے غلام آقا یا آقا غلام بن جاتے ہیں۔ ایسے ہولناک مراحل طے کرنے کے بعد کوئی کامیاب قوم عروس آزادی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ لیکن پاکستان کی تخلیق ایک عجوبہ روزگار ہے۔ جو ایک بدیع و غریب طریقے سے عمل میں آئی ہے، جس کی مثال شاید تاریخ کے آئینے میں موجود نہیں۔ یہاں آزادی پہلے آئی اور نہایت لرزہ خیز قربانیاں اس کی آمد کے بعد پیش کرنی پڑیں۔

یہ تحریک کوئی ابتدائی اور جارحانہ اقدام کی حیثیت سے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ نتیجہ تھا اس انتہائی ضد اور اصرار کا جو انڈیا کا چارج لینے والی قوم کی طرف سے دس کروڑ مسلمانوں کو ابدی غلام بنائے رکھنے کے لئے بڑی وحشیانہ ناانصافی اور سفاکی کے ساتھ اختیار کیا گیا اور نتیجہ تھا اس عیاری اور دسیسہ کاری کا جو ریٹائر ہونے والی حکومت نے تمام اسلامی عناصر کو ہمیشہ مفلوج اور پست رکھنے کے لئے بطور ایک نہ بدلنے والی پالیسی کے اختیار کر رکھی ہے۔

ہندو نے اس موقع کو خوب بھانپ لیا اور کانگرس کے ذریعے مصنوعی قومیت متحدہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔ یہ ایک ایسا تیر تھا جس سے بیک وقت دو شکار ہوتے تھے یعنی ایک طرف دونوں قوموں کی مشترک قوت اور مساعی سے انگریز کو شکست دی جائے اور دوسری جانب جمہوریت کے اصول پر جو کچھ ہاتھ آئے اس پر ہندو اکثریت کا قبضہ اور مسلمان کی دائمی بیچارگی کا جواز حاصل کیا جائے۔

الغرض دشمنوں کی کوشش یہ تھی کہ پاکستان کے پودے کو پورے نشو ونما سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے لیکن ''دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست''[۵۲]

یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت ایک معمولی سا حملہ بھی پاکستان پر ہو جاتا تو شاید اس کی ہستی ختم ہو جاتی۔ مگر حق تعالیٰ نے ایسے نازک ترین دور میں اس کی فوق العادۃ[۵۳] حفاظت فرمائی اور اس کے فضل و اعانت سے وہ چیز جس کی حیثیت اگست ۱۹۴۷ء میں ایک کاغذی دستاویز سے زیادہ نہ سمجھی جاتی تھی آج ۱۹۴۹ء میں ایک ٹھوس فولادی حقیقت بن کر سب کے سامنے ہے۔

○ بحمد اللہ اب ایک ایسا خطہ ارضی ان کو مل گیا جہاں مسلم کو یہ قدرت و مکنت حاصل ہے کہ وہ اگر تمام تر اسلامی آئین و قانون نافذ کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔ یہ ہی مکمل آزادی کی وہ قسط اول پہلی منزل اور بنیادی حقیقت ہے جس کا حصول اکھنڈ ہندوستان میں کسی طرح ممکن نہ تھا اور جس کی حفاظت ہر قیمت پر اہل پاکستان کے ذمہ ہے۔ آج قسط ثانی اور دوسری منزل ہے کہ ہم سب مل کر اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت قائم کرنے کی سعی کریں جس طرح اس کی تکوینی حکومت سارے عالم پر قائم ہے۔

اگر دوسری قسط کے وصول کرنے سے پہلے خدانکردہ پہلی قسط بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے تو اس سے بھی بڑی حماقت اور بدنصیبی ہوگی جس کے لئے ہم ہمیشہ آنے والی تاریخ کے سامنے مسئول رہیں گے۔

وقت آ گیا ہے کہ ذمہ دار حضرات اپنے مقدس وعدے پورے کریں اور مصائب کے طوفان سے نکلنے کے بعد اس نکالنے والے خدا کو نہ بھول جائیں اور ان مغضوب اور گمراہ لوگوں میں سے نہ ہوں[۵۴]۔

○ فلسطین ہمارا جزو ایمان، کشمیر ہماری رگ جان اور حیدر آباد ہمارے قدم عزو وقار کا نشان ہے۔ مگر آہ کہ وہ نشان انڈین یونین کی بظاہر فوجی نمائشوں اور بباطن عیارانہ سازشوں کی بدولت آج سرنگوں ہو چکا ہے۔ اس بیسویں صدی میں ابن العلقمی اور جعفر و صادق[۵۵] کے جانشینوں نے پھر ایک دفعہ اپنی تاریخی دہرائی سینکڑوں برس کی اسلامی مملکت کو بدون لڑے بھڑے چار دن میں کفار کے حوالے کر دیا اور اس طرح ملت دین اور وطن کے سامنے ایک نئی مصیبت کا پہاڑ کھڑا ہو گیا۔

ہماری نگاہیں کبھی برطانیہ کبھی امریکہ اور کبھی روس کی طرف اٹھتی ہیں، اگر نہیں اٹھتی تو اس ''نور جبین'' کی طرف

جو ہماری دائمی رہنمائی کے لئے "رب العرش العظیم" کی طرف سے مرحمت ہوا تھا۔

○ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جو کمیشن فتح وشکست کے اسباب کی تحقیقات کرنے کے لئے بیٹھا تھا اس نے اپنی تحقیق وتدقیق کے طور پر اس مادیت میں ڈوبی ہوئی دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا کہ آج بھی کوئی جنگ بڑے بڑے مہیب اور ہلاکت بار اسلحہ سے نہیں جیتی جا سکتی۔ فتح وکامیابی کا مدار فوجوں کے بلند حوصلہ، مضبوط کریکٹر اور بہترین ڈسپلن پر ہے۔

اگر قلت تعداد اور اسباب کے باوجود ہمارے لیئے فتح وکامرانی کی صورت ہے اور انشاء اللہ یقیناً ہے تو اس کا مدار صرف قادر مطلق کی نصرت پر ہے اور یہ نصرت واجداد مسلمانوں کو صبر وتقوی کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔

نہ بینالاقوامی انجمنوں ے کمیشن ہماری مسیحائی کر سکتے ہیں نہ محض ان قوتوں کے معاہدات موجب اطمینان ہو سکتے ہیں۔ جنھیں معاہدہ کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ہی پارہ پارہ کرنے میں باک نہیں ہوتا۔

○ میرے نزدیک تو ہمارے فوز وفلاح کا راز ان چار لفظوں میں مضمر ہے

(۱) صبر واستقامت (۲) تقوی وطہارت (۳) اتحاد ملت (۴) اعداد قوت حسب استطاعت۔

جس کا خلاصہ یہ ہے انفرادی واجتماعی زندگی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنا تعلق صحیح رکھا جائے تا کہ اس کی امداد ونصرت کے مستحق ہو سکیں۔ اس راہ میں بڑی سے بڑی سختیوں کو صبر واستقلال کے ساتھ کوہ استقامت بن کر برداشت کیا جائے۔ اور ساری ملت اسلامیہ متحد ویکجان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں[۵۶]۔

○ میں یقین رکھتا ہوں کہ بہت ہی سخت جھٹکوں اور زلزلوں کے بعد جن سے ابھی دنیا کو ایک ناقابل تصور انداز تک دوچار ہونا باقی ہے ایک وقت ضرور آئے گا کہ ساری دنیا ایک ہی نظام حکومت میں منسلک ہو کر رہے گی اور یہ اس وقت ہوگا جب دنیا سکون وامن کی تلاش میں ہر طرح کی ٹھوکریں کھا کر اور ہر طرح سے تھک کر اس ملک کے مالک اصلی اور حاکم حقیقی کی طرف رجوع ہوگی۔

خوب سمجھ لیجئے آج کا مسئلہ ملا اور مسٹر کا مسئلہ نہیں۔ نہ یہ جدت اور قدامت کی کشتی ہے نہ دیو بند اور علی گڑھ کا اکھاڑہ ہے۔ یہ تو خدا کے بندوں کے لئے سخت آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس نادر موقع سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیرہ سو برس کے بعد کس عزم ہمت سے دنیا میں قرآنی آئین اور اسلام کے فطری اصولوں

کے دوبارہ زندہ اور نافذ کرنے لے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

- ○ قرآن تو اپنے لئے خود ماحول بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے۔

اچھا اگر ان حضرات کو یہ ہی اصرار ہے کہ مریض کے تندرست ہونے کے بعد دوا کا بندوبست کیا جائے یعنی پہلے ماحول ٹھیک کرلو پھر اسلامی قانون جاری کریں گے تو اس کی بھی آسان اور موثر صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے اس ملک کے ارباب بست وکشاد بدون کسی قانونی دباؤ کے خوشدلی کے ساتھ اپنی زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھالیں۔ دیکھئیے اس کے بعد فضا کا بدلنا کیسا آسان ہوجاتا ہے۔ ورنہ یہ بات حیلہ بازی کے سوا کچھ نہیں کہ بیچارہ ملا تو فضا بدلنے میں لگا رہے اور ہمارے لیڈر اسے اور زیادہ خراب کرنے میں منہمک رہیں اور اگر فضا کے ناسازگار ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حلقہ اقتدار وحکومت کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں تو پھر ملت اسلامیہ کو غور کرنا پڑے گا کہ ملک کی زمام اقتدار آئندہ کن ہاتھوں میں رہنی چاہیے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کیا ذرائع اور وسائل استعمال کئے جائیں۔

اگر ساری دنیا میں خلافت عامہ قائم کرنے پر قدرت نہ ہو تو جس خطہ ارضی میں نظام اسلامی قائم کیا جاسکے اس کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔

یہ مطلب کسی کا نہیں تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک امیر یا ایک نظام حکومت نہ ہو۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک موثر اقدام اپنے گھر سے شروع کیا جائے اور پاکستان کی جدید مملکت میں اسلامی نظام کی بنیاد رکھی جائے جو وحدت اسلامی کی آخری منزل تک رفتہ رفتہ پہنچنے کے لئے ایک نمونہ اور زینہ کا کام دے سکے۔ ایک طرف ہم محدود علاقے میں اسلامی آئین وقوانین کا نفاذ کریں اور دوسری جانب اس کو وسعت دے کر سارے عالم اسلام تک لے جائیں۔

- ○ ہماری مشکلات کا واحد حل اور ہماری بیماریوں کا واحد علاج یہ ہی ہے کہ ہم اللہ کا کلمہ بلند کریں اور اس کے آئین کی برتری عملاً ساری دنیا پر واضح کردیں۔ جسکے فوائد وثمرات دیکھ کر غیر مسلم بھی پکار اٹھیں کہ ایسی خوشحالی اور ایسا امن واطمینان تو ہمیں اپنے تلک کی حکومت میں بھی حاصل نہیں۔
- ○ اسلامی آئین ونظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور متحضر ہوجائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنیوالا ہو، یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہوسکتا ہے۔

- میرے نوجوانو وقت ہے کہ تم ہمت اور اولعزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ اور ان ممسوخ زائفین کے فریب میں مت آؤ جو تم کو پھر اس غار کے اندر دھکیلنا چاہتے ہیں جس سے نکلنے کے لئے تم تحریک پاکستان کے وقت سے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ لامذہبوں اور نفس پرستوں کی اندھی تقلید کچھ قابل فخر نہیں۔ خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ و رسول کے سامنے سرخرو بنائے گا یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی[۵۷]۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی کی مسلم لیگ میں شمولیت، مراسلات سیاسیہ، آپ کے اعلانات، بیانات اور خطبات نے مسلم عوام میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اپنے دور کا سب سے بڑا عالم اب مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت کر رہا تھا۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ کو شرعی حیثیت سے اطمینان قلب نصیب ہوا اور مسلم عوام پورے جوش و خروش اور شرح صدر سے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے راستے کی ہر رکاوٹ کو روند ڈالا، صدیوں کا فاصلہ چند سالوں میں طے کر لیا، ناممکن کو ممکن بنا ڈالا اور دنیا کے نقشہ پر عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان جلوہ افروز ہو گئی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) برادران وطن سے مراد ہندو قوم ہے۔

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی، ''مراسلات سیاسیہ'' دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت، ن)، ص ۳۔۷؛ روزنامہ ''عصر جدید'' کلکتہ، مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۵ء

(۳) واردھا اسکیم، ودیا مندر اسکیم، دیہات سدھار اسکیم وغیرہ خالص ہندوؤں کی اسکیمیں تھیں جن کو کانگرسی حکومت کے دوران مسلمانوں پر لاگو کرنے کی کوشش کی گئیں۔ واردھا اسکیم مذہب اسلام کے بالکل منافی تھی ایک کانگرسی مسلمان ڈاکٹر ذاکر حسین واردھا اسکیم کے صدر تھے۔ اس سکیم کا آخری مقصد تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا تھا، جن کا کلچر، عقیدہ، اور اعمال ایک ہی طرح کے ہوں۔ جو تمام مذاہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ سب سچے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

(۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی، ''انوار عثمانی'' کراچی، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۶۶ء، ص ص ۱۳۸۔۴۲؛ روزنامہ ''عصر جدید'' کلکتہ، مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۵ء

(۵) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ص ۶۷۔۶۸

(۶) دوسرا مصرعہ یہ ہے۔ چوں بخلوت می روند آں کار دیگری کنند۔ ترجمہ:۔ یہ واعظ جو کہ محراب ومنبر پر جلوہ گری کرتے ہیں جب تنہائی میں جاتے ہیں تو دوسرا کام کرتے ہیں۔ (حافظ شمس الدین شیرازی مترجم مولانا قاضی سجاد حسین ''دیوان حافظ'' لاہور، فرید بک سٹال، (ت۔ن)، ص ۲۱۱

(۷) جلیل القدر صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ ۴۰ عام الفیل یعنی ہجرت نبوی سے ۳۱ برس قبل پیدا ہوئے۔ عقبہ اولی اور عقبہ ثانی کے درمیانی وقت میں اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ حافظ قرآن تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آپ سے ۱۵۰ احادیث مروی ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو مسجد نبوی کی تعمیر تک ان کے ہاں قیام فرمایا۔ مواخات مدینہ میں آپ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی بنائے گے۔ حضرت ایوب انصاریؓ نے عہد نبوی ﷺ کے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حجۃ الوداع میں آپ حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام عمر جہاد میں شریک رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں قسطنطنیہ کی مہم میں شرکت کی اور شہادت پائی۔ وصیت کے مطابق آپ کو قسطنطنیہ کے شہر پناہ سے متصل دفن کیا گیا۔

(۸) پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی، ''خطبات عثمانی''، لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ص ۱۲۱۔۲۲

(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی، ص ص ۷۰۔۷۱

(۱۰) محمد انوار الحسن شیر کوٹی ''انوار عثمانی'' ص ص ۱۸۲۔۸۴

(۱۱) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (۱۸۹۲ء لدھیانہ ۱۹۵۴ء) تعلیم دار العلوم دیو بند، مجلس احرار کے سرکردہ رہنما، کانگرس کے سرگرم رکن، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے سخت مخالف، ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں نمایاں کردار ادا کیا۔

(۱۲) اس فتوے سے مراد علامہ عثمانی کا پیغام کلکتہ ہے جو آپ نے کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کو ارسال فرمایا تھا۔ اس پیغام میں علامہ عثمانی نے مسلم لیگ کے پاکستان کی حمایت اور ہندو کانگرس اور جمعیۃ علماء ہند کے متحدہ ہندوستان کی مذمت کی تھی۔

(۱۳) محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" ، ص ۱۲۵

(۱۴) القرآن، سورہ الیوسف، پارہ ۱۲، آیت ۱۸ ترجمہ:۔ اور جو باتیں تم بتاتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے۔

(۱۵) علامہ شبیر احمد عثمانی "مراسلات سیاسیہ" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۳۴

(۱۶) محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ص ۱۲۶۔۲۷

(۱۷) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ۶۳

(۱۸) محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور ص ص ۱۲۸۔۲۹

(۱۹) چودھری خلیق الزماں (۱۸۸۹ء، اودھ ۱۹۷۵ء) تعلیم لکھنو یونیورسٹی، تحریک خلافت میں سرگرم کردار، رکن آل انڈیا کانگرس، قائد مسلم لیگ یو۔ پی اسمبلی، رکن آئین ساز اسمبلی ۱۹۴۶ء، صدر مسلم لیگ ۱۹۴۹ء، گورنر مشرقی پاکستان ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۴ء۔

(۲۰) ہندوستان کو آزادی اور اختیار دینے اور اس سلسلے میں اہم فیصلے کرنے کے لئے وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو تمام ہندوستانی رہنماؤں کی ایک کانفرنس شملہ میں منعقد کرائی، جس کو شملہ کانفرنس کہتے ہیں۔ یہ کانفرنس ناکام ثابت ہوئی اور کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ گاندھی نے کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح نہیں ہوسکتی۔ کانگرس تمام فرقوں کی نیابت کا دعویٰ کرتی تھی لیکن قائداعظم نے فرمایا کہ کانگرس صرف ہندوؤں کی نیابت کرتی ہے۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا۔

"ویول پلان کے آخری جائزے اور تجزیے میں ہم نے یہ پایا کہ وہ ایک جال اور ایک پھندا تھا۔ وہاں ایک اتحاد قائم تھا جس میں یہ سب تھے۔ گاندھی، ہندو کانگرس جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے لئے قومی خودمختاری قائم ہو، دوسرے جغرافیائی وحدت کے مبلغ لارڈ ویول اور گلینسی اور خضر حیات خان جو اس کے درپے ہیں کہ پنجاب کے مسلمانوں میں افتراق پیدا کریں۔ یہ اتحاد اس کے لئے کوشاں تھا کہ ہم کو دھکیل کر اس انتظام میں پھنسا دے۔ لارڈ ویول نے جو تجویز کیا تھا اگر ہم اس پر متفق ہو جاتے تو گویا ہم اپنے لئے موت کی سزا کے حکم پر خود ہی دستخط کرتے"۔ (سید حسن ریاض "پاکستان ناگزیر تھا" کراچی یونیورسٹی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، ۱۹۸۲ء، ص ص ۳۵۴۔۶۱) سید حسن ریاض نے مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ ۳۳۵ پر شملہ کانفرنس کے انعقاد کی تاریخ ۱۵ جون ۱۹۴۵ء لکھی ہے جو کہ درست نہیں۔ صحیح تاریخ اوپر بیان کی جاچکی ہے۔ ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار کراچی الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۸۷ ـــــ: جی الانا مترجم رئیس امروہی قائد اعظم جناح ایک قوم کی سرگزشت کراچی، فیروز سنز، ۱۹۷۶ء، ص ۴۴۵ ـــــ: رئیس احمد جعفری قائداعظم اور ان کا عہد حیات محمد علی جناح لاہور، مقبول اکیڈمی، (ت۔ن) ص ۵۵۹ "Chaudhry Muhammad Ali The Emergence of Pakistan" Lahore, Research Society of Pakistan, March, 1996, p.47.

(۲۱) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ص ۷۷۔۸۰

(۲۲) ایضاً، ص ص ۵۷۔۵۹

(۲۳) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "انوار عثمانی" کراچی، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۶۶ء، ص ص ۱۶۵۔۶۶

(۲۴) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ص ۵۰۔۵۱

(۲۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" ص ص ۵۳۔۵۴

(۲۶) قرآن مجید سورۃ الجاثیہ، آیت ۲۷، پارہ ۲۵، ترجمہ:۔ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ قرآن مجید، سورۃ آل عمران پارہ ۳، آیت ۸۳ ترجمہ:۔ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاروناچار اللہ ہی کے تابع فرمان ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

(۲۷) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ۵۵۔۵۷

(۲۸) سر ظفر اللہ خان (۱۸۹۳ء ضلع سیالکوٹ ۱۹۸۵ء) تعلیم سیالکوٹ، لاہور۔ ممبر پنجاب اسمبلی، مسلم لیگ کی نمائندگی پہلی گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء، جج فیڈرل کورٹ ۱۹۴۱ء، نمائندہ مسلم لیگ باؤنڈری کمیشن ۱۹۴۷ء، پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ، عالمی عدالت انصاف کے جج ۱۹۵۴ء، اور صدر ۱۹۷۰ء، مصنف ’’تحدیث نعمت‘‘

(۲۹) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’مراسلات سیاسیہ‘‘ دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ص ۱۴۔۱۹

(۳۰) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ’’خطبات عثمانی‘‘ ص ص ۱۴۵۔۴۹

(۳۱) رستم زماں گاماں پہلوان (۱۸۸۲ء، دینا۔ ۱۹۶۰ء) اصل نام غلام محمد، پہلی فتح بمقابلہ رستم ہند رحیم پہلوان، عالمی چیمپین شپ بمقابلہ زبسکو آف پولینڈ ۱۹۱۰ء، صدارتی تمغہ (پرائیڈ آف پرفارمنس) ۱۹۵۹ء کل ایک ہزار دو سو کشتیاں لڑیں۔

(۳۲) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ’’انوار عثمانی‘‘ کراچی، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۶۶ء، ص ص ۱۶۰۔۶۵

(۳۳) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ص ۲۰۔۳۳

(۳۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ص ۱۴۶۔۵۵

(۳۵) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ۶۴۔۶۵

(۳۶) ایضاً، ص ۶۵۔۶۶

(۳۷) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟ پیغام بنام موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ‘‘ دہلی، جید پریس، (ت۔ن)، ص ۴۔۶

(۳۸) علامہ شبیر احمد عثمانی، مرتب غلام مصطفیٰ انقلاب امرتسری مسلم لیگ کے اقتدار کو روکنے کے لئے جاتی کے خوفناک ارادے خطبہ جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ (پ۔ن)، ص ۳۔۶

(۳۹) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ‘‘ دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن) ص ۴۔۶

(۴۰) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں: خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ‘‘ لکھنو، حسن برقی پریس، (ت۔ن)، ص ۲۔۵

(۴۱) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ‘‘ ص ۱۱۔۲۳

(۴۲) علامہ شبیر احمد عثمانی ’’ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس لاہور، لاہور، ہاشمی بک ڈپو، (ت۔ن)، ص ۵۔۶۵۔

(۴۳) جمعیۃ کا فارمولا اس کے صدر مولانا حسین احمد مدنی نے پیش کیا تھا۔ اس فارمولا میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے پیچھے کوئی تحفظات اور گارنٹی نہیں۔ تاریخ کا فیصلہ یہ ہے کہ کمزور کے لئے کوئی تحفظ نہیں۔ اس فارمولا میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کا فارمولا چار نکات پر مشتمل ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

۲۔ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب وثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

۳۔ ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کامل کے حامی ہیں۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

۴۔ ہندوستان کا ایک وفاق ہو مگر وہ اس طرح مرتب کیا جائے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں وہ کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر مجبور نہ ہوں۔ مولانا حسین احمد مدنی ''تحریک پاکستان کا حقیقی پس منظر'' لاہور، ادارہ اسلامیات، مئی ۱۹۹۵ء، ص ص ۱۷۱۔۷۲۔۔۔۔؛ مولانا سید محمد میاں ''علماء حق'' مراد آباد، مئی ۱۹۴۸ء، حصہ دوم، ص ص ۱۶۲۔۶۵۔۔۔۔۔؛ ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان ''تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی وعلمی کردار'' کراچی، الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ص ۴۴۔۴۵۔۔۔۔۔؛ ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہان پوری ''شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی'' مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۶۔

(۴۴) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ۶۶۔۸۰

(۴۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ''تجلیات عثمانی'' ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ۵۸۰۔۸۱

(۴۶) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ''خطبات عثمانی'' لاہور، نذر سنز، ۱۹۷۲ء، ص ۲۷۳۔۷۴

(۴۷) ایضاً، ص ص ۲۷۹۔۸۲

(۴۸) یہ بات بالکل غلط ہے کہ پندرہ سو سال پرانا اسلامی نظام اس جدید دور میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔ قرآنی نظام حیات تو قیامت تک مسلمانوں کے لئے راہنما اور مشعل ہدایت ہے اور یہ ہر زمانے اور ہر قسم کے حالات میں مومن کی راہنمائی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہے۔ انسانی نظام کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قرآنی نظام حیات کیونکر اور کیسے فرسودہ نظام ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ان مغرب زدہ اور گم کردہ راہ مسلمانوں کو اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے۔

(۴۹) بحوالہ ''خطبات عثمانی'' ص ۲۸۲۔۸۷

(۵۰) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ۲۸۷۔۲۸۸

(۵۱) افسوس صد افسوس کہ ہم نے علامہ عثمانی کی اس نصیحت کو بھلا دیا کہ صرف اسلام اور اسلامی اخوت ہی مملکت پاکستان کے دونوں حصوں کو مربوط اور متحد رکھ سکتی ہے۔ ہم پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے میں ناکام رہے اور آخر کار پاکستان کا مشرقی بازو، مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ اب بھی وقت نہیں گیا کہ ہم اسلامی نظام کو مملکت خداداد پاکستان میں نافذ کردیں تاکہ اس ملک کے باقی حصے متحد اور اکٹھے رہ سکیں۔ اگر ہم ایسا نہ کرسکے تو پھر اس باقی پاکستان کی سلامتی اور استحکام بھی مشکل ہوجائے گا۔

(۵۲) بحوالہ ''خطبات عثمانی'' ص ۲۸۹۔۳۲۴

(۵۳) جس طرح قیام پاکستان اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے اسی طرح قیام پاکستان کے بعد بے پناہ مصائب کے باوجود اس کا باقی رہنا بھی ایک معجزہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔

(۵۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ۳۲۴۔۲۵

(۵۵) اسلامی تاریخ میں ابن العلقمی، جعفر اور صادق کی غداری مشہور ہے۔ ابن العلقمی خلیفہ عباس مستعصم باللہ کا وزیر تھا۔ میر جعفر بنگال کے حاکم سراج الدولہ کا وزیر تھا۔ میر صادق حیدرآباد دکن کے حاکم ٹیپو سلطان کا وزیر تھا۔

(۵٦) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور ص ۳۲٦-۲۹

(۵۷) بحوالہ 'خطبات عثمانی'' ص ۳۳۰-۴۴

باب پنجم

مکالمۃ الصدرین

تعارف

مکالمہ کے لغوی معنی گفتگو یا زبانی سوال و جواب کے[1] ہیں دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے درمیان گفتگو خواہ وہ نجی کیوں نہ ہو مکالمہ کہلاتی ہے۔

پس مکالمۃ الصدرین سے مراد دو صدروں کا باہم کلام کرنا ہے۔ سیاست حاضرہ پر یہ وہ عدیم النظیر، سیاسی اور تاریخی معرکہ آرا مکالمہ ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانی صدر جمعیۃ العلماء اسلام اور مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند اور دیگر اکابر ارکان جمعیۃ العلماء ہند کے درمیان ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمقام دیوبند علامہ عثمانی کے مکان بیت الفضل پر بروز جمعہ منعقد ہوا اور تقریباً سوا تین گھنٹہ جاری رہا[2]۔

سیاست کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند ۱۹۳۷ء کے بعد کانگرس کی ہم زبان تھی اور وہ کانگرس کے ضمیمہ اور ایک شاخ کے طور پر کام کر رہی تھی۔ ہندو کانگرس سے بلا شرط و معاہدہ اشتراک عمل کے باعث علامہ عثمانی اس سے پہلے ہی بیزار تھے اور علیحدہ ہو چکے تھے۔ علامہ عثمانی کانگرس اور جمعیۃ کے متحدہ قومیت کے نظریہ کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ مسلمانان ہند کے لئے پروانہ موت (Death Warrant) کے مترادف تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کے پرجوش حامی تھے۔ ان کے نزدیک ایک آزاد و خود مختار پاکستان ہی مسلمانان ہند کے مسائل کا واحد حل تھا۔ اسی وجہ سے علامہ عثمانی شروع ہی سے مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی طرف مائل تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کے پیغام کلکتہ اور مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت سے جو تمام ہندوستان میں غلغلہ بلند ہوا اس سے ہندو کانگرس کے محل میں بھونچال سا آ گیا۔ مسلم لیگ اور مسلم عوام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ جمعیتہ العلماء ہند بھی چونک اٹھی اور اس کے اکابرین میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آپ کے ایک پیغام اور چند اعلانات نے وہ کام کر دکھایا جو دوسرے لیڈروں کی برسوں کی تقریریں اور کوششیں بھی نہ کر سکیں تھیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور دیگر اکثر اکابر دیو بند ایک ہی دینی درس گاہ کے تعلیم یافتہ اور ایک ہی شیخ کے شاگرد تھے۔ اس لئے جمعیتہ العلماء ہند کے حضرات نے نیک نیتی سے اپنی جماعت کے افراد میں ہم آہنگی پیدا کرنی چاہی اور ایک وفد تشکیل دے کر علامہ عثمانی سے ملاقات کی تا کہ باہمی اختلافات دور ہو سکیں۔ اس ملاقات کی تحریک میں علامہ عثمانی کے ایک شاگرد اور جمعیتہ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی[۳] پیش پیش تھے۔

مولانا محمد طاہر احمد قاسمی نے اس گفتگو کو قلمبند کیا۔ اس مکالمے کو ''مکالمتہ الصدرین'' کا نام بھی مولانا محمد طاہر احمد قاسمی کا دیا ہوا ہے۔ مولانا محمد طاہر احمد قاسمی کا مرتب کیا ہوا یہ مکالمتہ الصدرین ۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کے شعبہ نشر واشاعت نے اسے مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا اور اس پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ تاہم مولانا محمد طاہر احمد قاسمی کے تحریر کردہ پیش لفظ پر ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء / ۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ کی تاریخ درج ہے۔ یہ نادر تاریخی کتابچہ قائد اعظم اکیڈمی، کراچی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

مکالمہ کی اہمیت

پاکستان کی نظریاتی اور سیاسی تاریخ میں یہ مکالمہ بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اپنی اہمیت کے اعتبار سے یہ مکالمہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس مکالمہ نے جدوجہد حصول پاکستان کے وقت علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر اکابرین جمعیتہ العلماء ہند کے درمیان مختلف نوعیت کے سیاسی مسائل کے اختلافی پہلو ایسے روشن کر دیئے کہ کسی تاویل وحیلہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس مکالمہ نے تاریخ پاکستان کے ایک طالب علم کو اس بات کا فیصلہ کرنے میں کوئی دقت باقی نہیں رکھی کہ دونوں جماعتوں میں سے کس کے کلام میں زیادہ وزن اور زور ہے اور کس کے دلائل ٹھوس اور زیادہ قرین حقیقت ہیں۔ علامہ عثمانی اور جمعیتہ العلماء اسلام، مولانا حسین احمد مدنی اور جمعیتہ العلماء ہند میں کونسی جماعت صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ کون کھڑا ہے اور ہندوؤں کے ساتھ

کون؟ یہ مکالمہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ ایک مومن کی اصل منزل اور مقصد حیات یعنی اسلام کی سربلندی اور خلافت اسلامیہ کا احیاء کس جماعت کے ساتھ چلنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا حکومت الٰہیہ کا قیام متحدہ ہندوستان میں ممکن ہوسکتا ہے یا کہ آزاد پاکستان میں۔ مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا بہترین تحفظ ہندو اکثریت کی حکومت میں ممکن ہے یا کہ مسلمانوں کی اپنی آزاد و خود مختار حکومت میں۔

اس مکالمہ سے دونوں جماعتوں (مسلم لیگ اور جمعیتہ علماء ہند) کے رجحانات قلبی و مضمرات باطنی پوری طرح ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ اس گفت و شنید نے متلاشی حق کے لئے بہت سی سہولتیں پیدا کر دیں۔ نیز اس مکالمہ سے نظریہ پاکستان کی صحیح تصویر اور حقیقی شکل آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

اکابرین جمعیتہ یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثانی کی سیاسی معلومات کم ہوں گی اور ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دیں گے اور مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق جس منزل کا انتخاب علامہ نے خلوص نیت سے کیا تھا، اس صراط مستقیم اور راہ حق سے علامہ کو ہٹا دیں گے۔ لیکن علامہ عثانی نے تن تنہا دلائل و براہین سے ان کو لاجواب کر دیا اور یہ لوگ ناکام و نامراد واپس چلے گئے اور پھر کبھی انہیں کی علامہ سے بالمشافہ گفتگو کی جرات نہ ہو سکی۔ یہ مکالمہ علامہ عثانی کی سیاسی قابلیت کا بہترین آئینہ دار ہے۔

مکالمہ کی نوعیت

نوعیت مکالمہ یہ تھا کہ کونسا راستہ مسلمانان ہند کے لئے مفید ہے اور کون سا راستہ ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ آیا متحدہ ہندوستان کا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے جو کہ جمعیتہ العلماء ہند اور کانگرس نے تجویز کیا ہے یا کہ آزاد و خود مختار پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اور جمعیتہ علماء اسلام اختیار کر رہی ہے۔ گفتگو کا نقطہ خیال یہ رہا کہ آیا مسلمانان ہند کے لئے مسلم لیگ میں شرکت کرنا اور پاکستان کا مطالبہ کرنا درست ہے یا کانگرس میں شریک رہ کر متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلم دونوں کی متحدہ حکومت قائم کرنا ان کے لئے مفید ہے۔ علامہ عثانی مسلم لیگ اور پاکستان کے علمبردار اور بقیہ حضرات کانگرس اور متحدہ ہندوستان کے طرف دار تھے۔

اکابرین وفد جمعیتہ العلماء ہند کی طرف سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے کہا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے اور یہ کہ نظریہ پاکستان مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے۔ ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہوسکیں گے اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔ مسلمانوں کی اکثریت ۷۴ فیصد غیر مسلم

اقلیت ہی کے عملاً تابع ومحکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ رہنے دے گی۔ ادھر جاٹوں کی قوم ہے وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔

علامہ عثمانی کی طرف سے جواب دیا گیا جب مسلم لیگ والے ایک متحدہ پاکستان بنانا چاہتے ہیں تب صوبہ جاتی، اعداد وشمار کی گفتگو بے کار ہے[5]۔

علامہ عثمانی کے استفسار پر وفد جمعیۃ کی طرف سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بتایا کہ پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد چھ کروڑ اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے۔ جمعیۃ کے فارمولا کے تحت متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ۴۰ فیصد مسلمان ۴۰ فیصد ہندو اور ۲۰ فیصد دیگر اقلیتیں ہوں گی[6] علامہ عثمانی نے ان ہی کے اعداد وشمار کو صحیح مانتے ہوئے سوال کیا کہ آپ کے فارمولے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوگا جس میں مسلمان چالیس فیصد اور غیر مسلم ساٹھ فیصد ہوتے ہیں اس کے برعکس مسلم لیگ کے فارمولے میں مسلمان ۶۰ فیصد اور غیر مسلم ۴۰ فیصد ہوں گے۔ اگر ہم ساٹھ فیصد ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فیصدی ہوتے ہوئے کیا کر سکیں گے۔

وفد جمعیۃ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات اور منطق ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کئے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ العلماء ہند کا مقدس فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کی سائڈ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اصل صورت یہ ہے کہ غیر مسلم سب ایک ہی شمار ہوں گے۔ الکفر ملة واحدة اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور ہونا چاہیے۔ وفد جمعیۃ نے آخر کار اس کو تسلیم کر لیا[7]۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان سے پھر کیوں اس قدر مضطرب وخائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت محض اس لئے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں۔ ان کا تو یہ کھلم کھلا اعلان ہے کہ جو جماعت یا شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا کانگرس اس کی ہر طرح سے امداد کرے گی اور یہ کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے۔ آخر یہ انتہائی مخالفت کیوں؟ وفد کی طرف سے اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہ

دیا جاسکا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔ علامہ عثمانی نے جواباً فرمایا میرے نزدیک تو ان کی مخالفت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ''انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اترنے نہ پائے اور مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔'' علامہ عثمانی نے کئی بار یہ بات ان سے پوچھی مگر وفد جمعیۃ کی طرف سے اس کا کوئی معقول جواب نہ دیا جاسکا۔ اس کے بعد وفد جمعیۃ کی طرف سے سوال کیا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا؟

علامہ نے فرمایا کہ ان کے لئے معاہدے ہوں گے۔ ان ہی معاہدات کے تحت مسلم اقلیت ان کے ہاں اور ہندو اقلیت ہمارے ہاں رہے گی اور ہر ایک کا ہاتھ ایک دوسرے کے تلے دبا رہے گا آخر اکھنڈ بھارت میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی؟

اس گفت وشنید سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مکالمے کے افراد میں سے کس کے کلام میں، کس کی گفتگو اور کس کے سوالات واعتراضات اور جوابات میں زیادہ وزن ہے۔ میرے نزدیک علامہ شبیر احمد عثمانی کے دلائل اور جوابات میں جو زبردست استدلالی قوت ہے وہ اور کسی کی گفتگو میں نہیں۔ جتنے خدشات پاکستان کے بارے میں اکابر جمعیۃ العلماء ہند دہلی کی زبان پر آئے ان کے جس قدر مناسب، تسلی بخش، مدلل، ٹھوس اور موزوں جوابات علامہ عثمانی نے دیئے ہیں، وہ علامہ کی کلامی قوتوں اور سیاسی بصیرتوں کے آئینہ دار ہیں۔ اس مکالمہ میں کوئی بھی شخص علامہ عثمانی کے مدلل اور ٹھوس جوابات کا جواب پیدا نہ کرسکا اور ان کو بار بار شرمندگی اٹھانی پڑی۔ علامہ عثمانی نے اپنے مسکت وحقیقت افروز جوابات سے وفد جمعیۃ کو لا جواب کردیا۔

اس مکالمہ سے علامہ عثمانی نے ثابت کر دکھایا کہ مسلمانان ہند کے لئے صرف اور صرف مسلم لیگ اور پاکستان کا راستہ ہی صاف سیدھا اور روشن ہے اور یہ کہ ان کو مسلم لیگ میں شریک ہو کر ہی فلاح وکامیابی نصیب ہوسکتی ہے۔ پاکستان ہی ان کے خوابوں کی تعبیر اور نجات کا واحد راستہ ہے۔

اس کے برعکس کانگرس یا جمعیۃ العلماء ہند میں شریک ہونے سے مسلمانوں کو خسارے اور نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان کی قومیت فنا ہوجائے گی۔ ان کے مذہب کا خاتمہ ہوجائے گا اور ان کا حشر وہی ہوگا جو سپین میں مسلمانوں کا ہوچکا ہے۔ برصغیر میں مسلمان اقلیت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہندو اکثریت کی غلام بن جائے گی۔

گفتگو کا محور

گفتگو کا محور متعین کرنے کے لئے علامہ عثمانی نے تین سوال کیئے :۔

○ جو فارمولا جمعیۃ العلماء ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے اس فارمولا کو آپ نے کانگرس سے منوالیا ہے یا نہیں؟ مولانا حفظ الرحمٰن کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی شرط منوالیں۔

○ آپ جو گفتگو اس وقت مجھ سے کرنا چاہتے ہیں وہ کس تقدیر پر ہے۔ آیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ انگریز حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے یا جا رہی ہے یا یہ مان کر کہ وہ ابھی موجود ہے اور سر دست جا نہیں رہی۔ گویا جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے؟ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے تسلیم کیا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریز حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اور جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے۔

○ تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب اس وقت چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت کوئی موقع ہی نہیں، نہ فی الحال اس کا امکان ہے نہ اس کے وسائل مہیا ہیں۔ اس وقت تو آئینی انقلاب ہی زیر بحث ہے[8]۔

اس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی نے بحث کا رخ متعین کر دیا اور فرمایا کہ اب کلام اس پر رہے گا کہ سر دست انگریزی حکومت کی موجودگی میں آئینی انقلاب میں کونسا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلماء ہند نے تجویز کیا ہے یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

اہم نکات کا تجزیہ

بحث کا آغاز مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی طویل تقریر سے کیا اور کہا کہ کلکتہ میں جمعیۃ علماء اسلام حکومت کی مالی امداد سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی اور جمعیۃ علماء اسلام کا مقصد جمعیۃ علماء ہند کے متوازی علماء کی تنظیم بنانا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے لئے نظریہ پاکستان سراسر مضر ہے۔ ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ''میں نے جو رائے پاکستان کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے جمعیۃ علماء اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں جمعیۃ علماء اسلام خود قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید

ہے''۔ علامہ نے فرمایا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ کو ہندوؤں سے روپیہ ملتا ہے۔ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے علامہ نے استدلال پیش کیا کہ اگر واقعی پاکستان مسلمانوں کے سراسر نقصان میں ہے اور اس میں ہندوؤں کا فائدہ ہے تو پھر ہندو پاکستان سے کیوں اس درجہ مضطرب و خائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کے مخالفت محض اس لئے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور ہندو کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں۔ ان کا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا کانگرس اس کی ہر ممکن امداد کرے گی۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے۔ علامہ عثانی نے واضح کیا کہ دراصل ہندو مسلمانوں کو دائمی غلام بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے اس اقرار کے بعد کہ پاکستان کا نعم البدل فارمولا جمعیۃ علماء ہند نے کانگرس سے نہیں منوایا کیونکہ وہ جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کچھ منوانا نہیں چاہتے، علامہ عثانی نے پاکستان کے قیام کی بنیاد پر روشنی ڈالنا شروع کہ اور فرمایا کی اگر پاکستان میں چھ کروڑ مسلمان اور تین کروڑ غیر مسلم ہوں گے جبکہ حقیقتاً یہ شرح سات کروڑ اور تین کروڑ ہے تو یہ مسلمانوں کے مفاد میں نہیں جبکہ جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کے مطابق آل انڈیا یونین جس میں چالیس فیصد مسلمان چالیس فیصد ہندو اور بیس فیصد دوسری اقلیتیں ہوں گی تو اگر مسلمان ساٹھ فیصد ہوتے ہوئے اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکیں گے تو چالیس فیصد کی صورت میں ان کے مفادات کا تحفظ کیسے ہوگا؟ جس اسمبلی میں ۶۰ فیصد غیر مسلم ارکان بیٹھے ہوں وہاں مسلمانوں کے حق میں کوئی فیصلہ کیسے ہوگا؟ اس پر وفد نے یہ موقف اختیار کیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ علامہ عثانی نے پاکستان میں مسلمانوں کی واضح اکثریت کے باوجود اس کی مخالفت اور عیسائیوں کو مسلمانوں میں شامل کرنے پر اظہار تعجب کیا۔

علامہ عثانی کو تناسب بیان کرتے ہوئے غلط فہمی ہوئی ہے، جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کے مطابق یہ تناسب ۴۵:۴۵:۱۰ ہے۔ تاہم اس سے علامہ کے استدلال پر کوئی حرف نہیں آتا۔ جمعیۃ کا فارمولہ حقائق پر مبنی نہیں ہے یہ فارمولا کاغذ کی ناؤ ہے، ریت کی دیوار ہے، ہوا میں قلعہ تعمیر کرنیوالی بات ہے۔ اگر یہ انہونی واقع بھی ہو جائے تو پھر بھی اس فارمولا میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔ اکثریت پھر بھی اکثریت ہے۔ جمہوری طرز حکومت جس میں ہر بات کا فیصلہ کثرت تعداد سے ہوتا ہے، اقلیت کبھی اکثریت نہیں بن سکتی۔ کیا ان کانگرسی علماء نے کانگرس کے صدر جواہر لال نہرو کا یہ اعلان نہیں پڑھا کہ مرکز کا دائرہ کار اگر محدود بھی ہو تب بھی اس کا بڑھتے رہنا ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر مرکز اپنا وجود ہی برقرار نہیں رکھ سکتا[9]۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپنا فارمولا کانگرس سے تسلیم بھی نہیں کروایا اور پھر بھی یہ مسلمانوں میں انتشار بپا کرنے اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ تاریخ سے یہ بات

ثابت ہے کہ کمزور کے لئے کوئی تحفظ نہیں۔ معاہدات وتحفظات کے پیچھے جب تک کوئی طاقت نہ ہو ان معاہدات و تحفظات کی کوئی ضمانت اور حیثیت نہیں ہوتی۔ جب مسلمانوں کو آزادی اور ملک باقاعدہ آئینی طریقے سے مل سکتا ہے تو مسلمانوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ پہلے ہندو اکثریت کے غلام بنیں اور ہندو اکثریت کو اس کا موقع دیں کہ ہندوستان کا اقتدار واختیار پہلے اس کے حق میں منتقل ہو۔ مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کا اختیار ہندو اکثریت کو دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اس کے مقابلے میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کر دے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔ پھر اس کے بعد مسلمانوں کو اس ہندو اکثریت کے سامنے مطالبات اور معروضات پیش کرنا پڑیں، اس کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا پڑے اور ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح حکومت برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اس کی کون سی وجہ ہے کہ مسلمان یہ مطالبہ نہ کریں کہ پہلے آزاد ومختار پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے اور پھر برطانیہ کی طرف سے پاکستان اور بھارت کو اقتدار واختیار منتقل ہو۔ بہر حال جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے میں مسلمانوں کی خیر اور فلاح نہیں اور یہ مسلمانوں کو ان کی اصل منزل پاکستان سے ہٹانے کی ایک چال اور سازش ہے۔

کانگرس کے حامی علماء کو مسلم لیگ کے قریب آنے میں جو سب سے بڑی دشواری حائل تھی وہ مسلم لیگ کے لیڈروں کا انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہونا اور ان کی لیگ پر زبردست گرفت تھی۔ اس کا حل پیش کرتے ہوئے علامہ نے وفد کو مشورہ دیا کہ آپ سب مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں، تین چار لاکھ رکن بھرتی کر ڈالیں اس سے آپ کا اثر ونفوذ بھی بڑھ جائے گا۔ مولانا احمد سعید نے جب اس طرف اشارہ کیا کہ اس صورت میں یہ راجے مہاراجے، نواب اور سر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنا لیں گے تو علامہ نے جواب میں فرمایا کہ عوامی طاقت ہمارے ساتھ ہوگی اس نئی لیگ کا حشر شفیع لیگ جیسا ہوگا جو ان کی رحلت کے ساتھ رحلت کر گئی۔ علماء شریعت کی بالادستی چاہتے ہیں تو مسلم لیگ میں شامل ہوں اور اس کی قیادت سنبھالیں۔

اس موقع پر برصغیر کی ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے رہنما قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جناح کبھی انگریز کا ایجنٹ نہیں بن سکتا، اسے کوئی خرید سکتا ہے نہ دبا سکتا ہے[10]۔ مفتی عتیق الرحمٰن کا یہ سوال کہ اس مرتبہ انتخاب میں آپ شرکت کر رہے ہیں جبکہ اس سے قبل آپ ہمیشہ سیات سے کنارہ کش رہے ہیں۔ علامہ عثمانی نے جواباً یہ دلیل پیش کی کہ اس انتخاب کی نوعیت پچھلے انتخابات سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا

مستقل دستور بنائیں گی۔ چونکہ اس انتخاب سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ آخر میں وفد کی اس خواہش کے جواب میں کہ آپ سیاسی سرگرمیوں سے ہٹ کر یکسوئی اختیار کر لیں۔ علامہ نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے اس معاملے میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔

کیونکہ ۱۹۴۵۔ ۴۶ء کے انتخابات برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھے۔ اگر اس وقت علامہ عثمانی کھل کر مسلم لیگ اور ملت اسلامیہ کی تائید وحمایت میں نہ نکلتے تو مسلمانوں کا بڑا نقصان واقع ہو جاتا اور سمجھا جاتا کہ آپ درپردہ یا بالواسطہ ہندو کانگرس کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس لئے علامہ عثمانی کسی تعلق کی پرواہ کئے بغیر کھل کر ہندو کانگرس اور کانگرسی علماء کے مدمقابل آ کھڑے ہوئے اور انتہائی شدومد سے ان کے باطل نظریات وعقائد کی مخالفت اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت شروع کر دی۔ پھر ایک عالم نے دیکھا کہ تمام مسلمان مسلم لیگ کی تائید وحمایت کراپنا مذہبی فریضہ سمجھنے لگے اور پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

مولانا مدنی کے اس سوال پر کہ نظریہ پاکستان انگریز کی تجویز ہے علامہ عثمانی نے ان کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیا کہ آج وائسرائے ہند لارڈ ویول کے نظریہ کہ ‘‘ہندوستان تقسیم نہیں ہو سکتا’’ کی حمایت کانگرس کر رہی ہے یا کہ مسلم لیگ۔ اس کے بعد مولانا مدنی کو مزید سوال کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ مولانا احمد سعید دہلوی کے اس نقطہ نظر پر کہ حضرت معاہدوں کو آج کل کون پوچھتا ہے۔ علامہ عثمانی نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ‘‘جب بلا معاہدہ آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہرحال اس سے قوی تر ہونی چاہیے’’[11]۔

مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر کانگرسی علماء اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اپنی گفتگو اور معلومات سے علامہ شبیر احمد عثمانی کو متاثر کر لیں گے۔ لیکن علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ دراصل تحریک پاکستان ہندو کانگرس کی بے جا ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کو دائمی غلامی بنائے جانے کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ہندو حقیقت میں مسلمانوں سے کوئی باوقار معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور ان کے وجود تک کے منکر تھے۔ وہ رام راجیہ حکومت کے قیام پر تلے ہوئے تھے۔ آخری چارہ کار کے طور پر مسلم مفکرین اور سیاست دانوں نے برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کا مطالبہ کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی بڑے غور وخوض، سوچ وبچار اور استخارہ کے بعد تحریک پاکستان میں شامل ہوئے تھے۔ ایک دفعہ تحریک پاکستان کی حمایت میں قدم اٹھانے کے بعد وہ اس فیصلہ پر چٹان کی طرح کھڑے تھے۔ علامہ کی تحریک پاکستان مین شمولیت اور جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کے بعد تحریک پاکستان میں بے حد وحساب

جوش اور جذبہ آ گیا تھا۔ مسلمان شرعی حیثیت سے مسلم لیگ میں شامل ہو رہے تھے اور تحریک پاکستان اپنی منازل بڑی تیز رفتاری سے طے کر رہی تھی۔ ہندو کانگرس اور کانگرسی علماء ہر قیمت پر علامہ کی جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت اور تحریک پاکستان کی حمایت سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر کانگرسی علماء کی یہ یلغار اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ تحریک پاکستان، پاکستان، مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف جتنے بھی الزامات سامنے لائے گئے۔ علامہ عثمانی نے ان تمام الزامات کے ٹھوس، مدلل، اور تسلی بخش جوابات پیش کیئے اور کانگرس علماء کو لاجواب کر دیا۔ یہ کانگرس علمای جو علامہ عثمانی کو قائل کرنے اوز متاثر کرنے آئے تھے خود متاثر اور لاجواب ہو کر گئے۔ اس ناکامی سے کانگرسی علماء کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی اور وہ مسلم عوام میں پہلے سے بھی زیادہ غیر مقبول ہو گئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے حقائق و شواہد کی روشنی میں ثابت کر دکھایا کہ پاکستان ہی برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لئے بہترین حل ہے۔ متحدہ ہندوستان کی صورت میں مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انگریز کے بعد ہندو قوم کے غلام بن جائیں گے۔

نتائج و اثرات

مکالمۃ الصدرین کا واقعہ تحریک پاکستان کے عظیم ترین واقعات میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے نتائج و اثرات بھی عظیم تھے:

○ یہ مکالمہ حقیقتاً مسلمانان پاک و ہند کے لئے ایک شمع ہدایت ہے جس سے ان پر روشن ہو گیا کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود، ترقی و خوشحالی، نجات اور استقلال کس راستے پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ علامہ عثمانی اور اکابرین جمعیۃ العلماء ہند کے اختلافات کم ہونے کی بجائے اور بھی کھل کر سامنے آ گئے اور علامہ عثمانی پہلے سے زیادہ شدومد سے تحریک پاکستان کی حمایت کرنے لگے۔ علامہ عثمانی نے دلائل و حقائق سے ثابت کر دکھایا کہ جمعیۃ کے فارمولا سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں، مسلمانان ہند پر واضح ہو گیا کہ صرف مسلم لیگ کا فارمولا ہی ان کے لئے راہ نجات ہے۔

○ علامہ شبیر احمد عثمانی علماء کے سرخیل تھے اور دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے۔ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کے سامنے وفد جمعیۃ علماء ہند کے دلائل کم پڑ گئے اور ان کو شرمندگی اٹھانا پڑی، مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ دونوں جماعتوں یعنی مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند میں سے کس کے کلام میں زیادہ زور، وزن اور استدلال ہے۔

- وفد جمعیۃ اور مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ غیر مسلم سب ایک ہی طرف شمار ہوں گے اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھ کر غور کرنا ہوگا۔ کیونکہ الکفر ملة واحدة۔ یعنی سب کافر ایک ہی قوم ہیں۔ ملت اسلامیہ پر واضح ہو گیا کہ متحدہ ہندوستان کی صورت میں مسلمان انگریز کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کے غلام بن جائیں گے۔ یہ وفد علامہ شبیر احمد عثمانی کو پاکستان اور اسلام کی خدمت اور جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت سے از رکھنے میں بھی ناکام رہا۔

- علامہ شبیر احمد عثمانی نے وفد جمعیۃ پر واضح کر دیا کہ میں نے مولانا آزاد سبحانی یا جمعیۃ علماء اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید وحمایت نہیں کی بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور پلیٹ فارم ہونا چاہیے اور علماء امت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہیے۔ شرعی حیثیت سے اس وفد کو علامہ عثمانی سے بات کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوا اور اس پہلو پر گفتگو سے وہ کتراتے رہے۔ جس سے یہ واضح ہو گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی تحریک اور انتخاب منزل باطل اور خلاف اسلام تھا۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی غلامی سے کیا فلاح نصیب ہو سکتی تھی۔ خدا کی شان ہے کہ یہ کانگرسی علماء کافروں سے کس قسم کی خدمت اسلام اور مسلمانوں کے حقوق ومفادات کی توقع رکھتے تھے۔ اس مکالمہ نے مسائل حاضرہ کے مختلف اختلافی پہلو ایسے روشن اور واضح کر دیئے کہ کسی تاویل وحیلہ اور حجت کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔

- مکالمۃ الصدرین میں علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کے مختلف پہلوؤں کو اس قدر بہترین سیاسی انداز میں روشن اور واضح کر دیا کہ اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ یہ مکالمہ علامہ عثمانی کی سیاسی مہارت اور قابلیت، معاملہ فہمی، تدبر اور پختگی رائے کا بھی بہترین آئینہ دار ہے۔ مسلم عوام وخواص کو شفائے قلبی اور دلی اطمینان نصیب ہوا اور ان کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔ مسلمانان ہند نے نظریہ پاکستان اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ جمعیۃ اور کانگرس کا یہ پروپیگنڈہ کہ جناح سرکاری آدمی ہیں بالکل غلط ہے۔

- مسلم عوام پر واضح ہو گیا کہ ان کے سیاسی رہنما قائداعظم محمد علی جناح عظیم انسان ہیں۔ نہ تو کوئی ان کو خرید سکتا ہے۔ نہ دبا سکتا ہے اور نہ جھکا سکتا ہے۔ اس سے قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں کے

مقبول اور محبوب ترین لیڈر کے طور پر سامنے آئے۔ مکالمۃ الصدرین میں کانگری علماء کی شکست فاش اور لاجوابی سے علامہ عثمانی کے مذہبی اور سیاسی قد و قامت میں مزید اضافہ ہوا اور وہ مسلمانان ہند کے ایسے مذہبی رہنما کے طور پر سامنے آئے جو مذہب کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی کسی سے کم نہیں تھے۔

- علماء کی تائید و حمایت سے مسلم لیگ کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا اور مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد اور محبوب ترین جماعت کے طور پر ابھری، جو مسلم مفادات و حقوق کے لئے انگریز اور ہندو سے تو کیا تمام دنیا سے ٹکرانے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔
- اکابرین جمعیۃ علماء ہند جو علامہ عثمانی کی رائے کو متاثر کرنے آئے تھے خود متاثر اور لاجواب ہو کر گئے۔ مسلم عوام میں ان کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی اور انتخابات میں ان کو شکست فاش ہوئی۔ اس مکالمہ نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری باقی نہیں چھوڑی کہ مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء ہند اور کانگرس میں حق اور صراط مستقیم پر کون ہے اور مسلم عوام کے حقوق و مفادات کی ترجمان جماعت کون سی ہے۔ اس مکالمہ نے سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے اور مذہبی تذبذب کا شکار مسلمانوں کو حق اور صراط مستقیم کا صاف اور روشن راستہ دکھا دیا۔ اپنے حقوق و مفادات کے لئے ایک سیاسی و قومی پلیٹ فارم کی ضرورت و اہمیت مسلمانان ہند پر واضح ہو گئی اور وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو گئے۔
- اس مکالمے کے پڑھنے سے صحیح معنوں میں نظریہ پاکستان اور اس کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ علامہ عثمانی متحدہ ہندوستان کے بہترین سیاستدان تھے اور ان کا مشورہ اور اصابت رائے مسلم تھی۔ علامہ عثمانی کے زبردست دلائل، ٹھوس اصول اور نظریہ پاکستان کے تجزیہ کے سامنے جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا دب کر رہ گیا اور مسلم لیگ کا آزاد و خود مختار پاکستان ابھر کر سامنے آ گیا۔
- اس مکالمے کے مختلف کرداروں میں سے علامہ عثمانی کی گفتگو، دلائل، سوالات، اعتراضات اور جوابات میں جو وزن، قوت اور استدلال ہے وہ کسی اور کی گفتگو میں نہیں۔ اس سے علامہ عثمانی کی شہرت اور مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا۔ نظریہ پاکستان اور آزاد پاکستان کے بارے میں جتنے خدشات اکابرین جمعیۃ علماء ہند کی زبان پر آئے اور ان کے جس قدر تسلی بخش، موزوں، مدلل،

ٹھوس اور حقیقت افروز جوابات جناب علامہ عثمانی نے دیئے وہ ان کی کلامی قوتوں اور سیاسی بصیرتوں کے بہترین آئینہ دار ہیں۔

- مکالمۃ الصدرین سے مسلمانانِ ہند پر واضح ہوگیا کہ ان کی منزل متحدہ ہندوستان، جمعیۃ العلماء ہند کا نام نہاد اور جعلی فارمولا نیز کانگرس کا متحدہ قومیت کا فریب نہیں بلکہ صرف اور صرف آزاد اور خود مختار پاکستان ہے۔ مسلم لیگ ہی ان کی سیاسی جماعت ہے۔ صرف مسلم لیگ کا راستہ ہی صاف، سیدھا اور روشن راستہ ہے اور صرف اسی راستہ پر گامزن ہونے میں ان کو فلاح اور کامیابی نصیب ہوسکتی ہے۔ مسلم لیگ ہی ان کی امنگوں کی ترجمان اور ان کے حقوق و مفادات کی نگہبان ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کا پاکستان ہی ان کی منزل مقصود اور نشان راہ ہے۔ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور ایک علیحدہ وطن پاکستان ہی ان کے خوابوں کی تعبیر اور فلاح و ترقی و کامیابی اور نجات کا واحد راستہ ہے۔

''کشف حقیقت'' کی حقیقت

''مکالمۃ الصدرین'' کا واقعہ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ اور غالباً دسمبر کے آخر تک سترہ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ چھپ کر بازار میں آ چکا تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی اور ان کی جماعت جمعیۃ علماء ہند نے اس واقعہ پر خاموشی اختیار کی اور آٹھ ماہ تک اس کا کوئی جواب پیش نہ کیا جا سکا۔

''مکالمہ الصدرین'' کا جواب جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے ''کشف حقیقت'' کی شکل میں دیا گیا۔ یہ کتاب اگست ۱۹۴۶ء میں لکھی گئی اور ۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے چھپوا کر محمد وحید الدین قاسمی دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی کی طرف سے شائع کی گئی۔ اس کا پیش لفظ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی طرف سے لکھا گیا اور یہ ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

''کشف حقیقت'' کے مصنف مولانا حسین احمد مدنی کی ذات گرامی سے کون واقف نہیں۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے جانثار شاگرد، بہت بڑے عالم دین اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے۔ اپنے استاد کے ساتھ مالٹا میں قید کا شرف بھی انہیں حاصل تھا۔ تحریک آزادی ہند میں بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ مولانا مدنی کے کردار میں دو حیثیتیں قابل ذکر تھیں۔ ایک عالم دین اور بزرگ کی اور دوسری سیاسی رہنما کی۔ جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے تو وہ قابل

احترام اور قابل تعظیم ہیں، ان کا علم و فضل مسلمہ ہے۔ مولانا کی عالمانہ شان سے عقیدت اور محبت اپنی جگہ لیکن حقائق تو حقائق ہوتے ہیں اور تاریخی حقائق و واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مولانا کی سیاسی شخصیت سخت متنازعہ فیہ رہی ہے۔ جہاں تک انگریزوں کی مخالفت کا تعلق تھا مولانا صحیح تھے۔ لیکن جہاں تک انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے کے بعد کے حالات میں مسلمانوں کی پوزیشن کا تعلق تھا، اس جگہ مولانا حسین احمد مدنی نے سخت ٹھوکر کھائی اور مرد مومن کی جرات و فراست کا مظاہرہ نہ کر سکے اور ناکام ثابت ہوئے۔ مولانا مدنی جس مسلک پر کھڑے تھے، وہ ہندو کانگرسی مسلک تھا اور ان کی جماعت جمعیۃ علماء ہند کانگرس کی حلیف تھی۔ انہوں نے ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی بھی حمایت کی۔ دو قومی نظریہ، کے مقابلہ میں وطنی قومیت کا نعرہ گاندھی یا نہرو سے تو متوقع ہو سکتا ہے لیکن منبر و محراب کے وارثوں کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ کانگرسی علماء کا یہ گروہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے مقابلے میں گاندھی کی سیاست پر زیادہ یقین رکھتا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کے دور میں دس کروڑ مسلم عوام کے مقابلے میں اپنا سارا وزن ہندوؤں کے پلڑے میں ڈال دیا اور ملت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچایا۔ مولانا مدنی اور دیگر کانگرسی علماء نے ہندو کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے اور مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس روش پر وہ شد و مد سے قائم رہے اور مسلمانوں میں انتشار و اختلاف کا بیج بوتے رہے۔ وہ جس قدر زیادہ ہندوؤں کی حمایت، اور پاکستان کی مخالفت کرتے مسلمان انہیں اس سے بھی زیادہ ملت اسلامیہ کا غدار سمجھتے تھے اور نفرت کرتے تھے۔ دراصل وہ انگریز اور مسلم دشمنی اور ہندو دوستی میں اعتدال اور توازن قائم نہ رکھ سکے اور ہمیشہ ناکام رہے۔

ان کانگرسی علماء کی ذہنیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ جس کسی نے بھی انہیں ہندوؤں کے چرنوں میں سجدہ ریزی سے روکا انہوں نے اپنے بیگانے کی تمیز کیے بغیر فوراً اس پر اسلام دشمن، رجعت پرست، برطانیہ پرست، تنگ نظر، آزادی دشمن، وطن دشمن اور فرقہ پرست کا فتویٰ جڑ دیا۔ بریلوی علماء اور مسلم لیگی زعماء تو مجرم تھے ہی لیکن جب دیوبندی علماء میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے ان سے اختلاف کیا تو انہوں نے اپنی توپوں کا رخ ان کی طرف موڑ دیا اور ان کو خوب صلواتیں سننا پڑیں۔ اسی طرح جب علامہ شبیر احمد عثمانی نے بلاشرط و معاہدہ ہندو کانگرس میں شمولیت کی مخالفت کی اور مسلم لیگ کی تائید و حمایت کا اعلان کیا تو کانگرسی علماء نے ان کے خلاف پورا محاذ بنا لیا اور دنیا جہان کی برائیاں اور خرابیاں ان کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ ملت اسلامیہ کا جو رہنما بھی کانگرس یا جمعیۃ علماء ہند سے کٹ کر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرتا کانگرسی علماء اس کے خلاف محاذ قائم کر لیتے اور جو لیڈر مسلم لیگ سے منحرف ہو کر کانگرس یا جمعیۃ میں شامل ہوتا اس کے تمام

قصور معاف کر دیئے جاتے اور اسے وطن دوست، ترقی پسند، بہادر، مجاہد اور اسلام دوست قرار دیا جاتا۔ یہ سب کچھ دراصل کانگرسی علماء اور ہندو کانگرس کی پروپیگنڈہ مہم اور پالیسی کا ایک حصہ تھا۔ مسلم لیگ اور مسلم لیگی علماء کے خلاف ان کانگرسی علماء کی پروپیگنڈہ مہم کا ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔ جمعیۃ علماء ہند کے سابق منتظم اعلیٰ مولانا احمد سعید نے جمعیۃ علماء ہند کانفرنس منعقدہ میرٹھ کے خطبہ صدارت میں فرمایا :۔

> ''ہم میں کبھی مسلم کانفرنس بنتی ہے کبھی جناح لیگ اور شفیع لیگ کی تقسیم ہوتی ہے کبھی خود مسلم لیگ ہی میں سرکاری آدمیوں کو داخل کر دیا جاتا ہے۔ پھر مسلم لیگ کچھ سرسبز ہوتی معلوم نہیں ہوتی تو ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے نام سے فوراً ایک جماعت بنالی جاتی ہے اور پاکستان کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اور دو قوموں کی تھیوری پر زور دیا جاتا ہے اور اس مطالبہ کو کچھ ایسا رنگ دیا جاتا ہے کہ اچھے اچھے ذی فہم عالم بھی مخلصین اور مجاہدین کی برگزیدہ جماعت سے کٹ کر بزدلوں، بدنیتوں، بے عملوں اور کاسہ لیسان ازلی کی ٹولی میں جا داخل ہوتے ہیں اور دشمنان دین کی محفل میں ''رونق محفل'' کا کام دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملت ابرہیمی کی کوئی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں''[۱۲]۔

مسلم لیگ، مسلم لیگ رہنماؤں اور پاکستان کے خلاف کانگرسی علماء کی اس ساری مہم جوئی اور پروپیگنڈہ کا اصل مقصد قیام پاکستان کو ناممکن بنانا اور مسلمانوں کی قیادت پر قبضہ کرنا تھا تاکہ متحدہ ہندوستان کے قیام کے بعد اقتدار و اختیار میں وہ ہندو کانگرس کے شریک عمل بن سکیں اور مسلمانوں کی قیادت مسلم لیگ کی بجائے ان کے ہاتھ میں آئے۔ ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت کانگرس کے ساتھ وابستگی کے ذریعے یہ کانگرسی علماء ملت اسلامیہ کے سیاسی مستقبل کی فیصلہ کن قوت بننا چاہتے تھے۔

مگر اس صورت میں ملت اسلامیہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوتی۔ مسلم عوام نے کانگرسی علماء کی اس سوچ کو شکست دی اور مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو گئے۔

''کشف حقیقت'' کا تجزیہ

- مولانا حسین احمد مدنی کی سیاسی تحریروں میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں عالمانہ شان نہیں۔ عالم ہر چیز کو حق کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن وہ ہر چیز کو اپنی خاص عینک سے دیکھتے ہیں وہ کسی کی دشمنی اور دوستی میں اعتدال اور توازن قائم نہیں رکھتے اور ہمیشہ حق سے آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ ان کا معیار حق نہیں بلکہ وہ ہر چیز کو نفرت یا محبت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور پھر اس نفرت یا محبت

میں بہتے ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ علمی معیار سے کم درجے کی باتیں بھی اپنی تحریروں میں لکھ جاتے ہیں۔

- ○ مولانا حسین احمد مدنی ایک عالم دین ہیں اور ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ان کی تمام تحریروں مثلاً کشف حقیقت، پاکستان کیا ہے، مسلم لیگ کیا ہے، متحدہ قومیت اور اسلام وغیرہ میں سب سے بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کا زاویہ نظر اسلامی نہیں ہے۔ اسلامی زاویہ نظر یہ ہے کہ آدمی محض حق کا متلاشی ہو۔ لیکن مولانا مدنی کو انگریز، مسلم لیگ اور قائداعظم سے کھلا بغض و عداوت اور نفرت ہے اس لئے ان کو صرف ان ہی چیزوں کی تلاش ہے جو مسلم لیگ اور مسلم لیگیوں کے خلاف ہو۔ یہ زاویہ نظر خلاف حق ہے۔ مسلم لیگ اور مرتب مکالمۃ (مکالمۃ الصدرین) مولانا طاہر احمد قاسمی سے ان کے بغض وعناد اور نفرت کے ثبوت میں دو اقتباس بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ صفحہ ۴ پر ارشاد ہوتا ہے۔ ''وہ جھوٹ اور افترا پردازی پر اس قدر دلیری اور جسارت سے عمل کرتے رہتے ہیں کہ ان امور کی واقعیت میں کوئی شبہ تک بھی نہیں، پر کا کبوتر بنانا اور ذرہ کو پہاڑ کہہ دینا تو پرانے زمانے کے جھوٹوں کا کام تھا۔ ان مغرب زدہ حضرات کے یہاں ''بے پر کا کبوتر'' اور بغیر ذرہ کے پہاڑوں کی تخلیق روزمرہ کا شیوہ ہو گیا ہے''۔

اس کے بعد صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں۔ ''مولانا طاہر صاحب لیگ کے خصوصی ورکر اور عہدہ دار ہیں اور ان تمام خصوصیتوں اور کمالات کے مالک ہیں جو کہ لیگی حضرات کے طرہ امتیاز ہیں۔ ان کو فن پروپیگنڈہ میں بھی خصوصی مہارت حاصل ہے جو کہ بڑے سے بڑے گرگ باراں دیدہ لیگی کو بھی حاصل نہیں''[۱۳]۔

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا نے حق اور باطل کا معیار نفرت مسلم لیگ پر رکھا ہے۔ وہ مسئلہ کو نہ تو علمی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں اور نہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے اس پر نظر ڈالتے ہیں کہ جو کچھ مسلمانوں کے لئے زہر ہے وہ انہیں بھی زہر دکھائی دے۔ ان پر فقط مسلم لیگ کی عدوات کا زاویہ نظر مستول ہو کر رہ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر وہ چیز ان کو تریاق نظر آتی ہے جس کے متعلق کسی طرح ان کو خبر ہو جائے کہ وہ مسلم لیگ کے لئے زہر ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس چیز کو مسلمانوں کے لئے زہر سمجھتا ہو اور اسی بناء پر اس کی مخالفت کرے تو وہ فوراً اس کے خلاف کئی قسم کے فتوے جڑ دیتے ہیں۔

- ○ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ مولانا اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کو بھی اپنے مفاد کیلئے استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں۔ ''کیا اسی صورت میں بیس اقلیتوں کو

سیاسی مفادات کی خاطر مسلمان اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے! جیسا کہ آئے دن سیاسی گروپوں میں ہوتا رہتا ہے! وہاں "الکفر ملة واحدة"[۴۱] کا مظاہرہ کیوں نہیں ہوتا؟'' یہ بنا فاسد علی الفاسد ہے ایک گناہ کو جائز فرض کر کے اس کی حجت پر آپ اسی قسم کے دوسرے گناہ کو جائز ثابت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی فرد یا جماعت اپنے سیاسی مفاد کے لئے کوئی سیاسی اتحاد قائم کرتی ہے یا غیر مسلمانوں سے تعاون کرتی ہے تو بھلا اس سے حدیث کے اصل مفہوم اور روح پر حرف کیونکر آ سکتا ہے۔ نہ ایک غلط کام کو دوسرے غلط کام کے لئے حجت اور جواز بنایا جا سکتا ہے۔ نہ یہ ایک مسلمان کے لئے دلیل اور حجت بن سکتا ہے۔ مولانا کا مقصود صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر پہلے اس حدیث کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے تو اب اس کے خلاف عمل کرنے میں کیا قباحت ہے۔

یہی ذہنیت ہے جو ہمیں پورے رسالہ میں کارفرما نظر آتی ہے۔ تاریخ کو، اخبار و حدیث کو، حقائق و واقعات کو، اعداد و شمار کو غرض ہر چیز کو توڑ مروڑ کر اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر اس چیز کو بلا تکلف نظر انداز کر دیا گیا جو مدعا کے خلاف ہو چاہے وہ کیسی ہی ظاہر و باہر حقیقت اور روشن دلیل کیوں نہ ہو۔ یہی حال ان کی دوسری تصانیف کا ہے۔ ایک عالم دین کو اپنی ذمہ داری کا خیال کرنا چاہیے تھا اور اس کے لئے یہ طرز تحریر اور زاویہ نظر نامناسب ہے۔

○ ''کشف حقیقت''، ''متحدہ قومیت اور اسلام'' اور مولانا کی دیگر تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ تاریخ کے اس نازک لمحات میں کیسی سطح بینی اور سہل انگاری سے مسلمانوں کی پیشوائی اور رہنمائی کی جا رہی ہے۔ عبارت کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ مولانا کو نہ تو متحدہ ہندوستان کی قباحتوں کا علم ہے نہ متحدہ قومیت کے اصطلاحی مفہوم کو جانتے ہیں اور نہ وہ ہندو کانگرس کے اصل مقاصد کو سمجھتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بنیادی حقوق، تہذیب و تمدن اور عقائد و اخلاق کا دائرہ کہاں تک جاتا ہے وہ اس سے بھی بے خبر ہیں۔ افسوس مولانا مذہبی پیشوائی کی مسند مقدس سے ملت اسلامیہ کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو واضح حقائق کی بجائے اوہام کے پیچھے چلایا جا رہا ہے۔ آزاد و خود مختار پاکستان کی بجائے ہندو اکثریت کی غلامی کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ خندقوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہ مستقیم بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا مولانا نے واردھا سکیم اور ودیا مندر سکیم کا نصاب نہیں دیکھا، پھر بھی یہ مسلمانوں کو ہندو غلامی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

مولانا نے اپنے ذہن میں ''متحدہ ہندوستان'' کا ایک خاص نقشہ اور مفہوم متعین کر رکھا ہے جس کے حدود انہوں نے تمام امکانی خطرات اور اعتراضات سے پہلو بچا کر خود مقرر فرمائے ہیں۔ اور ان کو وہ اپنی خاص ڈپلومیٹک اور پر احتیاط زبان میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان پر اور ان کی جماعت پر کوئی حرف نہ آئے۔ لیکن مسلم قوم اس خودکشی کی لئے ہرگز تیار نہیں جس کا مشورہ یہ کانگرسی علماء دے رہے ہیں۔ ایک آزاد و خودمختار پاکستان ہی ان کی منزل مقصود ہے اور اس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ کانگرس کی حقیقی نیت مسلمانوں کو آزادی کے دام فریب میں پھانس کر اور لفظوں کی خوبصورتی میں بہلا پھسلا کر ایک نئی اور بدتر غلامی کے لئے تیار کرنا تھا۔ کانگرسی مسلمان اپنی سادہ لوحی اور سیاسی بصیرت سے محروم ہونے کے سبب ہندوؤں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔

○ مولانا مدنی نے ''مکالمۃ الصدرین'' کا جواب آٹھ ماہ بعد دیا ہے۔ خاموشی تو اقبال جرم ہوتی ہے۔ اتنی لمبی خاموشی کے کیا معنی لیے جائیں۔ اگر وہ سچے تھے اور اگر ''مکالمۃ الصدرین'' دجل وفریب کا مجموعہ تھا تو کیا ۱۷ صفحات کے اس مکالمہ کا جواب دینے کے لئے مولانا مدنی اور ان کی جماعت کو آٹھ ماہ لگ گئے۔ دراصل پاکستان بمقابل متحدہ ہندوستان کے موضوع پر اس مکالمہ میں ان کانگرسی علماء کی شکست یقینی تھی اور ان کو فتح ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ حق پر نہ تھے اور جو آدمی حق پر نہ ہو اس کو جواب تراشنے میں آٹھ ماہ تو لگنے ہی چاہئیں۔

○ ''کشف حقیقت'' کی بحث کا آغاز مولانا مدنی نے انگریزوں کے خلاف ایک لمبی چوڑی تمہید سے کیا ہے اور صفحہ ۲۔۳ پر مولانا نے مغربی اقوام اور انگریزوں کے کردار کی خرابیاں بیان کی ہیں کہ وہ حصول مقاصد کے لئے جائز ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ دجل وفریب، تہمت تراشی، افترا پردازی، دروغ گوئی، بہتان بندی اور دنیا جہاں کی تمام خرابیاں ان کی طرف منسوب کر دیں ہیں۔ صفحہ ۳۔۴ پر ان تمام خرابیوں اور برائیوں کو مسلم لیگ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ مولانا مدنی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا جہاں کی تمام خرابیاں اور برائیاں انگریز اور مسلم لیگیوں میں پائی جاتی ہیں کانگرسی علماء اور ہندو کانگرس کو اس لسٹ سے صاف بری کر دیا گیا ہے کیونکہ مولانا مدنی کو انگریز اور مسلم لیگ والوں سے نفرت ہے اس لئے تمام برائیاں ان کو مسلم لیگ میں اور تمام خوبیاں جمعیۃ اور ہندو کانگرس میں نظر آتی ہیں۔ تمام مسلم لیگیوں کو بہ یک جنبش قلم غلط کہنا درست نہیں کیا دوسری جماعتوں اور ان کی اپنی جماعت میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے۔ ان کی اصل دشمنی اور بیر تو مسلم لیگ سے ہے کیونکہ مسلم لیگ ہی ان کے عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

○ مولانا صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں کہ "یورپ کا مشہور مقولہ" جھوٹ برابر بولتے رہو، آخر کار اس کی تصدیق کرنے والے پیدا ہو ہی جائیں گے"[15] - یہ مقولہ تو خود ان کی جماعت جمعیۃ علماء ہند پر فٹ ہوتا ہے۔ ہندو کانگرس کے ان نعروں کہ "پاکستان ایک برطانوی کرشمہ ہے" اور یہ کہ "پاکستان ہندوؤں کے مفاد میں ہے"[16] وغیرہ کے باطل اور جھوٹے نعروں کی ہندو کانگرس نے اس قدر تشہیر کی کہ جمعیۃ علماء ہند اور چند دیگر ناسمجھ مسلمان ان باطل نظریوں پر ایمان لے آئے اور ہندو سازش کا شکار ہو گئے۔ پاکستان تو مفکر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور مسلمانوں کے سواداعظم کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ اگر اقبال، جناح اور ملت اسلامیہ سب غلط تھے اور یقیناً نہیں تھے تو حق پر کون تھا؟ کیا مسلمانوں کو غلام بنانے کی سازش کرنے والے گاندھی اور نہرو حق پر تھے؟ کیا سیاسی شعور اور بصیرت سے محروم اور کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے والے کانگرسی علما حق پر تھے؟ انگریز اور ہندو تو قیام پاکستان کے سخت خلاف تھے۔ بقول قائداعظم "متحدہ ہندوستان ایک برطانوی کرشمہ ہے"[17]۔ اگر پاکستان ہندو کے مفاد میں تھا تو پھر ہندو اور انگریز کی طرف سے پاکستان کی اس انتہائی مخالفت کے کیا معنی؟ دراصل پاکستان نہ تو اس وقت ہندو کے مفاد میں تھا نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ پاکستان تو بھارت ماتا اور ہندو کے سینے پر ایسا داغ ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتا۔ ہندو کانگرس میں بلاشرط و معاہدہ شمولیت، مسلمانوں کے سواداعظم اور پاکستان کی مخالفت کر کے خود "مولانا" اور ان کی جماعت مسلمانوں میں "مسجد ضرار"[18] بنانے اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ اس مسجد کے مقتدی تو بہت سے ہیں لیکن امام خود مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔

○ مولانا صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں کہ "مولانا شبیر احمد عثمانی بہت بڑی شخصیت کے مالک اور متبحر عالم ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف میں بعض کمزوریاں بھی ہیں" مثلاً کانوں کا کچا ہونا، خوشامد پسند وغیرہ۔ اسی طرح کی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مدنی اپنے ایک خط بنام علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ :-

"مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ میرا خیال ہے کہ آپ میں بعض کمزوریاں بھی ہیں۔ جن میں عدم استقلالی، اور کان کا کچا ہونا اور انتظام سے طبعی تناسب نہ ہونا ہے۔"

جوابی خط میں علامہ عثمانی نے ان تمام الزامات کو مسترد کر دیا۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں :۔

> ”دیکھیے برا نہ مانیئے آپ خود سیاسیات کے کتنے تقلبات اور اطوار میں سے گزرے ہیں کیا اسے عدم استقلال کہیں گے۔ آپ نے فوائد قرآن کی تکمیل شروع کی فرصت نہ ہوئی نہ کر سکے اور خدا جانے کتنے کام ایسی نوعیت کے ہوں گے“[۱۹]۔

علامہ عثمانی کے اس خط کے جواب میں مولانا مدنی نے چپ سادھ لی اور اس کا کبھی جواب نہیں دیا۔ دراصل یہ تمام الزامات بے بنیاد تھے اور ان میں کوئی صداقت نہ تھی۔ یہ الزامات دراصل ہندو کانگرس اور کانگرسی علماء کی پالیسی کا حصہ تھے۔ مولانا مدنی کو اپنی ذات میں خوبیاں ہی خوبیاں اور مخالفین کی ذات میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ اپنے کردار اور سیاسی کمزوریوں کی انہیں کچھ خبر نہیں۔ وہ اور ان کی جماعت ظاہر و باہر کافروں کی گود میں جا بیٹھی ہے اور چند سیٹوں کے لئے ملت اسلامیہ کو ہندو اکثریت کا غلام بنانے پر تلی ہوئی ہے، کچھ اس کے متعلق بھی ”مولانا“ کو سوچنا چاہیے تھا۔

○ صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں کہ ”مولانا طاہر صاحب لیگ کے خصوصی ورکر اور عہدہ دار ہیں اور ان تمام خصوصیتوں اور کمالات کے مالک ہیں جو کہ لیگی حضرات کے طرۂ امتیاز ہیں۔ ان کو فن پروپیگنڈہ میں بھی وہ خصوصی مہارت حاصل ہے جو کہ بڑے سے بڑے گرگ باراں دیدہ لیگی کو بھی حاصل نہیں“۔

مولانا طاہر احمد قاسمی اس لئے کانگرسی علماء کی تنقید کا نشانہ بنے ہیں کیونکہ انہوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ سے ان کو ازلی بیر اور بغض ہے، اس لئے کانگرسی پالیسی کے مطابق دنیا جہان کی تمام برائیاں ان کی طرف منسوب کر دی گئی اور ان کو دنیا کا خراب ترین آدمی بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

○ صفحہ ۱۰ تا ۱۳ کے الزامات کا یہ جواب ہے کہ مولانا مدنی یا جمعیتہ کی سیاست شرعی سیاست تو ہے نہیں۔ اگر ان کی سیاست شرعی ہوتی تو وہ ملت اسلامیہ کے مقابلے میں ہندوؤں سے اتحاد کبھی نہ کرتے۔ ہندو کانگرس کی سازش اور گٹھ جوڑ کا شکار نہ ہوتے۔ ایک مسلمان کو آپ خدا اور قرآن کا واسطہ دے کر قائل کر سکتے ہیں لیکن ایک ظاہر و باہر کافر کو آپ کس چیز کا واسطہ دیں گے۔ قومی مفادات مقدس اور مقدم ہوتے ہیں پھر اس مروجہ سیاست میں تنہائی اور بند کمرے کی ملاقات، اگر وہ قومی مفاد میں

ہو، کے شائع کرنے میں کیا قباحت ہے۔ جب مولانا عثمانی ''مکالمۃ الصدرین'' کی بار بار تصدیق کر رہے ہیں تو مولانا مدنی کا شک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ شک اس صورت میں درست ہوتا کہ اگر مولانا عثمانی مکالمہ کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد خاموشی اختیار کر لیتے۔ تمام سرکاری دفاتر میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کوئی مسئلہ منظوری کے لئے سیکرٹری، وزیر اور وزیر اعظم کے پاس جاتا ہے اور منظوری کے بعد سیکشن آفیسر کے دستخط سے فیصلہ مشتہر کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ فیصلہ سیکشن آفیسر کا فیصلہ نہیں رہتا بلکہ حکومت اور وزیر اعظم کا فیصلہ بن جاتا ہے۔ مولانا مدنی کی طرف سے ''مکالمۃ الصدرین'' پر علامہ عثمانی کے دستخط نہ ہونے کا اعتراض بالکل بے وزن اور غلط ہے۔

یہ درست ہے کہ مولانا عثمانی مکالمہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت جمعیۃ علماء اسلام کے صدر نہیں تھے لیکن جب اس مکالمہ کو احاطہ تحریر میں لایا گیا تو آپ نے یقیناً جمعیۃ العلماء اسلام کی صدارت کا عہدہ قبول فرما لیا تھا۔ جب مکالمہ کی ضبط تحریر کے وقت علامہ جمعیۃ علماء اسلام کے صدر تھے تو ان کو اس وقت صدر جمعیۃ علماء اسلام لکھنے میں کیا قباحت تھی۔ تمام مصنفین و محققین اسی طرح لکھتے ہیں۔ مثلاً شریف المجاہد اپنی کتاب ''قائداعظم حیات وخدمات'' میں لکھتے ہیں:

''۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں پیدا ہوئے''[۲۰]۔ ریاض احمد نے بھی اپنی کتاب "For the study of Quaid-i-Azam's Role in South Asia Political Crisis" میں اسی طرح لکھا ہے ''Quaid-i-Azam M.A. Jinnah's role during 1921-24''[۲۱] اور وحید احمد بھی اپنی کتاب "Jinnah-Irwin Correspondence" میں اسی طرح لکھتے ہیں''

"The first personal contact between Lord Irwin and Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah seems to have taken place at the end of October 1927"[۲۲]۔

آج کل بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ حالانکہ محمد علی جناح ۱۸۷۶ء، ۱۹۲۱۔۲۴ء اور ۱۹۲۷ء میں قائداعظم نہ بنے تھے۔ یہ خطاب تو ان کو بہت بعد یعنی ۱۹۳۸ء میں دیا گیا۔ کیونکہ وفد جمعیۃ میں سب سے موثر سیاسی شخصیت مولانا حسین احمد مدنی کی تھی اور آپ اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے صدر بھی تھے اس لئے اس مکالمہ کو ''مکالمۃ الصدرین'' کا نام دیا گیا۔ اس مکالمہ کا اس سے بہتر نام اور کیا ہو سکتا ہے؟

○ صفحہ ۱۴ اسے ۱۷ تک جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ علامہ عثمانی کو تناسب بیان کرتے ہوئے غلط فہمی ہوئی ہے لیکن اس سے علامہ کے استدلال پر کوئی حرف نہیں آتا۔ آپ نے جمعیۃ کا فارمولہ ۴۰: ۴۰: ۲۰ ظاہر کیا ہے جبکہ حقیقت میں یہ فارمولا ۴۵: ۴۵: ۱۰ ہے[۲۲]۔ یعنی ۴۵ فیصد مسلمان، ۴۵ فیصد ہندو اور ۱۰ فیصد دیگر اقلیتیں۔ جمعیۃ کے اس فارمولے پر بہت سے اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس فارمولا کی اصل بنیاد ہی غلط ہے۔ یہ فارمولا زمین پر بھی کھڑا ہے یا کہ ہوا میں محل بنانے والی بات ہے۔ اس وقت ہندوستان کی کل آبادی ۴۰ کروڑ جن میں سے تقریباً ۱۰ کروڑ مسلمان تھے۔ اس طرح مسلمانوں اور غیر مسلموں کا تناسب ۲۵: ۷۵ بنتا ہے۔ مسلمان ۲۵ فیصد سے ۴۵ فیصد کیسے بن گئے۔ یہ تو شیخ چلی والی کہانی ہے اور اس فارمولا کی حقیقی بنیاد خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس نام نہاد فارمولا کی اخلاقی اور آئینی حیثیت کیا ہے۔ اس فارمولا کو نہ تو ان کے دوست ہندوؤں نے تسلیم کیا ہے۔ نہ انگریز نے اور نہ ہی اس کو مسلم لیگ مانتی ہے تو پھر اس پامال چیز کو کیوں ملت اسلامیہ میں انتشار اور اختلاف ڈالنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ آخر مسلمانوں کو کیوں دھوکہ اور فریب دیا جا رہا ہے۔ اس فارمولے پر ہمارا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جمعیۃ کا یہ فارمولا درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔ کیا تقسیم ہند کے وقت تمام غیر مسلم یعنی ہندو، انگریز اور سکھ وغیرہ اکٹھے نہیں ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہو گئے تھے۔ آخر مسلمانوں کا قصور کیا تھا۔ کیا پاکستان کا مطالبہ کر کے انہوں نے اتنا بڑا جرم کر لیا تھا کہ ان کو فنا و برباد کر دیا جاتا۔ دراصل جمعیۃ کا یہ فارمولا مسلم قوم اور پاکستان کے خلاف ایک گہری سازش تھی، جس کا مقصد انہیں حصول پاکستان سے باز رکھنا اور بہلا پھسلا کر انہیں ایک نئی اور بدترین اختیاری غلامی کے لئے تیار کرنا تھا۔

علامہ عثمانی کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ اگر ہم اکثریت میں ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر سکتے تو اقلیت بن کر کیا کر سکیں گے۔

○ صفحہ ۱۸ پر ''مولانا'' فرماتے ہیں کہ علامہ عثمانی کا یہ فرمانا کہ ''پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد سوا

سات کروڑ ہے اور غیر مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ بنتی ہے"۔ بالکل جھوٹ اور غلط ہے۔ اس کے ثبوت میں مولانا مدنی نے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں مسلم اور غیر مسلم آبادی کے اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ۴۶۔۱۹۴۵ء میں ۱۹۴۱ء کے اعداد و شمار پیش کرنا بالکل غلط ہے۔ ۱۹۴۱ء اور ۴۶۔۱۹۴۵ء کے اعداد و شمار میں بہت فرق بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علامہ عثمانی کے اعداد و شمار کو اگر کانگرسی علماء اور دوسروں کی تحریروں سے ثابت کر دیا جائے تو دوسروں کو جھوٹا اور غلط کہنے والے کی سزا کیا ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند کے ناظم مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی کتاب "تحریک پاکستان پر ایک نظر" کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں:

"پاکستان کا یہ کس قدر افسوسناک پہلو ہے کہ تقریباً دس کروڑ مسلمان جو ایک ہی ملک میں اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں"۔

اس سے پہلے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:

"مختصر یہ کہ ہندوستان کی مجموعہ آبادی تقریباً تیس کروڑ ہے جس میں مسلمان تقریباً پونے تین کروڑ یعنی دس فیصدی سے بھی کم"۔

"مولانا" خود ہی فرمائیں کہ اگر کل ہندوستان کے ۱۰ کروڑ مسلمانوں میں سے ہندو ہندوستان (بھارت) کے پونے تین کروڑ مسلمان نکال دیئے جائیں تو کیا پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد سوا سات کروڑ نہ ہوگی۔ محمد صادق قصوری مصنف "اکابر تحریک پاکستان" نے یہ تعداد سات کروڑ بیان کی ہے۔ جب پاکستان میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً سات کروڑ بنتی ہے تو غیر مسلم آبادی تین کروڑ بنتی ہے۔

○ صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ "تمام پاکستان میں مسلمان تقریباً ۵۵ اعشاریہ ۵ فیصد ہیں اور غیر مسلم تقریباً ۴۴ اعشاریہ ۵ فیصد ہوتے ہیں"۔ یہ اعداد و شمار بالکل غلط ہیں اوپر کے پیرا میں اس کا جواب آ چکا ہے۔

○ صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے کہ مفتی صاحب نے اس گفتگو میں قطعاً حصہ نہیں لیا۔ کیوں نہیں لیا وجہ صاف ظاہر ہے انہوں نے اس لئے حصہ نہیں لیا کہ اولاً وہ اس غرض سے تشریف ہی نہیں لے گئے تھے"۔

- اس کے بعد صفحہ ۲۵ پر ارشاد ہوتا ہے کہ اور ''خیال کرتے ہیں کہ مفتی صاحب سمجھ گئے ہیں کہ عثمانی کا جمعیۃ علماء اسلام اور لیگ کی حمایت میں قدم اٹھانا حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس فریب کاری میں کوئی دوسرا ہاتھ کام کر رہا ہے''۔

مولانا مدنی کو خدا سے ڈرنا چاہیے ان کو دوسروں کے دلوں کی خبر کیسے ہوگی کیا الہام ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اگر مفتی کفایت اللہ دہلوی بحث میں حصہ لینے نہیں گئے تھے تو مولانا مدنی ارشاد فرمائیں کہ کیا کرنے گئے تھے اگر وہ صرف مزاج پرسی کرنے گئے تھے تو مزاج پرسی کے بعد واپس کیوں نہ چلے گئے۔ اسی طرح مولانا مدنی اور مفتی کفایت اللہ صاحب کو کیسے اور کیونکر خبر ہوگئی کہ علامہ عثمانی کا جمعیۃ علماء اسلام اور مسلم لیگ کی حمایت میں قدم اٹھانا حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے۔ مولانا مدنی پر اگر خود الہام ہوگیا تھا کہ علامہ عثمانی کا یہ قدم خلاف حق ہے تو کیا ان کو مولانا کفایت اللہ کے الہام کی بھی خبر ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ! مولانا مدنی صاحب تو غیب کی خبریں بھی دینے لگے ہیں۔ اگر علامہ عثمانی ہندو کانگرس کی حمایت کرتے تو مولانا باغ باغ ہوجاتے اور علامہ عثمانی کو خراج تحسین پیش کرتے۔

- صفحہ ۲۶ سے ۳۷ تک مختلف کانگرسی اخبارات کے حوالے دے کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے اور قیام پاکستان ایک برطانوی سازش ہے۔ اسی طرح کی عبارتیں اور رٹی رٹائی کہانیاں مولانا مدنی کی دیگر تصانیف ''پاکستان کیا ہے''، ''مسلم لیگ کیا ہے'' اور ''متحدہ قومیت اور اسلام'' میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ ''مدینہ''، ''حریت''، ''نئی زندگی''، ''اجمل''، ''انصاری''، ''ملاپ''، وغیرہ تمام کانگرسی اخبار ہیں۔ ہندوؤں کے سرمائے سے چل رہے ہیں۔ ان کی جماعت جمعیۃ علماء ہند کو بھی پروپیگنڈہ کرنے کیلئے ہندوؤں سے روپیہ ملتا ہے۔ مولانا شوکت علی نے اسمبلی فلور پر بھی یہ سوال اٹھایا تھا[۲۴] خود جمعیۃ کا ہندوؤں کے اشاروں پر چلنا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ الزام یہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملانے کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جب کسی نے قائداعظم سے مولانا مدنی کی سیاست کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''مولانا حسین احمد عالم ہیں مگر ان کی سیاست ایک ہی ہے کہ انگریزوں کے دشمن ہیں اس دشمنی میں وہ مسلمانوں کے مفاد کی بھی رعایت نہیں کرتے''[۲۵]۔

ان کانگرسی علماء کی پالیسی یہ تھی کہ انگریز دشمن تباہ و برباد ہو جائے چاہے مسلمانوں کو آزادی ملے یا نہ ملے لیکن مسلم لیگ انگریز کی بربادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی چاہتی تھی۔ ہندو راج کا حقیقی خطرہ جو منہ کھولے سامنے کھڑا تھا ان کو نظر نہیں آتا تھا یا اگر نظر بھی آتا تھا تو یہ اس سے چشم پوشی کرتے تھے۔ مسلمانوں کو کانگرسی راج اور طرز حکومت کا خوب تجربہ ہو چکا تھا اس لیئے اب وہ کسی دھوکہ میں آنے والے نہیں تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ حقیقی خطرہ جس کو یہ کانگرسی علماء وہمی خطرہ قرار دیتے تھے جب حقیقت کا روپ اختیار کر گیا تو پھر بھی یہ کانگرسی ملاں ہندو کانگرس کے دست و بازو ہی بنے رہے۔

○ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا مدنی ''مکالمۃ الصدرین'' کو ''دیوبند کی اخلاقی تاریخ کا مکروہ سانحہ اور گناہ''[۲۶] اس لئے قرار دے رہے ہیں کہ یہ پاکستان کے موضوع پر ایک مستند اور روشن تحریر ہے اور اس تحریر سے کانگرسی علماء اور ہندو کانگرس کے باطل خیالات و نظریات کا پول کھل جاتا ہے۔ اگر یہ تحریر کانگرسی علماء یا ہندو کانگرس کی حمایت میں ہوتی تو علامہ عثمانی عظیم لیڈر قرار پاتے اور ''مکالمۃ الصدرین'' کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا یعنی میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔ یہ بات کانگرسی علماء اور ہندو کانگرس کی پروپیگنڈہ مہم اور ڈپلومیسی کا حصہ تھی کہ جو بات ان کے مفادات اور نظریات کے خلاف ہوتی وہ اسے فوراً مسترد کر دیتے اور اس کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیتے چاہے وہ بات سو فیصد درست ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر کوئی بات ان کے مفاد میں ہو تو وہ اس کی خوب تشہیر کرتے چاہے وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو۔

○ صفحہ ۴۷ پر ارشاد ہوتا ہے ''مولانا سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ رائے آپ نے اس وقت زمانہ الیکشن ہی میں کیوں قائم فرمائی''۔

ہم مولانا مدنی سے الٹا سوال کرتے ہیں کہ کیا اعلان حق کا کوئی خاص وقت ہوتا ہے اور کیا الیکشن کے دنوں میں اعلان حق کرنا کوئی گناہ ہے کیا یہ اعلان حق مولانا مدنی یا جمعیۃ علماء ہند سے پوچھ کر کرنا تھا۔ کیا مولانا مدنی اپنے فیصلوں کا اعلان علامہ عثمانی سے پوچھ کر کرتے ہیں۔ جب مولانا مدنی کو اپنے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے تو وہ علامہ عثمانی سے یہ حق کیوں چھینتے ہیں۔ نہیں مولانا ہر شخص اور جماعت کو اپنے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے خواہ یہ اعلان الیکشن سے پہلے ہو یا درمیان میں یا بعد میں۔

- صفحہ ۴۸ پر ارشاد ہوتا ہے ”تو اب نہ معلوم وہ کون سا داعیہ ہے جس نے یک بہ یک مولانا پر یہ الہام کر دیا“۔

مسلم لیگ اور مسلم لیگی علماء کی یہ شان کہاں۔ مولانا مدنی صاحب الہام تو آپ پر ہوتا ہے اور اپنے اس الہام اور کشف کی روشنی میں آپ نے ہندوؤں سے اتحاد کر رکھا ہے اور پوری ملت کو غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اب اگر ملت اسلامیہ غلامی کی ان زنجیروں کو پہننے سے انکار کرتی ہے تو آپ کو مسلمانوں پر غصہ آتا ہے۔

- صفحہ ۴۹ پر فرماتے ہیں ”اور مسجد ضرار (جمعیۃ علماء اسلام) کی بنیادیں استوار کر کے جمعیۃ علماء ہند کے خلاف نیا محاذ جنگ بنا ڈالیں“۔

مولانا صاحب خود ہی انصاف فرمائیں جب مسلم لیگ اور پوری ملت اسلامیہ نہ آپ کو مانتی ہے نہ جمعیۃ علماء ہند کو اور نہ آپ کے فارمولا کو، تو مسجد ضرار بنا کر آپ خود ملت اسلامیہ میں نفاق و انتشار ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کو کمزور کرنا ہندو قوم کی خدمت نہیں ہے۔ افسوس کہ آپ بلا سوچے سمجھے اور بلا شرط و معاہدہ ہندوؤں کے حلیف اور دوست بن بیٹھے ہیں تا کہ ہندو اکثریت مسلم اقلیت پر غلبہ حاصل کر لے اور مسلمانوں کی قیادت و چوہدراہٹ کا تاج آپ کے سر پر سج جائے خواہ اس کے نتیجہ میں پوری مسلم قوم فنا اور تباہ و برباد کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن آپ الٹا جمعیۃ علماء اسلام کو ”مسجد ضرار“ سے تشبیہہ دے رہے ہیں کیونکہ یہ ہندو کانگرس کی بجائے مسلانوں کی واحد نمائندہ تنظیم مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کر رہی ہے اور ہندو غلبہ سے نجات کے لئے کوشاں ہے۔

- صفحہ ۵۰ سے ۵۵ تک ایک بار پھر ۱۹۴۱ء کے ۵ سالہ پرانے اعداد و شمار پیش کر کے ملت اسلامیہ کو دھوکہ و فریب دینے اور گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاریخ کو، حقائق کو، اعداد و شمار کو غرض ہر چیز کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے فارمولا پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

  لیکن ملت اسلامیہ ان کانگرسی علماء کی خواہش کے مطابق ہندو اکثریت کی غلامی قبول کرنے سے منکر ہے تو یہ لوگ مسلمانوں پر غافل، حقائق سے ناآشنا، کم سمجھ، سادہ لوح اور بدنصیب ہونے کے فتوے صادر کر رہے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنی ناسمجھی کی بنا پر دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔
- صفحہ ۵۳ پر آخر انہوں نے اپنے سکوت، خاموشی اور لاجوابی کو تسلیم کر ہی لیا ہے لیکن کشادہ دلی سے نہیں۔
- صفحہ ۵۴ پر ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے رہنما قائد اعظم محمد علی جناح کو ”مسٹر جینا“ اور ہندوؤں

سب سے بڑے لیڈر مسٹر گاندھی ’’کو گاندھی جی‘‘ کہا گیا ہے۔ کانگرسی علماء کا یہ شیوہ تھا کہ وہ پاکستان کو ’’ناپاکستان‘‘ ’’مسٹر جناح کو ’’مسٹر جینا‘‘ اور قائداعظم کو ’’کافراعظم‘‘[27] کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ ہندو قومیت کے ’’متحدہ قومیت‘‘ اور گاندھی کے دین الٰہی، جسکو یہ کانگرسی علماء بخوشی تسلیم کر چکے تھے، کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔

○ صفحہ ۵۵ پر حدیث شریف ’’الکفر ملتہ واحدۃ‘‘ پر بحث کی گئی ہے اور حدیث کی اصل روح کے خلاف اس سے من پسند نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا صاحب آپ قرآن اور حدیث کو توڑ مروڑ کر پیش نہ کریں۔

○ صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں ’’پاکستان میں تمام مسلم ممبران کا متفق ہونا بھی یقینی نہیں ہے! غیر مسلم پارٹیاں سیاسیات میں بسا اوقات مسلمان ممبروں کو جذب کرنے میں کامیاب ہو جایا کرتی ہیں‘‘۔

مولانا مدنی صاحب انصاف فرمائیں کہ اگر مسلم اکثریت کے پاکستان میں تمام مسلم ممبروں کا متفق ہونا یقینی نہیں ہے تو ہندو اکثریت کے ہندوستان میں تمام مسلم ممبروں کا متحد اور متفق ہونا کیسے ممکن ہوگا؟ اگر مسلم اکثریت کے پاکستان میں غیر مسلم پارٹیاں مسلم ممبروں کو جذب کر سکتی ہیں تو ہندو اکثریت کے اکھنڈ بھارت میں غیر مسلم پارٹیاں مسلم ممبروں کو کیونکر جذب نہ کر سکیں گی؟ کیا خود ان کی جماعت یعنی جمعیۃ علماء ہند ملت اسلامیہ کے سواد اعظم اور اکثریت سے کٹ کر غیر مسلم ہندو کانگرس کی جھولی میں نہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ متحدہ ہندوستان کی صورت میں مسلم ممبروں کا اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل جانا بالکل یقینی ہے۔

○ جناب مولانا صفحہ ۸۹ پر اخبار ’’مدینہ‘‘ کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں :-

’’اب وقت ہے کہ ہندوستان کے بارے میں صاف گوئی سے کام لیا جائے۔ مسلم لیگ کے صدر جینا نے باوجود اس صاف حقیقت کے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ کانگرس میں شریک ہے اس مطالبہ پر اڑ کر کہ مسلم لیگ ہی کو ہندوستانی مسلمانوں کا واحد نمائندہ تسلیم کیا جائے، یک بار پھر دستوری جمود کے حل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے‘‘۔

مولانا مدنی صاحب ’’صاف گوئی‘‘ اور ’’صاف حقیقت‘‘ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کانگرس میں ہندوستانی مسلمانوں کا

ایک بڑا حصہ شریک ہے۔ اگر مولانا صاحب کا سچ یہ ہے تو ان کا جھوٹ کتنا عظیم ہوگا۔ مولانا صاحب! کانگرس ایک ہندو جماعت ہے اور اس میں مسلمانوں کا ایک بڑا نہیں بلکہ قلیل حصہ شریک ہے۔ مسلمانوں کا بڑا حصہ اور اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے تیس کی تیس مسلم نشستیں جیت کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔ مسلم لیگ کے مقابلہ میں کانگرس اور کانگرسی علماء کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا تھا اور بعض حلقوں میں ان کے مخالفوں کی ضمانتیں تک ضبط ہو گئیں تھیں۔ اب مولانا حسین احمد صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ ان کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔ کیا ان کا یہ بیان دجل وفریب کا مجموعہ نہیں ہے؟ اگر ان کا سچ اتنا کڑوا ہے تو ان کا جھوٹ کتنا خطرناک ہوگا۔

○ اس رسالہ میں صفحہ ۵۶ سے ۹۳ تک پاکستانی فارمولا کے نقائص اور جمعیۃ علماء ہند کے فارمولا کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس فارمولا کے ثبوت میں وہی پامال چیزیں پیش کی گئی ہیں جن پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے اور کوئی نئی حقیقت اس میں پیش نہیں کی گئی۔ جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا در حقیقت مسلم غلامی کی ایک رجسٹری ہے اور اس میں ہندو اکثریت کی غلامی سے نجات نہیں۔

''مکالمۃ الصدرین'' کا شمار تاریخ پاکستان کے نہایت اہم اور عظیم ترین واقعات میں ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے زمانے کے عظیم ترین علماء میں سے تھے۔ وہ استاد العلماء تھے اور ہندوستان کے علمی و دینی حلقہ میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ علامہ عثمانی دوقومی نظریہ، مسلم لیگ، پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی شدومد سے تائید وحمایت کر رہے تھے۔ ایک آزاد خود مختار پاکستان ہی ان کے خوابوں کی تعبیر تھا اور اسی میں وہ اسلام اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی حیات و بقاء، نجات و استقلال، فلاح وکامیابی اور ترقی وخوشحالی دیکھ رہے تھے۔ متحدہ ہندوستان اور ہندو اکثریت کی حکومت کو وہ ملت اسلامیہ کے لئے دائمی غلامی کی ایسی رجسٹری خیال کرتے تھے جس سے نجات ممکن نہیں۔ متحدہ قومیت کے باطل نظریہ کو وہ خلاف اسلام اور مسلمانان ہند کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔ بلا شرط ومعاہدہ ہندو کانگرس میں شرکت اور اس کی تائید وحمایت کو وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف اور مسلمانان ہند کے لئے نیک تصور نہیں کرتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور دیگر کانگرسی علماء کانگرس کے متحدہ قومیت کے باطل نظریہ کی حمایت کرتے تھے اور کانگرس میں منفرد اور منتشر طور پر بلا شرط ومعاہدہ شرکت میں وہ کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ کانگرس کے آزادی کامل کے دلکش اور دلفریب نعرہ کے سحر میں وہ کچھ اس طرح گرفتار تھے کہ انگریزوں کے بعد ہندوؤں کی غلامی کو وہ

غلامی ہی تصور نہ کرتے تھے۔ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی بات منوانا ان کے اصول کے خلاف تھا۔ کانگرسی علماء کا یہ گروہ دراصل سیاسی شعور وبصیرت سے محروم اور سادہ لوح مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ تھا جس نے عصر حاضر کے ملکی اور غیر ملکی بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا عمیق اور حقیقت پسندانہ نظر سے جائزہ نہ لیا تھا۔ موجودہ دور کی مدنی زندگی اور سیاسی جدوجہد اتنی پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہے کہ سیاست دانوں کو وقت کے اہم تقاضوں، ملکی اور غیر ملکی سیاسی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، سائنسی، فنی، تجارتی اور دیگر حالات وواقعات سے کما حقہ واقفیت اور اس میں مہارت تامہ ضروری ہے۔ کانگرسی علماء ملکی اور بین الاقوامی حالات وواقعات کا صحیح شعور وادراک اور رفتار زمانہ کا درست اندازہ لگانے میں ناکام رہے، لہٰذا بری طرح ناکام ثابت ہوئے۔ کانگرس کی ہاں میں ہاں ملانے کو انہوں نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ مسلمانان ہند کو کانگرسی طرز حکومت کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا مسلم سواد اعظم نے کانگرس کے ساتھ ساتھ ان کانگرسی علماء کی پالیسیوں اور نظریات کو بھی مسترد کر دیا۔ مولانا حسین احمد مدنی اور دیگر اکابرین جمعیۃ علماء ہند علامہ عثمانی کو خدمت اسلام اور پاکستان سے ہٹا کر دوبارہ جمعیۃ العلماء ہند میں واپس لانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے پیش نظر مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی وغیرہ نے با جماعت علامہ عثمانی سے گفت وشنید کی اور متحدہ ہندوستان کے فضائل اور پاکستان کے نقصانات بیان کئے۔ علامہ نے تن تنہا وفد جمعیۃ کے تمام سوالوں کے شافی وکافی جواب دیئے اور ان کو لاجواب کر دیا۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے کچھ الزامی سوالات قائم کئے جن کا وفد جمعیۃ کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا مثلاً اگر پاکستان ہندوؤں کے مفاد میں ہے تو وہ اس کی انتہائی مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔ پاکستان بنام اکھنڈ بھارت کے اس مقدمہ میں ان کی شکست یقینی تھی اور ان کو فتح ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ ظاہر ہے ہندو اکثریت کی حکومت میں مسلم اقلیت کو کیا فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔ خدا جانے یہ سادہ لوح اور سیاسی بصیرت سے محروم علماء ہندوؤں سے کس قسم کی خدمت اسلام اور مسلمانان ہند کی فلاح وترقی چاہتے تھے۔ اگر ایک دفعہ انگریز سامراج کی جگہ ہندو سامراج مسلمانوں پر مسلط ہو جاتا تو شاید مسلمان کبھی بھی آزادی حاصل نہ کر پاتے اور دائمی غلامی ان کا مقدر ہوتی۔

علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کے مختلف پہلوؤں کو دلائل وبراہین کی روشنی میں اس قدر بہترین سیاسی انداز میں پیش کیا کہ مسلم عوام وخواص کو شفائے قلبی اور دلی اطمینان نصیب ہوا اور سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے مذہبی تذبذب کا شکار مسلمانوں کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔ اکابرین جمعیۃ علماء ہند جو علامہ عثمانی کی رائے کو متاثر

کرنے آئے تھے خود متاثر اور لاجواب ہو کر گئے۔ مسلم عوام میں ان کی نامقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا اور انتخابات میں ان کو بری طرح شکست ہوئی۔ اس مکالمہ سے ہندوستان کی سیاسی صورتحال، جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے اور آزاد و خودمختار پاکستان کی حقیقت مسلمانوں پر روشن ہوگئی۔ مکالمۃ الصدرین سے مسلمانوں پر واضح ہوگیا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور ایک علیحدہ وطن پاکستان ہی ان کے خوابوں کی تعبیر اور فلاح و ترقی و خوشحالی کا ضامن ہے۔ قائداعظم کا پاکستان ہی ان کی منزل مقصود اور نشان راہ ہے۔ مسلمان مذہبی جوش و جذبہ سے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنے لگے۔ اس مکالمہ نے تحریک پاکستان کو چار چاند لگا دیئے اور قیام پاکستان کی منزل قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔

''مکالمۃ الصدرین'' کا جواب مولانا حسین احمد مدنی، صدر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے آٹھ ماہ بعد ''کشف حقیقت'' کی صورت میں دیا گیا۔ کشف حقیقت میں کسی نئی حقیقت کا کشف نہیں کیا گیا بلکہ وہی پامال حقائق اور کانگرسی اخبار کے حوالہ جات اس میں پیش کئے گئے ہیں جنکی حقیقت پہلے ہی کھولی جا چکی ہے۔ یہ بحث برائے بحث ہے اور علامہ عثمانی بحث برائے بحث کے قائل نہ تھے۔ اس لئے کشف حقیقت کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کانگرسی علماء کی اس مہم جوئی کا اصل مقصد قیام پاکستان کو ناممکن بنانا اور مسلمانوں کی قیادت پر قبضہ کرنا تھا، جس میں وہ بری طرح ناکام رہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) الحاج مولوی فیروز الدین 'فیروز اللغات اردو' لاہور، فیروز سنز، (ت۔ن)، ص ۱۲۷۶

(۲) منشی عبد الرحمن خان 'تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی'' لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۵

(۳) مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ بلند پایہ مقرر وخطیب اور بڑے سیاستدان تھے۔ تحریک آزادی ہند میں زبردست حصہ لیا۔ متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے پرجوش حامی لیکن دو قومی نظریہ اور پاکستان کے زبردست مخالف تھے۔ ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات میں مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔

(۴) مولانا محمد طاہر احمد قاسمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حافظ محمد احمد کے چھوٹے صاحبزادے اور مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقیقی بھائی تھے۔ تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی اور علامہ انور شاہ کشمیری کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ نہایت ذہین وفطین اور سیاسی جوڑ توڑ میں ماہر تھے۔ جمعیۃ علماء اسلام کی مجلس عاملہ کے رکن اور مسلم لیگ کے پرجوش حامی تھے۔ کانگرس کے متحدہ قومیت کے باطل نظریہ کے زبردست مخالفین میں سے تھے۔ ''مکالمۃ الصدرین'' ان کا عظیم سیاسی شاہکار ہے۔

(۵) مولانا محمد طاہر احمد قاسمی (مرتب) ''مکالمۃ الصدرین'' دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۹

(۶) علامہ عثمانی کو تناسب بیان کرتے ہوئے غلط فہمی ہوئی۔ جمعیۃ علماء ہند کے فارمولا کے مطابق یہ تناسب ۴۵:۴۵:۱۰ ہے۔ تاہم اس سے علامہ کی دلیل پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

(۷) علامہ شبیر احمد عثمانی ''مکالمۃ الصدرین'' لاہور، ہاشمی بکڈپو، (ت۔ن)، ص ص ۲۵۔۲۶

(۸) علامہ شبیر احمد عثمانی ''پاکستان اور خطبات عثمانی'' لاہور، شاہد بکڈپو، ۱۹۸۹ء، ص ص ۱۹۔۲۰

(۹) چودھری محمد علی مترجم بشیر ارشد 'ظہور پاکستان'' لاہور، مکتبہ کارواں، ۱۹۸۱ء، ص ۹۱

(۱۰) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی 'خطبات عثمانی'' لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۱

(۱۱) مولانا طاہر احمد قاسمی ''مکالمۃ الصدرین'' دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۱۵

(۱۲) مولانا احمد سعید 'خطبہ صدارت میرٹھ'' میرٹھ، ہمدرد پریس، ۱۹۴۶ء، ص ۷---! سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد، اپریل۔ جون ۱۹۸۹ء، ص ص ۱۱۸۔۱۱۹

(۱۳) مولانا سید حسین احمد مدنی ''کشف حقیقت' دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، (ت۔ن)، ص ۴۔۹

(۱۴) یعنی ملت اسلامیہ کے علاوہ تمام اقوام ایک علیحدہ ملت ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم یعنی کافر کبھی بھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔ مسلمان کافر سے ایک باقاعدہ معاہدہ کے تحت اشتراک عمل تو کرسکتے ہیں بشرطیکہ اسلام غالب رہے اور حکم الٰہیہ کی بالادستی قائم رہے۔ ''میثاق مدینہ'' میں اس کی صریح مثال موجود ہے۔

(۱۵) ـــــــ: مولانا حسین احمد مدنی "پاکستان کیا ہے" دہلی، ناظم جمیعتہ العلماء، (ت۔ن) حصہ اول ص 36

I.H.Qureshi *Ulema in Politics* Karachi, Maaref Ltd, 1947, P.356

(۱۶) بحوالہ "خطبات عثمانی" ص ۱۰۰

(۱۷) ہفت روزہ "حرمت" راولپنڈی، ۶ تا ۱۲ اگست ۱۹۹۲ء، ص ۶۹

(۱۸) ضرار کا لفظ ضرر سے نکلا ہے۔ عام اصطلاح میں مسجد ضرار ایسی مسجد کو کہتے ہیں جو پہلے سے موجود کسی مسجد کے مقابلے پاس کی ضرر رسانی کے لئے بنائی گئی ہو۔ خاص اصطلاح میں اس سے مراد وہ مسجد ہے جو منافقین مدینہ نے مسلمانوں میں نفاق و انتشار پیدا کرنے کے لئے قائم کی تھی۔ اس مسجد میں وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور اسلام کے نوزائیدہ پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے منصوبے بناتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس مسجد کو گرا دیا گیا تھا۔

(۱۹) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دار العلوم جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۰۶۔۱۴

(۲۰) شریف المجاہد ترجمہ خواجہ رضی حیدر "قائداعظم حیات وخدمات" کراچی، قائداعظم اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵

21. Dr. Riaz Ahmad *Quaid-i-Azam`s Role in South Asia Political crisis* Rawalpindi, Alvi Publication, 1989, p-1

22. Waheed Ahmed *Jinnah-Irwin Correspondence* Lahore. recearch Society of Pakistan, 1969, p.1

(۲۳) مولانا سید حسین احمد مدنی "تحریک پاکستان کا حقیقی پس منظر" لاہور، مکی دار الکتب، مئی ۱۹۹۵ء، ص ۱۸۴ ـــــ: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی "تحریک پاکستان پر ایک نظر" دہلی، ناظم جمعیۃ علماء ہند، (ت۔ن) ص ص ۴۸۔۶۳

(۲۴) I.H.Qureshi, Op. cit, P352

(۲۵) ماہنامہ "الصیانۃ" لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۴۶ ـــــ: منشی عبدالرحمٰن خان "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۷۹

(۲۶) بحوالہ "کشف حقیقت" ص ۴۰

27. I.H.Qureshi Op. Cit, p.354

باب ششم

تحریک پاکستان اور علامہ عثمانی

تحریک پاکستان کے لئے انتھک جدوجہد

اس میں شک نہیں کہ تحریک پاکستان میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا لیکن اس تحریک میں برصغیر پاک و ہند کے علماء و مشائخ نے بھی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں تحریک ولی اللہی، تحریک آزادی، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور اسی قسم کی احیاء اسلام کی دوسری تحریکیں قابل ذکر ہیں۔ جن کی نوعیت اگرچہ الگ الگ تھی، مگر مطلوب و مقصود سب کا ایک ہی تھا یعنی اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں کی برتری۔ ان اکابرین کے سامنے کوئی ذاتی مفاد نہ تھا اور نہ ذاتی غرض و غایت تھی۔ یہ بے نفس و بے غرض قائدین عصری تقاضوں کے تحت مسلمانوں میں فکر و عمل کی روح پھونکتے رہے اور اسلامی شعور اور جذبہ آزادی پیدا کرتے رہے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے نظریہ پاکستان پروان چڑھا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے تحریک پاکستان کے فیصلہ کن موڑ پر جس فراست اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ پاکستان کا ایک ناقابل فراموش اور درخشاں و تابندہ باب ہے۔ تحریک کا یہ پہلو ہمیں دعوت غور و فکر دیتا رہے گا۔

اقبال احمد صدیقی اپنی مشہور کتاب *قائداعظم اور ان کے سیاسی رفقاء* میں لکھتے ہیں کہ:۔

''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہندوستان میں ہر لحہ تیز تر ہونے والی مسلمانوں کی اس تحریکی اور فکری مہم کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی کو اپنوں اور بیگانوں کی جس مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور علامہ

ممدوح نے جس پختہ عزم اور ہمت و استقامت کے ساتھ اپنے اصولی موقف کا دفاع کیا اور کئی اطراف سے اٹھنے والے تضادفکر ونظر کے طوفان کا تن تنہا مقابلہ کیا، اس کے تذکرے کے بغیر تاریخ پاکستان نامکمل اور غیر مربوط رہے گی۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کی آرزوئے صادق کے ساتھ تاریخ کے اس سفر پر روانہ ہوئے تھے“۔

مخالفین کے اس الزام میں کوئی حقیقت نہیں کہ علامہ شبیر احمد عثمانی محض اتفاقی یا حادثاتی طور پر قیام پاکستان کی مہم جوئی میں شریک ہو گئے تھے۔ علامہ ممدوح ایک معروف عالم دین، شارح قرآن اور ممتاز فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور سیاستدان بھی تھے۔ ملی اور قومی سطح کے مدوجذر نیز سیاست حاضرہ پر شروع ہی سے گہری نظر رکھتے تھے۔ مسلمان کے فکری ارتباط، معاشرتی اصلاح اور تاریخ اسلامی کے صحیح شعور وادراک کے معاملے میں انہیں خاصا تردد تھا اور اس بارے میں جو تدابیر ان کے لئے ممکن تھیں وقتاً فوقتاً اختیار فرمائیں۔ تحریک پاکستان ہو یا عالم اسلام کا کوئی اور مسئلہ ہر جگہ آپ نے انتہائی موثر اور پر جوش کردار ادا کیا[۲]۔

ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان لکھتے ہیں کہ قرارداد پاکستان کے منظور ہونے کے بعد علماء دو واضح گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ پہلے گروہ نے بڑے شدومد سے اس کی مخالفت کی اور دوسرے گروہ نے اس سے بھی زیادہ شدومد سے قرارداد پاکستان کی تائید وحمایت کی۔ پہلے گروہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے رفقاء کار شامل تھے۔ دوسرے گروہ کی قیادت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی اور دیگر علماء ومشائخ کر رہے تھے۔ پہلے گروہ نے ہندو کانگرس کی قیادت میں ہندوؤں کے متحدہ قومیت کے نظریہ اور متحدہ ہندوستان کی حمایت کی جب کہ دوسرے گروہ نے مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ اور آزاد وخود مختار پاکستان کی حمایت کی۔ پاکستان نواز علماء کا موقف یہ تھا کہ مسلم تہذیب وتمدن، ثقافت ومعاشرت، معیشت وتجارت، صنعت وحرفت اور سیاسی اقتدار وغلبہ کے لئے مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کا ہونا ضروری ہے۔ ان کے خیال میں اسلام کے نظام اور قرآنی ضابطہ حیات کے عمل ونفوذ کے لئے پاکستان کا قائم ہونا ناگزیر تھا[۳]۔

مسلسل اسلام دشمنی اور مسلم مفادات کی مخالفت کے باوجود جمعیۃ علماء ہند کا مسلم لیگ کی بجائے ہندو کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل اور تعاون مسلم عوام کے لئے ایک ناقابل فہم معمہ تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کا ایک اپنا مضبوط سیاسی پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے تاکہ ان کے مفادات وحقوق کی صحیح طور پر حفاظت ونگرانی کی جاسکے۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند میں سے کون سی جماعت مسلم مفادات کی بہترین ترجمانی کرسکتی ہے، کے بارے میں ممتاز عالم

دین اور مشہور روحانی شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ انہوں نے مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند کے زعماء کو استفساری خطوط ارسال کئے اور بعد ازاں ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو ''تنظیم المسلمین'' کے عنوان سے اپنا فتویٰ جاری کیا۔ جس میں مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شریک ہونے اور اس کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں مدد دینے کی تلقین کی گئی تھی۔ جب جمعیۃ میں حسینی گروپ نے مولانا اشرف علی تھانوی کے اس فتویٰ کی مخالفت کی اور کانگرسی مسلک کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کر دیا تو دارالعلوم کو سیاسی نزاع سے بچانے کے لئے اشرف علی تھانوی نے مدرسے کی چانسلر شپ سے استعفیٰ دے دیا اور اس سلسلے میں کسی نظر ثانی کو بھی مسترد کر دیا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی میں جب آپ کو شرکت کی دعوت دی گئی تو شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا:۔

> ''مسلمانوں کا کانگرس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگرس سے بےزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ مسلمانوں کا کانگرس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے''[۴]۔

کانگرس کے ''نظریہ متحدہ قومیت'' پر مولانا تھانوی کی کاری ضرب اور اس موضوع پر صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا حسین احمد مدنی اور ڈاکٹر محمد اقبال کے مابین علمی بحث نے مسلم لیگ کی تحریک میں ایک نئی جان ڈال دی اور یہ جستہ جستہ عوامی رنگ اختیار کرنے لگی۔ مولانا تھانوی کی اس فکر کو سیاسی میدان میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے آگے بڑھایا۔

کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء نے ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کو جب دینی اعتبار سے درست قرار دیا تو دارالعلوم کے چانسلر کی حیثیت سے علامہ عثمانی نے ۱۹۳۹ء میں اپنے ایک خط بنام ''عصر جدید'' کلکتہ میں کانگرسی علماء کے اس فتویٰ کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگرسی علماء کے دستور اساسی کا بنیادی پتھر ہے، اس معنی میں کانگرسی آئمہ اور کانگرسی علماء کی رائے مجھے شرعی اعتبار سے تسلیم نہیں۔ میرے نزدیک سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خودکشی کے مترادف ہے۔ مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں، عہد و پیمان کر سکتے ہیں، بہت سے امور میں تعاون اور اشتراک عمل کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔ دیوبند مکتب فکر کی قد آور علمی شخصیات مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے آپ کے خیالات کی تائید وحمایت کی۔ دیوبند کے ایک اور ممتاز عالم دین مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ کے ساتھ کبھی مل کر حکومت قائم نہیں کی[۵]۔

۱۹۴۰ء کے بعد علمائے دیوبند کی ایک بڑی جماعت نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر قیادت حصول پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع تحریک حصول پاکستان کی اس جدوجہد میں آپ کے دست و بازو بنے رہے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے جمعیتہ علماء ہند کی سہارنپور کانفرنس منعقدہ مئی ۱۹۴۵ء میں مسلمانوں کو مسلم لیگ کی بجائے کانگرس میں شرکت کا مشورہ دیا اور کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل کو اس وجہ سے جائز قرار دیا کہ :

''جب کونسلوں، میونسپلٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے تو دوسرے معاملات میں کیوں نہیں؟''[۶]

حضرت علامہ عثمانی کے رفیق کار مولانا ظفر احمد عثمانی نے فوراً اس فتویٰ کو رد کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ :۔

''کفار و مشرکین کے جھنڈے کے نیچے کسی تحریک میں شریک ہونا حرام ہے اور مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگرس کو تقویت دینا اور لیگ کو کمزور کرنا جائز نہیں''[۷]۔

اس نقطہ نظر پر بے شمار علماء کا کامل اتفاق تھا۔ چنانچہ ان حالات میں کانگرس سے متعلق فتووں کو کوئی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی اور نتیجتاً مسلم لیگ کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا اور تحریک پاکستان زور پکڑتی گئی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے پیغام بنام جمعیتہ علماء اسلام کلکتہ میں مسلم لیگ، قائداعظم اور نظریہ پاکستان کی زبردست حمایت و نصرت فرمائی۔ اس عظیم تاریخی پیغام سے مسلمانان ہند کا تحریک پاکستان کے حق میں جوش ٹھاٹھیں مارنے لگا اور اس پیغام نے مسلمانوں کے دلوں میں مسلم لیگ میں شمولیت اور تحریک پاکستان کی حمایت میں برقی لہر دوڑا دی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے خطبہ کے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں :

''ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اس کے قومی محرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے''..... ''اب اس چیز کا کوئی امکان باقی نہیں کہ مسلم اور غیر مسلم کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ بن سکے''..... ''متحدہ قومیت کا تخیل باطل اور خلاف اسلام ہے''..... ''آج مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گی''..... ''قائداعظم محمد علی جناح آج کل کی سیاست کے داؤ پیچ

سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہیں۔ پھر وہ نہ کسی قیمت پر خریدے جاسکتے ہیں اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتے ہیں''.....'' مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے''.....'' اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہوگئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ مل سکے گا''.....'' وقت کی اہم ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں''.....'' ہندو اکثریت میں مدغم ہوکر ہم آزادی کامل تو کیا حاصل کرتے اپنے قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے''.....'' میثاق مدینہ کی سب سے اہم دفعہ جسے عموماً استدلال کے وقت نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، یہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہوگی تو آخری فیصلہ وہ ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمائیں گے۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لئے تیار ہیں''[8]

علامہ عثمانی نے اپنے حلقہ اثر میں یہ بات ذہن نشین کرائی کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام حیات جاری وساری کرنے کے لئے اپنی علیحدہ تنظیم اور ایک علیحدہ ریاست کا ہونا ضروری ہے۔

اپنے قیام کے بعد جمعیۃ علماء اسلام نے جمعیۃ علماء ہند اور دیگر کانگرسی علماء کے خلاف سیاسی محاذ کھول دیا۔ مسلم لیگ، قائد اعظم اور پاکستان کے خلاف تمام سیاسی اور مذہبی فتووں کا سیاست اور مذہب ہی کے نام پر جواب دینا شروع کر دیا۔ پاکستان نواز علماء کے اس عمل سے کانگرسی علماء لاجواب ہوگئے اور مسلم عوام میں جمعیۃ علماء ہند کی ساکھ بری طرح مجروح ہوگئی۔ جمعیۃ علماء اسلام ترقی کرتی گئی اور قیام پاکستان کی منزل نزدیک سے نزدیک تر ہوتی گئی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم مولانا سید محمد قریش شمسی جمعیۃ علماء ہند کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

''کانگرسی جمعیۃ علماء ہند بلاشرط ومعاہدہ ہندو کانگرس سے موالات کرنے میں مٹ چکی ہے اور اس کی خاطر ملت اسلامیہ سے کٹ چکی ہے۔ کانگرسی علماء واردھا سکیم میں ایک شوشہ اور نقطہ کی ترامیم بھی نہ کروا سکے۔ یہ لوگ اپنی ملت سے کٹ کر ہندو کانگرس میں محض ہندو راج کے آلہ کار بن کر رہ گئے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند دہلی کانگرس کی مسلم ماس کنٹکٹ کی سب سے بڑی انجمن ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام کا منتہا خلافت اسلامیہ کا قیام ہے۔ لیکن جمعیۃ علماء ہند اپنے ان فرائض سے غافل ہوچکی ہے اور ہندو کانگرس سیاست کے لئے ہمہ تن وقف ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنے اصل مقصد سے بے پرواہ ہوکر صرف آزادی کی طالب ہے لیکن یہ نام نہاد آزادی صرف ہندوؤں کی آزادی ہوگی، ملت اسلامیہ

کیلئے تو یہ صرف ہندوؤں کی غلامی اور صرف آقاؤں کی تبدیلی ہوگی۔ جمعیۃ علماء ہند کو ہندو کانگرس، وطنیت، متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کی حمایت سے تائب ہو کر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ استوار کرنا چاہیے اور جمعیۃ علماء اسلام کے خالص اسلامی نصب العین اور مقاصد کی حمایت کرنی چاہیے''[۹]۔

موتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ نے اپنے تاسیسی اجلاس میں بہت سی قراردادیں منظور کیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ایک مستقل اور جداگانہ قوم ہے جس کا منتہائے نظر خلافت اسلامیہ کا قیام ہے۔ غلبہ کفار اور اکھنڈ بھارت سے نجات نیز برصغیر کی ملت اسلامیہ کی آزادی و استخلاص اور دین و شریعت کی حفاظت و مدافعت کے لئے پاکستان کا قیام ضروری ہے۔ مسلم لیگ مسلم ہند کی واحد نمائندہ سیاسی اور قومی تنظیم ہے۔ کیونکہ قیام پاکستان کا انحصار بڑی حد تک آئندہ انتخابات پر ہے اس لئے صرف اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیں۔ ایسا نہ کرنا اتحاد ملت، مفاد ملت، استقلال اسلام اور مستقل قوم کے مقاصد کے خلاف ہے۔

تحریک پاکستان کے نامور رہنما مولانا ظفر احمد انصاری [۱۰] لکھتے ہیں کہ کانگرس اور مسلم لیگ کی کشمکش اپنے شباب پر پہنچ چکی تھی اور پاکستان کے بننے یا نہ بننے کے متعلق فیصلہ کن انتخابات بھی قریب آرہے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنا پورا زور کانگرس کے حق میں استعمال کر رہی تھی۔ جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت اور رہنمائی میں میدان سیاست میں آ کر کانگرسی علماء کا پورا پورا مقابلہ کیا اور ان کا زور توڑ دیا۔ پاکستان نواز علماء نے جمعیۃ علماء اسلام اور مسلم لیگ دونوں کے پلیٹ فارم سے پاکستان کی حمایت کی اور تحریک کو بڑی تقویت پہنچائی۔

الیکشن ۱۹۴۵ء کی وجہ سے مسلم لیگ اور کانگرس میں سیاسی کشمکش بہت بڑھ گئی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند اپنا سارا زور کانگرس کی حمایت لیکن مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت پر صرف کر رہی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے ایک فتویٰ جاری کیا جس میں قائداعظم کو ''کافر اعظم''[۱۱] کا لقب دیا گیا تھا اور مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ فتویٰ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو دہلی سے جاری ہوا[۱۲]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے مولانا حسین احمد مدنی کے اس فتویٰ کو رد کرتے ہوئے اس کا مدلل جواب دیا جو کہ ''رہبر'' دکن حیدرآباد مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ:

''(مولانا) مسلم لیگ کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس کے کیا دلائل شرعیہ پیش کئے ہیں۔ محض کسی عالم کے اتنا لکھ دینے سے کہ فلاں چیز ناجائز ہے دوسرے علماء کیسے ساکت ہو سکتے ہیں۔ دلائل سامنے ہوں تو ان پر کچھ کہا جائے۔ مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم

نہیں ہوتی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے بڑے مقدس ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن یہ چیز اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ ادارے میں شرکت ہی حرام ہو۔ درآنحالیکہ اس کے فوائد اور منافع اس کے مضار اور نقصانات سے زائد ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اس کی غیر مخلوط صاف آواز ہر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم کر لی گئی اور تھوڑی سی مدت میں بدون بہت زیادہ نقصان اٹھائے دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا بلکہ لیگ اور کانگرس کو صلح یا جنگ کے ہر معاملے میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے کچھ کم ہے؟''[۱۳]۔

علامہ عثمانی کے جوابی فتوے کی وجہ سے مولانا حسین احمد مدنی کے فتوے کا الٹا اثر ہوا اور مسلم عوام میں جمعیۃ علماء ہند کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی اور ان کی مقبولیت پہلے سے بھی کم ہو گئی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تحریروں اور بیانات سے مسلم لیگ روز بروز ترقی کرتی گئی۔ مسلمانوں کو شرعی حیثیت سے اطمینان قلب نصیب ہوا اور وہ شرح صدر سے مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے۔

''مراسلات سیاسیہ'' دراصل حقیقت اور تصویر پاکستان ہے۔ ان مراسلات میں علامہ عثمانی نے نظریہ پاکستان کی حقیقت وصداقت کو جس سیاسی اور شرعی انداز میں بیان کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کہ علامہ عثمانی کی ان تحریروں نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگا دیا اور مسلم عوام مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کانگرسی علماء کا پراپیگنڈہ بے اثر ہو گیا۔ مراسلات سیاسیہ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

- ○ ''پاکستان کا مطلب ان صوبوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ایک آزاد وخود مختار حکومت قائم کرنا ہے جہاں حتی الوسع قرآنی عدل اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی نظام رائج کرنے کی سعی کی جائے گی۔
- ○ جمعیۃ علماء ہند کے فارمولہ میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں۔
- ○ پاکستان کے منصفانہ مطالبہ سے انکار کر کے دراصل ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے۔
- ○ ہندو اکثریت کے غلبہ میں مسلمانوں کا عظیم اور دائمی نقصان ہے۔

- مسلم لیگ اس وقت مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات ہے۔
- علماء کے اقتدار کی یہ تدبیر غلط ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنالیں اور اس کے نتیجہ میں دس کروڑ فرزندان اسلام کو ہندو اکثریت کا دائمی غلام بنائے رکھیں۔
- عصری سیاست ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ مسٹر جناح عالم نہ سہی لیکن جو کشتی لڑی جا رہی ہے اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہے۔
- اس وقت شخصیات سے بے پروا ہو کر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیں۔ مسلم لیگ کی مخالف جماعت یا افراد کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہے''[14]۔

اس موقعہ پر قائداعظم کی قیادت کے سلسلے میں مفتی محمد شفیع کے ایک بیان کو درج کرنا قارئین کے لئے مفید ہوگا۔ مفتی محمد شفیع نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام موتمر حیدر آباد (سندھ) کے دوران واضح کیا کہ ''مسلمانوں نے مسٹر محمد علی جناح کو موجودہ جنگ آزادی کا ایک ماہر فرد جرنیل ہونے کی حیثیت سے قائداعظم قرار دیا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ کوئی مرشد ہیں ان سے اصلاح و اعمال کا کام لیا جائے گا۔ میرے خیال میں شاید ایک مسلمان بھی یہ خیال لے کر ان کو قائداعظم نہیں کہتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی قیادت ہندوستان کی مسلم جمہوریت نے صرف اس لئے تسلیم کی ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انگریز اس وقت بین الاقوامی مقتضیات سے یا اندرونی چیخ و پکار سے متاثر ہو کر جس قسم کی بھی آزادی ہندوستان کو دینا چاہتا ہے ہندو اپنی اکثریت، مستحکم تنظیم اور بے حد و شمار سرمایہ کے بل بوتے پر اس کا تنہا مالک بن جانا چاہتا ہے۔ یہ ہندوؤں کا منصوبہ ہے کہ مسلمانوں کو 'اپنا غلام بنائے رکھے' یہ آئینی جنگ ہے جس میں جناح ماہر ہیں[15]۔

علامہ عثمانی کو لکھے گئے خطوط کے جوابات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی تھی کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کا بہترین مفاد اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی تمام تر وابستگی قیام پاکستان کے ساتھ قائم کر لیں جو اسلامی معاشرے کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی سازشوں سے کلی نجات کا واحد قابل عمل راستہ ہے۔

''مکالمۃ الصدرین'' تحریک پاکستان کی حمایت کا زبردست شاہکار ہے۔ اس مکالمہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے متحدہ قومیت کے علمبردار جمعیۃ العلماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنی اور ان کی ٹیم کو مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق تن تنہا وہ مسکت اور دندان شکن جواب دیئے کہ وہ لاجواب ہو گئے اور ان کی سیاسی موت واقع ہو گئی۔ مکالمۃ

الصدرین کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں :۔

- ○ میں نے جو رائے پاکستان کے متعلق قائم کی ہے وہ خلوص پر مبنی ہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔
- ○ وفد جمعیۃ نے تسلیم کیا کہ آپ (علامہ عثمانی) کے بیانات نے پورے ملک میں ہلچل ڈال دی ہے۔
- ○ جس اسمبلی میں ۶۰ یا ۷۰ فیصد غیر مسلم ارکان بیٹھے ہوں وہاں مسلمانوں کے حق میں کوئی فیصلہ کیسے ہو گا۔
- ○ علماء اگر شریعت کی بالادستی چاہتے ہیں تو مسلم لیگ میں شامل ہوں اور اس کی قیادت سنبھالیں۔
- ○ جمعیۃ کے فارمولے میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں۔
- ○ جناح اور مسلم لیگ کے پاکستان میں ہی برصغیر کی ملت اسلامیہ کی نجات ہے۔
- ○ اگر پاکستان ہندوؤں کے مفاد میں ہے تو وہ اس کے انتہائی مخالف کیوں ہیں؟
- ○ جناح کبھی انگریزوں کا ایجنٹ نہیں بن سکتا، نہ اسے کوئی خرید سکتا ہے اور نہ دبا سکتا ہے۔
- ○ آخر میں وفد نے علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست کی تو آپ نے اس درخواست کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں اس میں میرے لیے سکوت کیسے مناسب ہے"[۱۶]۔

مکالمۃ الصدرین علامہ عثمانی کی سیاسی بصیرت اور حاضر جوابی کا بہترین شاہکار ہے۔ یہ مکالمہ پاکستان اور متحدہ ہندوستان کے حامیوں کے درمیان ایک سیاسی مذاکرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں ہمارے علامہ شبیر احمد عثمانی نے بفضل خدا تعالیٰ کامیابی حاصل کی اور مخالفین پاکستان اور کانگرسی علماء کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ علامہ عثمانی کے منطقی اور مدلل جوابات کے سامنے مخالفین پاکستان نہ ٹھہر سکے اور۔ مکالمۃ الصدرین میں علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کے مختلف پہلوؤں کو اس قدر بہترین سیاسی انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کی نظیر نہیں۔ ایک عام فہم مسلمان بھی باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آزاد و خود مختار پاکستان ہی مسلمانان ہند کے لئے مفید ہے۔ مکالمۃ الصدرین سے کانگرسی علماء کی مخالفت دم توڑ گئی اور تحریک پاکستان کو بہت تقویت ملی۔ مسلمانوں کو اطمینان قلب نصیب ہوا اور وہ ایک نئے عزم و ارادے سے تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

۱۹۴۵ء کے مرکزی و صوبائی الیکشنوں کے موقع پر علامہ عثمانی نے تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائد اعظم کی حمایت میں زبردست بیان دیئے اور ملک کے طوفانی دورے کئے اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کو ووٹ دینے اور تحریک

پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔ الیکشن کے موقع پر ان بیان کے اہم نکات درج ذیل ہیں :۔

- ،،مسلم لیگ جس اصول پر الیکشن لڑ رہی ہے وہ شرعی اور عقلی حیثیت سے بے غبار ہے۔
- اگر مسلم لیگ الیکشن ہار گئی تو ایک سچا اصول ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔
- اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم کی تشکیل ہے جو وطن، نسل، رنگ اور پیشے سے بالا ہو۔
- میرے نزدیک مسلم لیگ کی جانب کو ترجیح ہے۔ لہذا شخصیات سے بے پرواہ ہو کر اس کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیں۔
- کیا کانگرس کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مٹھی بھر مسلمان داخل ہو کر یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہ راست پر لے آئیں گے لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے ایسی امید کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں، یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے بالا ہے۔
- آج ہندوستان میں مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔
- پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی شخص کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیے کہ اس خطہ میں فوراً خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہوگا جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ پر منتج ہو سکتا ہے،،[۱۷]۔

الیکشن کے سلسلے میں ایسے روح پرور، پر مغز، جامع و مانع لیکن دلائل سے بھرپور سیاسی بیان سے مسلم لیگ کا نظریہ پاکستان اور بھی کھل کر سامنے آ گیا اور لوگوں نے بڑے جوش و ولولہ سے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی۔

۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات دراصل پاکستان کو تسلیم کرنے سے متعلق ایک استصواب رائے کی حیثیت کے حامل تھے۔ کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کے قیام اور اس میں ہندوستان کے طول و عرض سے علماء و مشائخ کی شمولیت سے قیام پاکستان کے مسلمان مخالفین میدان سیاست میں تنہا رہ گئے تھے۔ مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان ہونے والے ضمنی انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ اسے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔ اس صورت حال میں بمبئی کے محمود داراندیری، احمد عبداللہ کاٹھیاواڑی، عبدالرحمٰن عمر جی، اسمٰعیل ابوبکر بمبئی اور

یوسف مچلا راندیر نے مفتی دیو بند مولانا محمد شفیع سے ازروئے شریعت پاکستان کے مطالبے کی حمایت کرنے سے متعلق استفسار کیا، سوالات یہ تھے۔

- ان حالات میں کہ کانگرس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور مسلمانوں کی اکثریت وغلبہ کسی حال متوقع نہیں مسلمانوں کو بلاشرط اس میں داخل ہوکر حصول آزادی کی کوشش کرنا اور ان سے مدد لینا جائز ہے یا نہیں۔
- حالات مذکورہ الصدر مسلم لیگ کی حمایت وشرکت اور اس کے زیر علم آزادی کی کوشش جائز ہے یا نہیں۔
- مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان یعنی مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان کی آزاد و مختار حکومت اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع نے ان مسائل کو قرآن، حدیث نبوی اور اسلامی فقہاء کے فیصلوں اور آراء کی روشنی میں دیکھنے کے بعد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات اور معاملات سے متعلق تین ممکنہ صورتیں پیش کیں۔ پہلی صورت میں مسلمان اور کفار کے مابین محض صلح یا تجارتی معاملات وغیرہ کے متعلق کوئی معاہدہ ہو، استعانت واستمداد یا شرکت عمل نہ ہو۔ دوسری ممکنہ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مسلم جماعت اپنے جماعتی نظام واستقلال کو باقی رکھتے ہوئے کسی تیسری حملہ آور دشمن قوم کا مقابلہ کرنے کے لئے نظام حکومت تشکیل دینے کی خواہشمند ہو اور یوں غیر مسلموں کے ساتھ ایک معاہدہ میں شریک ہو۔ تیسری صورت میں مسلمان انفرادی طور پر بلا کسی شرط و معاہدے کے کسی کافر قوم کے ساتھ شریک عمل ہو جائیں۔ عمیق علمی بحث کے بعد مفتی صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو جو حالات درپیش ہیں انہیں مدنظر رکھتے ہوئے شریعت مطہرہ کے مطابق صرف دوسری صورت میں عملدرآمد کیا جاسکتا ہے لیکن اشتراک عمل اور استمداد و استعانت اس شرط سے جائز ہے کہ غلبہ اسلام و مسلمیں کا ہو، کفار غالب یا برابر ہوں تو جائز نہیں صرف اضطرار کی صورتیں جو قیدیوں کو درپیش آجاتی ہیں اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ سیاسی تعاون کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہوئے مفتی شفیع نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۲۴ء یعنی تحریک خلافت کے اختتام کو ہندو مسلم اشتراک کا پہلا دور قرار دیا اور اس کے بعد سے لے کر تاوقت سوال کو دوسرا دور تعبیر کیا، کانگرس کے پہلے دور میں قیادت مسلمانوں کے پاس تھی اور مسلمان جب خلافت جیسے خالص دینی امر کی حفاظت کیلئے میدان عمل میں اترے اور انگریزوں کو سلطنت ترکی کے سلطان کی علاقائی حدود کو کم نہ کرنے اور اماکن مقدسہ پر سلطان کے اقتدار کی بحالی

سے متعلق مجبور کرنا شروع کیا تو ہندو اس خالص مذہبی تحریک میں شامل ہو گئے ان کی حیثیت ثانوی تھی اور انہیں مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کوئی دخل دینے کا حق اس اشتراک عمل کے حوالے سے حاصل نہیں تھا۔ لہذا مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ یہ تعاون از روئے شریعت درست تھا۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں جو سیاسی دور شروع ہوا اس کی ابتدا شدھی اور سنگھٹن جیسی مسلم دشمن تحریکوں اور بعد ازاں انہی اصولوں پر مبنی مرتب کردہ نہرو رپورٹ سے ہوئی اور مسلمانوں نے کانگرس کے اس مسلم کش طرز عمل کے باعث اس سے کنارہ کشی شروع کر دی اور علماء و زعماء کی ایک جماعت نے اس طرح غیر مشروط طور پر کانگرس میں شمولیت کو مسلمانوں کے لئے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے مضر سمجھا۔ کانگرس کی اس ہندو نوازی نے بعد کے سالوں میں انتہائی شکل اختیار کر لی اور ہندوانہ عقیدوں اور تصورات کو کانگرس وزارتوں والے صوبوں میں مسلط کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کانگرسی جھنڈے کو ہندوانہ سلامی، بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ، واردھا اسکیم، ودیا مندر اسکیم اور دیہات سدھار اسکیم وغیرہ پر مکمل عملدرآمد شروع ہو گیا، یہاں تک کہ ہندوستان کی زبان بھی اردو کی جگہ ہندی بنانے کی زوردار کوششیں کی جانے لگیں۔ اسی دور میں ہندوؤں نے ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک ہونے کا پرچار کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی کانگرس میں شرکت عضو معطل کی سی ہو کر رہ گئی۔ مفتی صاحب نے کہا کہ اب کانگرس مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی، معاشرتی سب امور میں نہ صرف دخل دینا چاہتی ہے بلکہ جبری طور سے شعائر اسلام کو مٹا کر ہندو رنگ چڑھانے کی سعی پیہم کر رہی ہے۔ اس لئے اس وقت مسلمانوں کی شرکت کانگرس بلاشبہ ناجائز ہے، جس کی تین وجوہ ہیں :

> ''اول اس لئے کہ کانگرس میں ہندو غالب اور مسلمان مغلوب ہیں اور ایسی حالت میں اگر ہندو بالفرض رواداری سے بھی کام لیں اوا اسلام کے خلاف تجاویز نافذ نہ کریں جب بھی حسب صریحات مذکورہ ان سے اشتراک عمل جائز نہیں۔
>
> دوسرے اس لئے کہ صورت موجودہ میں مسلمانوں کو طوعایا کرھا ہندوؤں کی متابعت کرنا پڑتی ہے۔
>
> تیسرے اس لئے کہ اسی متابعت و مشارکت حسب تصریح جمہور مفسرین و فقہا و شیخ الہند نور اللہ مرقدہ موالات کفار کی حد میں داخل ہو جاتی ہے''۔

کانگرس کے حامی علماء کے نظریہ متحدہ قومیت کی حمایت کو میثاق مدینہ کی بنیاد پر مبنی کرنے پر مفتی صاحب نے اظہار افسوس کیا اور کہا کہ اس میں کھلی خیانت سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں اس شق کا ذکر نہیں جس کے تحت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نزاعی امور میں آخری فیصلہ کرنے کا اختیار از روئے میثاق حاصل تھا۔ جبکہ فی الحقیقت کانگرس گاندھی کے تابع ہے جس کے نظریات اسلام کے منافی ہیں[18]۔

دوسرے سوال کے جواب میں مفتی صاحب نے یہ رائے اختیار کی۔ چونکہ کانگرس میں ہندوؤں کے غلبے کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق برباد ہو رہے ہیں اور مسلم لیگ کے علاوہ کوئی ایسی منظم جماعت نہیں ہے جس کو مسلمانوں کی اکثریت سے وہ قوت حاصل ہو جس کو حکومت وقت اور ہمسایہ قومیں تسلیم کر سکیں اس لئے تحریک آزادی اور مذہبی و سیاسی حقوق کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کا مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنا ناگزیر ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں مفتی شفیع نے کہا کہ اگر ہندوستان متحدہ رہے تو حکومت ہندوؤں کی ہوگی مسلمانوں کو تحفظات کے باوجود ان سے تجربے کی روشنی میں اچھی توقعات نہیں ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے لئے دو مطالبے ضروری ہیں ایک اپنے لئے مستقل مرکز کا جس کو پاکستان سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے مسلم اقلیتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا غیر مبہم الفاظ میں مکمل معاہدہ جس کی نگرانی اسلامی مرکز کے فرائض و اختیارات میں داخل ہو[19]۔

اس تفصیل کے بعد پاکستان کی شرعی حیثیت بالکل واضح ہے کہ ہندوستان جو صدیوں تک دارالاسلام رہا ہے اور اب ایک عرصہ سے اس پر غیر مسلم حکومت کا تسلط ہے اور بہت سے خلاف شرع قوانین نافذ ہیں اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس تسلط کے ازالہ یا تقلیل کی جو صورت جس حصہ ملک میں وہ کسی تدبیر سے حاصل کر سکیں اس میں کوتاہی نہ کریں کہ یہ بھی استخلاص دارالاسلام کی ایک فرد ہے نیز بقیہ حصہ میں وہاں کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جدوجہد بھی جاری رہنا چاہیے کہ وہ نصرۃ المستضعفین میں داخل ہے۔

ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (نومبر ۱۹۴۵ء) کو جاری ہونے والے اس فتوے کی علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، سید سلیمان ندوی، مفتی جمیل احمد تھانوی اور مولانا خیر محمد جالندھری نے تصدیق فرمائی[20]۔

مفتی محمد شفیع کے فتوے کا تحریک پاکستان میں ایک منفرد مقام ہے ان کے فتوے پر جمعیۃ علماء ہند میں شامل کسی عالم دین نے نہ تو اختلافی تبصرہ کیا نہ اس کے خلاف کوئی نیا فتویٰ جاری کیا۔ یہ فتویٰ ان ایام میں شائع کیا گیا جبکہ ہندوستان میں انتخابات کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھی۔ مفتی محمد شفیع کے اس فتوے کا مسلم عوام پر بڑا اچھا اثر ہوا اور انتخابات میں مسلم لیگ کو عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی۔

دریں اثنا مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخابات منعقد ہوئے جس میں مسلم لیگ کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ مسلم

لیگ نے تیس کی تیس مسلم نشستیں جیت لیں۔ مسلم لیگ کی اس شاندار اور بے نظیر کامیابی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء کی جدوجہد اور کاوشوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ مذہبی لحاظ سے علامہ عثمانی مسلم عوام میں وہی دینی مرتبہ اور حیثیت اختیار کر چکے تھے جو کہ سیاسی لحاظ سے بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کو حاصل تھی۔ قوم ان پر قربان ہوئی جارہی تھی اور ان کے اشاروں کی منتظر رہتی تھی۔ ہندوستان کے ہر شہر اور گلی میں ان کی عظمت و شہرت کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے ان دنوں میں مسلم لیگ کی طرف سے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے فتاویٰ، اعلانات، پیغامات وغیرہ اشتہارات اور پوسٹرز کی صورت میں ہندوستان کے ہر شہر اور گلی کوچوں میں چسپاں کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ مراسلات سیاسیہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ بڑی کوششوں اور کاوشوں کے بعد راقم ایسے دو اشتہار ادارہ تحفظ دستاویزات، اسلام آباد سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔

ان میں سے پہلا اشتہار جانشین شیخ الہند علامہ شبیر احمد عثمانی کی طرف سے مسلم ووٹران کے نام پیغام ہے۔ جس کی شہ سرخی اس طرح ہے :

> ”قومی فرض کو پہچاننے میں غفلت اور کوتاہی نہ کیجئے، مسلم لیگ کو ووٹ دے کر ہندو اکثریت اور برطانوی ملوکیت سے نجات حاصل کیجئے“۔

اس اشتہار کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ووٹ ایک ایسی چھری ہے جس سے آپ اپنے بھائیوں کا گلا بھی کاٹ سکتے ہیں اور دشمنوں کو بھی ذبح کر سکتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ اس چھری کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ یہ اشتہار مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، دہلی سے چھپوا کر شعبہ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے شائع کر کے تقسیم کیا گیا اور اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی کے دستخط کے ساتھ ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء کی تاریخ درج ہے۔

تحریک پاکستان کے موضوع پر اس انتہائی اہم اور نادر تاریخی دستاویز کا عکس بطور ضمیمہ منسلک کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ نمبر ۲ صفحہ نمبر ۶۱۷

دوسرا اشتہار بہت بڑا ہے اور یہ بھی صوبائی الیکشن کے موقع پر شائع کیا گیا۔ علامہ عثمانی کی علالت کی وجہ سے مسلمانان سندھ کے نام یہ پیغام علامہ عثمانی کی طرف سے طاہریں احمد القاسمی نے بھیجا تھا۔ اس اشتہار پر ۳ صفر ۱۳۶۵ھ / ۸ جنوری ۱۹۴۶ء کی تاریخ درج ہے۔ یہ اشتہار شعبہ نشر و اشاعت مسلم لیگ کی طرف سے شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔ اس اشتہار کی شہ سرخی اس طرح ہے :۔

> ”جانشین شیخ الہند علامہ شبیر احمد عثمانی کا ایمان پرور پیغام مسلمانان سندھ کے نام“

علامہ عثمانی کے اس تاریخی نوعیت کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی تعلق کی پرواہ کئے بغیر صرف اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیجئے۔ وہ مبارک سرزمین جس نے ہندوستان میں سب سے پہلے محمد بن قاسم کے قدموں کو بوسہ دیا، وہی اس کی مستحق ہے کہ سب سے آگے بڑھ کر آزاد پاکستان کا استقبال کرے۔ مسلم لیگ کے علاوہ احرار یا جمعیۃ علماء ہند کو ووٹ دینا دراصل ہندو کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہے۔ اس کی ایک بہترین اور خوبصورت مثال پیش کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ :

> ”جس طرح آپ کسی مقام کے ریلوے اسٹیشن سے ٹکٹ خرید کر کرایہ کی رقم وہیں داخل کرتے ہیں لیکن بحر حال وہ رقم ایسٹ انڈیا کمپنی کے خزانہ میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح بحالت موجودہ جو ووٹ آپ ان مسلم جماعتوں میں سے کسی کے نام پر دیں گے وہ آخر کار کانگرس کے خزانہ میں پہنچ جائے گا“۔

یہ اشتہار بھی تحریک پاکستان کے موضوع پر نہایت اہم اور نادر تاریخی دستاویز ہے۔ اس لئے اس کی ایک نقل بطور ضمیمہ منسلک کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ نمبر ۳ صفحہ نمبر ۶۱۸

کانگرس اور جمعیۃ علماء ہند کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء و مشائخ کی تائید وحمایت اور جمعیۃ علماء اسلام کی جدوجہد کے نتیجہ میں مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخابات میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی مسلم لیگ نے تمام کی تمام مسلم نشستیں جیت لیں۔ علامہ عثمانی سلہٹ کے حلقے سے منتخب ہوئے۔ مرکزی انتخابات کے بعد صوبائی مجلس قانون ساز کے انتخابات ہونا باقی تھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو آپ نے میرٹھ میں مسلم لیگ کی ایک عظیم الشان کانفرنس کی صدارت کی۔ جس میں آپ نے پورے عزم واستقلال اور جوش وجذبہ سے مسلم لیگ کی حمایت اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینے کی اپیل کی، اور کہا کہ یہ انتخابات مسلمانوں کے مستقبل کے لئے فیصلہ کن ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری موجودہ جنگ شخصیتوں کی نہیں بلکہ اصولوں کی جنگ ہے۔ متحدہ قومیت کے حامیوں کو ووٹ دینا ہندوؤں اور کانگرس کو ووٹ دینے کے مترادف ہے۔ لہذا مسلم لیگ کی حمایت کرنا اور اس کے امیدواروں کو کامیاب بنانا مسلم عوام کے لئے بہت ضروری ہے۔ علامہ عثمانی کے خطبہ صدارت کا مسلم عوام پر زبردست اثر ہوا اور میرٹھ کمشنری کے حالات ایک دم مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے حق میں بدل گئے اور مسلم لیگ کو صوبائی مجلس قانون ساز میں بھی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی۔ آپ کے خطبہ کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

○ ”موجودہ الیکشن میں جو نمائندے جائیں گے مستقل دستور بنانے میں انہی کا عمل دخل ہوگا۔

- کانگرس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر قائم ہے ان کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلم ایک قوم ہے۔ اس اصول کے تحت دس کروڑ مسلمانوں کو اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔ مسلم لیگ کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلمان دو الگ مستقل قومیں ہیں۔ لہذا آزادی اور حکومت ان میں سے ہر ایک کا حق ہے۔
- جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگرس کے ساتھ ملحق ہیں۔ ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔
- تمام ووٹ دینے والوں کو میرا مشورہ یہی ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں اور اس کے خلاف کسی شخصیت اور کسی تعلق کی پرواہ نہ کریں۔
- اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمہ، اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع، مضبوط، طاقتور اور سر بلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں۔
- آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم ہو جائیں اور اس کے نام کی لاج رکھ لیں"[۲۱]۔

۱۹۴۵-۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ امیدواروں کو کامیاب کرانے کے لئے علامہ عثمانی اور ان کے ساتھیوں نے بڑی جدوجہد اور کوشش کی۔ جمعیۃ علماء اسلام کی صوبائی کانفرنس میں شرکت کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے ساتھی علماء کے ہمراہ [۲۲] جنوری ۱۹۴۶ء کو لاہور پہنچے اور ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> غیر مجھے فرقہ پرست کہیں لیکن یہ زیادہ برا ہے کہ آپ مجھے غدار کہیں آپ نے مزید فرمایا کہ تمام علماء و مشائخ اب حجروں سے باہر نکلیں اور عملی طور سے مسلمانوں کی رہنمائی کریں، انہیں حصول پاکستان کے قابل بنائیں اور پاکستان قائم ہونے کے بعد ’’کمال ازم‘‘۲۳ اختیار کرنے سے روکیں[۲۳]۔

علامہ کے ایک اور ساتھی مولانا عبدالقدوس بہاری نے کہا کہ جمعیۃ علماء اسلام کسی سیاسی جماعت کا ضمیمہ نہیں ہے

بلکہ مستقل جماعت ہے۔ چونکہ اس وقت مسلم لیگ اسلامیان ہند کی بہتری کیلئے کوشاں ہے اور دشمنان اسلام کا مقابلہ کررہی ہے اس لئے ہم مسلم لیگ کی حمایت کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں"[۲۴]۔

۲۵۔۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو علامہ عثمانی کی صدارت میں کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کی عظیم الشان صوبائی کانفرنس منعقدہ لاہور پنجاب کی تاریخ میں یادگار حیثیت کی حامل تھی۔ علامہ عثمانی کا خطبہ صدارت اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے صوبہ پنجاب کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ علامہ عثمانی نے اپنے خطبہ صدارت ''ہمارا پاکستان'' میں مسلم لیگ کی زبردست وکالت کی اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے مطالبے کی پرزور وکالت اور حمایت کی۔ آپ کے اس خطبے نے مسلم لیگ اور حصول پاکستان کے حق میں برقی رو دوڑا دی۔ پنجاب کی فضا ہی بدل گئی۔ مسلم لیگ نے پنجاب میں ایک دینی تحریک کی حیثیت اختیار کرلیں اور ایسا سیلاب اٹھا جس میں تمام پاکستان مخالف قوتیں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ حقیقتاً اس خطبے نے پنجاب کی سیاست کو مسلم لیگ کے حق میں پلٹ کررکھ دیا۔ اس خطبہ میں علامہ عثمانی نے آزاد پاکستان کی تصویر کو الفاظ میں کھینچ کر لوگوں کے سامنے پیش کردیا تھا۔ علامہ عثمانی نے سامعین کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ اس خطبہ میں مسلمانوں کے لئے پاکستان کے فوائد اور مسلمانوں کے لئے ایک الگ آزاد ملک پر سیر حاصل اور پر مغز روشنی ڈالی گئی تھی۔ نیز جغرافیائی حیثیت سے پاکستان کی پوزیشن پر قابل اعتنا معلومات پیش کی گئیں تھیں۔ علامہ عثمانی نے پاکستان کی مذہبی، نظریاتی اور معاشی بنیادوں پر ایک مفصل خطبہ دیا اور پاکستان کے صوبہ وار اعداد وشمار، معدنی ذخائر، صنعت وحرفت، رسل ورسائل اور اقتصادیات پر مدلل ومفصل بحث کرتے ہوئے تفصیلی روشنی ڈالی تاکہ معترضین پاکستان، حالات وشواہد کی روشنی میں پاکستان کے متعلق ٹھنڈے دل سے غور کرکے فیصلہ کرسکیں۔ علامہ نے شرکائے موتمر کو مسلم لیگ کی آواز کو اور زیادہ موثر بنانے پر زور دیا۔

خطبہ صدارت لاہور ''ہمارا پاکستان'' کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

○ ہندوستان کے مسئلہ کا پاکستانی حل سب سے پہلے ڈاکٹر محمد اقبال نے ۱۹۳۰ء میں پیش کیا۔

○ آج پاکستان جمہور مسلمانان ہند کے لئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر ان کے دلوں میں جذبات ومسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشان مستقبل گویا ہماری طرف کو تیزی سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔

○ مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کرلے اور مطمئن ہوجائے کہ اسلامی نقطہ

نظر سے وہ صاف، واضح، غیر مبہم اور بے غبار ہے تو اس کے حصول کیلئے اسے کوئی قربانی بھاری معلوم نہیں ہوتی۔ پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

- مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا یہ موقع کہاں میسر تھا کہ مسلمان آزاد حکومت قائم کرتے۔
- کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں یا انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کیلئے قبول کر لیں۔
- جس طرح ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں لہذا ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی الگ الگ ہونا چاہیے۔
- عامہ مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو۔
- کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا تھا سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا تھا اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔
- مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے کہ پہلے آل انڈیا یونین کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی۔ ہندوستان کا اختیار حکومت دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اس کے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کر دے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔
- یہ چیز عجائب دہر میں ہے کہ ہم ستر فیصدی رہتے ہوئے تو خسارہ میں رہتے تھے اور جب پینتالیس فیصدی ہو جائیں تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔
- اگر دس کروڑ میں سے سات کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنیوالے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ کوئی فائدہ کی چیز نہیں۔
- ایک مرتبہ کم از کم پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں۔ اگر ناکام رہے گا تو بھی یہ موقع تو ہر وقت حاصل ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں۔
- قائدین مسلم لیگ تو بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ اگر آج کانگرس مسلمانوں کا منصفانہ اور صحیح مطالبہ

تسلیم کرے تو کل صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں کامل تعاون اور وحدت عمل کے ساتھ آزادی کی جنگ دوش بدوش ہو کر لڑیں گی بلکہ مسلمان اس میں پیش پیش رہیں گے۔

- دونوں قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپس کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کرنا سیکھیں گے۔
- کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہو گی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے۔
- کیا جمعیۃ العلماء ہند نے اپنا موجودہ فارمولا کانگرس اور دوسری اقوام متعلقہ سے منظور کروالیا ہے یا محض ہوا پر قلعہ تعمیر کیا جا رہا ہے؟ پہلے جمعیت العلماء ہند اپنا فارمولا کانگرس وغیرہ سے تسلیم کرائے تب دوسری مسلمان جماعتوں سے دریافت کیجئے کہ تم اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ عجب بات ہے کہ کانگرس میں شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اس کی تائید کرنے کیلئے (جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے) پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے۔ گویا مشرکیں کی بات پر تو اعتماد کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔
- اس قدر واضح اور کھلے ہوئے حقائق کی موجودگی میں کیا کوئی مسلمان بشرط سلامتی ہوش و حواس یہ گمان کر سکتا ہے کہ چند منفرد و منتشر مسلمانوں کا کانگرس میں شریک ہو کر مسلم لیگ کے خلاف محاذ بنانا صحیح ہو گا۔
- سب مسلمان یک دل و یک زبان ہو کر اپنا متفقہ مطالبہ حکومت اور کانگرس دونوں کے سامنے رکھیں تو کس کی مجال ہے کہ دس کروڑ فرزندان توحید کی پرقوت و پرہیبت آواز کو یوں ہی بے اعتنائی سے ٹھکرا دے اور اگر ایسا ہوا بھی تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے ٹھکرانے کے بعد وہ دنیا میں چین سے بیٹھ کر حکومت کرتے رہیں گے۔
- یاد رکھیئے مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے اس نے اپنی منزل مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین

خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس رستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

- ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔
- کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لئے ملی خود کشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔
- ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔
- ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔
- اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے برخود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آئندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا۔
- سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی۔
- فی الحال ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز ہونی چاہیے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی دیگر قوموں پر یہ ثابت کر دیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹروں کے قومی احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے۔
- حالات کا آخری نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے[۲۵]۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں علامہ عثمانی کی زیر صدارت بمبئی میں جمعیۃ العلماء اسلام کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی۔ آپ نے حقیقت پاکستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

پاکستان نہ کوئی نعرہ ہے نہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفی قدم۔ یہ نفرت کی پیداوار نہیں جیسا کہ کہا جا رہا ہے۔

یہ نظریہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مختلف صوبوں میں کانگرسی وزارت کے قیام کے بعد لاہور میں قرارداد منظور کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ قرارداد لاہور کا مطالعہ کریں آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ ہندوستان ہم لوگوں کا ہے۔ برطانوی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اسے مسلمانوں کے حوالے کر دے۔ گو فی الحال ہم صرف ایک تہائی حصے کے خواستگار ہیں[۲۶]۔

ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان علامہ عثمانی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلم لیگ میں شمولیت اور جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے مختلف مقامات پر تقاریر کیں اور متعدد جلسوں کی صدارت کے مواقع پر بڑے واشگاف الفاظ میں مسلم لیگ کی تائید و حمایت پر زور دیا۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں دہلی میں کنونشن کے موقع پر بڑی اہم اور پر جوش تقریر کی۔ آپ کی اس تقریر کا مسلمانان ہند پر بہت اچھا اثر مرتب ہوا اور صوبائی الیکشن میں جو فروری ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئے تھے ان میں مسلم اقلیتی صوبے کے مسلمانوں نے بھی پاکستان کی تائید و حمایت میں مسلم لیگ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور کھل کر پاکستان کی حمایت کی۔

اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں نواب قدیر الدین کی زیر صدارت مسلم لیگ کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''مسلمان اس کے قائل نہیں کہ حکومت بعد آزادی ہندوؤں کو مل جائے اور مسلمان ان کے محتاج ہو جائیں۔ مسلمانوں نے اس مطالبہ پاکستان کو بروقت پیش کر دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو بیک وقت آزادی مل جائے''۔

مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میرے بھائیو یاد رکھو کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لو اور سمجھ لو یہ دیکھو کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے خواہ کہنے والا کوئی ہو اور اگر تمہارے مفاد کی بات کرے تو اس کو قبول کر لو''[۲۷]۔

مخالفین قائداعظم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> ''یہ داڑھی منڈھے گنہگار سہی مسلمان تو ہیں۔ ہم وقت آنے پر خدا اور رسول ﷺ کا واسطہ دے کر مذہب کے نام پر ان کو خاموش تو کروا سکتے ہیں۔ ہم کو یہ تو بتلاؤ کہ گاندھی اور نہرو کو کس کا واسطہ دے کر تم خاموش کروا سکتے ہو۔ میں نے مسٹر جناح کو قائداعظم کیوں مانا ہے؟ موجودہ سیاست کو انگریزوں نے جھوٹ فریب میں رنگ دیا ہے۔ محمد علی جناح ایک کامیاب بیرسٹر ہیں وہ ہی جانتے ہیں کہ ہندوؤں اور انگریزوں کے مکرو

فریب کا جواب کس طرح ان ہی کی زبان میں دیا جائے۔ قوم نے ان کو اپنا وکیل بنا کے کھڑا کیا ہے۔ اس راہ میں وہ ہماری قیادت کر رہے ہیں"[۲۸]۔

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں علامہ عثمانی نے ملک کے طول و عرض میں طوفانی دورے کئے۔ جس میں دہلی، لاہور، بجنور، سہارنپور، لکھنو، میرٹھ، بمبئی اور کانپور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

کانگرس اور کانگرسی علماء کی طرف سے پاکستان، قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف مختلف الزامات لگائے جاتے اور بہتان باندھے جاتے تھے مثلاً یہ کہ پاکستان انگریزوں کی ذہنی اختراع ہے Pakistan is the brain child of the British اور یہ کہ مسلم لیگ انگریزوں کی ایجنٹ ہے[۲۹]۔ اور یہ کہ "دراصل انگریز تو ایک سازش کے تحت ہندوستان کے ٹکڑے کر کے یہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا چاہتا ہے اور یہ کہ مسلم لیگی سیاستدان تو محض انگریزی سازش کے ترجمان اور ذریعہ بن کر رہ گئے ہیں"[۳۰]۔ علامہ عثمانی نے ان تمام الزامات کو دلائل و براہین سے رد کر دکھایا جس سے کانگرس اور کانگرسی علماء کے منہ بند ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو برطانوی حکومت کی نمائندہ کہتے ہیں وہ دراصل خود ہندوؤں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں[۳۱]۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے اعلان میں سلہٹ اور صوبہ سرحد میں استصواب رائے ہونا قرار پایا۔ ۱۱ جون کو علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے بمبئی میں قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں یہ اعلان کرنے کو کہا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ قائداعظم نے فرمایا کہ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہوگی وہاں آئین اسلامی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس پر جمعیۃ کے قائدین نے ترکی کا حوالہ دیا جو اسلامی ملک ہے مگر وہاں کا آئین اسلامی نہیں۔ مسلم لیگ کے متعلق بھی مسلمانوں میں ایسے ہی شکوک ہیں۔ اس پر قائداعظم نے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو ان کی طرف سے اعلان کرنے کی اجازت دی کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ مولانا ظفر احمد چاہتے تھے کہ یہ تحریری طور پر قلمبند ہو جائے مگر بعد ازاں زبانی رضامندی پر مطمئن ہو گئے اور استصواب رائے کے لئے تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کو سلہٹ سپرد ہوا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل نواب زادہ لیاقت علی خان نے بھی سلہٹ کا دورہ کیا۔ سلہٹ انتہائی مذہبی علاقہ تھا اور یہاں کی بیشتر آبادی مولانا حسین احمد مدنی کے مریدوں پر مشتمل تھی۔ استصواب رائے میں مولانا مدنی کی کوشش تھی کہ سلہٹ ہندوستان کا حصہ بن جائے۔ مولانا عثمانی نے متعدد مقامات پر اپنی تقاریر میں سلہٹ کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں رائے دینے کی تلقین کی بالآخر مولانا کی سعی رنگ

لائی اور پچاس ہزار ووٹوں کی اکثریت سے اسلامیان سلہٹ نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کر دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل نواب زادہ لیاقت علی خان نے مولانا ظفر احمد عثانی کو اس کامیابی پر مبارکباد دی۔ مولانا شمس الحق فرید پوری[۳۲]، مولانا محمد ساحل عثانی اور مولانا اطہر علی خان نے مولانا ظفر احمد عثانی کے ساتھ سلہٹ کے استصواب رائے میں زبردست خدمات سرانجام دیں۔

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے صدر علامہ شبیر احمد عثانی کو صوبہ سرحد کا علاقہ دیا گیا۔ علامہ شبیر احمد عثانی نے ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد کی رائے شماری (ریفرنڈم) میں زبردست اور نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ انہی کی پرجوش تقریروں کا نتیجہ تھا جس نے کانگرس اور خدائی خدمت گار کے اس گڑھ میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا دیا اور یہاں کے مسلم عوام کو پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کر دیا۔ پشاور، بنوں، کوہاٹ، ایبٹ آباد وغیرہ میں علامہ عثانی نے استصواب رائے سے متعلق بڑے عوامی جلسوں سے خطاب کیا اور سرحد کے غیور مسلمانوں کو پاکستان میں شمولیت اختیار کرنے کی تلقین کی۔ پیر صاحب مانکی شریف، پیر جماعت علی شاہ اور مولانا عبدالقدوس بہاری نے استصواب رائے کی تحریک میں علامہ عثانی کے ساتھ کام کیا۔ بالاخر صوبہ سرحد نے بھی پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ پاکستان کی حمایت میں ۲۸۹،۲۴۴ اور مخالفت میں ۲۸۷۴ ووٹ ڈالے گئے۔ اس کامیابی پر قائداعظم نے علامہ شبیر احمد عثانی کو مبارک باد پیش کی[۳۳]۔

عبدالرشید ارشد مصنف ''بیس بڑے مسلمان'' لکھتے ہیں کہ :

> ''یہ مرحلہ پاکستان کے لئے بڑا نازک تھا۔ اس مقصد کے لئے قائداعظم کی نظر انتخاب علامہ عثانی پر پڑی۔ آپ نے صوبہ سرحد کا سخت گرمی میں دورہ کیا اور وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں تقریریں کر کے ان کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔ چنانچہ ریفرنڈم ہوا اور صوبہ سرحد کی اکثریت نے پاکستان میں اپنی شمولیت کا ووٹ دیا اور سرحد کی فتح کا یہ سہرا علامہ عثانی کے سر بندھا''[۳۴]۔

۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو لارڈ لارنس نے دارالامراء میں اور مسٹر اٹیلی نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ ہندوستان کا مسئلہ طے کرنے کیلئے ایک وزارتی وفد ہندوستان بھیجا جائے گا۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانوی کابینہ نے اس اعلان کے تحت تین آدمیوں پر مشتمل ایک وفد ہندوستان روانہ کیا، جس کا مقصد ہندوستان کے دستور کی تشکیل کا کوئی طریقہ نکالنا تھا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ کو دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ ٹیلی نے کہا:۔ ہم کو اقلیتوں کا پورا احساس ہے اور اقلیتوں کو اس لائق ہونا چاہیے کہ وہ خود سے آزاد رہ سکیں مگر دوسری طرف ہم یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ اقلیت، اکثریت کی ترقی کے خلاف اختیار امتناع (ویٹو) استعمال کرے[۳۵]۔

اس اعلان سے کانگرس بہت خوش ہوئی اور کانگرس کے بہت سے اخباروں نے خیال ظاہر کیا کہ اب برطانیہ نے آخرکار مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ قائداعظم نے فوراً اس تقریر کے جواب میں فرمایا :

''یہاں اختیار امتناع برتنے کا سوال نہیں، یہ وہ مسئلہ ہے جس پر ایک مثال چسپاں ہوتی ہے کہ ایک مکڑی نے مکھی سے کہا کہ میرے محل میں آجاؤ۔ اب اگر مکھی انکار کرتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اختیار برتا جارہا ہے اور مکھی ضدی ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہماری یہ معین حیثیت ہے کہ ہم ہندوستان کی تقسیم چاہتے ہیں اور یہ کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا حل صرف پاکستان ہے اور یہ برصغیر کی دو خودمختار دولتوں کے لئے خوشی، فلاح اور تحفظ کا باعث ہوگا''[۳۶]۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو وزارتی وفد دہلی پہنچا۔ وفد کے ایک رکن نے اعتراف کیا کہ کانگرس بڑی نمائندہ جماعت ہے جبکہ مسلم لیگ مسلم قوم کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی نے وفد کو ایک تار بھیجا۔ جس میں پاکستان کے مطالبے پر شد ومد سے زور دیا گیا تھا۔ آپ نے وفد کو متنبہ کیا کہ اگر آپ لوگوں نے ہمارے نظریہ پاکستان اور مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتائج بہت مہلک اور سنگین ہوں گے۔ آپ نے تار میں تحریر فرمایا :

''پاکستان ہماری قوم کا کم از کم مطالبہ ہے۔ ہر دو اقوام ہند کے مراکز اقتدار وحکومت خود اختیاری الگ الگ اور جداگانہ ہوں۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا پوری مسلم قوم کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ اس تاریخی قوم کے برانگیختہ جذبات کو سخت آزمائش وابتلاء میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسے خوفناک نتائج پیدا نہ ہوں جو سب کے لئے ناخوشگوار اور نقصان دہ ہوں۔ ہندوستان کے ایک اہم حصہ کو معطل کرکے کابینہ مشن اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا''[۳۷]۔

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی نے وفد کو ایک تار میں واضح کیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، پاکستان مسلمانوں کا قومی مطالبہ ہے، جس کا انکار بعید از قیاس ہے، مسلمان اس پر سمجھوتے کیلئے تیار نہیں اور اس کے حصول کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے[۳۸]۔

تحریک پاکستان کی پرجوش تائید وحمایت اور انتھک جدوجہد کے نتیجہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مسلمانوں کے ممتاز اور مرکزی رہنما تسلیم کئے جاچکے تھے۔ قوم انہیں ''شیخ الاسلام پاکستان'' کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے بعد تحریک پاکستان میں سب سے دلکش، موثر اور عوامی شخصیت علامہ شبیر احمد عثمانی کی

تھی۔ مسلم لیگ کا کوئی اہم اجلاس ایسا نہ ہوتا جس میں علامہ عثمانی شرکت نہ فرماتے۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں قائداعظم نے مسلمان اراکین اسمبلی کا شاندار کنونشن منعقد کیا۔ جسے ہماری ملی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔ قائداعظم بھی کنونشن میں تشریف لا چکے تھے۔ لیکن علامہ کو کنونشن کے جلسہ میں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ قائداعظم نے آپ کی وجہ سے کنونشن کی کاروائی قدرے ملتوی کر دی۔ جب علامہ عثمانی کنونشن میں تشریف لائے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ قائداعظم مولانا کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور تمام ممتاز ارکان و رہنما آپ کے احترام میں کھڑے ہو گئے[۳۹]۔

تحریک پاکستان کے نامور طالب رہنما حکیم آفتاب احمد قریشی نے بھی علامہ عثمانی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو زبردست نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے لکھتے ہیں :

> ”تحریک پاکستان میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے بڑا عہد آفرین کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان تک تحریک پاکستان جن نازک مراحل سے گزری، ہر مرحلہ پر مولانا سینہ سپر اور پیش پیش تھے۔ یہ بات بلاخوف وتردید کہی جا سکتی ہے کہ قائداعظم کے بعد تحریک پاکستان میں سب سے موثر اور عوامی شخصیت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تھی۔ تحریک پاکستان میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں“[۴۰]۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی بے شمار تقریروں اور تحریروں، خطوط و بیانات اور خطبات و اعلانات سے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی زبردست حمایت و نصرت فرمائی اور تحریک پاکستان کو چار چاند لگا دیئے۔

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن

جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹۔۴۵ء) نے برطانوی حکمرانوں کو بے پناہ مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا۔ جرمن یورپ کے بیشتر حصوں پر قابض ہو چکے تھے۔ جاپانی فوجیں بھی برما کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی اور کلکتہ پر ان کے ہوائی حملے شروع ہو چکے تھے۔ حالات سے مجبور ہو کر حکومت برطانیہ نے ہندوستانی عوام اور رہنماؤں سے اس جنگ میں مدد کی اپیل کی اور وعدہ کیا کہ اگر ہندوستان ہماری مدد کرے گا تو ہم جنگ کے بعد اس کو خود مختاری دے دیں گے۔ چنانچہ ہندوستان نے اس جنگ میں برطانیہ کی بھرپور مدد کی۔ صرف پنجاب سے وزیراعلیٰ خضر حیات خان ٹوانہ نے غلے اور روپیہ کے علاوہ نو لاکھ سپاہی برطانیہ کو مہیا کئے۔ مئی ۱۹۴۵ء میں جب جنگ ختم ہوگئی اور برطانیہ کو فتح حاصل ہوئی تو ۲۱ اگست ۱۹۴۵ء کو لارڈ ویول نے اقتدار ہندوستانی نمائندوں کے سپرد کرنے کی غرض سے اعلان کیا کہ آئندہ موسم سرما میں عام انتخابات منعقد ہوں گے، ایک نئی مجلس دستور ساز قائم کی جائے گی اور نئی ایگزیکٹو کونسل وجود میں آئے گی۔

وائسرائے کے اس اعلان نے ہندوستانی سیاست میں ایک تلاطم برپا کر دیا اور اس اعلان سے ہندوستان میں ایک نئے سیاسی عمل کا آغاز ہوگیا۔ کانگرس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ تمام اہل ہند کی واحد نمائندہ قومی و سیاسی جماعت ہے کیونکہ اس میں ہندوستان کی تمام قوموں کے افراد شامل ہیں۔ لیکن کانگرس کا یہ دعویٰ درست نہیں تھا کیونکہ اس میں گنتی کے صرف چند ہی مسلمان شامل تھے اور دیگر اقلیتوں کی نمائندگی بھی اس میں برائے نام تھی۔

مسلم لیگ کا یہ دعویٰ حقیت پر مبنی تھا کہ کانگرس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے اور نہ ہی وہ مسلمان جو کانگرس میں شامل ہیں اور یہ کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔ خاص تاریخی تناظر میں اپنے اپنے مفادات اور حقوق کے پیش نظر مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے یہ الیکشن نہایت ہی اہم تھے۔ کیونکہ دونوں قوموں کے مستقبل کے بگڑنے اور سنورنے کا دار و مدار انہی الیکشن کے نتائج پر تھا۔ مگر خطرے کا سرخ نشان صرف مسلم لیگ کے لئے تھا کیونکہ اسے اس حقیقت کا عملاً ثبوت مہیا کرنا تھا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ یہ انتخابات مسلم قوم اور مسلم لیگ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھے۔ اگر مسلم لیگ یہ الیکشن ہار جاتی تو مسلم قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو قوم کی غلام بن جاتی۔ متحدہ قومیت کا نظریہ درست قرار پاتا اور کانگرس کا یہ دعویٰ درست قرار دیا جاتا کہ وہی تمام ہندوستانیوں کی واحد قومی جماعت ہے۔

مسلم لیگ نے یہ الیکشن دو قومی نظریہ اور مطالبہ پاکستان کی بنیاد پر لڑے اور انگریز اور ہندو کی ملی بھگت اور تمام تر مخالفت کے باوجود فتح مند و کامران رہی۔ مسلم لیگ کو اس الیکشن میں دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ کانگرس کے ساتھ ساتھ اسے کانگرسی مسلمانوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ یہ الیکشن دو قومی نظریہ کی بقا کا اہم الیکشن تھا۔ اگر مسلم لیگی ممبروں کے مقابلے میں کانگرسی مسلمان کامیاب ہو جاتے تو یہ کانگرسی مسلمان اسمبلیوں میں متحدہ ہندوستان کی تجویز بآسانی پاس کر کے آزاد خود مختار پاکستان کی سکیم کی مخالفت کرتے اور نتیجتاً ہندو کانگرس کا متحدہ قومیت کا نظریہ درست قرار پاتا۔ ان انتخابات میں کانگرس کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند دہلی کے عاظم کار، مجلس احرار کے شعلہ بیان نقار، جماعت اسلامی کے جان نثار، انجمن خاکسار کے بیلچہ بردار، صوبہ سرحد کے سرخپوش ڈاکٹر خان اور گاندھی کے چیلے خان عبدالغفار[41]، پنجاب کے یونینسٹ انگریزوں کے حاشیہ بردار، سندھ میں جی۔ ایم۔ سید کے نمک خوار سارے کے سارے پاکستان، مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے قائد قائداعظم کے یکسر مخالف تھے۔

دوسری طرف مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں اور نظریہ پاکستان کی افادیت کے پیش نظر قائداعظم محمد علی جناح، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی، قائد ملت لیاقت علی خان اور دوسرے اکابرین نے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے

لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سواد اعظم کو اپنے ساتھ ملا کر بہترین اسلامی اسپرٹ سے کام لے کر کانگرس اور کانگرسی علماء کے نظریہ متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ پاکستان اور دو قومی نظریہ کے خلاف ان کی تمام تر کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان تاریخی انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تحریروں، تقریروں، خطبات اور بیانات نیز فتوؤں اور اعلانات نے مسلم لیگ کے حق میں فضا کو بے حد سازگار بنا دیا اور ان کے اندر مذہبی جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ مسلمانوں نے مذہبی ولولہ اور جوش و خروش سے مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیئے اور کانگرس اور کانگرسی علماء کے باطل نظریات کو مسترد کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض حلقوں میں ان کی ضمانتیں تک ضبط ہو گئیں۔ علامہ عثمانی اپنے ہم مشرب علماء اور مشائخ کے ساتھ قائداعظم کے دست و بازو بن گئے۔ انہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور دیگر علماء حق کی معیت میں ملک کے طوفانی دورے کئے۔ مجاہدانہ تقریریں کیں۔ جس سے مسلمانان ہند کے تن مردہ میں قوت حیات لہریں لینے لگی اور وہ متحدہ قومیت کا مورچہ سر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

اپنے پیغام کلکتہ میں فرماتے ہیں کہ متحدہ قومیت کا نظریہ باطل اور خلاف اسلام ہے۔ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ کافر اور مومن کی حقیقی معنوں میں متحدہ قومیت بن ہی نہیں سکتی۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ کو قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت و رہنمائی میں حصول پاکستان کے عظیم مقصد کے لئے شرعی طور پر حصہ لینا چاہیے۔ ہندو اکثریت کی غلامی قبول کرنے کی صورت میں مسلم قوم اقلیت کی بنا پر فنا ہو جائے گی۔

الیکشن کے دنوں میں مکالمۃ الصدرین کے موقع پر وفد جمعیۃ علماء ہند کا خیال تھا کہ علامہ عثمانی بیماری کی وجہ سے سیاست سے الگ تھلگ رہے ہیں ان کی سیاسی معلومات کم ہوں گی اور ہم انہیں مسلم لیگ اور پاکستان کی تائید و حمایت اور سیاست سے کنارہ کشی پر آمادہ کر لیں گے۔ مگر شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بے پناہ سیاسی صداقت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کو لاجواب کر دیا۔ وفد جمعیۃ کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے جو رائے پاکستان کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام قائم رہے یا نہ رہے، میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لیے پاکستان مفید ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے، اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو ہندو پاکستان سے پھر کیوں اس درجہ مضطرب و خائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ ان کا اعلان ہے کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے اور یہ کہ جو جماعت یا

شخص پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا، کانگرس اس کی ہر طرح امداد کرے گی۔ آپ کی یہ خواہش کہ میں ایسے موقع پر نرمی یا سکوت اختیار کروں بجا لیکن اس تاریخی الیکشن کے موقع پر، جس سے کہ قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ وابستہ ہے میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔

علامہ عثمانی نے حصول پاکستان کے لئے مسلم لیگ کی تائید وحمایت کو وقت کی سب سے اہم ضرورت قرار دیا۔ الیکشن کے متعلق اپنے ایک اہم اور ولولہ انگیز بیان میں مسلم ووٹروں کو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کانگرس ہندوؤں اور کافروں کی جماعت ہے اور مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ لہٰذا مسلم ووٹروں کو شخصیات سے بے پرواہ ہوکر صرف اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہیے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

> ''آج ہندوستان میں مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ ادھر جوں جوں اب عام مسلمان اس میں بکثرت شامل ہوتے جاتے ہیں اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں۔ پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مرجح اور بے غبار ہے۔ اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکامیاب ہوگئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سن کر کسی شخص کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہوسکتا ہے، جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔ کانگرسی ہندو اگر قومیت متحدہ کا نام لے کر یہ ارادہ رکھتے ہیں (جیسا کہ شملہ کانفرنس کے بعد صاف نظر آتا ہے) کہ خود غلام رہتے ہوئے مسلم قوم کو غلام بنائے رکھیں تو یہ یاد رکھیئے کہ اب انشاء اللہ یہ آرزو پوری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مسلم قوم آزادی کامل کے بلند بانگ دعاوی کے پس منظر کو بخوبی سمجھ چکی ہے۔ اب اس کو دوبارہ بے وقوف نہیں بنایا جاسکتا۔ لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین''[۴۲]

مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں مسلم لیگ کی عظیم الشان اور بے مثال کامیابی کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کے خطبہ صدارت میں مسلم ووٹروں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ حق رائے دہی استعمال کرتے ہوئے تلمذ، پیری، مریدی اور عقیدت جیسے تعلقات سے قطع نظر اپنی ذمہ داری بطریق احسن ادا کریں۔ متحدہ قومیت اور اس کے مستقبل میں وقوع پذیر ہونیوالے ممکنہ اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ نے کہا جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگرس کے ساتھ ملحق ہیں ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگرس ہی کو ووٹ دینا ہوگا۔ علامہ عثمانی نے مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم و استقلال سے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کریں اور شخصیات سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیں۔

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کی پہلی صوبائی کانفرنس منعقدہ لاہور میں آپ نے ''ہمارا پاکستان'' کے نام سے ایک طویل اور مفصل خطبہ دیا، جس میں پاکستان کی مذہبی، نظریاتی اور معاشی بنیادوں پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ حقیقت پاکستان کو سمجھ سکیں اور شرح صدر سے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کریں اور دل و جان سے مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں۔ علامہ عثمانی کے اس خطبہ صدارت سے مسلمانوں میں ایک نیا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا اور وہ مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے علاوہ آپ نے کانپور، بمبئی، مظفر نگر، مدراس، سہارنپور، بجنور اور دہلی میں مسلمانوں کے اجتماعات سے خطاب کیا اور انہیں پاکستان اور مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست راست مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس الیکشن کے سلسلہ میں چار ماہ تک پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کیا۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں کئی کئی جلسے ہوتے تھے۔ سفر کی تکالیف اور شب بیداری کی وجہ سے آپ کے ساتھی اکثر بیمار ہو جاتے اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا ہی جانا پڑا۔ آپ کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ پاکستان کے حق میں بدل جاتا۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور متحدہ قومیت کا مورچہ سر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

لاریب علامہ عثمانی اور ان کے ساتھی علماء کے طوفانی دوروں، علامہ کے اعلانات، بیانات، خطبات، تقریریں اور تحریریں، مسلم لیگ میں شرکت کی دعوت، متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے نقصانات، آزاد و خود مختار پاکستان کے

فوائد، کانگرس میں شرکت کے نقصانات، دوقومی نظریہ کی افادیت اور الیکشن میں مسلم لیگ کو کامیاب کروانے کی اپیل نے مسلمانان ہند میں ایک نیا مذہبی جوش و جذبہ پیدا کر دیا اور مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے مذہبی جوش و خروش سے مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیئے اور انتخابات میں مسلم لیگ کو بے نظیر کامیابی حاصل ہوئی۔

کل ہند جمعیۃ علماء اسلام نے، جس کے آپ بانی صدر تھے، اپنی ایک قرارداد میں مسلم لیگ کی مکمل حمایت کا اعلان کیا اور مسلم ووٹروں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کے سوا کسی کو ووٹ نہ دیں کیونکہ ایسا کرنا اتحاد ملت، مفاد ملت، استقلال اسلام اور مستقل قوم کے مقاصد کے خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر موقوف ہے۔

اسی زمانہ میں آپ کے ایک رفیق کار مولانا ظفر احمد عثمانی نے فتویٰ صادر کیا کہ :۔

"کفار و مشرکین کے جھنڈے کے نیچے کسی تحریک میں شریک ہونا حرام ہے اور مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگرس کو تقویت دینا اور لیگ کو کمزور کرنا جائز نہیں"[۴۳]۔

الیکشن ہی کے زمانہ میں نومبر ۱۹۴۵ء کو علامہ عثمانی کے دست راست مفتی محمد شفیع نے فتویٰ دیا کہ اس وقت مسلمانوں کی شرکت کانگرس بلاشبہ ناجائز ہے[۴۴]۔

مرکزی انتخابات کی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہندو کانگرس کے مرکزی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو نے ۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو لکھنو کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے زور بازو کا یوں اعلان کیا تھا کہ :۔

"اگر ہم نے انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا تو ہم اس کی پوری تیاری کریں گے اور جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا ہم اسے کچل دیں گے۔ ہم اپنے بنیادی اصولوں کے متعلق کوئی سمجھوتا نہیں کریں گے۔ ہم لڑنا جانتے ہیں ہم نے حکومت برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے"[۴۵]۔

پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنی قوت قاہرہ پر ناز تھا اور قائداعظم کو اپنے خدا پر بھروسہ تھا۔ اس مرد مومن نے اس اعلان مبارزت کا ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اپنی تقریری میں یہ جواب دیا کہ :

"اگر حکومت اور کانگرس نے اپنے اثر و رسوخ کا ناجائز استعمال نہ کیا تو ہم کانگرس کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوں گے۔ مگر کانگرس روپیہ پیسہ کے بل بوتے پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ انشاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے"[۴۶]۔

اسی طرح کے ایک موقع پر جارحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا۔

آج ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ ایک چوتھائی ہندوستان لے لیں اور تین چوتھائی ان کے لئے چھوڑ دیں۔ اگر وہ سودا بازی اور حجتیں کرتے رہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ یہ تین چوتھائی بھی نہ لے سکیں۔ آج پاکستان ہمارا نصب العین ہے جس کے لئے مسلم ہندوستان جیے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو جان بھی دے دے گا[۴۷]۔

اس الیکشن مین جمعیتہ علماء اسلام، مسلم لیگ اور پاکستان کی مکمل تائید وحمایت کر رہی تھی۔ کانگرس کے ساتھ ساتھ باقی تمام مسلم جماعتیں مسلم کے مدمقابل کھڑی تھیں، جن میں جمعیتہ علماء ہند، مجلس احرار، مومن کانفرنس، شیعہ کانفرنس، خدائی خدمتگار، انجمن وطن، بلوچستان، انڈی پینڈنٹ پارٹی بہار، یونینسٹ پارٹی اور خاکسار قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام پارٹیاں برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے سخت مخالف تھیں۔ ان کے خیال میں ہندوستان کو ہندو ہندوستان، اور مسلم ہندوستان (پاکستان) میں تقسیم کرنے کی تجویز ناقابل عمل اور بالعموم ملک کے مفاد اور بالخصوص مسلمانوں کے مفاد کے خلاف اور مضر ہے۔ اس سے ہندوستان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی اور انگریز حکومت اس سے فائدہ اٹھائے گی۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات دسمبر ۱۹۴۵ء میں مفعقد ہوئے اور اس کے نتائج دسمبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں آنے شروع ہوگئے۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جنوری۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئے اور نتائج جنوری کے آخری ہفتوں میں آنے شروع ہوگئے تھے۔ مسلم لیگ نے مسلمان رائے دہندگان سے اپیل کی تھی کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو مطالبہ پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے ووٹ دیں۔ مسلمانوں کے درمیانہ طبقہ کے طلباء نے اس انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے شہروں اور قصبوں کے علاوہ دیہاتی علاقوں میں بھی پاکستان کا وسیع پیمانے پر پراپیگنڈا کیا۔ پنجاب مسلم لیگ کے انتخابی منشور میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ کا معاشی نظام سوشلزم پر مبنی ہوگا، انقلابی زرعی اصلاحات ہوں گی اور بڑی بڑی صنعتوں کو قومی تحویل میں لیا جائے گا۔ لہذا سندھ، پنجاب اور سرحد کے بیشتر مسلمان جاگیرداروں نے نواب الہ بخش، سر خضر حیات خان ٹوانہ اور عبدالغفار خان کی سرکردگی میں آگے بڑھ کر مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ مسلم لیگ کو سب سے شدید مخالفت کا سامنا پنجاب میں کرنا پڑا جہاں یونینسٹ پارٹی سے منسلک مسلمان جاگیرداروں کے ایک بہت بڑے گروہ نے تحریک پاکستان کے خلاف محاذ قائم کر رکھا تھا۔ حسب توقع کانگرس کو مرکزی اور صوبائی ہندو حلقوں میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے مرکزی اسمبلی کی مخصوص نشستوں کے سوا ساری ہندو نشستیں جیت لیں اور صوبائی اسمبلیوں میں اس کے منتخب نمائندوں کی تعداد ۷۰۴ سے بڑھ کر ۹۳۰ ہوگئی۔ وہ آٹھ صوبوں میں قطعی اکثریت سے ابھری تھی۔ لیکن مسلم لیگ کی کامیابی خلاف توقع اور حیرت انگیز تھی۔ اس نے مرکزی

اسمبلی کی تمام مسلم نشستیں جیت لی تھی۔ یہ سو فیصد کامیابی ہندوستان کے انتخابات کی تاریخ میں ریکارڈ کی حیثیت رکھتی تھی۔ تقریباً ۹۰ فیصد مسلمان رائے دہندگان نے مسلم لیگی امیدواروں کے حق میں ووٹ دیئے تھے۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں بھی مسلم لیگ کو صوبہ سرحد کے سوا باقی تمام صوبوں میں نمایاں کامیابی ہوئی تھی۔ اس نے صوبائی اسمبلیوں کی ۴۹۲ مسلم نشستوں میں سے ۴۲۸ نشستیں جیتی تھیں۔ حالانکہ ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں اس نے صرف ۱۰۹ نشستیں حاصل کی تھیں۔ مسلم لیگ کی پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں کامیابی سب سے زیادہ حیرت انگیز تھی۔ اس نے ۸۶ مسلم نشستوں میں سے ۷۵ نشستیں جیتی تھیں۔ جاگیرداروں کی جماعت یونینسٹ پارٹی کا جنازہ نکل گیا تھا۔ اس نے صرف ۱۰ نشستیں حاصل کی تھیں اور اس طرح جناح کا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تھا کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور مطالبہ پاکستان کو مسلم عوام کی زبردست تائید و حمایت حاصل ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود کے مطابق ”مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ نے تیس کی تیس مسلم نشستیں حاصل کیں جبکہ صوبائی اسمبلیوں میں وہ ۴۹۵ میں سے ۴۴۶ نشستوں پر کامیابی ہوئی۔ اس طرح اس نے مسلم ووٹوں کا ۸۸ فیصد حصہ حاصل کیا[۴۸]۔

مرکزی انتخابات میں مسلم لیگ کو بے مثال اور ریکارڈ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ پارٹی پوزیشن حسب ذیل تھی:

○	کانگریس	۵۷
○	مسلم لیگ	۳۰
○	آزاد امیدوار	۵
○	اکالی سکھ	۲
○	اور یورپین	۸

مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی پر قائداعظم محمد علی جناح نے حق تعالیٰ کے اس فضل خاص کا شکر ادا کرنے کے لئے یوم فتح منایا اور ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو اس تقریب سعید کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ”مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیاب کی مثال کسی ملک اور کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہٹلر اور میسولینی جیسے ڈکٹیٹر بھی ایسی شاندار فتح حاصل کرنے میں ناکام رہے، جیسی کہ آج ہم کو نصیب ہوئی ہے۔ اس انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلم عوام مسلم لیگ کے ساتھ ہیں“[۴۹]۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہونا باقی تھے۔ اب کانگرس کا یہ خیال تھا کہ مرکز میں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کو ضرور شکست ہو گی۔ چنانچہ کانگرس کے مرد آہن سردار پٹیل نے قائداعظم کی یوم فتح والی تقریر کا جواب دیتے ہوئے ۱۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ الٹی میٹم دیا:

> "مرکز میں مسلم لیگ تمام مسلم نشستوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اب بے شک یہ جماعت یوم فتح منا رہی ہے اور یہ سمجھ رہی ہے کہ ہم نے پاکستان لے لیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ پاکستان اس طریقہ پر حاصل نہ ہو گا کیونکہ پاکستان حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگر پاکستان کا قیام عمل میں لانا منظور ہے، تو ہندوؤں اور مسلمانوں کو میدان جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہونا ہو گا اور اس صورت میں خانہ جنگی ہو کر رہے گی۔ صوبائی انتخابات وسیع حق رائے دہی کی بنیادوں پر لڑے جائیں گے۔ کانگرس فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ ہر غیر مسلم نشست کا مقابلہ کرے گی اور زیادہ سے زیادہ مسلم نشستوں کے لئے بھی اپنے امیدوار کھڑے کرے گی۔ ہم دیکھیں گے کہ پاکستان کس طرح قائم ہوتا ہے اور مسلم لیگ کس طرح یوم فتح مناتی ہے"۔

یہ مرد مومن کفر کی قوت کے ساتھ کس ساز و سامان سے صوبائی انتخابات کی جنگ جیتنے کا پروگرام بناتا ہے؟ اس کا جواب ان کی ۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء والی تقریر سے ملتا ہے، جو انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور میں فرمائی کہ:۔

> "انتخابات کے دنوں میں ہم پٹرول اور گاڑیوں کا انتظام نہ کر سکیں گے۔ اس لئے طالب علموں کو میرا یہ پیغام ہر ووٹر تک پہنچا دینا چاہیے کہ وہ رائے دہی کے اڈوں تک پیدل آئے اور ووٹ دینے کی زحمت گوارا کرے"[۵۰]۔

لیکن کانگرس کو اپنے تمام وسائل اور مال و زر استعمال کرنے کے باوجود صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں بھی شرمناک شکست ہوئی۔ مسلم لیگ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں آندھی کی طرح چھا گئی تھی۔ کانگرسی مسلمانوں کو بھی منہ کی کھانی پڑی۔ صوبائی اسمبلیوں میں مسلم لیگ کی نشستوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ	کل مسلم نشستیں	حاصل کردہ نشستیں
○ بنگال	۱۱۹	۱۱۳
○ سندھ	۳۴	۲۸

○	یو۔ پی	۶۶	۵۴
○	بہار	۴۰	۳۴
○	مدراس	۲۹	۲۹
○	سی۔ پی	۱۴	۱۳
○	بمبئی	۳۰	۳۰
○	آسام	۳۴	۳۱
○	سرحد	۳۶	۱۷
○	پنجاب	۸۶	۷۹
○	اڑیسہ	۴	۵۱

۲۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ:

''مسلمانانِ ہند نے کسی شک و شبہ کی گنجائش کے بغیر واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی مسائل کا واحد حل ہندوستان کو، پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنے میں مضمر ہے۔ آخر میں مسٹر جناح نے اپیل کی کہ حکومت برطانیہ اور وائسرائے کو حقائق کا سامنا کرنا چاہیے اور کسی تاخیر کے بغیر پاکستان کے اہم سوال پر کوئی واضح اعلان کرنا چاہیے''[۵۱]۔

مسلم لیگ کی اس تاریخی اور فقید المثال کامیابی میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء و مشائخ کی مسلسل جدوجہد، کوششوں اور کاوشوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ ان علمائے ربانی کی حق بات کے سامنے کانگرسی علماء کی تمام جدوجہد اور حربے بے کار ثابت ہوئے اور انتخابات میں ان کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلم عوام نے قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ شبیر احمد عثمانی کا ساتھ دیا اور کانگرسی علماء کے متحدہ ہندوستان کو مسترد کرتے ہوئے پاکستان کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

حکیم آفتاب احمد قریشی نے تحریک پاکستان میں ان کے زبردست کردار اور ۱۹۴۵۔۴۶ء کے مرکزی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں ان کو ولولہ انگیز تقاریر، بیانات اور خطبات کو زبردست الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا

ہے۔ لکھتے ہیں :

''۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی اور ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا زمانہ آیا تو مولانا کی ذات گرامی نے علالت و نقاہت کے باوجود ملک بھر کا سفر کیا اور مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مولانا کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہزاروں علماء نے تحریک پاکستان کی حمایت کی۔ اس طرح ان کی تقاریر سے متاثر ہو کر لاکھوں انسانوں نے مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیا۔ اس دوران میں کئی بار مخالف حضرات نے حضرت سے سیاسی مناظرے کئے مگر حضرت نے اپنے دلائل و براہین سے مخالفوں کو عاجز کر دیا''[۵۲]۔

جب علامہ نے ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی زبردست، بے نظیر اور شاندار کامیابی پر بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو مبارک باد دی تو قائداعظم نے فرمایا :۔

''مولانا اس مبارک باد کے مستحق تو آپ ہیں کیونکہ یہ کامیابی آپ ہی کی کوششوں کا ثمر ہے''[۵۳]۔

انتخابات نے برصغیر پاک و ہند کو واضح پر دو حصوں یعنی ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان (پاکستان) میں بانٹ دیا تھا۔ لیکن برطانوی سامراج اور سازشی ہندو اپنے مخصوص اغراض و مقاصد و مفادات کے لئے اسے متحد رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات نے تحریک پاکستان کو جو تقویت دی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان انتخابات نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے فعال مسلمان اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے لئے ایک الگ ملک حاصل کریں۔ اور وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں اور شرارتوں کا بھی بیک وقت جواب دینے کے قابل ہو گئے تھے۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں دہلی میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے اسمبلیوں کے نومنتخب اراکین کا اجلاس ہوا۔ اجلاس میں مسلم قوم کے لئے ایک خودمختار ریاست کا مطالبہ دہرایا گیا۔ مسلم لیگی اراکین اسمبلی نے قسم کھائی کہ وہ مطالبہ پاکستان سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر نہ ہوں گے اور پاکستان کے مقصد کے حصول کے لئے ہر خطرے، قربانی اور آزمائش کا سامنا کریں گے[۵۴]۔

میرٹھ کا عظیم انتخابی معرکہ

مسلم لیگ، کانگرس اور ان کی حلیف جماعتوں کے درمیان کشمکش کی سب سے بڑی وجہ آئندہ آنے والے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات تھے۔ مسلم لیگ کا کہنا تھا کہ وہ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے لیکن کانگرس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ تمام اہل ہند کی واحد قومی جماعت ہے اور مسلم لیگ کی حیثیت ایک فرقہ وارانہ جماعت کے سوا کچھ

نہیں۔ کانگرس کا یہ دعویٰ دراصل ہندو دماغ کی اس کوشش اور سازش کی ایک کڑی تھی کہ صرف وہی (کانگرس) انگریزی اقتدار کی وارث بننے کی واحد اور صحیح حقدار ہے۔ اگر مسلم لیگ مرکزی اور صوبائی انتخابات میں ناکام ہو جاتی تو مسلم لیگ کا دعویٰ غلط اور کانگرس کا دعویٰ درست قرار پاتا اور پھر مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان بھی کمزور پڑ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ الیکشن مسلم لیگ اور اس کے امیدواروں کے لئے زندگی اور موت کا سوال تھے۔ مسلم لیگی اور کانگرسی امیدوار بڑے زور شور سے اپنی انتخابی مہم چلا رہے تھے۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ اور بڑا معرکہ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان اور کانگرسی امیدوار محمد احمد کاظمی، جو کہ جمعیۃ علماء اسلام کے نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی عزیز تھے، کے درمیان میرٹھ کمشنری میں ہو رہا تھا۔ میرٹھ کمشنری میں مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کی کامیابی بہت ضروری تھی کیونکہ اگر لیاقت علی خان ہار جاتے تو کانگرس کہتی کہ جب مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری ہار گیا تو مسلم لیگ کا دعویٰ کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، غلط ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ الیکشن خاص اہمیت کا حامل تھا۔ کانگرس نے کاظمی کی کامیابی کے لئے سیم و زر کی تھیلیاں کھول دیں اور کانگرس کے بڑے بڑے لیڈر اس حلقہ انتخاب کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ کانگرسی علماء بھی کاظمی کی کامیابی کے لئے گاؤں گاؤں گھوم رہے تھے۔ اور یہ علاقہ مولانا حسین احمد مدنی کے عقیدت مندوں کا مخصوص علاقہ تھا۔ چنانچہ کاظمی کی پشت پر پوری جمعیۃ علماء ہند کی طاقت تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی محاذ انتخاب پر پہنچ چکے تھے۔ دار العلوم دیوبند کا پورا عملہ بھی ان کی حمایت پر تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے نوابزادہ لیاقت علی خان کی کامیابی کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ میرٹھ، سہارنپور اور بجنور میں تقاریر کیں اور علاقہ کے دورے کئے۔ چنانچہ لیاقت علی خان کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی میں علامہ عثمانی کی کوششوں کا بڑا عمل دخل تھا۔

قائد ملت نوابزدہ لیاقت علی خان کے انتخابی معرکہ میں علامہ عثمانی کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد اشفاق احمد لکھتے ہیں کہ اس موقع پر میرٹھ میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس کی صدارت علامہ عثمانی نے فرمائی۔ آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں پاکستان کے حصول کی اہمیت کو واضح کیا۔ سہارنپور اور بجنور میں تقاریر فرمائیں۔ لیاقت علی خان کامیاب ہوئے مرکز میں مسلمانوں کی سو فیصدی کامیابی سے نیشنلسٹ مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ کانگرس ہکا بکا رہ گئی۔ پاکستان کا حصول آسان ہو گیا اور کانگرسی علماء گھبرا گئے اور علامہ عثمانی کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی اور سکوت کی درخواست کی، مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ مکالمۃ الصدرین میں دوران گفتگو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اگر میری وجہ سے نوابزادہ لیاقت علی خان کو کچھ ووٹ مل گئے اور وہ کامیاب ہو گئے تو کیا ہوا آپ حضرات تو بااثر ہیں۔ کسی نے کہا یہ بات نہیں۔ آپ کے اعلانات نے ملک میں ہلچل ڈال دی ہے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان کے اس عظیم انتخابی معرکہ کے متعلق سید یعقوب حسن نے علامہ عثمانی کے برادرزادہ مولانا زبیر افضل عثمانی سے روایت کیا ہے کہ خوش قسمتی سمجھیے یا بدقسمتی کہ ان کا حلقہ انتخاب ہمارا ہی ضلع سہارنپور تھا۔ خوش قسمتی اس لئے کہ انتہائی مایوس کن اور نامساعد حالات میں کل ہند مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کو کامیابی سے ہمکنار کروایا اور بدقسمتی یہ تھی کہ تقریبا پورا ضلع مسلم اکثریت کے باوجود مولانا حسین احمد مدنی کے ارادتمندوں کا مخصوص علاقہ تھا۔ دوسری طرف مقابلہ بھی بہت ہی قدیم اور مقبول لیڈر محمد احمد کاظمی سے تھا، جن کی کانگرس سے وفاداریاں کانگرسی حلقوں میں ضرب المثل تھیں۔ کانگرس ہر قیمت پر یہ انتخاب جیتنا چاہتی تھی۔

انتخاب کا وقت جتنا قریب آتا جارہا تھا قائد ملت لیاقت علی خان کی گھبراہٹ میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوتا جارہا تھا ایک دن وہ مجسمہ حزن وملال بنے ہوئے علامہ عثمانی کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت علامہ شبیر احمد عثمانی نے بڑے والہانہ انداز میں فرمایا:۔

> ”نوابزادہ صاحب ہم نے وحدانیت اور رسالت کا علم بلند کیا ہے اور اگر خدانخواستہ ہمیں ناکامی ہوئی تو ہم یہ سمجھ لیں گے کہ ہماری ہی کسی خامی کی وجہ سے تمام تر سعی بارگاہ الٰہی میں نامشکور ہوگئی۔ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے تائید غیبی کا انتظار کیجئے“۔

اس کے بعد قائد ملت نے علامہ عثمانی کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت کانگرس ووٹوں کی خریداری پر بے دریغ روپیہ خرچ کررہی ہے اور لوگوں میں تقسیم کررہی ہے۔ میں نے بھی جب قائداعظم سے ووٹوں کی خریداری کے لئے اجازت طلب کی تو قائداعظم نے فرمایا:

> ”اس کا بھول کر بھی تصور نہ کرنا۔ کیونکہ جو لوگ آج اپنا ووٹ فروخت کرسکتے ہیں وہ کل پاکستان کو بھی بیچ ڈالیں گے اور ہمیں ایسے کرائے کے ٹٹوؤں کی ضرورت نہیں ہے“[۵۵]۔

قائد ملت کے رخصت ہوجانے کے بعد علامہ عثمانی نے مجھے اور میرے چھوٹے بھائی عامر عثمانی ایڈیٹر ”تجلی“ کو بلوا کر فرمایا کہ:

> ”مرض اور ضعف کی وجہ سے میری جو حالت ہے وہ تم دونوں کے سامنے ہے لیکن میرا تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنا ہر لمحہ نوابزادہ کے انتخاب کی کامیابی کے لئے وقف کردو“۔

چنانچہ ہمارا انتخابی ہیڈ کوارٹر رڑکی میں قائم کیا گیا تاکہ سہارنپور سے ڈیرہ دون تک کام کرنے کا موقع مل سکے۔ لیکن ہمارے پاس انتخابی مہم کے لئے کوئی ٹرانسپورٹ نہیں تھی اس لئے بیل گاڑیوں پر قریہ قریہ مسلم لیگ کا پیغام پہنچانے

کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس مہم میں کئی حادثات بھی ہوئے لیکن ہمارا کام اور سفر جاری رہا۔ انتخابی سرگرمیاں تیز سے تیز ہوتی گئیں اور ہمیں ہر منزل پر دشمنان مسلم لیگ سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ لیکن ہمیں ان باتوں کی بھلا کب پرواہ تھی۔ ہمیں تو بس ایک ہی دھن اور ایک ہی لگن تھی کہ ہر صورت میں مسلم لیگ اور لیاقت علی خان کو کامیاب کروانا ہے۔

اسی انتخابی مہم کے سلسلے میں سردار عبدالرب نشتر نے بھی دیوبند کا دورہ کیا۔ جب سہارنپور کے ایک رئیس نے اپنی کار ہمارے لئے وقف کر دی تو ہمیں بیل گاڑیوں سے نجات مل گئی اور ہم خورد و نوش سے بے نیاز مکمل جوش عمل کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران گاہے بگاہے قائد ملت لیاقت علی خان سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ جوں جوں الیکشن کے دن قریب آتے گئے۔ ہمارے عزم و عمل میں تیزی و تندی آتی گئی اور ہم نے گھر گھر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ لوگوں میں بے حساب جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مسلمان نوجوانوں کی زبان پر بس ایک ہی نعرہ تھا:

''سینے پہ گولی کھائیں گے اور پاکستان بنائیں گے''۔

یہی وہ جذبہ تھا جسے دیکھ کر قائداعظم نے گاندھی سے فرمایا تھا:

''گاندھی جی میری نگاہیں پاکستان کے سنہرے کلس دیکھ رہی ہیں''۔

اللہ اکبر کیا جذبہ تھا کہ حصول پاکستان کے وقت مسلمانوں کے عزم آہنی نے مشرکین و نصاریٰ کے فولادی پنجوں کو مروڑ کر رکھ دیا۔ ہندو و نصاریٰ اور کانگرسی علماء کے تمام شیطانی منصوبے ناکام ہو کر رہ گئے۔

آخر وہ یوم حساب بھی آ ہی گیا جس کے لئے یہ تگ و دو کی جا رہی تھی۔ اس دن ہماری ڈیوٹی اپنے ہی وطن دیوبند لگا دی گئی۔ ہم نے اذان سحری کے بعد ایک تانگہ میں مائیکروفون فٹ کر کے مسلم لیگ کے لئے کنونسنگ شروع کر دی۔ اس جوش و خروش نے لوگوں میں حرارت ایمانی کو اس قدر فروزاں کر دیا کہ کانگرسی مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شمولیت کے متعلق اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور انہوں نے کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگی امیدوار کو ووٹ دیا۔

مولانا زبیر افضل عثمانی لکھتے ہیں کہ کانگرسی مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا اور وہ کامیابی کے زعم میں بینڈ باجے سے لیس نتیجہ کے انتظار میں کھڑے تھے، لیکن مسلم لیگ کی کامیابی کے فیصلے آسمانوں پر ہو چکے تھے۔ جب مائیکروفون پر غیر سرکاری طور پر اعلان ہوا کہ کانگرس کے مقابلہ میں مسلم لیگ ٢٢١ ووٹوں سے جیت گئی ہے تو مسلم لیگی کارکنوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔ کانگرس کی آلہ کار جمعیتہ العلماء ہند کے ہیڈکوارٹر دیوبند میں مسلم لیگ

کی کامیابی، مسلم لیگ کے تمام حلقوں کی کامیابی کی ضامن تھی، چنانچہ یہی ہوا کہ ہر حلقہ سے قائد ملت لیاقت علی خان اور مسلم لیگ کی کامیابی کی اطلاعات پہنچنی شروع ہو گئیں۔ مسلم لیگ اور لیاقت علی خان کی کامیابی پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔

منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں کہ کانگرس اس الیکشن میں مسلم لیگ کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ کانگرس پانی کی طرح روپیہ خرچ کر رہی تھی اور ہندوستان کی تمام سیاسی مسلم جماعتیں اس کے مقابلہ میں لا کھڑی کی تھیں۔ اس پر نواب زادہ لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم خان کو اپنا خط دے کر مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر علی تھانوی[۵۶] مہتمم خانقاہ امدادیہ کے پاس تھانہ بھون بھیجا اور انہیں لکھا کہ اگر آپ اس وقت دورہ پر نہ نکلیں گے تو مسلم لیگ کی کامیابی دشوار ہے۔ مولانا شبیر علی نے بھی مولانا ظفر احمد سے سفارش کی کہ اس درخواست کو ہرگز رد نہ کیا جائے۔ اس پر مولانا ظفر احمد عثمانی رشتہ داری کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرتے ہوئے ملی مفاد کی خاطر الیکشن مہم پر نکل کھڑے ہوئے اور سردار امیر اعظم کے ہمراہ سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفر نگر، بلند شہر کے اضلاع میں الیکشن مہم چلا رہے تھے مگر ہوا کا رخ صحیح نہ ہو رہا تھا اور بات بنتی نظر نہ آتی تھی۔

خواجہ آشکار حسین لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ مولوی زدہ اور پیر زدہ تھا۔ مولوی ہی پیر تھے اور ان کی اکثریت مسٹر کاظمی کے ساتھ تھی۔ لیکن مقابلہ میں لیگ کی انتخابی مشیزی کا کوئی پرزہ بھی درست نہ تھا۔ لیاقت علی دہلی سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ انہیں پورے ملک کے انتخابات کی فکر تھی۔ جب حالات بدتر ہونے لگے تو انہیں سنبھالنے کے لئے علی گڑھ سے طلباء بلائے گئے۔ مجھے بھی پروفیسر حلیم نے ایک وفد کے ساتھ روانہ کیا۔ خواجہ بلند شہر اور سہارنپور پہنچ کر معلوم ہوا کہ کامیابی کا کہیں نام و نشان نہیں۔ آخر مظفر نگر پہنچ کر ہدایات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں بھی یہی بدحالی تھی۔ لیاقت علی خان کے مینجر سردار اکرم خان، ان کے صاحبزادے امیر اعظم خان اور طلباء علی گڑھ کے سربراہ پروفیسر عمر سب حیران تھے۔ علی گڑھ کے پروفیسر حلیم اور پروفیسر عمر کی رپورٹ پر فیصلہ ہوا کہ یہاں کے لوگ شرعی فتویٰ کے بغیر اپنی رائے نہ بدلیں گے اور دیوبند کے فتویٰ کے بغیر یہاں کام نہیں چلے گا، لہٰذا وہاں سے فی الفور فتویٰ منگوایا جائے۔ مگر وہاں جانے کی کسی میں ہمت نہ پڑتی تھی۔ قرعہ فال میرے نام پہ نکلا۔ میں وہاں سے ایک فتویٰ بڑی رد و قد کے بعد لانے میں کامیاب ہو گیا اور اسے پوسٹروں کے ذریعہ شائع کیا۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ جب تک مفتی دیوبند مولانا محمد شفیع کا فتویٰ نہیں آئے گا۔ ہم نوابزادہ کو ہرگز ووٹ نہ دیں گے۔ چنانچہ میں دوبارہ دیوبند گیا اور مفتی محمد شفیع کا فتویٰ لایا۔ جس سے ہوا کا رخ بدل گیا اور نوابزادہ صاحب تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے جیت گئے[۵۷]۔

ان تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے لئے علماء ربانی کی تائید وحمایت حاصل کئے بغیر ان تاریخی الیکشن میں کامیابی بہت مشکل تھی۔ ان اکابر علماء کے فتوؤں اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے دوروں نے رائے عامہ کو مسلم لیگ کی تائید پر مجبور کر دیا اور نوابزادہ لیاقت علی خان کانگرس اور جمعیۃ علماء ہند کے مشترک امیدوار کے مقابلہ میں جیت گئے۔ یہ جمعیۃ علماء اسلام کی پہلی شاندار کامیابی تھی اور مسلم لیگ کی بے نظیر فتح۔

قائد ملت نواب زادہ لیاقت علی خان نے اس حلقہ انتخاب اور دیگر حلقوں میں مسلم لیگ کی تاریخی کامیابی پر علماء ربانی کی بے مثال خدمات عظیمہ کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی کو مبارک باد کا تار بھیجا اور بعد ازاں شکریہ کا مفصل خط روانہ کیا جس میں علماء حق کی ان خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔ لیاقت علی خان نے یہ خط ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دفتر مسلم لیگ دہلی سے لکھا۔ یہ خط پروفیسر احمد سعید کی کتاب ''حصول پاکستان'' کے صفحہ ۲۵۵ پر شائع ہو چکا ہے۔

الغرض شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقائے کار نے مسلم لیگ اور قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کی انتخابی مہم میں شاندار خدمات سرانجام دیں۔ قائد ملت کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ہندو کانگرس اور کانگرسی علماء کی شکست میں علامہ عثمانی کی خدمات جلیلہ کا بڑا عمل دخل تھا۔

مجددی تلوار

عام انتخابات کا معرکہ گرم تھا۔ علامہ عثمانی مسلم لیگ کی تائید وحمایت اور پاکستان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے، تو آپ کے ایک دوست نے آپ کو لکھا:

> ''میں نے خواب میں مجدد الف ثانی کو دیکھا، جو مجھے ایک چمکدار تلوار عطا کرتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ''عزیزم! تم دیوبند جا رہے ہو، میں تمہیں یہ تلوار دیتا ہوں وہاں پہنچ کر میرا یہ تحفہ بعد سلام مسنون شبیر احمد عثمانی کر دے دینا۔'' اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

یہ سن کر علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بھائی مسلم لیگ کی فتح یقینی ہے، یہی وہ مجددی تلوار ہے جس سے اکبر کی قومیت متحدہ اور دین الٰہی کو فنا کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اب انشاء اللہ العزیز ہم اس مجددی حربہ سے کانگرس کی قومیت متحدہ اور گاندھی ازم کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیں گے''۔[۵۸]

علامہ شبیر احمد عثمانی کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار اور ریکارڈ کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ نے علماء ربانی کی تائید وحمایت اور مدد سے

ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے بت اور گاندھی ازم کو ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ کانگرس اور کانگرسی علماء کے مذموم ارادے ناکام ہو گئے۔ مسلم لیگ کی اس تاریخی فتح میں علامہ عثمانی اور ان کے ساتھی علماء و مشائخ کی کوششوں اور کاوشوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ ان علماء ربانی کی تائید وحمایت کے بغیر یہ بے مثل کامیابی ممکن نہ تھی۔

علامہ عثمانی کا عزم شہادت

جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کے بعد علامہ عثمانی نے ایک نئے ولولے اور عزم کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ کے متعلق علامہ عثمانی کا موقف یہ تھا کہ برصغیر میں مسلم تہذیب وتمدن، ثقافت و معاشرت، معیشت وتجارت، صنعت وحرفت اور سیاسی اقتدار وغلبہ کے لئے مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کا ہونا ضروری ہے۔ آپ کا ایمان تھا کہ برصغیر میں ملت اسلامیہ کا وجود وبقاء ترقی وخوشحالی اور اسلامی نظام کا نفاذ اور خلافت اسلامیہ کا قیام صرف اور صرف قیام پاکستان ہی سے ممکن ہے۔ ملت اسلامیہ کا یہی بے پناہ درد تھا جس نے آپ کو شدید علالت میں بھی کسی پہلو قرار نہ آنے دیا۔ چنانچہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

> ”میں ایک عرصہ سے عافیت نشین تھا اور میری طویل علالت وخرابی صحت کا تقاضی بھی یہی تھا۔ لیکن آج ملت اسلامیہ ایک ایسی جدوجہد سے دوچار ہے کہ اس کے نتائج وعواقب اس قدر اہم ہیں کہ وہ مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے۔ تحریک خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں۔ لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لئے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا اور اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گا۔ اس ملک میں ملت اسلامیہ کا وجود بقا اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیام پاکستان سے وابستہ ہے۔ میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں“[۵۹]۔

مسلم لیگ کے قائد قائداعظم محمد علی جناح کی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کا بھی ایمان اور ایقان تھا کہ برصغیر کی ملت اسلامیہ کا وجود وبقاء دین وایمان، فوز وفلاح، ترقی وخوشحالی اور سربلندی کا انحصار قیام پاکستان ہی سے ممکن ہے۔ علامہ عثمانی حصول پاکستان کے لئے اپنا تن من سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھے اور اس مقدس راہ میں شہادت کو وہ اپنے لئے باعث افتخار ونجات سمجھتے تھے۔

پاکستان سے والہانہ عشق

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کو اسلام اور پاکستان سے والہانہ محبت تھی اور وہ قیام پاکستان سے پہلے ہی اس کے نادیدہ عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ تحریک پاکستان میں آپ صحیح معنوں میں معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے دست راست تھے جب علامہ عثمانی نے جمعیۃ علماء ہند سے علیحدگی اختیار کر کے جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت قبول کی تو کانگرسی حلقے اور کانگرسی علماء ان کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ وہ علامہ کی جدوجہد اور سرگرمیوں سے سخت بوکھلائے ہوئے تھے، آپ کی شہرت اور اثر ورسوخ سے ان کے دلوں میں مخالفت کی آتش حسد بھڑک رہی تھی اور وہ علامہ کو پاکستان کے معماروں کی صف میں کسی قیمت پر بھی نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کو سیاست اور جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی، مسلم لیگ اور اس کے قائد کے خلاف بھڑکانے کے بھی جتن کئے گئے، لیکن ان تمام کوششوں کا الٹا اثر ہوا اور علامہ عثمانی پہلے سے بھی زیادہ شدومد سے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت کرنے لگے۔ جس طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو تحریک خلافت اور بعد میں مسلم لیگ کی حمایت کے جرم میں قتل کی دھمکیاں دی گئیں، اسی طرح علامہ عثمانی کو بھی تحریک پاکستان کی حمایت وخدمت کے جرم میں خطوط کے ذریعے قتل کی دھمکیاں ملنے لگیں۔ مگر جو شخص خود سر پر کفن باندھ کر گھر سے نکلا ہو اور تحریک حصول پاکستان کی جدوجہد میں شہادت کی اعلیٰ وارفع تمنا اور خواہش رکھتا ہو وہ بھلا ان دھمکیوں کو کب خاطر میں لا سکتا ہے۔ آپ نے ان دھمکیوں کی مطلق کوئی پروانہ کی اور تحریک پاکستان کے لئے ان کی جدوجہد اور کوششوں میں تیزی آتی گئی اور آپ نے حصول پاکستان کے لئے اپنے طوفانی دوروں اور عوامی رابطوں میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس لاہور میں اور دوسری بار ان ہی دنوں شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے ان تہدید آمیز خطوط کی وصولی کا ذکر کر کے حاضرین سے پرجوش لہجہ میں فرمایا:

> "بھائیو! اگر میں اسلام اور پاکستان کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں تو اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میری نعش کو کسی حالت میں بھی ہندوستان نہ لے جانا بلکہ مجھے ہر حالت میں قلب پاکستان میں دفن کرنا کیونکہ پاکستان کی سرزمین ہندوستان کے مقابلے میں مقدس ومطہر ہو گی"[٦٠]۔

ثروت صولت لکھتی ہیں کہ علامہ عثمانی کو پاکستان سے بے حد محبت اور عشق تھا۔ چنانچہ جب لاہور کے ایک جلسہ میں ان کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اعلان فرمایا کہ:۔

> "اگر میں خدا کی راہ میں مارا گیا تو میری لاش ہندوستان نہ لے جانا بلکہ مجھے پاکستان کے قلب میں دفن کرنا"[٦١]۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی کو پاکستان سے اس قدر محبت اور عشق تھا کہ وہ اس کے بننے سے بھی پہلے اس کے عاشق تھے اور اس کے حصول کے لئے اپنا تن من سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔ اس راستے میں حائل مشکلات کو وہ خاطر میں نہ لاتے تھے۔ پاکستان ان کی امنگوں اور تمناؤں کا تاج محل تھا۔ اس کی تعمیر و تشکیل میں وہ اپنی جان کی بازی لگانے کو عین سعادت، شہادت اور معراج تصور کرتے تھے۔ کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر بن رہا تھا اور قائد اعظم محمد علی جناح کے اعلانات کے مطابق پاکستان میں اسلامی قوانین اور خلافت راشدہ کا نظام رائج کیا جانے والا تھا۔ اس لئے وہ سرزمین پاکستان کو سرزمین ہند سے مقدس و مطہر و متبرک سمجھنے میں حق بجانب تھے۔

قیام پاکستان کی پیشین گوئی

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے وقت کے زبردست عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم فلسفی اور بڑے سیاستدان بھی تھے۔ رفتار زمانہ کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ ماضی، حال اور مستقبل پر ان کی گہری نظر تھی۔ چنانچہ آپ کے وجدان اور چشم بصیرت نے بہت پہلے اندازہ لگا لیا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اب پاکستان کو قائم ہونے سے نہیں روک سکتی۔ آپ نے ۱۹۴۶ء ہی میں مسلمانوں کو قیام پاکستان کی خوشخبری اور پیشنگوئی سنا دی تھی۔ یاد رہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈروں کو بھی یقین نہ تھا کہ پاکستان قائم ہوگا۔ ان تمام لیڈروں میں قائداعظم کی ذات گرامی یگانہ حیثیت کی حامل تھی، قائداعظم کا ایمان تھا کہ مسلم عوام ان کے ساتھ ہیں اور پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔ علامہ عثمانی کو قیام پاکستان کا اس قدر یقین اور اعتماد تھا کہ آپ نے جنوری ۱۹۴۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس لاہور کے موقع پر ''ہمارا پاکستان'' کے نام سے ایک زبردست خطبہ صدارت پڑھا، جس میں آزاد و خود مختار پاکستان کے تمام پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا گیا تھا۔ خطبہ سے پہلے طلباء کے وفد سے باتیں کرتے وقت قیام پاکستان کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

> ''عزیزان من! پاکستان کا بننا تو مقدر ہو چکا ہے۔ پاکستان کے قیام کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ میں دہلی میں قائداعظم سے مل کر آیا ہوں۔ میں نے قائداعظم سے گزارش کی کہ پاکستان تو بن کر رہے گا۔ ہمیں تو اب عبوری دور[۶۲] کا انتظام کرنا چاہیے۔ انگریز اور ہندو عبوری دور میں ہمارے لئے شدید مشکلات حائل کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی سعی کریں گے۔ اس دور کا انتظام کرنا چاہیے''[۶۳]۔

اپنے خطبہ صدارت ''ہمارا پاکستان'' میں فرماتے ہیں

> ''آج پاکستان جمہور مسلمانوں ہند کے لئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور

اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر ان کے دلوں میں جذبات مسرت وابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے"۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

"خوش نصیبی سے خود قدرت نے ہندوستان میں آبادی کی تقسیم ایسے نہج پر کر دی ہے کہ ہمارے لئے مروجہ اصول سیاست کے موافق ایسے خطہ کا حاصل ہو جانا ممکنات میں سے ہے"[٦٤]۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

"عامہ مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے، جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو"[٦٥]۔

آگے لکھتے ہیں :

"کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا، اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے"[٦٦]۔

اس کے بعد فرماتے ہیں :

"ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے، جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں (پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لئے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شاہنشاہیت کا آلہ کار بننے سے بچائے گا۔ ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہو گا"[٦٧]۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ :

"ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح امید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے"[٦٨]۔

کیا غضب کا ادبی ٹکڑا ہے، اس خوبصورت عبارت میں کس قدر عقیدت و محبت ہے۔ علامہ عثمانی نے ہر مشکل اور مصیبت کو خندہ پیشانی اور حوصلہ سے برداشت کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ صدارت سیاست ملکی اور بننے والے پاکستان نیز مسلم لیگ کے جسم میں تازہ روح پھونکنے والا صور تھا جس نے سیاست ملکی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ علامہ عثمانی جس اعتماد اور یقین سے قیام پاکستان کی نوید اور خوشخبری دے رہے تھے اس سے آپ کی روشن ضمیری عیاں تھی۔ طلباء خوشی سے بے خود ہوئے جا رہے تھے۔

مارچ ۱۹۴۶ء کو جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس بمبئی میں اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا :

> ''پاکستان نہ کوئی نعرہ ہے نہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفی قدم۔ یہ نفرت کی پیداوار نہیں جیسا کہ کہا جا رہا ہے۔ یہ نظریہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مختلف صوبوں مین کانگرسی وزارتوں کے قیام کے بعد لاہور میں قرارداد منظور کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ قرارداد لاہور کا مطالعہ کریں، آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ ہندوستان ہم لوگوں کا ہے برطانوی حکمرانون کو چاہیے کہ وہ اسے مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ گو فی الحال ہم صرف ایک تہائی حصے کے خواستگار ہیں''[٦٩]۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں کابینہ مشن کی ہندوستان میں آمد کے موقع پر آپ نے وفد کو ایک تار بھیجا جس میں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان پر شد و مد سے زور دیا گیا تھا۔ آپ نے وفد کو متنبہ کیا کہ اگر انہوں نے مسلم لیگ اور مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتائج نہایت سنگین ہوں گے۔ آپ نے تار میں فرمایا :

> ''پاکستان ہماری قوم کا کم از کم مطالبہ ہے۔ ہر دو اقوام ہند کے مراکز اقتدار و حکومت خود اختیاری الگ الگ اور جداگانہ ہوں۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنا پوری مسلم قوم کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ اس تاریخی قوم کے برانگیختہ جذبات کو سخت آزمائش و ابتلا میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسے خوفناک نتائج پیدا نہ ہوں جو سب کے لئے ناخوشگوار اور نقصان دہ ہوں۔ ہندوستان کے ایک اہم حصے کو معطل کر کے کابینہ مشن اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا''[٧٠]۔

اردو پارک دہلی میں اپریل ۱۹۴۶ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

> ''مسلمان اس کے قائل نہیں کہ حکومت بعد از آزادی ہندوؤں کو مل جائے اور مسلمان ان کے محتاج ہو جائیں۔ مسلمانوں نے اس مطالبہ پاکستان کو بر وقت پیش کر دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو بیک وقت آزادی مل جائے''[٧١]۔

۱۸ مئی ۱۹۴۶ء کو اعظم گڑھ میں جمعیۃ علماء اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے قیام پاکستان کی پیشگوئی فرمائی آپ نے فرمایا :

> ''پاکستان مسلمانوں کا پیدائشی حق ہے گو کہ اس وقت انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کو نہیں مانتے، لیکن ایسا وقت آئے گا جب یہ دونوں قومیں از خود پاکستان دے دیں گی لیکن اس کے لئے ہم کو اپنے بھولے ہوئے فریضے اسلامی جہاد کو پھر سے یاد کر کے عمل کرنا ہوگا''[۴۲]۔

جس طرح بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو مسلمانوں اور پاکستان کی خدمت کی پاداش میں ''کافر اعظم'' اور ''جینا'' کے القابات سے نوازا گیا۔ ان کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں، قاتلانہ حملے کروائے گئے۔ لیکن قائداعظم کو اپنے خدا پر مکمل بھروسہ تھا اور انہوں نے باطل قوتوں کی ان گیدڑ بھبکیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور منزل مقصود کو پالیا۔ اسی طرح شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کو بھی ملت اسلامیہ اور پاکستان کی خدمت کے جرم میں فحش اور گندی گالیاں دی گئیں، کارٹون بنائے گئے، جنازے نکالے گئے ''ابو جہل'' کا لقب دیا گیا، قتل کی دھمکیاں دی گئیں، قتل کے حلف اٹھائے گئے[۴۳]۔ لیکن جس شخص نے اسلام اور پاکستان کیلئے ہر قربانی دینے کا عزم کر رکھا ہو وہ بھلا ان دھمکیوں کو کب خاطر میں لاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے حصول پاکستان کے لئے اپنی جدوجہد کو اور تیز تر کر دیا اور آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور کوششوں سے جلد ہی دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان جلوہ افروز ہوگئی۔

تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی خدمات بے مثال اور لازوال ہیں۔ تحریک پاکستان میں خدمات کے لحاظ سے ان کا نمبر قائداعظم محمد علی جناح کے بعد آتا ہے۔ وہ پاکستان کے معماروں کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کو مذہبی تقدس بخشا اور جمعیۃ علماء ہند دہلی کے فتوؤں کا قرآن اور شریعت کی روشنی میں ایسا جواب دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ حصول پاکستان کے لئے علامہ عثمانی نے قائداعظم اور ان کے رفقاء کے ساتھ متحدہ ہندوستان کے طوفانی دورے کئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے حق میں بدل گیا۔ علامہ عثمانی نے دلائل و براہین سے مخالفین پاکستان کو عاجز کر کے رکھ دیا۔ آپ نے پورے ہندوستان میں خطابت کا ایسا جادو جگایا کہ مخالفین کے منہ بند ہو گئے۔ کانگرسی علماء بے بس ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی طرح مولانا کا ایمان اور ایقان تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں ملت اسلامیہ کا وجود و بقاء، ترقی و خوشحالی اور اسلام کی سربلندی قیام پاکستان ہی سے ممکن ہے۔ حصول پاکستان کے لئے وہ اپنا تن من سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ پورے جوش و خروش، ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ حصول پاکستان کے لئے سرگرم

عمل ہو جائیں اور صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دیں۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن میں انہوں نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ علامہ کی تحریروں، تقریروں، بیانات، خطبوں اور قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت میں فتوؤں نے فضا کو مسلم لیگ کے حق میں سازگار بنادیا۔ ایک مختصر عرصے میں علامہ عثمانی کا سیاسیات ملکی میں اتنا بلند مقام ہوگیا کہ گھر گھر آپ کے چرچے ہونے لگے۔ علامہ پاکستان کے نادیدہ عاشقوں میں سے تھے۔ قیام پاکستان کی پیشین گوئی آپ نے الیکشن سے بہت پہلے کردی تھی کہ دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو قیام پاکستان سے نہیں روک سکتی۔ پاکستان سے انہیں والہانہ عشق و محبت تھی، پاکستان ان کی امنگوں اور تمناؤں کا تاج محل تھا اور حصول پاکستان کی خاطر وہ اپنی جان کی بازی لگانے کو عین سعادت اور شہادت سمجھتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بعد جس شخص نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کو چار چاند لگائے وہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) تحریک ریشمی رومال ممتاز عالم دین، سر برآوردہ مجاہد اور نامور شیخ طریقت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی تحریک تھی۔ اس تحریک کا مقصد افغانستان کی مدد سے ہندوستان میں انقلاب برپا کر کے انگریزوں کو نکالنا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی اس تحریک کے کرتا دھرتا تھے۔ کیونکہ اس تحریک میں پیغامات یا خطوط ریشمی رومال پر لکھے جاتے تھے اس لئے اس کو تحریک ریشمی رومال کہتے ہیں۔

(۲) اقبال احمد صدیقی قائد اعظم اور ان کے سیاسی رفقاء کراچی، ادارہ ابلاغ علوم و افکار ملی، ۱۹۹۰ء، ص ۶۱

(۳) ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۵ء، ص ص ۳۴۸۔ ۳۴۹، ۳۹۵

(۴) مولانا محمد شفیع افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ: یعنی سیاسیات حاضرہ مسلم لیگ و کانگرس وغیرہ کے متعلق مجدد الملت، حکیم الامت، سیدی و سندی مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ارشادات کا مجموعہ دیوبند، دارالاشاعت، ۱۳۶۸ھ، ص ۸۸

(۵) [illegible] صدیقی تذکرہ محمد ادریس کاندھلوی لاہور، مکتبہ عثمانی، ۱۹۷۷ء، ص ص ۱۹۲۔ ۹۳

(۶) منشی عبدالرحمن خان تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۷

(۷) مولانا محمد میاں مولانا ظفر احمد صاحب کے فتوے پر تبصرہ دہلی، جمعیۃ علماء ہند، (ت۔ن)، ص ۱۔۔۔؛ وحید الدین احمد قاسمی جواز شرکت کانگرس اور ازالہ شکوک دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، (ت۔ن)، ص ص ۲، ۵۳

(۸) علامہ شبیر احمد عثمانی موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟ پیغام کلکتہ، دہلی، آل انڈیا مسلم لیگ، (ت۔ن)، ص ص ۳۔ ۱۴

(۹) سید محمد قریش شمسی نظامنامہ کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ، ایسٹرن آرٹ پریس، (ت۔ن)، ص ۱۔ ۴۱

(۱۰) مولانا ظفر احمد انصاری (۱۹۰۸ء، ضلع الہ آباد: ۱۹۹۱ء) تعلیم ایم۔ اے فلسفہ، ایل۔ ایل۔ بی، آل انڈیا مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری، سیکرٹری ایکشن کمیٹی، سیکرٹری مرکزی پارلیمانی بورڈ، جمعیۃ العلماء اسلام کے قیام میں معاون و مددگار، قرارداد مقاصد کی منظوری میں نمایاں کردار، رکن قومی اسمبلی، ممبر اسلامی نظریاتی کونسل۔

(۱۱) کافر اعظم یعنی بہت بڑا منکر برصغیر کی ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے راہنما قائد اعظم محمد علی جناح کے لئے یہ لفظ احرار راہنما مولانا مظہر علی اظہر نے استعمال کیا تھا۔ بعد میں تمام پاکستان دشمن اور کانگریسی علماء اس لفظ کا کثرت سے استعمال کرتے رہے (I.H.Qureshi "Ulema in Plitics" Karachi, Maaref Ltd. 1974, P354)

(۱۲) علامہ شبیر احمد عثمانی، "پاکستان اور خطبات عثمانی" لاہور، شاید بکڈپو، ص ۴۸

(۱۳) علامہ شبیر احمد عثمانی مکالمۃ الصدرین لاہور، ہاشمی بکڈپو، (ت۔ن)، ص ۴۸

(۱۴) علامہ شبیر احمد عثمانی مراسلات سیاسیہ: یعنی سیاسیات حاضرہ کے متعلق چودہ استفساری خطوط اور علامہ کے مدلل جوابات دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۳۔۸۰

(۱۵) محمد ذکی خطبہ صدارت کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس حیدرآباد دیوبند، مکتبہ دارالاشاعت، ۱۹۴۷ء، ص ۱۰

(۱۶) مولانا طاہر احمد قاسمی مکالمۃ الصدرین دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ۵۔۱۷

(۱۷) روزنامہ ’عصر جدید‘‘ کلکتہ، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

(۱۸) مفتی محمد شفیع وقاية المسلمين عن ولاية المشركين یعنی کانگرس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ دیوبند (ضلع سہارنپور) کتب خانہ دارالاشاعت، ۱۳۶۵ھ، ص ص ۳۔۴۸

(۱۹) سہ ماہی ’فکر و نظر‘‘ اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔ جون ۱۹۸۹ء، ص ص ۱۱۱۔۱۲

(۲۰) ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار کراچی الحمد اکادمی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۲

(۲۱) علامہ شبیر احمد عثمانی خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت۔ن)، ص ص ۳۔۲۴

(۲۲) کمال ازم سوشلزم، کیپٹلزم، کیمونزم کی طرح ایک سیاسی اصطلاح ہے جس سے مراد کمال اتاترک کے سیاسی اور مذہبی نظریات و خیالات ہیں۔ کمال اتاترک نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر دیا تھا اور ترکی کو ایک سیکولر ریاست قرار دیا تھا۔ آج بھی ترکی کا آئین ایک سیکولر آئین ہے۔ دین اسلام میں سیاست اور مذہب لازم و ملزوم ہیں بلکہ سیاست مذہب کے تابع ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ رہنماؤں کی اکثریت انگریزی تربیت یافتہ تھی اس لئے خطرہ تھا کہ وہ ترکی کی طرح مملکت پاکستان کو بھی ایک لادینی ریاست قرار نہ دے دیں۔

(۲۳) ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان، کتاب مذکور، ص ۱۲۰

(۲۴) چوہدری حبیب احمد تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ص ۴۳۶۔۳۷

(۲۵) علامہ شبیر احمد عثمانی ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء کانفرنس لاہور، لاہور ہاشمی بکڈپو، (ت۔ن)، ص ص ۳۔۸۰

(۲۶) روزنامہ ’عصر جدید‘‘ کلکتہ، ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء

(۲۷) ماہنامہ ’البلاغ‘‘ کراچی، مئی ۱۹۶۹ء، ص ۵۳

(۲۸) روزنامہ ’عصر جدید‘‘ کلکتہ، ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء

29. I.H.Qureshi *Ulema in Politics* Karachi, Maaref Ltd., 1972, p.356.

(۳۰) اقبال احمد صدیقی قائداعظم اور ان کے سیاسی رفقاء کراچی، ادارہ ابلاغ علوم وافکار ملی، جولائی ۱۹۹۰ء، ص ۶۸

31. I.H.Qureshi *Ulema in Politics* Karachi, Maaref Ltd., 1972, pp.360-61.

(۳۲) مولانا شمس الحق فرید پوری (۱۹۰۸ء، فرید پور) تعلیم سہارنپور، تھانہ بھون، دارالعلوم دیوبند۔ مدرس/ بانی جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ، خلیفہ مجاز مولانا ظفر احمد عثانی تحریک پاکستان، سلہٹ ریفرنڈم اور تحریک ختم نبوت میں تاریخی کردار، مترجم "بہشتی زیور"

33. Lord Birdwood *A Continent Decides* London, Robert Hale Ltd., 1953. P.31; Prof. Dr. Shafique Ali Khan *Two Nation theory: As a Concept, Strategy and Ideology* Hyderabad, Markez-e-Shaoor-O-Adab, 1973, P.909.

(۳۴) عبدالرشید ارشد بیس بڑے مسلمان لاہور، مکتبہ رشیدیہ، دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۵۵۴

(۳۵) سید حسن ریاض پاکستان ناگزیر تھا کراچی یونیورسٹی، شعبہ تصنیف وتالیف، ۱۹۶۷ء، ص ۳۸۳؛

Chaurdhri Muhammad Ali *The Emergence of Pakistan* Lahore, March, 1996, 52

(۳۶) سید حسن ریاض، کتاب مذکور، ص ۳۸۵۔۔۔

(۳۷) پروفیسر احمد سعید حصول پاکستان لاہور ایجوکیشنل ایمپوریم، اگست ۱۹۷۲ء ص ۲۵۰۔۵۱۔۔۔؛ روزنامہ عصر جدید کلکتہ ۱۴ اپریل ۱۹۴۶ء۔

(۳۸) عبدالشکور ترمذی، کتاب مذکور، ص ۳۸۳۔۔۔

(۳۹) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۵۲۶

(۴۰) حکیم آفتاب احمد قریشی کاروان شوق لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۸۔۹

(۴۱) خان عبدالغفار خان (۱۸۹۰ء، اتمان زئی ۱۹۸۸) باچا خان عرف سرحدی گاندھی لقب، بانی تحریک خدائی خدمت گار، تعلیم پشاور، علی گڑھ، تحریک آزادی ہند میں سرگرم کردار، ممبر مرکزی اسمبلی ۱۹۴۶ء، متحدہ ہندوستان کے زبردست مبلغ اور پاکستان کے کٹر مخالف، ریفرنڈم ۱۹۴۷ء میں شکست فاش، بھارتی حکومت کی طرف سے عالمی نہرو امن ایوارڈ سے نوازا گیا۔

(۴۲) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی خطبات عثمانی لاہور، نذر سنز اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۸۴، بحوالہ روزنامہ منشور دہلی ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء۔

(۴۳) سہ ماہی فکرو نظر اسلام آباد ادارہ تحقیقات اسلامی اپریل جون ۱۹۸۹ء، ص ۹۳

(۴۴) مفتی محمد شفیع وقایۃ المسلمین عن ولایۃ المشرکین یعنی کانگرس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ دیوبند (ضلع سہارنپور) کتب خانہ دارالاشاعت، ۱۳۶۵ھ، ص ۳۶

(۴۵) منشی عبدالرحمٰن خان تعمیر پاکستان اور علماء ربانی لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۰۔۔۔؛ سید رئیس احمد جعفری قائداعظم اور ان کا عہد لاہور، مقبول اکیڈمی، (ت۔ن)، ص ۵۰۰

(۴۶) منشی عبدالرحمٰن خان تعمیر پاکستان اور علماء ربانی لاہور ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۲

47. Dr.Sachin Sen *Birth Of Pakistan* Lahore,BookTradors,1978, p.141.

(۴۸) ڈاکٹر صفدر محمود پاکستان تاریخ و سیاست لاہور، جنگ پبلیشرز، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۳۳

(۴۹) منشی عبدالرحمٰن خان، کتاب مذکور، ص ۱۲۰---؛ سید حسن ریاض، کتاب مذکور، ص ۲۸۰

(۵۰) منشی عبدالرحمٰن خان، کتاب مذکور، ص ۱۲۱

(۵۱) جی الانا (مترجم) رئیس احمد امروہوی قائداعظم محمد علی جناح: ایک قوم کی سرگزشت لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۶ء، ص ص ۴۶۵-۶۶---؛ فائق کامران تحریک پاکستان اور ہماری جدوجہد آزادی لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ص ۲۶۱-۶۲-----؛

G.Allana *Pakistan Movement: Historic Documents* Lahore, Islamic Book Service, 1977, p.396---; Dr.M.A. Aziz A *History of Pakistan*: Past and Present Lahore, Sange-Meel Publication, 1976. p/382.

(۵۲) حکیم آفتاب احمد قریشی کاروان شوق لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۸-۹---؛ ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن معاصرین اقبال لاہور، نیشنل بک سروس، ۱۹۹۳ء، ص ۴۱۴

(۵۳) ایڈووکیٹ ولی مظہر عظمتوں کے چراغ ملتان، رضائے مولا پریس، اگست ۱۹۹۰ء، ص ۱۱

(۵۴) ڈاکٹر صفدر محمود پاکستان تاریخ و سیاست ص ۳۳-----؛

Sharif-ud-Din Pirzada *Foundation of Pakistan* Karachi, National Publishing House, 1969, Vol.11, p.522-23

(۵۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی حیات عثمانی کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۴۹۹-۵۰۰

(۵۶) مولانا شبیر علی تھانوی (۱۳۱۲از، بانس بریلی-۱۹۶۸ء) اصل وطن تھانہ بھون، تعلیم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند۔ مدرس مدرسہ امداد العلوم اشرفیہ تھانہ بھون، مدیر 'الامداد' صدر مجلس دعوت الحق، شرکت وفود تبلیغ و اصلاح برائے قائداعظم، تحریک پاکستان اور نظام اسلام کے نفاذ میں نمایاں کردار۔

(۵۷) منشی عبدالرحمٰن خان 'چند نا قابل فراموش شخصیات'' ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ۱۹۸۰ء، ص ص ۸۷-۸۸

(۵۸) فیض انبالوی و شفیق صدیقی ''حیات شیخ الاسلام'' لاہور، ادارہ سیرت، (ت-ن)، ص ۴۳

(۵۹) چوہدری حبیب احمد 'تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء'' لاہور، البیان، ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۴---؛ روزنامہ ''جسارت'' کراچی، ۱۴ دسمبر ۱۹۷۲ء، مضمون سید فضل الرحمٰن جعفری

(۶۰) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری 'شیخ الاسلام پاکستان'' لاہور، قادر سنز، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ص ۱۶۰-۶۱

(۶۱) ثروت صولت 'تاریخ پاکستان کے بڑے لوگ'' لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۲ء، ص ۲۱۳، حاشیہ۔

(٦٢) عبوری دور کی اصطلاح اس زمانہ میں پہلی دفعہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے استعمال کی تھی۔ اس سے پہلے یہ اصطلاح سیاست میں رائج نہیں تھی۔ عبوری دور سے مراد اعلان پاکستان اور قیام پاکستان کا درمیانی عرصہ ہے۔

(٦٣) حکیم آفتاب احمد قریشی کاروان شوق لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۲-۳

(٦۴) علامہ شبیر احمد عثمانی ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور، لاہور، ہاشمی بکڈپو، (ت-ن)، ص ص ۸-۹-۲۴

(٦٥) ایچ-بی-خان برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۵ء، ص ۳۷۷

(٦٦) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی تجلیات عثمانی ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ٦۸۸

(٦۷) علامہ شبیر احمد عثمانی، کتاب مذکور، ص ٦۹

(٦۸) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی خطبات عثمانی لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ص ۲۱۱-۱۲

(٦۹) ماہنامہ "البلاغ" کراچی، مئی ۱۹٦۹ء، ص ۵۴

(۷۰) پروفیسر احمد سعید "حصول پاکستان" لاہور، ایجوکیشنل ایمپوریم، اگست ۱۹۷۲ء، ص ۲۵۱

(۷۱) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی حیات عثمانی کراچی، مکتبہ دار العلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۵۲۴

(۷۲) روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ، یکم جون ۱۹۴٦ء---!

(۷۳) علامہ شبیر احمد عثمانی "مراسلات سیاسیہ" دہلی، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، (ت-ن)، ص ۲٦

باب ہفتم

سرحد (N.W.F.P) ریفرنڈم

ریفرنڈم کا پس منظر

وقت گزرنے کے ساتھ تحریک پاکستان اپنی منازل بڑی تیزی سے طے کر رہی تھی۔ مسلم قوم قائداعظم اور مسلم لیگ کے سائے تلے ایک متحدہ قوت اختیار کر چکی تھی۔ ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی عظیم الشان کامیابی نے اس کو اپنی منزل سے اور بھی قریب تر کر دیا تھا۔ مسلمان مطالبہ پاکستان میں سرشار تھے اور پاکستان کا نعرہ پہلے سے زیادہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ حصول پاکستان کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے بھی تیار تھے۔ مسلم لیگ کی حکمت عملی کی وجہ سے انگریز اور ہندو مسلم لیگی منتخب نمائندوں کو عبوری حکومت میں شامل کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے مصمم عزائم کے سامنے آخرکار انگریزوں اور ہندوؤں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان تسلیم کر لیا گیا، لیکن ان کے ارادے نہایت ہی خطرناک تھے۔ وہ پاکستان کو قائم ہوتے ہی ختم کر دینے کے منصوبے پر عمل پیرا تھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے تمام وسائل استعمال کر رہے تھے۔

مسلم لیگی لیڈروں کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ صوبے پاکستان میں شامل کئے جائیں اور جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ صوبے ہندوستان میں شامل کئے جائیں۔ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ انصاف پر مبنی تھا۔ وہ صوبے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی پانچ تھے سندھ، بلوچستان، سرحد، پنجاب اور بنگال، کانگرس نے اس میں ترمیم پیش کی اور کہا کہ مسلم اکثریت کے ان مذکورہ صوبوں کے ان حصوں کو جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور وہ ہندوستان سے متصل ہیں ان کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ قائداعظم نے

کانگرس کے اس خیال کی پہلے تو سخت مخالفت کی مگر پھر ان کو یہ مطالبہ ماننا پڑا۔ وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن نے اس کے لئے ایک باؤنڈری کمیشن قائم کیا۔ مسلم لیگ اور کانگرس نے اس ثالثی کو قبول کر لیا۔ ایک انگریز جج سیرل ریڈکلف کو اس کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ صوبہ سرحد جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی وہاں کانگرس کی حکومت تھی اور خان عبدالغفار خان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب[1] اس کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اس وجہ سے کانگرس نے ایک شوشہ یہ بھی چھوڑا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم (استصواب رائے عامہ) کروایا جائے کہ آیا صوبہ سرحد کے عوام ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔ انگریز اور ہندو کو پورا پورا یقین تھا کہ صوبہ سرحد کی کانگرس ایک مضبوط جماعت ہے، اس لیے مسلم لیگ کے لئے اس کے مقابلہ میں رائے شماری میں کامیاب ہونا مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ صوبہ سرحد میں اس وقت کانگرس کی حکومت بھی تھی، یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ ریفرنڈم جیتنے میں اپنا اثر ورسوخ، زور اور اقتدار و اعتبار کے سبھی حربے بھی استعمال کرتی۔

اسی طرح کی شرط مسلم اکثریت کے ایک اور علاقہ سلہٹ کے متعلق بھی لگا دی گئی کہ ضلع سلہٹ کے عوام بھی ریفرنڈم کے ذریعے فیصلہ دیں کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا کہ ہندوستان میں۔ اس علاقہ میں بھی کانگرس کو اپنی کامیابی کی قوی امید تھی کیونکہ ہندو کانگرس کی حلیف جماعت جمعیۃ العلماء ہند کا وہاں بہت اثر ورسوخ تھا اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنی کے مرید اور شاگرد بڑی تعداد میں اس علاقہ میں آباد تھے۔

قائداعظم نے کانگرس اور انگریز کی یہ تمام شرائط مجبوراً تسلیم کر لیں۔ کیونکہ تسلیم کرنے کے علاوہ چارہ کار بھی نہ تھا۔ ان شرائط کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں برطانوی اور ہندو سامراج پاکستان دینے سے انکار کر رہے تھے۔

اہمیت

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم مندرجہ کئی وجوہات کی بنا پر پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے بے حد اہمیت کا معاملہ تھا:۔

○ صوبہ سرحد کا پاکستان میں شامل ہونا بے حد ضروری تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر پاکستان نامکمل اور ادھورا قائداعظم نے صوبہ سرحد کو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا تھا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کو پاکستان کے سر سے تشبیہہ دی اور اس کا پاکستان میں شامل کیا جانا بے حد ضروری قرار دیا۔

○ پاکستان کے نقشہ میں صوبہ سرحد کی حیثیت ایک سر کی سی ہے۔ لولا لنگڑا انسان تو زندہ رہ سکتا ہے اور علاج سے اس کا لنگڑا اور لولا پن بھی دور ہو سکتا ہے لیکن سر کٹا انسان ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ رہ

سکے۔ اگر صوبہ سرحد کے مسلمان ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرتے تو پاکستان کا وجود ایک اپاہج وجود ہوتا اور یہ کٹ کر پاکستان کے لئے موت کا سامان پیدا کر سکتا تھا۔

- صوبہ سرحد کے بغیر پاکستان شاید قائداعظم اور مسلم لیگ کے لئے بھی ناقابل قبول ہوتا اور وہ اپنے مطالبہ پاکستان سے ہی دست بردار ہو جاتے۔ دفاعی اور فوجی نقطہ نظر سے اس کا پاکستان میں شامل ہونا بہت ضروری تھا۔ اس کے بغیر پاکستان کی پشت غیر محفوظ ہو جاتی اور فوجی لحاظ سے پاکستان ایک بے حد کمزور ملک ہوتا۔
- اگر صوبہ سرحد ہندوستان میں شامل ہوتا یا گاندھی کی طویل حکمت عملی کے تحت پختونستان بننے کے بعد اور کشمیر پر قبضہ کے بعد اس کو ہندوستان میں شامل کیا جاتا تو فوجی نقطہ نگاہ سے پاکستان محاصرے کی حالت میں آ جاتا اور اس کا دفاع بہت مشکل ہو جاتا۔ اس ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی ناکامی سے پاکستان کا سائز (رقبہ) اور سکڑ جاتا۔
- یہ ریفرنڈم اس وجہ سے بھی اہم تھا کیونکہ کانگرس نے تقسیم ہند اور ریفرنڈم کی سکیم منظور کر کے گویا یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ لیکن ریفرنڈم سے اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت ہونا ابھی باقی تھا۔ ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی ناکامی سے اس کا دو قومی نظریہ خود مسلمانوں کی اپنی نظر میں مشکوک قرار پاتا۔ یہ ریفرنڈم اس لحاظ سے کانگرس اور مسلم لیگ کے لئے ایک آزمائش اور امتحان تھا کہ بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں مسلم عوام کس کے ساتھ ہیں۔ سرحدی گاندھی، کانگرسی علماء اور ہندوستان کے ساتھ یا کہ مسلم لیگ اور پاکستان کے ساتھ۔ کانگرس کی کامیابی سے اس کا متحدہ قومیت کا نظریہ درست قرار پاتا اور مسلم لیگ کی تحریک کو زبردست نقصان پہنچتا۔

ریفرنڈم کی اسی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم محمد علی جناح نے اس میں ذاتی دلچسپی لی۔ قائداعظم نے صوبہ سرحد کے لئے ایک ریفرنڈم کمیٹی بھی تشکیل دی اور اس کے علاوہ ملک بھر کے مسلم لیگی رہنماؤں، دینی پیشواؤں، گراں مرتبت عالموں اور مقرروں، نوجوانوں، کارکنوں اور طلباء سے اپیل کی کہ وہ سارے صوبہ سرحد میں پھیل جائیں اور رائے شماری میں پاکستان کی کامیابی کے لئے سرتوڑ جدوجہد اور کوشش کریں۔

پختونستان کا سٹنٹ اور خان برادران[۲]

یہ بات درست نہیں ہے کہ خان عبدالغفار خان اور کانگرس ریفرنڈم کے خلاف تھے۔ اگر خلاف ہوتے تو وہ ریفرنڈم کی تجویز کیوں قبول کرتے۔ سردار عبدالرب نشتر مرکزی وزیر مواصلات نے اپنے ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کے اخباری بیان میں اس نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اب مقاطعہ کے کیا معنی ہیں؟ یہ بات غلط ہے کہ خان عبدالغفار خان ریفرنڈم کے خلاف تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ آل انڈیا کانگرس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں ریفرنڈم کرانے کی مخالفت کرتے''[۳]۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندو کانگرس اور اس کے سرحدی دوست خان عبدالغفار خان کو یقین تھا کہ صوبہ سرحد کی کانگرس ایک مضبوط جماعت ہے اور اس نے حال ہی میں یعنی ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ سے زیادہ نشستیں حاصل کی ہیں۔ مسلم لیگ پر اسے واضح برتری حاصل ہے۔ پھر اس وقت صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت بھی تھی۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ ریفرنڈم جیتنے میں بھی وہ اپنا زور وزر، اثر ورسوخ اور اقتدار واعتبار کے تمام حربے اور ذرائع استعمال کرتی۔

لیکن اب حالات بہت تبدیل ہو چکے تھے جس کا ادراک کانگرس اور سرحدی گاندھی کو ذرا بعد میں ہوا۔ بدلے ہوئے حالات میں مسلمانانِ ہند مسلم لیگ اور پاکستان کے علاوہ اور کچھ سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ پاکستان نے ان کے دل ودماغ کو مسحور اور سحر زدہ کر دیا تھا اور اس آئینے میں انہیں اپنا مستقبل بے حد تابناک اور محفوظ نظر آ رہا تھا۔

بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں ریفرنڈم کے امتحان نے ہندو کانگرس اور اس کے سرحدی ایجنٹوں کو عجیب شش وپنج اور کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ نہ تو وہ ریفرنڈم میں مسلم لیگ سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی بھاگ سکتے ہیں۔ اگر مقابلہ کرتے ہیں تو شکست یقینی ہے اور شکست کی صورت میں ان کا مستقبل بے حد مخدوش ہو جاتا۔ اگر ریفرنڈم سے بھاگتے تو یہ الزام لگتا کہ سرحدی عوام ان کے ساتھ نہیں۔ بڑی سوچ وبچار اور گاندھی سے مشورہ کے بعد سرحدی کانگرس نے پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونے کی بجائے پٹھانوں کے لئے ایک الگ ریاست ''پختونستان'' کا مطالبہ شروع کر دیا۔

اس بات کے پختہ شواہد موجود ہیں کہ ''پختونستان'' کا سٹنٹ اور تخیل سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ اصلی گاندھی اور صوبہ سرحد کے اس وقت کے گورنر سر اولف کیرو کے ذہن کی اختراع ہے۔ اس

کے ثبوت میں سر اولف کیرو کا وہ حلفیہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جو اس نے مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو اس وقت کے گورنر بمبئی کو لکھا تھا۔ اس نعرہ کا اصل مقصد پاکستان کی طاقت اور علاقوں کو کم کرنا اور اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھا تا کہ قیام پاکستان کو ہی ناممکن بنا دیا جائے۔ یہ پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑی اور گہری سازش تھی اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اس سازش میں انگریز اور ہندو کے آلۂ کار تھے۔

آخری انگریز وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کے پرائیویٹ سیکرٹری ایلن کیمبل جانسن نے لارڈ مونٹ بیٹن کے دورہ پشاور کے تاثرات اپنے ۲۸ اپریل ۱۹۴۷ء کے روزنامچہ میں تحریر کئے ہیں۔ کیمبل جانسن لکھتے ہیں کہ لارڈ مونٹ بیٹن نے ڈاکٹر خان صاحب کو بتا دیا تھا کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اقتدار حکومت ہندوستانی قیادت کو سپرد کرنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب اس بات پر سخت برافروختہ ہوئے اور انہوں نے پٹھانوں کے لئے ایک الگ مملکت کا مطالبہ شروع کر دیا[4]۔

کیمبل جانسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسٹر گاندھی بھی کچھ مدت سے پٹھانوں کی الگ مملکت کی باتیں کر رہے تھے اور ایک الگ پٹھان ریاست کے تصور نے انہیں خاصا مسحور کر رکھا تھا۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو صوبہ سرحد کو پاکستان سے الگ رکھا جائے[5]۔

لیونارڈ موزلے نے اپنی کتاب برطانوی راج کے آخری ایام میں لارڈ مونٹ بیٹن کے ایک مراسلے کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے برطانوی حکومت کو بھیجا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن لکھتے ہیں کہ :

''مسٹر نہرو نے ان کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ ایک جداگانہ مملکت کی حیثیت سے صوبہ سرحد کا وجود خارج از امکان ہے مطالبہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ پہلے صوبہ سرحد کو ایک علیحدہ مملکت کے انتخاب کا موقع دیا جائے گا جس کے بعد وہ خود بخود بھارت میں شامل ہونے کا اعلان کر دیں گے''[6]۔

پاکستان کے وزیر اعظم اور پہلے سیکرٹری جنرل چودھری محمد علی[7] نے اپنی کتاب 'ظہور پاکستان'' میں پختونستان کے سٹنٹ، ہندوؤں کے عزائم، مسٹر گاندھی کی منافقت اور ہندو کانگرس کے ایجنٹ سرحدی گاندھی کے متعلق کھل کر تبصرہ کیا ہے جو کہ حقیقت حال کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ چودھری محمد علی لکھتے ہیں :

''اس طرح گاندھی نے ہندو عزائم پر محبت اور اتحاد کا جو لبادہ ڈالنے کی کوشش کی وہ مسلمانوں کے دلوں کو موہ نہ سکی۔ مسلمانوں میں بعض لوگ گاندھی کے ثنا خواں اور طرف دار تھے، لیکن گاندھی جس قدر ان کی تعریف و تحسین کرتا تھا، مسلمان انہیں اسی قدر زیادہ ملت کے غدار سمجھتے تھے۔

اس مرحلے پر گاندھی نے جس شخص کو بالخصوص نمایاں کرنے کی کوشش کی وہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کا سرجوش لیڈر عبدالغفار خان تھا۔ گاندھی اسے پیار سے ''بادشاہ خان'' کہتا تھا۔ ابوالکلام آزاد، جو ایک سال پہلے تک بطور صدر کانگرس بہت مشتہر کئے جاتے تھے، اب گوشہ گمنامی میں تھے اور شہرت کی سٹیج پر عبدالغفار خان کو سب سے اہم ''قوم پرست'' مسلمان کے طور پر فائز کر دیا گیا تھا۔ گاندھی کا مقصد شمال مغربی سرحدی صوبے کو پاکستان سے علیحدہ رکھنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس صوبے میں کانگرسی وزارت کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں اور مسلم لیگ روز افزوں تقویت حاصل کر رہی ہے۔

گاندھی مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے اور نئی بننے والی اسلامی مملکت پاکستان کو تباہ برباد کر دینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ اسے نہ تو اپنے قول و فعل کا پاس تھا اور نہ ہی اس کا کوئی اصول تھا۔ اب اس کا صرف ایک ہی اصول اور ایک ہی مقصد حیات تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھا۔ یعنی پاکستان کو بننے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

چودھری محمد علی لکھتے ہیں:

> ''بظاہر یہ بات بہت عجیب معلوم ہو گی کہ وحدت ہند کا پیغامبر، جس کے نزدیک مطالبہ پاکستان بھارت ماتا کے ٹکڑے کرنے کے مترادف تھا، مزید ایک اور آزاد مملکت کے قیام کی وکالت کرے۔ لیکن یہ حکمت عملی ایک چال تھی جس کا مقصد پاکستان کے علاقوں کو گھٹانا اور اس کے گرد گھیرا ڈالنا تھا۔ بعد میں جب ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں کانگرس کے عزائم تکمیل پا جائے تو پھر شمال مغربی سرحدی صوبہ کو بھی، جو کشمیر سے متصل تھا، انڈین یونین میں دوبارہ شامل کیا جانا تھا۔ وقتی طور پر گاندھی کی ساری توجہ پختونستان کی سکیم اور بادشاہ خان پر مرکوز تھی، جس کے بارے میں وہ اپنی روزانہ پراتھنا کی مجلسوں میں بڑے سوز و گداز سے ذکر کرتا تھا''۔[۸]

گاندھی کے سوانح نگار پیارے لال نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ گاندھی کس قسم کے جذبات و خیالات کی آبیاری کر رہا تھا۔ ''۶ مئی ۱۹۴۷ء کو خان عبدلغفار خان نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ بہت جلد ہم ہندوستان میں اجنبی بن جائیں گے۔ آزادی کے لئے ہماری طویل جدوجہد کا خاتمہ پاکستان کی محکومی کی صورت میں نکلے گا۔ ہم باپو (گاندھی) سے دور ہوں گے، بھارت سے دور ہوں گے، اور آپ سب سے دور ہوں گے۔ کون جانتا ہے کہ مستقبل میں ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے؟ جب گاندھی نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ ''بادشاہ خان تو بیچ

بچہ فقیر ہے۔ آزادی تو آئے گی، لیکن بہادر پٹھان اپنی آزادی کھو بیٹھیں گے۔ وہ بہت ہی سنگین صورت حال سے دوچار ہیں، لیکن بادشاہ خان تو مرد خدا ہے''[۹]۔

بظاہر غریبوں کا ہمدرد لیکن حقیقت میں صوبہ سرحد کا امیر ترین جاگیردار خان عبدالغفار خان کانگرس کی مدد سے صوبہ سرحد میں اپنے خاندان کی ذاتی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ چودھری محمد علی لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ ''فقیر'' شمال مغربی سرحدی صوبے کے امیر ترین زمینداروں میں سے تھا۔ وہ کانگرس کی مدد سے اس صوبے میں اپنے خاندان کی حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا، جہاں اس کا بھائی ڈاکٹر خان صاحب وزیراعلیٰ تھا۔ گاندھی کی طرف سے پیار کا خطاب ''بادشاہ خان'' بھی بالواسطہ طور پر ان امنگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے تھا جن کی یہ ''مرد خدا'' اپنے دل میں پرورش کر رہا تھا اور یہ کہا جا رہا تھا کہ بہادر پٹھان ہندوؤں کے تحت ہند میں آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے لیکن مسلم پاکستان میں آزادی سے محروم ہو جائیں گے''[۱۰]۔

اس کے ساتھ ہی گاندھی کی پوری کوشش تھی کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں استصواب نہ ہوں۔ ۸ مئی ۱۹۴۷ء کو اس نے لارڈ مونٹ بیٹن کو لکھا ''اس مرحلے پر سرحد (یا کسی اور صوبے) میں استصواب ایک بہت ہی خطرناک بات ہو گی۔ جو بھی امور آپ کے پاس ہے۔ آپ کو اس سے سروکار رکھنا چاہیے۔ بہرصورت ڈاکٹر خان صاحب کو نظرانداز کر کے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کی جا سکتی ہے''[۱۱]۔ اس خطہ میں گاندھی نے یہ مطالبہ بھی دہرایا کہ اقتدار صرف کانگرس کو سونپ دیا جائے۔

الغرض گاندھی نے اپنے تدبر و فراست کے تمام حربے صوبہ سرحد کو پاکستان سے علیحدہ رکھنے کے لئے استعمال کر ڈالے لیکن قائداعظم کی فہم و فراست اور سرحد کے مسلمانوں کے عزم و استقلال نے ان تمام حربوں اور سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

گاندھی اور سرحدی گاندھی کے گٹھ جوڑ اور پاکستان دشمنی کے بعد سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور اس وقت کے صوبہ سرحد کے انگریز گورنر اولف کیرو کی ملی بھگت اور پاکستان دشمنی کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا، جس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ پختونستان کا شوشہ اور ناپاک سازش انگریز، ہندو اور ہندوؤں کے زرخرید ایک مسلمان ایجنٹ کے ذہن کی اختراع و پیداوار ہے۔

اولف کیرو نے گورنر بمبئی کے نام اپنے ایک سرکاری لیکن خفیہ خط، جو کہ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو گورنر کیمپ پاراچنار

سے لکھا گیا، میں اعتراف کیا ہے کہ "میں نے خان عبدالغفار خان کو آزاد پٹھان ریاست کے قیام پر لگا دیا ہے"۔ گورنر صوبہ سرحد اولف کیرو سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار سے گٹھ جوڑ کے بارے میں مذکورہ بالا خفیہ خط میں اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں :

> "سیاسی میدان میں جو دلچسپ پیش رفت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ میری وزارت اور عبدالغفار خان نے اس خیال کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے جس کا مشورہ میں نے انہیں چند ماہ قبل دیا تھا یعنی "پٹھان قومی صوبہ" اگر ممکن ہو تو ایک اشتراک کے تحت اور پھر وہ جس کے ساتھ مناسب سمجھے معاہدہ کر لے۔ میری تجویز کو انہوں نے گرم جوشی سے قبول کر لیا ہے۔ یہ تصور بذات خود نہایت کارگر ہے اور اس میں "اسلام خطرے میں ہے" سے زیادہ جاذبیت ہے۔ یہ تبدیلی غالباً دیر سے آئی ہے لیکن میرے خیال میں یہ کوئی کمزوری نہیں بلکہ ہماری قوت ہے کہ پٹھان مالی طور پر یا دیگر صورتوں میں اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کمزوری یہ ہے کہ پٹھان باہم منتشر ہونے کی وجہ سے کوئی مستحکم ریاست قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں اور جہاں کہیں انہوں نے حکومت بھی کی تو وہاں وہ دوسرے ممالک پر فاتح کی حیثیت سے حکمران رہے۔ وہ تاریخ کے ہر دور میں طوائف الملوکی کا شکار رہے ہیں، یہاں تک کہ ہم (برطانوی حکمرانوں) نے آ کر انہیں نظم کا پابند کیا۔ (افغانستان کسی لحاظ سے بھی پٹھان ریاست نہیں ہے)"[۱۲]

اس خفیہ دستاویز کی روشنی میں اہل وطن بالعموم اور پشتون بالخصوص یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انگریزوں کا دوست اور آلۂ کار کون تھا اور دشمن کون؟ قائداعظم اور مسلم لیگ یا گاندھی، کانگرس اور سرحدی گاندھی خان عبدلغفار خان۔

پختونستان کا سٹنٹ دراصل انگریز، ہندو کانگرس اور اس کے زرخرید ایجنٹوں اور گماشتوں کی قیام پاکستان کے خلاف ایک مکروہ اور ناپاک سازش تھی۔ دشمنان اسلام و پاکستان کی اس خطرناک سازش کا مقصد یہ تھا کہ کشمیر اور صوبہ سرحد کو ہر قیمت پر بھارت میں شامل کر کے پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا جائے۔

اس سازش کے مرکزی کرداروں میں خان برادران، گاندھی، پنڈت نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، نام نہاد شیر کشمیر شیخ عبداللہ اور صوبہ سرحد کے اس وقت کے انگریز گورنر اولف کیرو کے نام سر فہرست ہیں۔

ہندوؤں کے ان عزائم کا ذکر کرتے ہوئے منشی عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ "فرنٹیئر میں عرصہ سے پرجوش تحریک چل رہی تھی۔ خدائی خدمتگار سارے صوبہ سرحد میں پھیلے ہوئے تھے۔ خان برادران کی حکومت ہونے کی وجہ سے سارا صوبہ ان کے زیر نگیں تھا۔ اس لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ذاتی دوست، دشمن پاکستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی

معرفت ریڈکلف کو شیشہ میں اتار کر ان دو علاقوں میں ریفرنڈم رکھوا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مولانا حسین احمد مدنی اور خان برادران کی مدد سے انہیں ہندوستان میں شامل کرا کر پاکستان کو کمزور کر دیں گے۔ اور اگر ریفرنڈم کا نتیجہ ان کے حق میں نہ نکلا تو پختونستان کا شوشہ اٹھا کے پاکستان کو صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ سے محروم کر دیں گے۔ یہ دونوں علاقے چونکہ افغانستان سے ملحق تھے، جہاں ہندوستان کی نسبت افغانستان کی ریشہ دوانیاں زیادہ کارگر ہو سکتی تھیں، اس لئے افغانستان کی امداد حاصل کرنے کیلئے انہوں نے اسے یہ چکمہ دے رکھا تھا کہ وہ پختونستان کا الحاق افغانستان سے کرا دیں گے۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے اعلانات بھی کرنے شروع کر دیئے تھے قاضی عطاء اللہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ پٹھان فطری طور پر آزاد واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے آزاد فطرت ہونے کی وجہ سے وہ افغانستان میں شامل ہونا پسند نہ کریں گے۔ لیکن اگر بعد میں انہیں کسی وجہ سے کسی میں شامل ہونا پڑا تو پاکستان کے مقابلہ میں افغانستان کو ترجیح دیں گے"[۱۳]۔

منشی عبدالرحمن خان روزنامہ نوائے وقت کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب تک انگریز نے پاکستان کا مطالبہ منظور نہیں کیا تھا، سرحدی گاندھی یا بلوچستانی گاندھی نے پختونستان کا نعرہ بلند نہیں کیا نہ کبھی یہ مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کا نام پختونستان رکھ دیا جائے۔ اس کے برعکس وہ متحدہ ہندوستان اور مضبوط مرکزی حکومت کے حامی رہے۔ اس متحدہ ہندوستان میں صوبہ سرحد کی حیثیت چودہ پندرہ صوبوں کے ملک میں ایک چھوٹے سے صوبہ کی ہوتی اور اس متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اقتدار ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوتا۔ سرحدی گاندھی کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے، مرکز میں ہندوؤں کا اقتدار ہو اور صوبہ سرحد کے غیور مسلمان ہندوؤں کے زیر نگین ہوں۔ مگر جب انگریز اور کانگرس دونوں نے پاکستان کا مطالبہ مان لیا اور یہ طے ہو گیا کہ اب ہندوستان تقسیم ہو کر رہے گا، تو پہلی مرتبہ سرحدی گاندھی نے پختونستان کا نعرہ بلند کیا[۱۴]۔

خان عبدالغفار خان کا ریفرنڈم سے فرار اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے مختلف ہتھکنڈوں کا ذکر کرتے ہوئے نوائے وقت اپنے اداریہ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۴۷ء میں لکھتا ہے کہ:

"صوبہ سرحد میں پاکستان اور ہندوستان کے سوال پر ریفرنڈم میں حصہ لینے سے انکار کر کے ہندو کانگرس نے وقتی طور پر اپنی شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ مگر مسلمانوں کو کانگرس کی اس پسپائی سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ سرحد کا مورچہ سر ہو گیا ہے ریفرنڈم کانگرس کے فرار کے باوجود ہو گا۔ مسلم لیگی کارکنوں کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس میں حصہ لیں اور پاکستان کے حق میں اتنے ووٹ دیئے جائیں کہ

ہندو کانگرس کے بائیکاٹ کے باوجود دنیا پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ سرحدی عوام کی غالب اکثریت پاکستان کے حق میں ہے۔ جہاں تک ہندو کانگرس کے عزائم کا تعلق ہے، وہ بے حد خطرناک ہیں۔ کانگرس کا یہ فرار اور پسپائی بھی ایک سوچی سمجھی تجویز کے مطابق ہے۔ کانگرس کو یہ یقین تھا کہ ریفرنڈم میں اس کی شکست یقینی ہے اور یہ شکست اس کی سیاسی موت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اس لئے سردار پٹیل کی زیر ہدایت، خان عبدالغفار خان نہایت ہوشیاری سے مقابلہ کے میدان سے ہٹ گئے ہیں۔ مگر ''پٹھانستان'' کا فتنہ ختم نہیں ہوا بلکہ انہوں نے جو شوشہ چھوڑا ہے وہ پاکستان کی نئی حکومت کے لئے سب سے پہلا سر درد ثابت ہوگا''۔

مولانا ابوالکلام اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں کہ :

''۳ جون ۱۹۴۷ء کو جب کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو گاندھی جی تک نے تقسیم ہند کی حمایت کی۔ میں تو ان کے طرز عمل کو سمجھ ہی رہا تھا، لہذا مجھے اس پر کچھ تعجب نہ ہوا۔ لیکن خان عبدالغفار خان کی حالت کا اندازہ کون کر سکتا تھا؟ وہ سن ہو کر رہ گئے۔ کئی منٹ تک گم سم بیٹھے رہے، پھر انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی اور اسے یاد دلایا کہ انہوں نے کبھی کانگرس کو نہیں چھوڑا، لیکن اب کانگرس اسے بے یار و مددگار چھوڑ رہی ہے۔ اگر کانگرس نے انہیں یوں چھوڑ دیا تو اس کا ردعمل سرحد میں نہایت خطرناک ہوگا۔ ان کے دشمن ان پر ہنسیں گے اور دوست بھی یہی کہیں گے کہ جب تک انڈین کانگرس کو صوبہ سرحد کی حمایت کی ضرورت تھی، وہ خدائی خدمت گاروں کی پشت پناہی کرتی رہی۔ جب انڈین کانگرس نے مسلم لیگ سے مصالحت کرنی چاہی تو سرحد کے رہنماؤں سے مشورہ کئے بغیر اس نے تقسیم ہند کی سکیم منظور کر لی۔ خان عبدالغفار خان نے بار بار کہا کہ صوبہ سرحد کانگرس کے اس رویے کو بے وفائی اور غداری پر محمول کرے گا اور سمجھے گا کہ اس نے خدائی خدمت گاروں کو بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا ہے''[۱۵]۔

مولانا آزاد آگے لکھتے ہیں کہ :

''خان عبدالغفار خان کی اس اپیل سے گاندھی جی بہت متاثر ہوئے انہوں نے کہا یہ سوال وہ لارڈ مونٹ بیٹن کے سامنے اٹھائیں گے۔ چنانچہ گاندھی جی وائسرائے سے ملے تو انہیں کہا کہ وہ تقسیم ہند کی سکیم کی اس وقت تک تائید نہیں کریں گے۔ جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ خدائی خدمتگاروں کے ساتھ مسلم لیگ کا رویہ معقول اور اچھا رہے گا۔ انہوں نے کہا بھلا وہ ان لوگوں (سرخپوشوں) کو بے یار و مددگار کیسے چھوڑ سکتے ہیں جنہوں نے مشکلات و مصائب کے دور میں ہمیشہ کانگرس کا ساتھ دیا ہے''[۱۶]۔

جب گاندھی نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے بات کی تو اس نے گاندھی کو جواب دیا کہ وہ اس سلسلے میں مسٹر جناح سے گفتگو کریں گے۔ چنانچہ وائسرائے نے قائداعظم سے ملاقات کی تو قائداعظم خان عبدالغفار خان سے بات چیت پر آمادہ ہو گئے۔ ۱۸ جون ۱۹۴۷ء کو خان عبدالغفار خان نے قائداعظم کی قیام گاہ پر دہلی میں ان سے ملاقات کی مگر ایسی شرائط پیش کیں جو ملک وملت کی وحدت وسالمیت کی خاطر قائداعظم کے لئے قابل قبول نہ تھیں اور قائداعظم کے لئے انہیں مسترد کئے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ درحقیقت اس ملاقات سے کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ خان عبدالغفار خان کی پاکستان دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ قائداعظم کے سامنے اس نے جو شرائط پیش کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر پاکستان نے آزادی کے بعد برطانیہ کے زیر تسلط رہنے کا فیصلہ کیا تو پھر صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے کے پٹھانوں کو اس سے نکل جانے اور ایک علیحدہ آزاد مملکت قائم کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے''۔ لیکن وہ اس بات پر پوری طرح مطمئن اور قانع تھا کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ انڈین یونین کا حصہ بن جائے جو برطانوی دولت مشترکہ کی ایک ڈومینین بننے والی تھی۔ بعدازاں گاندھی نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ رائے شماری نہ کرائی جائے اور قائداعظم خود صوبہ سرحد جا کر لوگوں کو پاکستان کے فائدے سمجھائیں اور سرحدی عوام کو پاکستان کے ساتھ شامل کرنے پر رضامند کر لیں۔ قائداعظم نے یہ تجویز قبول کر لی لیکن بعد میں کانگرس اس تجویز پر قائم نہ رہی۔

گاندھی کے سوانح نگار پیارے لال لکھتے ہیں کہ کانگرس کے لئے ایسی کوئی تجویز یا شرط قبول کرنا سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔

قائداعظم اور کانگرس کے دیگر رہنماؤں سے ملاقات کے بعد خان عبدالغفار خان پشاور چلے گئے۔ ۲۱ جون ۱۹۴۷ء کو انہوں نے بنوں میں ایک جلسے سے خطاب کیا۔ جس میں سرحد کانگرس کمیٹی کے ارکان، کانگرس پارلیمنٹری پارٹی کے ممبر، خدائی خدمت گاروں اور ''زلمے پختون'' کے رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ جلسہ میں اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور کی گئی کہ تمام پختونوں پر مشتمل پٹھانوں کی ایک آزاد مملکت قائم کی جائے۔ اس مملکت کے دستور کی بنیاد جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر ہو گی[17]۔

سرحدی گاندھی کے اس نئے موقف یعنی پختونستان کے طالبہ کا کیا ردعمل ہوا اس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ :

''لیکن مسٹر جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن میں سے کوئی بھی پختونستان کا مطالبہ ماننے کو تیار نہ تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ صوبہ سرحد ایک جداگانہ اور آزاد ریاست نہیں بن سکتا، البتہ پاکستان یا

> ہندوستان میں سے جس کے ساتھ چاہے الحاق کر سکتا ہے۔ اس پر خان برادران نے اعلان کر دیا کہ ان کی پارٹی ریفرنڈم میں کوئی حصہ نہ لے گی۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں اور حامیوں سے اپیل کی کہ وہ استصواب رائے عامہ کا بائیکاٹ کریں۔ لیکن مخالفت کارگر ثابت نہ ہوئی، ریفرنڈم ہوا اور صوبہ سرحد کے عوام نے بڑی بھاری تعداد میں پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیا''[۱۸]۔

کہا جاتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے خان عبدالغفار خان کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ بدلی ہوئی صورت حال کا احساس کریں اور مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مولانا آزاد کے اس مشورے کا ذکر خود سرحدی گاندھی نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں بھی کیا ہے۔ اس کے برعکس پنڈت نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور دوسرے متعصب ہندو کانگرسی آخر تک خان عبدالغفار خان کو ایسے مشورے دیتے رہے جن سے مسلمانوں کے مختلف سیاسی گروہ آپس میں دست و گریبان ہوں۔ روزنامہ نوائے وقت کے مطابق پٹیل اور نہرو نے ''پختونستان'' کے پروپیگنڈا کے لئے ایک کروڑ روپیہ بھی مخصوص کیا تھا[19]۔

اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ پختونستان یا پٹھانستان کا سٹنٹ صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سر اولف کیرو اور مسٹر گاندھی کے ذہن کی اختراع تھی۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر انگریز اور ہندو سے ملی بھگت کر کے اس نعرے کو اپنایا اور سینے سے لگایا اور پھر اس کے لئے دن رات ایک کر کے کام کیا۔ اس سٹنٹ کا حتمی مقصد صوبہ سرحد اور کشمیر کو ہر قیمت پر بھارت میں شامل کر کے پاکستان کے قیام کو ناممکن بنانا یا پاکستان کو کمزور کرنا تھا۔

علامہ عثمانی کے طوفانی دورے

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کی سکیم کے تحت صوبہ سرحد کے لوگوں کو ایک ریفرنڈم کے ذریعے اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ اس ریفرنڈم پر پاکستان کے مستقبل کا انحصار تھا اور یہ ریفرنڈم پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ قائداعظم کو عجیب فکر لاحق تھی۔ سوال یہ تھا کہ جس جگہ خان برادران یعنی خان عبدالغفار خان کا اثر ہو اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کی وزارت ہو وہاں مسلم لیگ اور پاکستان کی کامیابی کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ موقع کی نزاکت نہایت ہی سخت مقابلہ چاہتی تھی۔ ہندو کانگرس روپیہ پانی کی طرح بہا رہی تھی۔ ہندو کھلم کھلا، انگریز در پردہ اور حکومت افغانستان بھی کسی نہ کسی طرح صوبہ

سرحد کی پاکستان میں شمولیت کے خلاف کام کر رہی تھی۔ سرخ پوش پارٹی مسلم لیگ کے خلاف زبردست محاذ بنائے ہوئے تھی۔ حکومت کی وجہ سے کانگرس کا پورا اثر صوبہ پر محیط اور چھایا ہوا تھا۔ وزارت کی مسند پر کانگرس کا وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان جلوہ آرا تھا۔ سرخ پوشوں کا لیڈر سرحدی گاندھی صوبہ پر اقتدار رکھتا تھا۔ ان حالات میں پاکستان اور مسلم لیگ کی کامیابی معجزہ سے کم نہ تھی۔ قائداعظم تک گھبرائے ہوئے تھے۔

پیر مانکی شریف[۲۰] نے قائداعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رائے عامہ کے حصول کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ملک میں ان کا مذہبی حیثیت سے بہت کچھ اثر قائم ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان حالات کے پیش نظر قائداعظم نے علامہ عثمانی سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی۔

جمعیۃ علماء اسلام کے نائب صدر اور علامہ شبیر احمد عثمانی دہلی میں قائداعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے۔ بہت سی باتیں ہوئیں، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ قائداعظم نے فرمایا ''مجھے سلہٹ اور فرنٹیئر کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ اگر یہ دونوں حصے پاکستان میں شامل نہ ہوئے تو پاکستان کو بہت نقصان ہوگا''۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ دونوں (حصے) پاکستان میں شامل ہو جائیں؟'' قائداعظم نے فرمایا ''مولانا یہ تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، ان کا پاکستان میں شامل ہونا بہت ضروری ہے''۔ مولانا (علامہ عثمانی) نے فرمایا ''تو آپ ہمیں ایک تحریر دے دیں کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت کے موافق سلامی دستور ہوگا۔ بغیر اس کے وہاں کے مسلمان پاکستان کو ووٹ نہ دیں گے''۔ قائداعظم نے فرمایا ''میں بار بار اعلان کر چکا ہوں کہ ہمارا دستور چودہ سو برس پہلے سے بنا ہوا ہے۔ ہمارا دستور قرآن ہے۔ آپ میری طرف سے قوم کو مطمئن کر دیجئے اور کہہ دیجئے کہ میں نے قوم کو کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ جو میں کہہ رہا ہوں ہو کر رہے گا۔ مگر تحریر دینا اس وقت اس لئے دشوار ہے کہ پاکستان اگست ۱۹۴۷ء میں بننے والا ہے میری تحریر میں اسلامی دستور کا ذکر اس وقت مناسب نہیں۔ ہندو یہ پروپیگنڈا کریں گے کہ جو ہندو پاکستان میں رہے گا اسے مسلمان ہونا اور نمازی بننا پڑے گا۔ جب دستور سازی کا وقت آئیگا، اس کی تصریح کر دی جائے گی اور تشریح بھی کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اقلیتوں کو مسلمان بنایا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اقلیتوں کے ساتھ جس عدل وانصاف اور ہمدردی کا حکم ہے، اس کے موافق اقلیتوں کو اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی ہوگی۔ اور مولانا جب پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہوگی تو قانون ودستور بھی اکثریت کے موافق ہوگا۔ دستور پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا''۔ اس پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ''آپ مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ سلہٹ اور فرنٹیئر دونوں پاکستان میں آ جائیں گے۔ میں فرنٹیئر کا دورہ کروں گا اور مولانا ظفر احمد صاحب سلہٹ کا دورہ کریں گے''[۲۱]۔

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے ایک اور ساتھی مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع اپنے خط مورخہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں :

> علامہ عثمانی اور ان کے ساتھیوں کی قائد اعظم سے اس اہم ملاقات کے متعلق منشی عبدالرحمٰن خان اپنی کتاب ""تعمیر پاکستان اور علماء ربانی'' میں لکھتے ہیں کہ ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی جنگ پاکستان جیتنے کی مبارکباد پیش کرنے قائد اعظم کی کوٹھی پر پہنچے۔ جونہی یہ خدام دربار اشرفیہ قائد اعظم محمد علی جناح کے کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے سروقدم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ مصافحہ کے بعد اپنے پاس بٹھایا۔ علامہ عثمانی نے قائد اعظم کو حصول پاکستان پر مبارکباد پیش کی تو قائد اعظم نے فرمایا'' کہ مولانا یہ مبارک باد آپ ہی کو ہے کہ آپ ہی کو کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے''۔ اس کے بعد دوسری باتیں شروع ہوئیں۔ قائد اعظم نے سنجیدگی اور متانت سے باتیں سنیں اور جوابات دیئے۔ یہیں طے پایا کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت کے موافق بنایا جائے گا۔ قائد اعظم کی درخواست پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے سرحد اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے سلہٹ کا معرکہ سر کرنے کی ذمہ داری قبول کی[۲۲]۔

چنانچہ قائد اعظم سے زبانی معاہدہ اور تجدید عہد کہ'' مولانا یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا اور آپ صاحبان ہی اس مسئلے کو طے کریں گے''۔ کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی سخت گرمی کے زمانے میں صوبہ سرحد کے دورے پر روانہ ہوئے۔ آپ نے علالت و کمزوری کے باوجود نہایت جفاکشی، محنت اور مشقت وصعوبت کو برداشت کر کے پوری جانفشانی کا ثبوت دیا۔ اس طرح آپ نے اپنے زندگی کے اس آخری دور میں بھی یہ ثابت کر دکھایا کہ میدان علم وحکمت کا مرد میدان مشقت ومجاہدہ میں بھی بفضل خدا کسی سے کم نہیں۔

سی۔ آئی۔ ڈی[۲۳] ڈیلی ڈائری مورخہ ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق ""مسلم لیگ کے نامی گرامی اور اہم رہنما سرحد پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی کل رات یعنی ۲۳ جون کو پشاور پہنچے اور ریلوے اسٹیشن پر مسلم لیگی کارکنوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا''[۲۴]۔

پشاور میں پر جوش خطاب

آپ نے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو کننگھم پارک پشاور میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور مسلمانوں پر واضح کیا کہ کانگرس کا پروپیگنڈہ مسلمانوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سامان پیدا کر رہا ہے، اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو مسلمان قوم کی تباہی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور اپنی اشاعت مورخہ یکم جولائی ۱۹۴۷ء میں علامہ عثمانی کے دورہ پشاور کے متعلق لکھتا ہے کہ :

''پشاور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض خان فدا خان صدر سٹی مسلم لیگ نے سرانجام دیئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمعیۃ علماء اسلام نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی صفوں کو مضبوط بنائیں اور خود کو اتحاد و اتفاق کی لڑی میں منسلک کریں۔ خان عبدالغفار خان اور ان کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اگر خان عبدالغفار خان اپنے عقیدے کے مطابق مخلص ہیں اور صوبہ سرحد میں اسلامی شریعت کے مطابق جمہوری حکومت کے قیام کے متمنی ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ کیونکہ اس طرح وہ پاکستان کو زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا سکتے ہیں''[۲۵]۔

آپ نے اپنی طویل تقریر میں سرحد کے غیور مسلمانوں کو پاکستان کی حمایت کرنے اور پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کی تلقین کی۔

اخبار 'ہمارا پاکستان' اپنی سالگرہ نمبر میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے دورہ پشاور کے خطاب کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ :

''گزشتہ الیکشن کی بات ہے کہ میں نے جمعیۃ علماء ہند کو کانگرس کا غلام دیکھ کر اس سے لاتعلقی اختیار کی جس کی پاداش مین مجھ پر طرح طرح کے الزام لگائے گئے۔ لیکن جب مسٹر محمد علی جناح اور خان لیاقت علی خان نے اپیل کی کہ الیکشن میں ووٹ پاکستان کو دیئے جائیں کیونکہ وہاں شریعت اسلامی کی حکومت ہوگی تو میں بھی ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہ وقت کڑے امتحان کا ہے۔ اسلام اس کفرزار میں زندہ کرنے کے لئے آپ لوگ پہلے ہی کافی قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ دشمنوں نے آپ کو مٹانے کے لئے کافی جدوجہد کی ہے لیکن قدرت نے اسلام میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ یہ دنیا سے فنا نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے ایک جگہ دبا دیا جائے تو دوسری جگہ ابھر آئے گا۔ پس جو کچھ بہار میں ہوا ہے اس سے یہ سمجھ لینا کہ اسلام ختم ہو جائے گا، نادانی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ روئے زمین پر ایسا خطہ باقی نہ رہے گا جہاں اسلام کا نام اور پیغام نہ پہنچے''۔ اس لئے مسلمانوں کو بہار کے خونچکاں واقعات سے ہراساں نہ ہونا چاہیے۔ بھلا تاتاریوں نے کس طرح مسلمانوں کو مٹانے کی جدوجہد کی لیکن جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو یہ مسٹر سنہا[۲۶] مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیں گے۔

مسلم لیگ کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کو یکجا کرنا تھا اور وہ پورا ہو گیا۔ بہتر ہے اب گمراہی کے طریقے چھوڑ دو۔ اگر تم خدا کی طرف لوٹو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے زمین کا ایک ٹکڑا تو ہم نے حاصل کر لیا ہے۔ اب یہاں انشاء اللہ اسلامی قانون چلائیں گے۔

اکثر ہندو اخبارات اور لیڈر کہا کرتے تھے کہ لنگڑا لولا پاکستان بھوکوں مر جائے گا لیکن اب تو مخالفوں میں سے بھی بعض نے پیشگوئی کر دی ہے کہ پاکستان ایک امیر ملک ہوگا۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی تباہ ہوا ہے، اپنے ہی ہاتھوں ہوا ہے، اور اسے کوئی دوسرا نہیں مٹا سکتا۔ اسی لئے اب ہم کو چاہیے کہ ہر قسم کے برے افعال سے باز آ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آئی ہوئی چیز ہاتھ سے چلی جائے۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ پیر صاحب مانکی شریف جیسے دیندار آدمیوں کو اسمبلی میں بھیجنے کی کوشش کریں۔

گاندھی نے مطالبہ کیا ہے کہ صوبہ سرحد کو آزاد پٹھانستان بنا دینا چاہیے کیونکہ سرحد کا کلچر اور تمدن جدا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آزاد پٹھانستان خدا سے بھی آزاد رہے گا؟ پٹھانوں کا خدشہ بالکل غلط ہے کہ پنجابی انہیں لوٹ لیں گے۔ تمام صوبوں میں مکمل مساوات ہوگی، کوئی کسی کا حق نہیں مار سکے گا۔

پاکستان کو لنگڑا کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک پاؤں تقسیم پنجاب سے ٹوٹ گیا دوسرا تقسیم بنگال سے، لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں لنگڑے آدمی ہسپتال میں داخل ہو کر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کا لنگڑا پن بھی دور ہو سکتا ہے۔ لیکن سرحد تو پاکستان کا سر ہے۔ لنگڑا سر کٹے پاکستان سے تو بہتر ہے اور لنگڑا پاکستان چھوڑ تاریخ میں تو لنگڑے بادشاہ بھی ہو گزرے ہیں۔

انشاء اللہ جلد پاکستان بن جائے گا اور ہم ایک ایسی مملکت میں آ جائیں گے جس میں اسلامی قانون نافذ ہو گا"۔[۲۸]

سی۔ آئی۔ ڈی ڈیلی ڈائری مورخہ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء اور آئی۔ پی۔ ایس[29] ڈیلی ڈائری مورخہ یکم جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق کننگھم پارک پشاور میں مورخہ ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو ساڑھے نو بجے رات مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت فدا محمد خان ایڈووکیٹ نے کی۔ جلسہ میں ۱۵،۰۰۰/۲۰،۰۰۰ افراد نے شرکت کی۔ اس میں ۴۰۰/۵۰۰ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے باوردی رضاکار اور اس کے علاوہ ۷۰/۸۰ غازی پختون رضاکار بھی موجود تھے۔ یہ جلسہ تقریباً پانچ گھنٹے جاری رہا۔ جلسہ کے اہم مقررین میں مولانا شبیر احمد عثمانی، حافظ فدا محمد آف پشاور، رشید علوی،

منظور اکبر حیدری آف جھنگ، راجہ سید اکبر ایم۔ ایل۔ اے (سنٹرل)، مولانا محمد شفیع آف پنجاب اور مولانا شبیر احمد آخر کر قابل ذکر ہیں۔ مقررین کے خطاب کے اہم مواقع پر غازی پختون پارٹی کے رضا کاروں نے ہوائی فائر بھی کیے[۳۰]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈائری مورخہ یکم جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق جلسہ کی اہم شخصیت مولانا شبیر احمد عثمانی کا چند ہوائی فائر کر کے استقبال کیا گیا۔ آپ نے ایک بہت ہی طویل تقریر فرمائی جس میں آپ نے ہند کی سیاسی پارٹیوں کی تاریخ اور اپنی زندگی کی کہانی بیان کی کہ کیوں اور کیسے وہ جمعیۃ علماء ہند کی تنظیم، جو کہ کانگرس کے براہ راست ماتحت اور اثر میں ہے، سے علیحدہ ہوئے اور مسلم لیگ میں شرکت اختیار کی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ میں بوڑھا اور کمزور ہوں مگر موقع کی نزاکت واہمیت مجھے اس جگہ کھینچ لائی تاکہ میں سادہ مگر کانگرس کے بہکاوے میں آئے ہوئے پٹھانوں کو، جو ابھی تک کانگرس کے زیر اثر کام کر رہے ہیں، کو اصل حقیقت حال سے مطلع کر سکوں۔ آپ نے اپنی دلائل سے بھرپور اور متوازن تقریر، جس میں کہانیوں اور مثالوں سے بھی وضاحت کی گئی تھی، میں (سرحدی گاندھی کے) مطالبہ پٹھانستان کو مذہبی، معاشی اور سیاسی بنیادوں پر جھوٹ اور فریب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے سامعین سے کہا کہ وہ مسٹر گاندھی کے ایجنٹوں کے بہکاوے اور فریب میں نہ آئیں۔ آپ نے یہ ثابت کرنے کی بھی پوری کوشش کی کہ صرف اور صرف پاکستان ہی اس صوبے کے مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل ہے۔ آپ نے (سرحدی گاندھی کے) مطالبہ پٹھانستان کو مذہبی بنیاد پر رد کر دیا[۳۱]۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کے سیکرٹری مولوی محمد شفیع نے بھی مورخہ ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو محمد علی پارک پشاور میں شام ٦ بجے بیگم فاطمہ آف لاہور کی زیر صدارت ایک اجلاس، جس میں ٦۰۰/۷۰۰ مسلم خواتین شریک تھیں، سے خطاب کیا۔ اہم مقررین میں بیگم قاضی صاحب، بیگم شاہنواز ایم۔ ایل۔ اے، صدر جلسہ، رقیہ بیگم اور بیگم تصدق حسین شامل تھیں۔ یہ اجلاس تقریباً دو گھنٹے جاری رہا اور اس میں ۲۵۰/۳۰۰ تک مردوں نے بھی شرکت کی۔ مقررین نے پاکستان کے حق میں تقاریر کیں[۳۲]۔

پبلک پارک مردان میں خطاب

روزنامہ ڈان نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ جون ۱۹۴۷ء میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی مردان آمد پر یہ سرخی لگائی۔

"Pathanistan as Sinister Move of Congress: Big Reception to Sheikh-ul-Islam at Mardan"

اخبار لکھتا ہے کہ :

> ”شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی یہاں آمد پر ضلع مردان کے تقریباً ۱۰۰،۰۰۰ (ایک لاکھ) مسلمانوں نے مسلم لیگ کے نعروں اور ہوائی فائر کر کے ان کا پر جوش و پرتپاک استقبال کیا۔ ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے فرمایا صوبہ سرحد کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور وہ ہر مشکل وقت میں ان کو اپنا مددگار و نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کانگرس کی موجودہ حکومت ایک لعنت ہے۔ اسلام کے عالمگیر بھائی چارہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے مثالیں بھی پیش کیں تاکہ اس بات کو ثابت کر سکیں کہ قبیلوں میں تقسیم ہونے کے باوجود مسلمان جسد واحد کی طرح تھے اور ان کو ہونا بھی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ سرحد کو اس لئے بنایا گیا تھا تاکہ یہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان بفرزون کے طور پر کام کر سکے۔ انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کو سپورٹ کریں اور کانگرس کے منحوس عزائم کو خاک میں ملا دیں“[۳۳]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری مورخہ ۲۸ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے مورخہ ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کو شام ۷ بجے پبلک پارک مردان میں مسلم لیگ کے ایک بہت بڑے جلسہ کی صدارت کی جس میں ۲۰۰۰۰/۲۲۰۰۰ افراد نے شرکت کی۔ ان میں ۶۱۰۰ مسلم نیشنل گارڈ کے رضا کار بھی شامل تھے، جن مین سے ۳۰۰۰ افراد مسلح اور باوردی تھے۔ جلسہ کے اہم مقررین میں صدر جلسہ، آئی۔ آئی۔ چندری گر، پیر صاحب مانکی شریف، مولوی فضل اللہ آف صوابی، عبدالغنی صاحب، محمد یمین جان ایڈووکیٹ، غلام محمد خان آف لنڈ کھوڑ، عطاء اللہ خان آف ملتان اور سردار اورنگ زیب خان شامل تھے۔ یہ جلسہ پونے چھ گھنٹے جاری رہا[۳۴]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈائری کے مطابق مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک طویل تقریر کی جس میں انہوں نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں تخلیق پاکستان کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو پنجاب اور باقی ہندوستان کے مسلمان اپنی ریڑھ کی ہڈی تصور کرتے ہیں۔ مشکل وقت میں ہندوستان کے مسلمان اس صوبے کے مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہیں اور انہیں اپنا مددگار اور نجات دہندہ خیال کرتے ہیں اور ہمیشہ ان سے بڑی بڑی توقعات باندھتے رہے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ وہ ان توقعات پر پورا نہیں اترے۔ انہوں نے بہار میں فرقہ وارانہ فسادات اور گڑبڑ کے متعلق بعض جگر سوز واقعات بھی بیان کئے اور صوبہ بہار کے وزیر اعظم کے ایک خط کا حوالہ

بھی دیا جس میں اس نے لکھا ہے کہ بہار میں فسادات اور گڑبڑ اس وقت تک نہیں رک سکتے جب تک نوا کھلی اور پورے بنگال میں امن قائم نہیں ہو جاتا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس خط کے تناظر میں یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بہار کا ہندو بنگال کے ہندو سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح منسلک ہے لیکن انہوں نے اسلام کی اس تعلیمات کے باوجود کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور دنیا کے تمام ممالک کے رہنے والے مسلمان آپس میں ایک جسد واحد کی طرح ہیں، مسلمانوں میں پائے جانے والے اس انتشار و نااتفاقی پر افسوس کا اظہار کیا[۳۴]۔

ہزارہ کا دورہ

ریفرنڈم مہم میں آپ ہزارہ بھی تشریف لے گئے۔ آپ نے لوگوں کو پاکستان میں شمولیت اور ووٹ دینے کی اپیل کی، جس کا مسلمانوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔

پیر صاحب مانکی شریف، خان عبدالقیوم خان[۳۵]، مولانا محمد اسحاق خطیب، محمد علی خان ہوتی، سیکرٹری صوبائی مسلم لیگ اور غضنفر علی خان بھی آپ کے ساتھ تھے[۳۶]۔

مانسہرہ میں تقریر

علامہ عثمانی مانسہرہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی تقریر فرمائی جس کا نمایاں اثر ہوا اور لوگ پاکستان کو ووٹ دینے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

بفہ (Baffa) میں تقریر

بفہ میں بھی علامہ شبیر احمد عثمانی نے تقریر فرمائی اور لوگوں کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔ آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق مورخہ ۲۷ جون ۱۹۴۷ء کو بفہ میں صاحبزادہ گل حسن خان آف بفا کی صدارت میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا جس میں ۴۰۰۰/۵۰۰۰ افراد نے شرکت کی۔ ان میں مسلم نیشنل گارڈ کے ۴۰۰/۵۰۰ رضاکار بھی شامل تھے۔ اہم ترین مقررین میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولوی محمد اسحاق آف ایبٹ آباد، موسیٰ خان، راجہ غضنفر علی خان، پیر صاحب آف مانکی شریف اور سردار شوکت حیات خاں شامل تھے[۳۷]۔

سوات اور تھانا (Thana) کا دورہ

علامہ شبیر احمد عثمانی نے سوات اور تھانا میں بھی پر جوش تقریریں فرمائیں۔ والئی سوات اخوندزادہ عبدالودود نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ آپ نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ اگر انہوں نے پاکستان کو ووٹ نہ دیا تو ان کی آزادی

بے معنی ہوکر رہ جائے گی اور ہندوستان کے ۱۰ کروڑ مسلمان ہمیشہ کے لئے اقلیت بن کر رہ جائیں گے اور ان کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر ہوگی۔ آپ کے خطاب سے لوگوں میں ایک جوش برپا ہوگیا[۳۸]۔

کمپنی گارڈن ایبٹ آباد میں خطاب

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایبٹ آباد کا بھی دورہ کیا اور وہاں بھی تقریر فرمائی۔ آپ کے دورہ سے لوگ پاکستان کو ووٹ دینے کے لیے تیار ہوگئے اور پاکستان کے لئے ان میں جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ مولانا محمد اسحاق خطیب ایبٹ آباد بھی اس موقع پر موجود تھے۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈائری مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیر صدارت مورخہ ۲۸ جون ۱۹۴۷ء کو شام پانچ بج کر پانچ منٹ پر کمپنی گارڈن ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا۔ جلسہ ایک گھنٹہ پچیس منٹ تک جاری رہا۔ اہم مقررین میں مولوی محمد جان، منشی گل زمان، جلال الدین خان ایم۔ ایل۔ اے ایبٹ آباد اور خطیب جامعہ مسجد دہلی شامل تھے[۳۹]۔

ایبٹ آباد میں ہی آپ کی ایک پرانے ساتھی سے ملاقات ہوئی جو کہ کانگرس کا حمایتی تھا۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے اس کو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ کا ایک واقعہ سنایا کہ:

> ''اس وقت روما میں عیسائی حکومت تھی وہاں ایک عیسائی فوجی نے ایک مسلمان بڑھیا کے تھپڑ مارا۔ بڑھیا معتصم باللہ کو مدد کے لیے پکارنے لگی۔ ظالم نے پھر ایک تھپڑ مارا اور کہا کہ کیا معتصم باللہ ابلق[۴۰] پر سوار ہوکر مجھ سے تیرا بدلہ لینے آئے گا؟ یہ بات روما سے بغداد پہنچی تو خلیفہ نے کہا جب تک بڑھیا کی بات پوری نہ کر دوں گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ اتنا کہا اور جا کر جنگل میں خیمے گاڑ دیئے اور حکم دیا کہ گردونواح سے جتنے بھی ابلق گھوڑے جس قیمت پر بھی ملیں لائے جائیں۔ آن کی آن میں لشکر تیار ہوا معتصم نے اٹلی پر حملہ کر دیا ظالم سپاہی کو گرفتار کرلیا گیا اور خلیفہ نے بڑھیا سے کہا کہ دیکھ معتصم تیری مدد کو آ پہنچا۔ تو یہ تھا فائدہ آزاد حکومت کا اسی طرح اگر ہماری بھی ایک آزاد مملکت ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا[۴۱]۔

کوہاٹ کا دورہ

ریفرنڈم مہم کے دوران علامہ عثمانی نے کوہاٹ کا بھی دورہ کیا۔ یہاں آپ نے مختلف پبلک اجتماعات سے خطاب کیا جن کے انتظامات قبیلہ منصور کے بزرگوں نے کئے تھے۔ آپ نے لوگوں کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔

بنوں میں ولولہ انگیز تقریر

علامہ عثمانی بنوں بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی اپنی جوشیلی اور دھواں دھار تقریر سے مسلمانوں میں ایک نیا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو پاکستان کے ساتھ الحاق کی تلقین کی۔

تحریک پاکستان کے نامور طالب رہنما حکیم آفتاب احمد قریشی جنہوں نے خود بھی اس ریفرنڈم میں علامہ عثمانی کے ساتھ بعض علاقوں کا دورہ کیا، علامہ عثمانی کے بنوں کے دورے کے متعلق لکھتے ہیں:

"بنوں کانگرس کا بڑا گڑھ اور فقیر اپی کا مرکز تھا۔ فقیر اپی کا رویہ پاکستان کے مخالف تھا۔ بنوں میں علامہ عثمانی کی صدارت میں عالی شان کانفرنس ہوئی۔ مولانا عثمانی، پیر صاحب مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے اپنی تقاریر میں فقیر اپی کو دعوت دی کہ وہ جہاد پاکستان میں شریک اور کانگرس کی حمایت سے دستکش ہوں۔ بنوں میں اس قسم کے اجتماع اور فقیر اپی پر تنقید کا تصور بھی نہیں کیا سکتا تھا۔ مگر شیخ الاسلام کی بلند و بالا شخصیت نے اس ناممکن کو ممکن کر دیا"[۴۲]۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان کا دورہ اور چودھواں موسیٰ زئی کے عظیم الشان جلسہ سے خطاب

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی استصواب رائے عامہ کی اس مہم میں ڈیرہ اسمٰعیل خان بھی تشریف لے گئے۔ آپ نے مختلف دیہات کا دورہ کیا اور خطاب کیا۔ چودھواں موسیٰ زئی کے ایک عظیم الشان جلسہ سے بھی آپ نے خطاب کیا۔ آپ کے خطاب کا لوگوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء میں رقمطراز ہے کہ:

"علامہ عثمانی اور پیر صاحب زکوڑی شریف ریفرنڈم کے سلسلہ میں طوفانی دورے کر رہے ہیں۔ ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو آپ نے ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مختلف دیہات کا دورہ کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے نہایت دلنشین انداز میں پاکستان کی اہمیت بیان کی اور مولانا کی تقریر کا اس قدر اثر ہوا کہ لوگ رونے لگے اور اپنے گزشتہ اعمال پر اظہار تاسف کیا اور پاکستان کے لئے دل و جان نثار کرنے کا وعدہ کیا"۔

بلیٹنگ میں تقریر

آئی۔ پی۔ ایس ڈائری مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو بلیٹنگ میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض مولانا شبیر احمد عثمانی نے سر انجام دیئے۔ اجلاس میں ۶۰۰/۷۲۰ افراد نے

شرکت کی۔ ان میں مسلم نیشنل گارڈ کے ۱۲۰ رضا کار بھی شامل تھے۔ اہم مقررین میں صدر جلسہ اور نور محمد آف سرگودھا شامل تھے۔ مقررین نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ ان کے ووٹ قومی امانت ہیں اور ان کو اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ جلسہ میں خان برادران پر سخت تنقید کی گئی اور ان کو مسلمان قوم کا غدار قرار دیا گیا۔ مقررین نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ پاکستان کو ووٹ دیں''[۴۳]۔

قبائلی علاقے اور بستیات کا دورہ

صوبہ سرحد کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کرنے کے علاوہ علامہ عثمانی نے قبائلی علاقوں کا بھی دورہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو ہندو کانگرس اور اس کے زرخرید ایجنٹوں کے ناپاک عزائم سے ہوشیار رہنے اور پاکستان کی حمایت کی تاکید فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ نے بستیوں کا بھی رخ کیا اور مسلمانوں کو ہندو کانگرس اور اس کے گماشتوں کی ناپاک اور خطرناک سازشوں سے آگاہ کیا۔ آپ نے اپنے مخصوص اسلامی انداز میں حقیقت پاکستان کی کچھ اس طرح سے وضاحت فرمائی کہ لوگ دل وجان سے پاکستان کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے ریفرنڈم میں پاکستان کو ووٹ دیا۔ اور دشمنان اسلام وپاکستان کے خطرناک اور ناپاک منصوبے خاک میں مل گئے۔

اپنے ان دوروں میں علامہ عثمانی نے مسلمانان سرحد کو باور کروایا کہ اگر صوبہ سرحد نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا تو ان کی زندگی تباہی وبربادی سے دوچار ہو جائے گی اور ہندوؤں کی غلامی ان کا مقدر بن جائے گی۔ اگر انہوں نے پاکستان کو ووٹ دیا تو یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی اور قرآن وسنت کا قانون جاری کیا جائے گا۔

سرحد ریفرنڈم میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی شاندار خدمات کا اعتراف تحریک پاکستان پر لکھنے والے تقریباً سبھی مورخین نے کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے نامور رہنما مولانا ظفر احمد انصاری ''چراغ راہ'' میں تحریک فرماتے ہیں:

> ''صوبہ سرحد میں پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظم سے مذاکرت اور مراسلات کے بعد، جس میں انہوں نے قائداعظم سے اس امر کی یقین دہانی حاصل کی کہ پاکستان کا نظام حکومت شریعت اسلامیہ کی بنیادوں پر قائم کیا جائے گا، لیگ کی حمایت میں بڑے جوش وخروش سے میدان میں آئے۔ مسلم لیگ کے لئے صوبہ سرحد بڑا ناقابل حل مسئلہ بنا ہوا تھا۔ پیر صاحب مانکی شریف کی شرکت نے لیگ کو بڑی تقویت پہنچائی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہاں خان برادران کے وسیع اثرات کے باوجود صوبہ کی سیاست لیگ کے حق میں پلٹ گئی۔ ادھر پیر صاحب مانکی شریف اور پیر صاحب زکوڑی شریف کی سرگرمیاں، ان کے ساتھ

مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کا دورہ اور تقریریں، دیکھتے ہی دیکھتے صوبہ سرحد کے حالات ایسے متغیر ہوئے کہ ریفرنڈم میں لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی جو یقیناً ان عناصر کی حمایت کے بغیر محال تھی۔ جیسا کہ کچھ دن پہلے کے انتخابات سے ظاہر ہو چکا تھا اور جس کے نتیجہ میں وہاں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت قائم ہو چکی تھی۔ خدانخواستہ صوبہ سرحد میں استصواب ناکام رہتا تو پاکستان کی کیا شکل ہوتی اس کا آج بھی اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں۔ اس اہم ترین منزل کی سر کرنے کا سہرا جس کے بغیر پاکستان کا وجود ناقص بلکہ بے معنی ہو کر رہ جاتا، علماء و مشائخ ہی کے سر ہے۔ جس میں ممتاز ترین حیثیت علامہ عثمانی اور پیر صاحب مانکی شریف کی ہے''[۴۴]۔

حکیم آفتاب احمد قریشی نے شیخ الاسلام پاکستان کی سرحد ریفرنڈم میں تاریخی خدمات کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

''سرحد میں استصواب کا اعلان ہوا۔ سرحد سرخ پوشوں کا گڑھ تھا۔ سرحد کے فرزندان توحید شمع اسلام کے پروانے تھے۔ علماء کا سرحد میں بڑا اثر تھا۔ سرحد کے استصواب پر پاکستان کی بقا کا انحصار تھا۔ قائداعظم سرحد کے استصواب کے سلسلے میں بڑے مضطرب تھے۔ انہوں نے اس منزل ہفت خواں کو سر کرنے کے لئے شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی کو چنا۔ انہوں نے دہلی میں ایک ملاقات کے دوران مولانا عثمانی سے درخواست کی کہ وہ سرحد کا دورہ کر کے سرحد کے غیور و جسور فرزندوں کو آمادہ کریں کہ وہ استصواب میں پاکستان کو ووٹ دیں۔ سرحد میں حالات ناخوشگوار تھے۔ کانگرس کی حکومت تھی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے رفقاء سمیت دورہ کا آغاز کیا تو فضا ہی بدل گئی۔ مولانا عثمانی استاد العلماء تھے۔ ان کے سینکڑوں شاگرد صوبہ سرحد کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی گردنیں عقیدت و نیاز مندی سے جھک گئیں اور انہوں نے تحریک پاکستان کے لئے جوش و خروش سے کام کیا۔ مولانا عثمانی کے دورے کے انتظامات مشہور مجاہد اور تحریک پاکستان کے رہنما سید امین الحسنات (پیر صاحب مانکی شریف) نے کئے تھے۔ صاحب پیر مانکی شریف سرحد کے جلیل القدر روحانی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور سرحد میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ پیر مانکی کے شب و روز تحریک پاکستان کے لئے وقف تھے۔ وہ مولانا عثمانی کے بڑے گرویدہ تھے۔ حضرت عثمانی کا سرحد میں شاہانہ استقبال ہوا۔ انہوں نے سرحد کے طول و عرض کا دورہ کیا اور اپنی عدیم النظیر تقاریر اور ضرب غزنوی سے کانگرس کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ راقم کو بعض علاقوں میں حضرت کے جلو

میں دورہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت کا خطیبانہ لہجہ، ان کی شیریں آواز، لحن داؤدی میں قرات، عصر حاضرہ کے مسائل پر فاضلانہ تبصرہ آج بھی یاد ہے۔ سرحد کے دورے سے اندازہ ہوا کہ برصغیر پاک وہند کے علماء میں حضرت کو بلند ترین حیثیت حاصل ہے۔ وہ اپنے علم وفضل وفراست اور زہد وتقویٰ کی بناپر یگانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ علماء انہیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا جانشین سمجھتے تھے۔ سرحد کے استصواب کے نتیجہ کا اعلان ہوا اور سرحد پاکستان میں شامل ہوا تو قائداعظم نے مولانا عثمانی کو اس عظیم کارنامے پر ہدیہ تبرک پیش کیا''۔[۴۵]

سرحد ریفرنڈم میں علامہ عثمانی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا محمد متین خطیب اپنے ایک مضمون پر تحریر کرتے ہیں:

''سرزمین سرحد میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے باوجود اپنی علالت وپیرانہ سالی کے ایک طویل دورہ کیا جس میں گرمی کی حدت کے باوجود بسا اوقات موٹر، ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعہ سفر کرنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مگر پاکستان کے مسئلے کو دوقومی نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگرس کے جال میں پھنس گئے تھے، اس جال کے تار وپود بکھیرنے کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانی جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس مہم میں آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا جس کی وجہ سے سرحد کی فضاء بہتر ہوئی اور پاکستان کے حق میں رجحانات تبدیل ہوگئے''۔

روزنامہ ڈان مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق نواب قطب دین خان، پیری حبیب اللہ جان زکوڑی اور حاجی محمد رمضان خان، صدر ڈیرہ اسمٰعیل خان مسلم لیگ نے اپنے ایک اخباری بیان میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء کا سخت گرمی کے باوجود ریفرنڈم کے سلسلہ میں دورہ کرنے پر شکریہ ادا کیا ہے۔

محمد شفیع صابر لکھتے ہیں کہ صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت تھی اور حالات یکسر پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ صوبہ سرحد کی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم اس کے لئے بہت فکر مند تھے اور وہ ہر قیمت پر اس کو پاکستان میں شامل دیکھنا چاہتے تھے۔ ریفرنڈم کی اس اہمیت کے پیش نظر مسلم لیگ ہائی کمانڈ نے صوبہ سرحد کے لئے ایک ریفرنڈم کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے صدر مرکزی وزیر تجارت اسمٰعیل ابراہیم چندریگر[۴۶] تھے۔ اس کمیٹی کے ارکان میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ نواب صدیق علی خان، مرکزی وزیر صحت راجہ غضنفر علی خان اور سرحد اسمبلی میں حزب

اختلاف کے رہنما خان عبدالقیوم خان کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مسلم لیگ ہائی کمانڈ نے اپنے کئی بااثر نمائندے اور ممتاز مقرر صوبہ سرحد روانہ کئے جن میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا قدوس بہاری، پیر جماعت علی شاہ، ملک فیروز خان نون، سردار عبدالرب نشتر اور مولوی بشیر احمد آخگر کے نام قابل ذکر ہیں۔

کیونکہ یہ ریفرنڈم پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اس لئے قائداعظم نے ملک بھر کے مسلم لیگی رہنماؤں، دینی پیشواؤں، گراں مرتبت عالموں اور مقرروں اور نوجوان کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ سارے صوبہ سرحد میں پھیل جائیں اور رائے شماری میں پاکستان کی کامیابی کے لئے سرتوڑ کوشش کریں۔ خوش قسمتی سے ان دنوں کالجوں، یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں موسم گرما کی تعطیلات تھیں۔ پرجوش مسلم لیگی طلباء نے اس فرصت سے خوب فائدہ اٹھایا اور دن رات ایک کر کے مسلم لیگ کی اس استصواب رائے عامہ کی مہم کو کامیابی سے چلایا اور گھر گھر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔

استصواب رائے عامہ کی اس مہم میں جن شخصیات نے حصہ لیا ان میں سب سے قد آور اور اہم ترین شخصیت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی تھی، جن کے طوفانی دوروں کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار گراں قدر اور عالی مرتبت مسلم لیگی رہنماؤں نے مسلم لیگ کی اس مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ ان ہستیوں کے ذکر کے بغیر تحریک پاکستان کا یہ اہم ترین اور سنہری باب نامکمل رہے گا۔ ذیل میں ہم ان قابل قدر رہنماؤں کی تقاریر کے اہم اقتباسات درج کرتے ہیں۔ تصویر کے دوسرے رخ کے طور پر خان برادران اور ان کے ساتھیوں، جن کی ہندو اور کانگرس کے ساتھ دوستی اور مسلم دشمنی مسلم تھی، کے بیانات کا ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا۔

سرحد ریفرنڈم کی اس مہم کی تفصیل کے سلسلہ میں آئی۔ پی۔ ایس اور سی۔ آئی۔ ڈی ڈیلی ڈائریاں بے حد معاون و مددگار ثابت ہوئیں ہیں۔ اس میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر مسلم لیگی رہنماؤں نیز کانگرسی اور سرخپوش رہنماؤں کے دوروں، تقاریر، اعلانات و بیانات کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ مناسب حفاظتی انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے یہ نادر تاریخی دستاویزات اور روزنامچے بہت خستہ حالت میں ہیں۔ ان سے استفادہ کرنا اور اس کا پڑھنا بہت مشکل ثابت ہوتا ہے۔ بہت تاخیر سے ان کی مائیکروفلمز بھی بنائی گئی ہیں۔ انڈین پولیس سروسز (سپیشل برانچ) کا یہ نادر تاریخی مواد حکومت سرحد کی ملکیت ہے اور ڈائریکٹریٹ آرکائیوز اینڈ لائبریریز پشاور اور نیشنل ڈاکومنٹیشن سنٹر (NDC)، کیبنٹ ڈویژن، اسلام آباد کی فائلوں اور مائیکروفلمز کی صورت میں دستیاب ہے۔

دیگر مسلم لیگی رہنماؤں کے بیانات

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے نشری خطاب مورخہ ۳ جون ۱۹۴۷ء میں فرمایا :

”ہر شخص کو اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ صوبہ سرحد کے عوام کی آزادانہ، منصفانہ اور سچی رائے حاصل کی جائے“[۴۷]۔

اپنے ایک اخباری بیان میں قائداعظم نے فرمایا :

”پاکستان کے حق میں ووٹ دینا ہر سرحدی مسلمان کا فرض ہے۔ فتح انشاء اللہ ہماری ہوگی“[۴۸]۔

سرحد ریفرنڈم کی اہمیت کے پیش نظر مسلم قوم کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا :

”اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو وہ تباہ ہو جائے گا“۔

جولائی ۱۹۴۵ء کو مسلمانان سرحد کے نام اپنے ایک اور پیغام میں فرمایا :

”خان برادران نے اب یہ زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے“[۴۹]۔

سرحد اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد اور سرحد مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم نے اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ :

”خان عبدالغفار خان اب بھی ہندوؤں کے ففتھ کالم ہیں“[۵۰]۔

”سرحد کے غیور پٹھان پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں گے“۔

”خان برادران کی سازش ہے کہ پٹھانستان کے نعرہ سے پٹھانوں کو دھوکہ دیا جائے“[۵۱]۔

اپنے ایک اور بیان میں انہوں نے کہا :

”صوبہ سرحد قدرتی طور پر پاکستان کا اہم حصہ ہے اور وہ یقیناً پاکستان میں شامل ہو کر رہے گا“۔

”سرحدی کانگرس نے استصواب رائے عامہ سے بائیکاٹ (علیحدگی) کا جو فیصلہ کیا ہے، وہ اپنی متوقع شکست پر پردہ ڈالنے کی ایک کوشش ہے“۔

آخر میں انہوں نے کہا :

”موجودہ استصواب رائے عامہ میں اگر عوام نے پاکستان کے حق میں قطعی رائے دی تو غداروں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا“[۵۲]۔

سی۔ آئی۔ ڈی ڈائری مورخہ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق جلال الدین خان ایم۔ ایل۔ اے نے مورخہ ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو کھوتہ قبر ضلع ہزارہ میں تقریر کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان اور ان کی پارٹی پر فتنہ پٹھانستان کی حمایت کرنے پر سخت تنقید کی اور ریفرنڈم میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے ان پر ہندوؤں سے ۱۵ کروڑ روپیہ لینے کا الزام بھی لگایا[۵۳]۔

سوشلسٹ اخبار ''نیو سٹیٹسمین'' نے لکھا ہے کہ :

''پٹھانستان کی تجویز رخنہ اندازی کے مترادف ہے''۔

اخبار نے آگے چل کر لکھا ہے۔ سرحدی کانگرس نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر کے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا ہے[۵۴]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری مورخہ ۲۸ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق سرحد ریفرنڈم کمیٹی کے سربراہ اور تجارت کے مرکزی وزیر اسمٰعیل ابراہیم چندریگر نے پبلک پارک مردان میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر گاندھی کو پٹھانستان کی حمایت پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا[۵۵]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری یکم جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق رسول پارک ڈیرہ اسمٰعیل خان میں تقریر کرتے ہوئے لاہور کے بی اے کے طالب علم مجید افضل نے کہا کہ ''خان عبدالغفار خان اپنے لئے 'غفارستان' بنانا چاہتے ہیں، لیکن اگر اس صوبے میں پاکستان نہ بن سکا تو خان عبدالغفار خان کا یہ غفارستان 'قبرستان' میں بدل جائے گا''۔ اپنی جوشیلی اور طنزیہ تقریر میں اس نے یہ بھی کہ کہ ''اگر وہ بہادر پٹھانوں کی طرح حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن لیں''[۵۶]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق بفا میں تقریر کرتے ہوئے صحت کے وفاقی وزیر راجہ غضنفر علی خان نے کہا کہ :

''خان عبدالغفار خان قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے ہیں لیکن انہوں نے کبھی وہاں پٹھانستان کا مطالبہ نہیں کیا۔ لیکن اب وہ ہندوؤں کی ہدایت و رہنمائی میں پٹھانستان کا مطالبہ کر رہا ہے۔ انہوں نے مزید کیا کہ طوفان میل آف پاکستان بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے لیکن سرخپوش اپنی سرخ جھنڈی سے اسے روکنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لاگوں سے اپیل کی کہ وہ قیام پاکستان کے لئے اپنا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں''[۵۷]۔

ایبٹ آباد میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ :

''خان عبدالغفار خان مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں''[۵۸]۔

سی۔ آئی۔ ڈی روزنامچہ کے مطابق مورخہ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو سلطان پور ضلع ہزارہ میں ایک بہت بڑے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے راجہ غضنفر علی خان نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ :

''خان عبدالغفار خان اور مولانا ابوالکلام جیسے ان کے مسلمان بھائی، مسلم قوم میں اختلاف کے بیج بو رہے ہیں اور اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں''[۵۹]۔

آئی۔ پی۔ ایس ڈیلی ڈائری مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کے مطابق اسلامیہ کالج پشاور کے ایک طالب علم رہنما سلطان بہادر نے کوہاٹ شہر میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

''خان عبدالغفار خان اسلام کا غدار ہے اور پاکستان بننے کے بعد شریعت لاز کے تحت اس کو سزا دی جائے گی''[۶۰]۔

ٹانک ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان مسلم لیگی رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی[۶۱] ایم۔ ایل۔ اے فرماتے ہیں کہ گزشتہ انتخابات میں سرحد مسلم لیگ کانگرس کے بددیانتدارانہ طریقوں کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن اب پٹھانوں کو ریفرنڈم کے ذریعے اپنے حقیقی جذبات کے اظہار کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا ہے۔ ہر مسلمان کو کافروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے شرم محسوس ہونی چاہیے۔ یہ ریفرنڈم اس بات کا فیصلہ کر دے گا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے ہیں یا گاندھی اور پٹیل کے در پر کشکول لئے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ کانگرس صوبہ سرحد میں اپنا وقار مکمل طور پر کھو چکی ہے اور اب زندہ رہنے کے لئے آخری حربہ کے طور پر ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ پٹھانستان کا نعرہ صرف پٹھانوں کو کنفیوژ کرنے اور اصل مسئلہ پر پردہ ڈالنے کے لئے لگایا گیا ہے۔ یہ نعرہ اب مکمل طور پر اپنی موت آپ مر چکا ہے اور اس کو زندہ کرنے کی کوئی بھی کوشش مکمل ناکامی سے دوچار ہوگی۔ پاکستان ایک حقیقت ہے اور ہمیں اب اس کو مضبوط کرنا ہے[۶۲]۔

تحریک پاکستان کے نامور مذہبی رہنما سید امین الحسنات عرف عام پیر صاحب مانکی شریف نے بھی صوبہ سرحد کے طوفانی اور طولانی دورے کئے اور لوگوں کو پاکستان کے لئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔ فرماتے ہیں :

''سرخپوش اس دفعہ مسلمانوں کو فریب نہیں دے سکیں گے''[۶۳]۔

''پٹھانوں کیلئے یہ آخری موقع ہے کہ وہ غلامانِ رسول کے ساتھ رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں یا ہندو کانگرس کے ساتھ''۶۴۔

۱جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک اخباری بیان میں مرکزی وزیر مواصلات سردار عبدالرب نشتر نے کہا:

''اب مقاطعہ کے کیا معنی ہیں؟ یہ بات غلط ہے کہ خان عبدالغفار خان ریفرنڈم کے خلاف تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ آل انڈیا کانگرس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں ریفرنڈم کرانے کی مخالفت کرتے''۶۵۔

سرحد مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری خان محمد علی خان ہوتی نے اپنے ایک بیان میں گاندھی اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے نئے موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''کانگرس نے تقسیم ہند کی تجویز کو قبول کر کے گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اب حیرت ہے کہ گاندھی جی کس طرح پٹھانستان کے نام سے ایک الگ ریاست بنانے کی حمایت کر رہے ہیں''۔

انہوں نے مزید کہا کہ خان الغفار خان نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا جو اعلان کیا ہے اصل میں یہ مسلم لیگ کی مہم کو بے اثر بنانے اور جوش و خروش کو کم کرنے کی ایک چال ہے۔ لیکن صوبہ سرحد کے پٹھان اب بیدار ہو چکے ہیں اور وہ خان عبدلغفار خان یا کسی اور کے کہنے پر غلط راستہ اختیار نہیں کر سکتے ۶۵۔

پیر عبداللطیف زکوڑی شریف نے بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اضلاع کا دورہ کرنے کے بعد ایک بیان میں کہا:

''خان برادران کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہیں سر چھپانے کو بھی جگہ نہ ملے گی۔ انہوں نے مزید کہا بنوں میں ۲۱ جون کو خان برادران کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ ان کی آنکھوں کو کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ انہیں بنوں کے عوام نے جلسہ تک منعقد نہیں کرنے دیا ہے''۶۶۔

کانگرس رہنماؤں کے بیانات

صوبہ سرحد کے عوام کے تیور دیکھ کر کانگرس اور اس کے اتحادیوں کو ریفرنڈم میں اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کے سب سے بڑے مدبر گاندھی نے سرحدی گاندھی کو ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا مشورہ دیا تھا۔ گاندھی کا خیال تھا کہ ''اگرچہ مقاطع سے پاکستان قانونی فتح تو یقیناً حاصل کر لے گا لیکن یہ اس کے لئے ایک اخلاقی شکست ہو گی''۶۷۔

قائداعظم سے مذاکرت میں ناکامی کے بعد خان عبدالغفار خان نے ۲۱ جون ۱۹۴۷ء کو بنوں میں ایک جلسہ سے خطاب کیا، جس میں سرحد کانگرس کمیٹی کے ارکان، کانگرس پارلیمانی پارٹی کے ارکان خدائی خدمت گاروں اور ''زلمے پختون'' کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ جلسہ میں اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ''تمام پختونوں پر مشتمل پٹھانوں کی ایک آزاد مملکت قائم کی جائے۔ اس مملکت کے دستور کی بنیاد اسلامی جمہوریت، مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر ہوگی،''[۶۸]۔

سی۔ آئی۔ ڈی ڈائری مورخہ ۲۳ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق ۲۲ جون ۱۹۴۷ء کو میونسپل پارک بنوں میں کانگرس کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ خان عبدالغفار خان اور قاضی عطاء اللہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اس صوبے میں پاکستان کا مطلب پنجابیوں کی حکومت واقتدار ہوگا۔ ہمارا اصل مقصد اس صوبے میں پٹھانستان کا قیام ہے۔ ہم پاکستان بنام ہندوستان کی بجائے پاکستان بنام پٹھانستان کے سوال پر ریفرنڈم میں مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں،''[۶۹]۔

خفیہ ٹیلیگرام مورخہ ۲۵ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کی شام پریس کو بیان دیتے ہوئے خان عبدالغفار نے دوبارہ کانگرس کی طرف سے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور اپنے پیروکاروں سے کہا کہ وہ ریفرنڈم کا پرامن بائیکاٹ کریں لیکن پٹھانستان کی آزادی کے لئے نئی جدوجہد کے لئے تیار رہیں [۷۰]۔

سی۔ آئی۔ ڈی ڈائری نمبر ۱۴۴ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کے مطابق ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو چوک یادگار پشاور میں تقریر کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان نے کہا کہ:

''ہمارا مقصد پٹھانوں کی ایک آزاد ریاست کا قیام ہے، جہاں ہم اسلامی قوانین اور شریعت کا نفاذ کر سکیں۔ ہم ہر قیمت پر آزاد پٹھانستان کے حصول کیلئے جدوجہد کریں گے،،[۷۱]۔

پاکستان اور ہندوستان کے سوال پر ریفرنڈم میں ہندو کانگرس کی شکست یقینی تھی۔ شکست کے تصور سے گھبرا کر صوبہ سرحد میں کانگرس کے ایجنٹوں نے متضاد باتیں کہنی شروع کر دیں۔ ڈاکٹر خان کہتے ہیں کہ:

''میں پاکستان سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ استصواب رائے عامہ میں مسلم لیگ نے اگر تین فیصدی سے زیادہ ووٹ حاصل کر لئے تو میں وزارت سے مستعفی ہو جاؤں گا''۔ لیکن ان کے چھوٹے بھائی خان عبدالغفار خان یہ فرماتے ہیں کہ ''اگر مسلم لیگ کے لیڈر ہمیں یقین دلائیں کہ صوبہ سرحد کو آپ اپنا آئین بنانے کا حق ہوگا تو

میں پاکستان اسمبلی میں شریک ہونے کو تیار ہوں"۔ مگر سرحد ہندو کانگریس کے کرتا دھرتا لالہ مہر چند کھنہ کا ارشاد یہ ہے کہ :

> "استصواب میں شکست کے باوجود وزارت استعفیٰ نہیں دے گی"[۷۲]۔

شکست کانگرسیوں کا مقدر بن چکی تھی اس لئے یہ متضاد باتیں بھی ان کو شکست سے نہ بچا سکیں۔

استصواب رائے عامہ

اس وقت چونکہ صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت تھی اور سرحدی گاندھی کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان وزیر اعلیٰ تھے، اس لئے قائداعظم محمد علی جناح نے بڑے تدبر اور فراست سے کام لیتے ہوئے وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن سے ریفرنڈم کے طریقہ کار کے سلسلے میں تفصیلات پہلے سے طے کر لی تھیں۔ قائداعظم نے یہ بات منوالی تھی کہ ریفرنڈم کی تمام نگرانی گورنر صوبہ سرحد کرے اور یہ کہ سول انتظامیہ، جو کہ مسلم لیگ کی مخالف تھی، کی بجائے ریفرنڈم کا سارا انتظام و اہتمام ایسے انگریز فوجی افسروں کے ہاتھ میں ہو جو سرحدی معاملات کا طویل تجربہ رکھتے ہوں نیز یہ کہ پولنگ سٹیشنوں میں امن وامان بحال رکھنے کے لئے فوج متعین کی جائے۔

چنانچہ ریفرنڈم کرانے کے لئے سر اولف کیرو کی جگہ جنرل سر راب لوکہارٹ کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کیا گیا اور انڈین آرمی کے ایک سینئر غیر جانبدار افسر بریگیڈیر جے۔ آر۔ بوتھ کو ریفرنڈم کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس کے ماتحت بہت سے دوسرے فوجی افسر متعین کئے گئے۔ پولیس کے علاوہ ۲۸ ہزار فوجی سپاہیوں کو امن وامان کی بحالی اور انتظامات پر لگایا گیا۔ چوہدری محمد علی نے یہ تعداد ۵۰ ہزار بیان کی ہے۔ پولنگ اسٹیشنوں کے آس پاس آتشیں اسلحہ اور دوسرے ہتھیار لانے کی ممانعت کر دی گئی۔ ریفرنڈم کے لئے ۶ جولائی سے ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء تک کی معیاد مقرر کی گئی۔ ۶ جولائی کی صبح کو جب پشاور سے رائے شماری کا آغاز ہوا تو صبح ہی سے فوجی ٹینک اور آرمرڈ کاریں سڑکوں پر گشت کرنے لگیں تاکہ عوام کو پتہ چل جائے کہ گڑبڑ کرنے والوں سے کسی قسم کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے انعقاد کی تاریخوں میں اختلاف ہے اس سلسلہ میں مختلف کتابوں میں مختلف تاریخیں درج ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ریفرنڈم ۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو شروع ہوا اور ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا[۷۳]۔ دوسری روایت کے مطابق ریفرنڈم ۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو شروع ہوا، دس دن جاری رہا اور ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو ختم ہو گیا[۷۴]۔

ایک تیسری روایت کے مطابق ریفرنڈم ۱۶۔۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔ [۷۵] دستیاب تاریخی مواد کا عمیق مطالعہ و مشاہدہ کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ پہلی روایت درست ہے اور سرحد ریفرنڈم ۶۔۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔

خان عبدالغفار کی طرف سے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان غیر متوقع نہ تھا، تاہم رائے شماری سے صرف چند دن پہلے بائیکاٹ کا اعلان حیران کن اور معنی خیز ضرور تھا۔ چنانچہ مسلم لیگی رہنماؤں نے اپنے مختلف بیانات میں اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا۔

تحریک پاکستان کا نامور اخبار ''نوائے وقت'' اپنے اداریہ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء میں رقمطراز ہے کہ :

> ''خان بھائیوں اور اس کے نفس ناطقہ و ضمیر برادر لالہ مہر چند کھنہ کے اس ڈھونگ کے باوجود کہ ان کی پارٹی ریفرنڈم میں حصہ نہیں لے رہی، کانگرسی ایجنٹ ریفرنڈم میں حصہ لے رہے ہیں اور مسلم لیگ کو شکست دینے کے لئے یہ حربہ استعمال کیا جا رہا ہے کہ لالہ مہر چند کھنہ نے ان ہندوؤں اور سکھوں کو جو صوبہ سرحد سے بھاگ کر دہلی، ڈیرہ دون، ہردوار اور کشمیر چلے گئے تھے، خاص پیغامات اور کرایہ بھیج کر صوبہ سرحد واپس بلایا ہے تا کہ وہ ریفرنڈم میں حصہ لے کر کانگرس اور اس کے ایجنٹوں کی لاج رکھ لیں۔ مگر ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود کانگرس کی شکست یقینی ہے''۔

ریفرنڈم کمشنر بریگیڈیر جے۔ آر بوتھ نے ریفرنڈم کے بڑے بہترین انتظامات کئے تھے۔ ہر پولنگ اسٹیشن پر سیکورٹی کے مناسب انتظامات تھے۔ تمام پولنگ اسٹیشنوں کے باہر اور اہم جگہوں پر ریفرنڈم پوسٹرز چسپاں کئے گئے تا کہ ووٹروں کو ووٹ ڈالنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔ یہ ریفرنڈم پوسٹرز تین مختلف زبانوں یعنی اردو، پشتو اور انگریزی میں شائع کئے گئے تھے۔ یہ ریفرنڈم پوسٹرز ووٹروں کے لئے ایک بہترین ہدایت نامہ تھے۔ اس ریفرنڈم میں سرحد کے عوام کو ووٹ کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ پاکستان کی مجلس قانون ساز میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں۔ ہر پولنگ اسٹیشن پر سبز اور سرخ دو رنگ کے صندوق (Ballet Box) رکھے گئے تھے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صوبہ سرحد پاکستان کی مجلس قانون ساز میں شامل ہو تو سبز رنگ کے صندوق میں اپنا ووٹ ڈال دو۔ اگر آپ کی مرضی یہ ہے کہ صوبہ سرحد ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں شامل ہو تو سرخ رنگ کے صندوق میں اپنا ووٹ ڈال دو۔ یعنی اگر آپ پاکستان کو ووٹ دینا چاہتے ہیں تو سبز رنگ کے صندوق میں ووٹ ڈالیں لیکن اگر آپ ہندوستان کو ووٹ دینا چاہتے ہیں تو سرخ رنگ کے صندوق میں ووٹ ڈالیں۔ اردو زبان میں یہ پوسٹرز ۱۵۰۰۰ کی تعداد میں شائع کئے گئے تھے اور پشتو میں ۵۰۰۰ کی تعداد میں۔ انگریزی پوسٹروں کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ یہ ریفرنڈم پوسٹرز سرحد ریفرنڈم کا ایک حصہ ہیں۔

بحر حال ریفرنڈم ہوا اور بڑے پرامن اور منظم طریقہ سے ہوا۔ اگرچہ جذبات انتہائی کشیدہ تھے تاہم کسی جگہ سے کسی ناخوشگوار واقع کی اطلاع نہ ملی۔ لوگوں کی بھاری تعداد پولنگ اسٹیشنوں پر پہنچی۔ کانگرس کے کیمپ بھی موجود تھے اور اس کے بیلٹ بکس بھی موجود تھے۔ کئی دنوں تک ووٹ ڈالے جاتے رہے۔ بالآخر ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ کو استصواب رائے عامہ کے نتائج کا اعلان کیا گیا۔

ریفرنڈم کے نتائج کے مطابق پاکستان کو زبردست فتح ہوئی۔ خان برادران اور ہندو کانگرس کو شرمناک شکست ہوئی۔ اعداد و شمار حسب ذیل تھے :

○ درست ووٹ برائے پاکستان	۲،۸۹،۲۴۴
○ درست ووٹ برائے ہندوستان	۲،۸۷۴
○ اکثریت	۲،۸۶،۳۷۰
○ درست ووٹوں کا فیصدی تناسب کل ووٹوں کے مقابلہ میں	۵۰.۹۹ فیصد
○ پچھلے الیکشن میں درست قرار دیئے گئے ووٹ	۳،۷۵،۹۸۹
○ کل حق دار ووٹ برائے ریفرنڈم	۵،۷۲،۷۹۸
○ پاکستان کے لئے ووٹوں کا تناسب	۵۰.۴۹ فیصد[۷۶]

ریفرنڈم ۱۹۴۷ء اور جنرل الیکشن ۱۹۴۶ء کا تقابلی جائزہ

(الف) جنرل الیکشن ۱۹۴۶ء

○ کل ووٹ	۶،۰۴،۵۶۳
○ کانگرس کے کل ووٹ + جمعیۃ علماء ہند	۱،۶۰،۲۲۹

کل ووٹوں کا ۲۶.۵۳ فیصد (جنرل اور سکھ حلقہ جات کو شامل کرتے ہوئے جن میں سے ۷ پر مقابلہ نہیں ہوا)

○ مسلم ووٹ برائے کانگرس + جمعیۃ علماء ہند	۱،۴۵،۱۱۹
○ کو شامل کرتے ہوئے مسلم ووٹوں کا ۲۷.۶ فیصد	
○ کل ووٹ برائے مسلم لیگ	۱،۴۶،۲۳۵
کل ووٹوں کا ۲۴.۱۸ فیصد	
مسلمان ووٹوں کا ۲۷.۸ فیصد	

(ب) ریفرنڈم ۱۹۴۷ء

○ کل ووٹ	۵،۷۲،۷۹۸
○ کل ووٹ برائے ہندوستان	۲،۸۷۴
کل ووٹوں کا ۵۰۱	فیصد
○ کل ووٹ برائے پاکستان	۲،۸۹،۲۴۴ـ۷۷
کل ووٹوں کا ۵۰.۴۹	فیصد

ان اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کو گزشتہ جنرل الیکشن ۱۹۴۶ء کی نسبت بہت زیادہ ووٹ ملے۔ ریفرنڈم میں مسلم لیگ نے کل اندراج ووٹوں کا ۵۰.۴۹ فیصد اور کل ڈالے گئے ووٹوں کا ۹۹ فیصد حاصل کیا۔ اس طرح پاکستان نے یہ ریفرنڈم ۹۹ کی اکثریت سے جیتا۔

سرحد ریفرنڈم کے نتائج کے متعلق چار اہم نادر تاریخی دستاویز راقم کو ڈائریکٹریٹ آرکائیوز اینڈ لائبریریز پشاور سے ملی ہیں۔ یہ نادر دستاویزات انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز لندن کی ملکیت ہیں اور وہاں سے سرکاری طور پر حاصل کی گئیں ہیں۔

ان میں سے پہلی دستاویز خفیہ اور بلا توقف (Immediate) ٹیلیگرام گریڈ۔سی ہے۔ اس خفیہ تار کا نمبر S-۲۴۱۳ ہے اور یہ ریفرنڈم کمشنر پشاور کی طرف سے MPSV[۸] نئی دہلی کو مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ارسال کی گئی تھی۔ اس تار کا فائل نمبر CB/۲۸۸ ہے۔ اس تار کے ذریعہ سرحد ریفرنڈم کے نتائج کی نئی دہلی کو اطلاع دی گئی تھی۔ انڈیا آفس ریکارڈ میں اس تار کا حوالہ نمبر IOR.R/۳/۱/۱۵۱ ہے۔

دوسری دستاویز فی الفور (Most Imediate) ای۔سی ٹیلیگرام ہے۔ یہ تار وائسرائے ہند کی طرف سے سیکرٹری آف سٹیٹ لندن کو مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو ارسال کی گئی۔ اس کا نمبر GT-۵۴۳ ہے۔ اس تار کے ذریعہ سرحد ریفرنڈم کے نتائج کی حکومت انگلستان کو اطلاع کی گئی تھی۔ انڈیا آفس ریکارڈ میں اس تار کا حوالہ نمبر IOR.R/۳/۱/۱۵۱ ہے۔

تیسری دستاویز ایک سرکاری خط ہے۔ یہ خط وائسرائے ہند کے ایک آفیسر سر ائیرک میول (E.Mieville) کی طرف سے جناب سردار ولبھ بھائی پٹیل، ایم۔اے جناح صاحب، جناب لیاقت علی خان اور جناب پنڈت جواہر لال نہرو کو مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو ارسال کیا گیا۔ اس کا نمبر ۳/۱۴۴۶ ہے۔ اس خط کے ذریعے سرحد ریفرنڈم کے نتائج

کی اطلاع کانگرس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کو دی گئی تھی۔ انڈیا آفس ریکارڈ میں اس خط کا حوالہ نمبر IOR.R/۳/۱/۱۵۱ ہے۔

چوتھی دستاویز رپورٹ نمبر GH-۱۳۵ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء کا خلاصہ (Extract) ہے جو کہ گورنر صوبہ سرحد کی طرف سے وائسرائے ہند کو بھیجا گیا تھا۔ رپورٹ کے اس خلاصہ میں دوسری باتوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے جنرل الیکشن ۱۹۴۶ء اور ریفرنڈم ۱۹۴۷ء میں ڈالے گئے ووٹوں کا اعداد و شمار کی روشنی میں موازنہ کیا گیا ہے۔ انڈیا آفس ریکارڈ لندن میں اس خط کا حوالہ نمبر IOR.R/۳/۱/۱۵۱ ہے۔ یہ تمام نادر تاریخی دستاویزات ڈائریکٹریٹ آرکائیوز اینڈ لائبریریز پشاور کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

ریفرنڈم میں مسلم لیگ کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ پاکستان نے ہندوستان سے ۲،۸۶،۳۷۰ ووٹ زیادہ حاصل کئے۔ اس طرح صوبہ سرحد کے عوام نے واضح اکثریت سے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دے دیا۔ ساری دنیا کی نظریں اس وقت صوبہ سرحد کے ریفرنڈم پر لگی ہوئی تھیں۔ اس لئے نتائج کا اعلان ہوتے ہی مسلمانان ہند نے بڑی خوشیاں منائیں۔

عام انتخابات کی نسبت ریفرنڈم میں کم ووٹ ڈالے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ''الجمعیت سرحد'' لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ گزشتہ جنرل انتخابات میں پشاور کے ووٹ ڈبل شمار کئے گئے تھے جو بیس ہزار تھے۔ اس کے علاوہ بیس ہزار ووٹ لینڈ لارڈ کے تھے۔ غیر مسلموں کے ووٹ اس کے علاوہ تھے۔ غیر مسلموں نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ اگر صوبہ سرحد میں ووٹروں کی کل تعداد میں سے غیر مسلم ووٹروں کے ووٹ اور پشاور شہر اور چھاؤنی کے ڈبل شمار کئے جانے والے ووٹ نکال دیئے جائیں تو ان کی تعداد تین لاکھ کے قریب رہ جاتی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہوں نے عام انتخابات سے بھی زیادہ جوش و خروش سے ریفرنڈم میں ووٹ دیئے۔

اخبار آگے لکھتا ہے کہ کانگرس نے ریفرنڈم کا برائے نام بائیکاٹ کیا تھا۔ ہر پولنگ سٹیشن پر ان کے ایجنٹ اور کارکن موجود تھے۔ کئی علاقوں میں سرخپوشوں نے مسلم لیگ کے ووٹروں کی راہ میں رکاوٹ ڈالی، لیگ کے نہتے ووٹروں کو مسلح سرخپوشوں نے پولنگ سٹیشنوں پر جانے سے روکا اور بعض مقامات پر سرکاری کارکنوں نے بھی جانبداری سے کام لیا۔

تحریک پاکستان کا علمبردار روزنامہ ''نوائے وقت'' اپنے اداریہ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء میں رقمطراز ہے کہ

ریفرنڈم کے بائیکاٹ کے باوجود صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت اور خان عبدالغفار خان کی کوشش یہ رہی کہ مسلم لیگ کو بلاواسطہ شکست دی جائے۔ ان کی چال یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ریفرنڈم میں ووٹ دینے سے باز رکھا جائے۔

ڈاکٹر خان صاحب اور خان عبدلغفار خان کو معلوم تھا کہ رجسٹر پر درج ووٹروں میں سے سب کے سب ووٹ نہیں دیا کرتے اور کافی بڑی تعداد اپنے ووٹ استعمال نہیں کرتی گزشتہ جنرل انتخابات میں اکثر صوبوں میں رجسٹر پر درج ووٹروں سے پچاس فیصدی نے بھی اپنے حق رائے دہندگی کو استعمال نہیں کیا۔ صوبہ سرحد میں گزشتہ عام انتخابات میں کل ووٹروں کے ۶۲ فیصدی حصہ نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کیا تھا۔ ڈاکٹر خان کی کوشش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ووٹ دینے سے باز رکھا جائے۔ ۴۰، ۴۵ فیصد لوگ تو ویسے ہی ووٹ نہیں دیں گے۔ اگر دس پندرہ فیصد بھی ہماری کوشش سے ووٹ دینے سے باز رہے تو ہم کہہ سکیں گے کہ صرف ۳۰ فیصد ووٹروں نے اپنا حق رائے دہندگی استعمال کیا ہے۔ باقی سب نے استصواب کا بائیکاٹ کیا ہے اور وہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کو اپنی اس چال کی کامیابی کا اس قدر یقین تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے جوش میں آ کر یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ ”اگر کل ووٹروں میں سے ۳۰ فیصد سے زیادہ ووٹروں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تو میری وزارت مستعفی ہو جائے گی“۔ لیکن کانگرس کی یہ چال بھی ناکام رہی۔ پٹھانوں کی بڑی بھاری اکثریت نے اپنا حق رائے دہندگی استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔

ریفرنڈم میں کانگرس کی شکست کے متعلق صوبہ سرحد کے گورنر سر اولف کیرو لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء کا الیکشن کانگرس نے اس لئے جیتا تھا کہ ”ہندوستان چھوڑ دو“ تحریک کی بدولت عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو گئی تھیں، لیکن تقسیم ہند کا فیصلہ ہونے کے بعد فضاء قدرتی طور پر پاکستان کے حق میں استوار ہو چکی تھی، اس لئے سرحدی کانگرس کیلئے ریفرنڈم کا مقاطعہ کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حالات نے اس وقت کچھ ایسا رخ اختیار کر لیا تھا کہ کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی سیاسی نظریے کا حامل ہو پاکستان کی اسلامی ریاست کے قیام کی مخالفت کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ مسلم لیگ کی ریفرنڈم مہم اور علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء کے طوفانی دوروں نے ہر سرحدی مسلمان میں اسلامی حمیت وغیرت اور مسلمانی جوش وجذبہ پیدا کر دیا تھا اور وہ اسلامی ریاست پاکستان کے علاوہ کوئی اور بات سننا ہی نہ چاہتے تھے۔ قائداعظم بھی اس صورت حال کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا نتیجہ پاکستان کے حق میں نکلے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے خیال میں اگر خان برادران نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ نہ کیا ہوتا اور ان کے حامیوں نے پوری پوری جدوجہد کی ہوتی تو آسانی سے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ پٹھان کس تناسب سے پاکستان کے خلاف ہیں۔

بہرحال کانگرس اور خان برادران کی مخالفت اور بائیکاٹ کے باوجود ریفرنڈم ہوا جس کا نتیجہ پاکستان کے حق میں رہا اور برطانوی حکومت نے اسے تسلیم بھی کرلیا۔ گورنر سرحد اور ریفرنڈم کمشنر بریگیڈیر بوتھ نے نہایت خوش اسلوبی اور غیر جانبداری سے اس مشکل کام کو سرانجام دیا۔ یہ مشکل کام جس میں خونریزی کا سخت خدشہ تھا، نہایت پرامن طریقے سے سرانجام پا گیا۔ سرحد ریفرنڈم کی فتح کا یہ سہرا شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے سر بندھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی آخری نتیجہ تک صوبہ سرحد میں ٹھہرے رہے۔ ریفرنڈم کے نتائج میں صوبہ سرحد اور سلہٹ پاکستان کے حصے میں آئے تو دنیا حیران رہ گئی اور سب نے علامہ عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو اس عظیم کامیابی پر خراج تحسین پیش کیا۔

صوبہ سرحد اور سلہٹ یہ دونوں مورچے ایسے تھے جو علماء کرام کی قیادت کے بغیر فتح ہونے ناممکن تھے۔ اس تاریخی اور شاندار فتح نے قائداعظم کے مشن کی تکمیل کردی۔ جب سرحد ریفرنڈم میں کامیابی کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی قائداعظم سے ملاقات کے لئے دہلی گئے اور ریفرنڈم میں مسلم لیگ اور پاکستان کی کامیابی پر انہیں مبارکباد دی تو اس موقع پر قائداعظم نے فرمایا:

> ''اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں۔ میں خواہ سیاست دان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی''۔

ایک دوسری روایت کے مطابق قائداعظم نے فرمایا:

> ''مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہیں۔ یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی''۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ سب سے پہلے سندھ اسمبلی نے کیا، پھر بنگال نے بھی پاکستان میں شمولیت اختیار کی۔ اس کے بعد پنجاب اسمبلی اور بلوچستان کے شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری ممبران نے پاکستان سے الحاق قبول کیا۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو سلہٹ میں رائے شماری کے نتیجے کا اعلان ہوا۔ یہ نتیجہ بھی پاکستان کے حق میں تھا۔ سب سے آخر میں صوبہ سرحد کے عوام نے رائے شماری کے ذریعے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا[۷۹]۔

صوبہ سرحد کی ریاستوں سوات، چترال، دیر اور امب کے عوام اور حکمرانوں نے بھی متفقہ طور پر پاکستان سے الحاق

کی منظوری دے دی۔ صوبہ سرحد کے آزاد قبائل نے اپنے اپنے جرگوں کے مطابق پاکستان سے اپنی غیر مشروط حمایت اور وفاداری کا اعلان کیا۔ چترال سے لے کر قلات تک وقتاً فوقتاً جرگوں کے فیصلوں کا اعلان ہوتا رہا۔ بالآخر نومبر ۱۹۴۷ء تک ڈیورینڈ لائن سے اس طرف کے تمام علاقے پاکستان کی عملداری میں شامل ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت، پاکستان، عالم وجود میں آ گئی۔

تحریک پاکستان اور سرحد ریفرنڈم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی بے نظیر خدمات کا اعتراف ایک دنیا نے کیا۔ آپ کی ان تاریخی اور عظیم الشان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز آپ ہی کو بخشا۔ اس شرف کی وجہ سے آپ کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوبہ سرحد اور سلہٹ میں فتح کا سہرا علماء و مشائخ کے سر ہے، جس میں ممتاز ترین شخصیت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی ہے۔ ان دونوں محاذوں پر علماء ربانی ہی کی کوششوں اور اثر و رسوخ سے سیاست کا پلڑا مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں جھکا۔ ان علمائے حق نے مسلم لیگ کو دور آزمائش میں کامیاب کرایا۔ اگر یہ اکابر علماء ربانی بروقت مسلم لیگ کی مدد کو نہ پہنچتے تو دونوں جگہ ریفرنڈم میں مسلم لیگ اور پاکستان کی کامیابی بہت مشکل تھی۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں پاکستان کی تاریخی اور شاندار فتح نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے مشن کی تکمیل کر دی۔ یہ علماء ربانی کی ان خدمات کا اعتراف تھا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین کی درخواست پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ڈھاکہ میں پاکستانی جھنڈے کی پرچم کشائی کی۔

نتائج و اثرات

سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی زبردست اور شاندار کامیابی تاریخ پاکستان کے عظیم ترین واقعات میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے حسب ذیل دوررس نتائج برآمد ہوئے۔

- استصواب رائے عامہ میں مسلم لیگ اور پاکستان کو شاندار فتح حاصل ہوئی اور صوبہ سرحد اور سلہٹ کے عوام نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دے دیا۔ ساری دنیا کی نظریں اس وقت صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم پر لگی ہوئی تھیں، اس لئے نتیجے کا اعلان ہوتے ہی مسلمانان ہند نے بڑی خوشیاں منائیں۔ صوبہ سرحد اور سلہٹ کا پاکستان سے الحاق مکمل ہو گیا۔ صوبہ سرحد مغربی پاکستان

اور سلہٹ مشرقی پاکستان میں شامل ہوگیا۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان کو استحکام نصیب ہوا۔

- مسلم لیگ کی تحریک ایک حد تک مکمل ہوگئی اور دنیا کے نقشہ پر ایک نئی اسلامی ریاست پاکستان کا اضافہ ہوگیا۔ ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پاکستان کے لئے رحمت اور ہندوستان کے لئے زحمت ثابت ہوئی۔ سرحدی گاندھی، ڈاکٹر خان اور کانگرسی علماء کی اسلام اور پاکستان دشمنی اور ہندو نوازی کھل کر سامنے آگئی۔ شکست نے ان کی عزت و وقار کو خاک میں ملا دیا تھا۔ ریفرنڈم کے نتیجہ میں سرحدی گاندھی کی سیادت و قیادت کو خطرات لاحق ہوگئے اور شکست نے ان کے سیاسی وقار کو بہت نقصان پہنچایا۔ یہ ریفرنڈم خان برادران کی سیاسی موت پر منتج ہوا اور وہ پھر کبھی اس طرح صوبہ سرحد کے افق پر نمودار نہ ہو سکے اور ان کی فیصلہ کن حیثیت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا۔
- کانگرسی علماء اور گاندھی کے تمام حربوں، سیاسی چالوں اور سازشوں کا انجام شکست و ریخت کی صورت میں نمودار ہوا۔ ان کا پختونستان کا سٹنٹ بھی بری طرح ناکام ہوا۔ کانگرس اور کانگرسی علماء کے متحدہ قومیت کے نظریہ پر کاری ضرب لگی اور ان کا یہ نظریہ ہمیشہ کے لئے باطل قرار پایا۔ کانگرس کا یہ نظریہ کہ وہ تمام ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے، غلط ثابت ہوگیا، مسلم قوم نے اس کے خلاف دوسری دفعہ اپنا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ دعویٰ کہ آج ہندوستان میں انگریز اور ہندو دو طاقتیں ہیں، جھوٹا ثابت ہوگیا۔ انتخابات اور استصواب رائے عامہ نے ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان میں مسلم انڈیا تیسری طاقت ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔
- سرحد اور سلہٹ ریفرنڈم میں مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت کی وجہ سے کانگرسی علماء، جمعیۃ علماء ہند اور سرحدی گاندھی کی ہوا نکل گئی وہ لوگوں میں بے اثر و بے وقعت ہو کر رہ گئے اور ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ نتائج نے ثابت کر دیا تھا کہ ہندو اور مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں اور ان میں کبھی بھی حقیقی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کے نتائج سے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ مسلم لیگ کا موقف درست تھا۔ کانگرس، اکابرین جمعیۃ علماء ہند اور مولانا آزاد غلط فہمی کا شکار تھے۔ ان کانگرسی رہنماؤں کا خیال تھا کہ سرحد اور سلہٹ کے عوام پاکستان میں شمولیت کو پسند نہ کریں گے اور پختونستان وغیرہ کے دلفریب نعروں کا شکار ہو جائیں گے لیکن نتائج نے ثابت کر دیا تھا کہ ہر نازک

مرحلے پر مسلم صرف مسلم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اسلام کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

- پاکستان کی فتح سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمان صرف مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ کانگرس اور کانگرسی علماء کی یہ خوش فہمی اور وہم کہ مسلمان ان کے ساتھ ہیں، دور ہوگئی۔ ریفرنڈم میں پاکستان کی فتح سے ہندو کانگرس اور اس کے ایجنٹوں کی مسلمانوں کو گمراہ کرنے، پاکستان کو کمزور کرنے اور قیام پاکستان کو ناممکن بنانے کی خطرناک سازش ناکام ہوگئی۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء اسلام کا دوقومی نظریہ درست ثابت ہوگیا۔ ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی تاریخی کامیابی سے مسلم لیگ کا دوقومی نظریہ اور زیادہ نکھر کر سامنے آ گیا۔
- صوبہ سرحد اور سلہٹ کی فضا قیام پاکستان کے حق میں ہموار ہوگئی اور کانگرس کے بت پاش پاش ہو گئے۔ ریفرنڈم نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و یگانگت مین اضافہ کر دیا تھا۔ ریفرنڈم میں کامیابی سے پاکستان کو سیاسی، اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے لاحق خطرات دور ہوگئے اور پاکستان کو سیاسی، اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ دفاعی لحاظ سے پاکستان کی حربی طاقت میں اضافہ ہوا اور اس کی پشت محفوظ ہوگئی۔
- ریفرنڈم نے ثابت کر دکھایا کہ صرف اور صرف مسلم لیگ ہی مسلمانان ہند کی واحد ترجمان اور نمائندہ جماعت ہے۔ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی فقید المثال اور بے نظیر فتح سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ ڈاکٹر خان کی وزارت کو صوبہ کے عوام کی حمایت و اعتماد حاصل نہیں۔ لہذا شرافت، ایمان اور غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ سرحدی عوام کے اس واضح فتویٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ڈاکٹر خان اور اس کی وزارت مستعفی ہو جاتی، لیکن انہوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد جب ڈاکٹر خان نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر دیا تو ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو کانگرسی وزارت برطرف کر دی گئی۔ علماء و مشائخ کی خدمات اور مسلم معاشرے میں ان کے اثر و رسوخ کو تسلیم کر لیا گیا۔
- بڑھاپے، کمزوری اور بیماری کے عالم میں علامہ عثمانی کی محنت و مشقت اور طوفانی دوروں نے یہ ثابت کر دیا کہ میدان علم و حکمت کا یہ مرد میدان مشقت و مجاہدہ میں بھی بفضل خدا کسی سے کم نہیں۔

اس طرح مخالفین کا یہ الزام کہ ''آپ ست اور کاہل الوجود ہیں'' غلط ثابت ہوگیا۔ اس سے علامہ عثمانی کی شخصیت اور نکھر کر سامنے آگئی۔

- ریفرنڈم میں پاکستان کی فتح مبین نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے پاکستان کی تکمیل کر دی اور تخلیق پاکستان میں علامہ عثمانی کا یہ عظیم الشان کارنامہ مسلم ہوگیا۔ پاکستان کی صورت میں ایک خطہ ارضی مسلمانان ہند کے ہاتھ آگیا جہاں وہ خلافت راشدہ کا قانون نافذ کرنے میں آزاد ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ مکمل طور پر اسلامی قانون نافذ نہیں ہوسکا لیکن پھر بھی یہ ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں اسلام کا ایک قلعہ ہے جس کو مٹانے کی اس کی تمام کوششیں ناکام ونامراد ثابت ہوئی ہیں۔
- علامہ عثمانی کی پیشینگوئی کے مطابق وقت نے یہ ثابت کر دکھایا کہ پاکستان ایک لولا، لنگڑا اور کمزور ملک نہیں بلکہ ایک طاقتور اور مضبوط ملک ہے، جو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بشمول روس اور ہندوستان کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرسکتا ہے اور یہ کہ پاکستان مٹنے کے لئے نہیں بلکہ قائم ودائم رہنے کے لئے معرض وجود میں آیا ہے۔ خان برادران کا یہ پروپیگنڈا کہ پاکستان کا مطلب صوبہ سرحد میں پنجابیوں کی غلامی واقتدار ہوگا، غلط اور علامہ شبیر احمد عثمانی کا یہ ارشاد کہ ملک میں مکمل مساوات ہوگی، صحیح ثابت ہوگیا۔ پاکستان میں پنجابیوں کے ساتھ سندھی، پٹھان اور بلوچ بھی اقتدار میں برابر کے شریک ہیں۔
- سرحد ریفرنڈم میں کامیابی کا سہرا شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے سر ہے۔ علامہ عثمانی کا یہ تاریخی کارنامہ تاریخ پاکستان میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے ہاتھوں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی اور ڈھاکہ میں پاکستانی جھنڈے کی پرچم کشائی کا اعزاز اکابرین پاکستان اور قوم کی طرف سے ان کوہ قامت، بلند وبالا، عظیم المرتبت اور مقدس ہستیوں کی تحریک پاکستان اور ریفرنڈم کے سلسلے میں عظیم الشان اور تاریخی خدمات کا اعتراف اور عملی اظہار تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مسلم لیگ کی حکمت عملی کی وجہ سے آخر کار انگریز اور ہندو مسلمانوں کو پاکستان دینے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن ان کے ارادے نہایت خطرناک تھے۔ وہ پاکستان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے اور قائم ہوتے ہی ختم

کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اسی حکمت عملی کے تحت انہوں نے مسلم اکثریت کے دو علاقوں یعنی سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم کی شرط لگا دی۔ ان علاقوں کا پاکستان میں شامل ہونا بہت ضروری تھا۔ خاص کر صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال تھا اور اس پر پاکستان کی بقا کا انحصار اور دارومدار تھا۔ صوبہ سرحد کے بغیر پاکستان نامکمل، ادھورا، اپاہج، لولا لنگڑا اور بغیر سر کے لاشہ ہوتا۔ صوبہ سرحد میں حالات ناخوشگوار تھے اور اس وقت صوبہ میں کانگرسی وزارت کام کر رہی تھی۔ خان برادران پاکستان کے خلاف زبردست محاذ بنائے ہوئے تھے۔ سلہٹ جمعیۃ علماء ہند کا گڑھ تھا اور مولانا حسین احمد مدنی کا وہاں بڑا اثر ورسوخ تھا۔ قائداعظم بڑے پریشان اور مضطرب تھے۔ اس مشکل مہم کو سر کرنے کے لئے قائداعظم نے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو چنا۔ ان دو جرنیلوں نے سرحد اور سلہٹ کے محاذوں پر عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ علامہ عثمانی نے صوبہ سرحد کے طوفانی دورے کئے۔ بڑے بڑے شہروں میں آپ کی مجاہدانہ تقریروں اور سرگرمیوں سے مسلمانوں میں بڑا جوش وجذبہ پیدا ہو گیا اور فضا پاکستان کے حق میں ہموار ہو گئی۔ سلہٹ کے محاذ پر مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ ریفرنڈم کی اس مہم میں مسلم لیگی رہنماؤں، دینی پیشواؤں، عالموں اور طلباء نے بھی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں پاکستان کی تاریخی اور شاندار فتح نے قائداعظم محمد علی جناح کے مشن کی تکمیل کر دی۔ سرحد اور سلہٹ میں کامیابی کا سہرا علماء ومشائخ ہی کے سر ہے جن میں ممتاز ترین شخصیت اور ہستی شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی ہے۔ ریفرنڈم کے نتائج میں جب سرحد اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہوئے تو قائداعظم محمد علی جناح اور نوابزادہ لیاقت علی خان نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو مبارکباد پیش کی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تحریک خدائی خدمت گار کے بانی خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کا اصل نام عبدالجبار خان تھا، لیکن آپ ڈاکٹر خان صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ متحدہ ہندوستان کے زبردست حامی اور تقسیم ہند کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے ریفرنڈم میں ان کی حکومت نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر خان صاحب نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر دیا تھا جس پر مجبوراً ان کی حکومت کو برخاست کر دیا گیا۔

(۲) خان عبدالغفار خان اور ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کو خان برادران بھی کہتے ہیں۔

(۳) محمد شفیع صابر قائد اعظم اور صوبہ سرحد پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی ۱۹۷۶ء، ص ۲۵۸

(۴) بحوالہ ”قائد اعظم اور صوبہ سرحد“ ص ۲۵۴

(۵) محمد شفیع صابر تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۳

6. Leonard Mosley *The Last days of the British Raj* London, Weidenfeld and Nicolson, 1961, p.132.

(۷) چودھری محمد علی (۱۹۰۵ء، جالندھر۔ ۱۹۸۰) تعلیم پنجاب یونیورسٹی، لیکچرر اسلامیہ کالج لاہور، اکاؤنٹینٹ جنرل ریاست بہاولپور ۱۹۳۲ء، رکن تقسیم کونسل، انڈر سیکرٹری محکمہ خزانہ متحدہ ہندوستان، سیکرٹری جنرل ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۵۱ء، وزیر خزانہ ۱۹۵۱ء۔ ۱۹۵۵ء، وزیر اعظم پاکستان ۱۹۵۵ء، تشکیل آئین ۱۹۵۶ء، مصنف *"The Emergence of Pakistan"*

(۸) چودھری محمد علی، ترجمہ بشیر ارشد ظہور پاکستان لاہور، مکتبہ کارواں، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۴۔۸۵

9. Pyarelar *Mahatma Gandhi: The Last Phase* Ahmedabad, Navajivan Publishing House, 1956, Vol.2, p.170.

(۱۰) چودھری محمد علی، کتاب مذکور، ص ۱۸۵

11. Pyarelal, Op. Cit p.171

(۱۲) ولی مظہر عظمتوں کے چراغ ملتان، رضائے مولا پریس، ۱۹۹۰ء، ص ۸

(۱۳) منشی عبدالرحمن خان تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ص ۱۳۱۔۳۲

(۱۴) منشی عبدالرحمن خان تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی ص ص ۱۲۹۔۳۰

(۱۵) ابوالکلام آزاد مترجم: محمد مجیب ”ہماری آزادی“ اورینٹ لونگ مینس، کلکتہ ص ۲۸۷۔۸۸

(۱۶) مولانا ابوالکلام آزاد ترجمہ محمد مجیب "ہماری آزادی" لاہور، اتحاد الکتبی واخوانہ، اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ص ۳۸۸۔۸۹

17. Pyarelal *Mahatma Gandhi: The Last Phase* Ahmed Abad, Navajivan Publishing House, 1956, Vol.2, p.275

(۱۸) مولانا ابوالکلام آزاد "ہماری آزادی" ص ۳۸۹۔۹۰

(۱۹) محمد شفیع صابر قائداعظم اور صوبہ سرحد پشاور یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۷۶ء، ص ص ۲۵۶۔۵۷

(۲۰) محمد امین الحسنات المعروف پیر صاحب مانکی شریف (۱۹۲۳ء، مانکی شریف۔۱۹۶۰ء) دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے حامی، سرحد ریفرنڈم میں تاریخی کردار، اسلامی قانون کے نفاذ میں نمایاں خدمات۔

(۲۱) مولانا ظفر احمد عثمانی کا پروفیسر احمد کے نام خط مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ۔۔۔؛ عبدالشکور ترمذی "تذکرۃ الظفر" کمالیہ (فیصل آباد) مکتبہ علمی، ۱۹۷۷ء، ص ص ۳۸۴۔۸۸

(۲۲) فیض انبالوی وشفیق صدیقی "حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی" لاہور، ادارہ سیرت، (ت۔ن)، ص ۴۴۔۔۔؛

(۲۳) سی۔آئی۔ڈی (C.I.D) یعنی کریمنل انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ۔ (Criminal Investigation Department)

24. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, C.I.D. Daily Diary No. 139 Dated 24th June, 1947.

(۲۵) روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، یکم جولائی ۱۹۴۷ء

(۲۶) صوبہ بہار میں کانگرسی گورنر مسز سنہا مسلمانوں کے قتل عام کے ذمہ دار تھے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۶ء کا ہے۔

(۲۷) مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر کا جد امجد اور دنیا کا عظیم ترین مسلمان فاتح امیر تیمور لنگ ایک پاؤں سے لنگڑا تھا اس لئے اسے لنگ کہتے ہیں۔

(۲۸) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ص ۲۳۱۔۳۵؛ بحوالہ روزنامہ "ہمارا پاکستان" پشاور، ۸ مارچ ۱۹۵۶ء

(۲۹) آئی۔پی۔ایس (I.P.S) انڈین پولیس سروسز (Indian Police Services)

30. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 1-7-1974. p.7---;C.I.D. Daily Diary No. 144 Dated 30-6-1947, p.2

31. Secret and official Record of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated -7-1947, pp.10-11

32. Daily *Dawn* Dehli, 28th June, 1947

33. Secret and Official Record of Govt. of N.W.D.P, I.P.S. Daily Diary Dated 28-6-1947,p-1-3

(۳۰) عبدالقیوم خان (۱۹۰۱ء، ریاست چترال۔۱۹۸۱ء) تعلیم پشاور، دہلی، علی گڑھ، برطانیہ۔ کانگرس کے ٹکٹ پر رکن مرکزی اسمبلی ۱۹۳۷ء، شمولیت مسلم لیگ ۱۹۴۶ء، رکن سرحد اسمبلی، ممبر دستور ساز اسمبلی پاکستان، وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد، وزیر زراعت وصنعت ۱۹۵۴ء

34. Daily *Dawn* Dehli, Dated 28-6-1947.

35. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S Daily Diary Dated 5-7-1947, p.6

(۳۶) ولی مظہر "شکستوں کے چراغ" ملتان، رضائے مولا پریس، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳

37. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 5-7-1947, pp.6-8

(۳۸) دو رنگا گھوڑا، خصوصاً سیاہ و سفید

(۳۹) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" ص ۲۳۴

(۴۰) حکیم آفتاب احمد قریشی "کاروان شوق" لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، فروری ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۶

41. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 12-7-1947, pp.2-3

(۴۲) ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی، دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۲۷۔

(۴۳) بحوالہ "کاروان شوق" ص ۳۰۵-۶

(۴۴) ابراہیم اسمٰعیل چندریگر (۱۸۹۷ء، احمد آباد - ۱۹۶۰ء) تعلیم بمبئی یونیورسٹی، ممبر بمبئی اسمبلی ۱۹۳۷ء، صدر مسلم لیگ بمبئی ۱۹۴۰ء - ۱۹۴۵ء، مرکزی وزیر تجارت ۱۹۴۷ء، گورنر پنجاب، سرحد

(۴۵) محمد شفیع صابر "قائداعظم اور صوبہ سرحد" پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۷۶ء، ص ص ۲۴۹

(۴۶) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۱۸ جون ۱۹۴۷ء

(۴۷) منشی عبدالرحمن خان، "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۴

(۴۸) ففتھ کالم ایک سیاسی اصطلاح ہے اور یہ ہر اس جماعت یا گروہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو خفیہ طور پر حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہو۔ یہ اصطلاح خاص طور پر وطن سے غداری کرنے والوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ پہلے پہل یہ اصطلاح ہسپانیہ کی خانہ جنگی میں استعمال ہوئی تھی۔

(۴۹) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ۱۲ جون ۱۹۴۷ء

(۵۰) محمد شفیع صابر، کتاب مذکور، ص ۲۵۸

51. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, C.I.D. Daily Diary Dated 9-7-1947, p.2.

(۵۲) محمد شفیع صابر "قائداعظم اور صوبہ سرحد" پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۵۹

53. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I:P.S. Daily Diary Dated 28-6-1947, p.3.

54. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 1-7-1947, p.10

55. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F P, I.P.S. Daily Diary Dated 5-7-1947, p.8.

(۵۶) روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۲ جولائی ۱۹۴۷ء

57. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 9-7-1947, p.2.

58. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, I.P.S. Daily Diary Dated 12-7-1947, pp.2-3.

(۵۹) مولانا عبدالستار خان نیازی (۱۹۱۸ء، ضلع میانوالی) تعلیم لاہور، تحریک پاکستان اور سرحد ریفرنڈم میں اہم کردار، مسلم لیگ کے ٹکٹ پر رکن پنجاب اسمبلی ۱۹۴۶ء، ممبر پنجاب اسمبلی ۱۹۵۱ء، نفاذ اسلام اور رد قادیانیت کی تحریک میں اہم رول، جنرل سیکرٹری جمعیۃ العلماء پاکستان ۱۹۷۰ء، صدر جمعیۃ العلماء اسلام (نیازی گروپ)

60. Daily *Dawn* Dehli, Dated 3-7-1947.

(۶۱) روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، مورخہ ۲۰ جون ۱۹۴۷ء

(۶۲) روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، مورخہ ۱۷ جون ۱۹۴۷ء

(۶۷) محمد شفیع صابر، کتاب مذکور، ص ۲۵۸

(۶۸) چودھری حبیب احمد 'تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء' لاہور، البیان، فروری ۱۹۶۶ء، ص ۹۱۷

69. Pyarelal *Mahatma Gandhi: The Last Phase: Ahmedabad*, Navajivan Publishing House, 1956, Vol. 2, p.279.

70. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, C.I.D. Daily Diary No. 138, Dated 23-6-1947, P.1

71. Secret and Official Record of Govt. of Govt. of N.W.F.P, Confidential Telegram No. CB/232 Dated 25-6-1947 from Governor N.W.F.P.To Vieeroy (Hind)....

یہ خفیہ دستاویزات انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز، لندن سے حاصل کئے گئے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈ میں اس کا حوالہ نمبر I O R . R / 3 / 1 / 1 5 1 ہے اب اس کی فوٹو سٹیٹ ڈائریکٹریٹ آف آرکائیوز اینڈ لائبریریز، پشاور کی فائل نمبر 1446(3)/GG/43(1947) میں محفوظ ہے۔

72. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P, C.I.D. Daily Diary Dated 30-6-1947, P.1.

73. I.H. Qureshi "The Struggle of Pakistan" Karachi, University of Karachi,1968 pp.256.

عزیز جاوید "قائداعظم اور سرحد" لاہور، ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان، ۱۹۷۸ء، ص ۱۸۱۔۔۔؛ محمد شفیع صابر "قائداعظم اور صوبہ سرحد" ص ۲۵۰۔۔۔ محمد شفیع صابر "تاریخ صوبہ سرحد" ص ۱۰۲۵۔۔۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۵۸۶

(۷۴) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "شیخ الاسلام پاکستان" لاہور، قادر سنز، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۹۔۔۔ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند کراچی، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۴۔۔۔؛ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی تجلیات عثمانی ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۶۹۶

75. Prof. Dr. Shafique Ali Khan "Two Nation Theory: As a Concept, Strategy and Ideology" Hyderabad, Markez-e-Shaoor-O-Adab, 1973, p.909.

76. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P. India Office Library and Records (London), Reference IOR-R/3/1/151, Confidential Imediate Telegram No. 288/CB Dated 19-7-1947 from Referendum Commissioner, Peshawar to MPSV, New Dehli...; Secret and Official Record of Govt. of India, India Office Library and Records, (London), Reference IOR-R/3/1/151. Most Immediate Telegram No. 543-GT, Dated 20-7-1947 From Viceroy (Hind) To Secretary of State, (London)...; Secret and Official Record of Govt. of India,. India Office Library and Records, (London), Reference IOR-R/3/1/151, Letter No. 1446/3 Dated 20-7-1947 From E.Mieville To:-

1. The honourable Sardar Vallabhbhai Patel.
2. M.A. Jinnah Esq.
3. The honourable Mr. Liaquat Ali Khan.
4. The honourable Pendit Jwaharlal Nehru.
5. Press.

77. Secret and Official Record of Govt. of N.W.F.P. India Office Library and Records, (London), Reference IOR-R/3/1/151, Extract From Report No. Gh-135 Dated 24-7-1947 From Governor of N.W.F.P. to Viceroy (Hind).

(۷۸) MPSV سے مراد ملٹری پرائیویٹ سیکرٹری ٹو وائسرائے (Military Private Secretary to Viceroy) ہے۔

79. I.H.Qureshi "The Struggle for Pakistan" Karachi. Univesity of Karachi, 1988, PP.255-56.

باب ہشتم

قیام پاکستان کے بعد علامہ کی خدمات

برصغیر پاک وہند کی تقسیم اور پاکستان کا قیام

مسلمانوں نے برصغیر پاک وہند پر تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی اپنے دور اقتدار میں مسلم حکمرانوں کا اپنی غیر مسلم رعایا سے سلوک بہترین رواداری کا آئینہ دار تھا۔ لیکن مسلمانوں کے زوال کے بعد جب انگریز کو یہاں اقتدار و اختیار حاصل ہو گیا تو مسلمان اپنی بقا اور زندگی کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے جبکہ ہندو مکمل بالا دستی، اقتدار و اختیار اور اکھنڈ بھارت کے قیام کی جنگ لڑ رہے تھے اور اب ان کیلئے ایک ریاست میں اکھٹے رہنا مشکل نظر آ رہا تھا۔

قائداعظم اور دوسرے مسلم رہنماؤں نے ہندوؤں کے ساتھ ایک باوقار اور منصفانہ معاہدہ کرنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن ہندو مسلمانوں کو مکمل غلام بنانے پر تلا ہوا تھا آخری چارہ کار کے طور پر مسلمانوں نے برصغیر میں ایک علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ ہندوؤں کی طرح انگریز بھی برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے سخت خلاف تھے ایک متحدہ ہندوستان ان کے عالمی مفادات کے عین مطابق تھا۔ لیکن قائداعظم اور مسلمانوں کے عزم کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور آخر کار ان کو مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن ان کے ارادے نہایت خطرناک تھے اور وہ پاکستان کو قائم ہوتے ہی ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت ہنود و نصاریٰ نے دھاندلی، بددیانتی اور ناانصافی کے تمام عالمی ریکارڈ توڑ دیے لیکن ان کی سازش اور مخالفت کے باوجود ۱۴ اگست

۱۹۴۷ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان معرض وجود میں آ گئی قیام کے وقت پاکستان کو بے حد و حساب مشکلات کا سامنا تھا لیکن قوم قائداعظم کی قیادت و رہنمائی میں ان تمام مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔

علامہ کی پاکستان آمد

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی سلہٹ (مشرقی بنگال) کے ایک مسلم حلقہ سے پاکستان کی مرکزی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کے حکم سے ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستان کی نئی منتخب دستوریہ کے اجلاس شروع ہونے والے تھے۔ چنانچہ ۶ اگست ۱۹۴۷ء کو علامہ عثمانی دستور ساز اسمبلی کے جلسوں اور افتتاح پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے دیوبند سے ۱۱ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ مولانا محمد یحیٰ، سید محتشم اور منشی محمد عاقل آپ کے ہمراہ تھے۔ گاڑی مغرب کے بعد جالندھر پہنچی۔ آپ کے دوست مولانا عماد الدین انصاری اور آپ کے شاگرد پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی نے جالندھر کے ریلوے اسٹیشن پر آپ سے ملاقات کی۔ مزاج پرسی کے بعد پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی نے آپ سے پوچھا کہ ''بھارت والوں نے لارڈ مونٹ بیٹن کو اپنا گورنر جنرل کیوں بنایا؟'' علامہ ہنس پڑے اور فرمایا ''بھارت والوں کو لارڈ مونٹ بیٹن سے مطلب برآری مقصود ہے''۔ دس منٹ گاڑی رکی اور روانہ ہوگئی۔ دیوبند سے کراچی تک بڑے بڑے اسٹیشنوں پر علماء، طلباء اور عامۃ المسلمین کی طرف سے آپ کا پرجوش خیر مقدم ہوتا رہا۔

دستور ساز اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت، فسادات، قتل عام اور راستوں کے مسدود ہونے کی وجہ سے آپ واپس دیوبند نہ جا سکے۔ واپس جانا مناسب بھی نہ تھا ورنہ قتل کر دیئے جاتے۔ آپ کی بیگم، بھتیجی منیبہ خاتون اور آپ کے چھوٹے بھائی بابو فضل حق ابھی تک دیوبند میں تھے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان کی کوششوں سے ان کو دیوبند سے کراچی لایا گیا۔ پاکستان میں آپ وفات تک کراچی ہی میں مقیم رہے۔

علامہ مرحوم نے اگرچہ پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنا لیا تھا۔ مگر تعجب ہوگا کہ انہوں نے نہ تو اپنا گھر بنایا، نہ کوئی مکان الاٹ کرایا اور نہ ہی کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا۔ بلکہ بعض عقیدت مند اہل ثروت کے مکان میں رہے۔ سید سلیمان ندوی کے بقول ''اسی مسافرت میں اس مسافر نے اپنی زندگی بسر کر دی[1]''۔ حکیم آفتاب احمد قریشی لکھتے ہیں کہ علامہ کی دیوبند میں بڑی جائیداد تھی۔ وہ بڑی آسانی سے پاکستان میں اپنے حق کی بنا پر زمین اور مکان حاصل کر

سکتے تھے۔ لیکن آپ نے پاکستان میں کوئی الاٹمنٹ نہیں کرائی، نہ اپنے لئے کوئی مکان حاصل کیا۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے وہ سرکاری رہائش گاہ حاصل کر سکتے تھے مگر حضرت عثمانی کے ایثار اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے بھی سرکاری یا متروکہ مکان حاصل نہ کیا اور پاکستان میں اپنی زندگی کے ایام ایک دوست کے گھر میں گزار دیے[2]۔

ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی طرف سے علامہ کو ہندوستان واپس آنے کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ مولانا نور احمد لکھتے ہیں کہ میرے پہنچنے کے بعد حسین شہید سہروردی مولانا عثمانی کے لئے نہرو کا کوئی خاص پیغام لے کر ہندوستان سے آئے اور مولانا عثمانی سے خلوت میں وقت لے کر عرض کیا کہ نہرو کا پیغام یہ ہے کہ ''مولانا میرے سرتاج ہیں مولانا کو ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ملک بھی انہی کا ہے۔ اگر مولانا عثمانی نئی دہلی تشریف لے آئیں تو وہاں جو بنگلہ یا محل چاہیں ہم ان کو دے دیں گے، مولانا ہندوستان چھوڑ کر پاکستان کیوں چلے گئے۔ مولانا مسلمانوں کے سرتاج ہیں تو ہمارے بھی سرتاج ہیں''۔ نہرو نے بڑی حکمت کے ساتھ یہ پیغام بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں علامہ عثمانی نے نہرو کو یہ پیغام بھجوایا کہ ''میری طرف سے نہرو کا شکریہ ادا کریں کہ انہوں نے میرا خیال کیا۔ باقی اب جو میں یہاں آیا ہوں اور یہ ملک بنانے کی کوشش کی اور اللہ نے کامیابی دی۔ یہاں والے مجھے زبردستی نکال دیں گے اور میرا جلوس بھی نکالیں گے تب بھی میں یہاں سے جانا پسند نہیں کروں گا۔ میں یہاں مرنے کے لئے آیا ہوں''[3]۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی پاکستان آمد کا مقصد ملک و ملت کی خدمت اور شریعت محمدی ﷺ کا نفاذ تھا۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا چاہتے تھے اور اس کو تمام عالم اسلام کے لئے ایک نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام اور پاکستان کے سپاہی تھے اور اسلام اور پاکستان کے لئے زندہ رہنا اور اسلام اور پاکستان ہی کے لئے مرنا چاہتے تھے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو وہ پاکستان میں یقیناً اسلامی قانون رائج کروا کر رہتے اور پاکستان کو دنیا کے لئے ایسا نمونہ بنا کر پیش کرتے جس سے تمام عالم اسلام اور انسانیت رہنمائی و روشنی حاصل کرتی۔

مہاجرین کی خدمت

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کو پاکستان سے بے حد محبت تھی اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ اگر پاکستان کو کسی طرف سے صدمہ یا نقصان پہنچتا دیکھتے تو مضطرب اور بے چین ہو جاتے تھے۔ علامہ عثمانی کو ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اس قتل عام اور مصائب و آلام کا بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے

اس سلسلہ میں مسلسل قائداعظم اور لیاقت علی خان سے روابط قائم رکھے اور حکومت کو صلاح مشورے دیتے رہے۔ ان مصیبت کے ایام میں علامہ عثمانی نے رات دن مہاجرین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ آپ لوگوں کی حکومت پاکستان سے سفارش کرتے یا خود بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے اور کام کرواتے۔ جب تک مہاجرین کا کام نہ ہو جاتا آپ چین سے نہ بیٹھتے۔ اس طرح آپ نے سینکڑوں مہاجرین کو آباد کروایا لیکن خود فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزارتے رہے۔ اپنی ذات کے لئے کوئی بنگلہ یا کوٹھی الاٹ نہیں کروائی حالانکہ دیوبند میں انہوں نے ۱۹۴۶ء میں ایک نیا دو منزلہ مکان بنوایا تھا۔ آپ نے مہاجرین کی زبردست خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں حکومت کا بھی بہت ساتھ دیا۔ اس طرح آپ حکومت اور عوام دونوں میں مقبول و ہر دلعزیز ہو گئے۔

۱۹۴۹ء میں عیدالفطر کے موقع پر اپنے پیغام میں آپ نے حکومت اور عوام دونوں پر مہاجرین کی امداد اور ان کی آبادکاری کو قوم کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت قرار دیا اور لوگوں کو مہاجرین کی امداد کی تلقین کی۔ اپنے پیغام میں فرماتے ہیں:

> ”آج عید کے دن ہم مہاجرین کی امداد اور ان کی آبادکاری اور بحالی کو بھی ملت کی سب سے بڑی اہم ضرورت خیال کرتے ہیں۔ حکومت پاکستان کے علاوہ ہر ذی استطاعت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی دولت اور ثروت میں مہاجرین کو بھی شامل کرے۔ ہر غریب اور مہاجر کے لئے رہنے کو گھر، کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا مہیا کرنا ہماری حکومت کا جہاں فرض ہے وہاں ہماری ملت کے متمول طبقے کا اسلامی فرض ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری، ان کی نو آبادیاں قائم کرنے، مکانات تعمیر کرنے اور دیگر ضروریات زندگی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے۔ صدقہ، فطر، زکوٰۃ اور صدقات کا نظام اسی لئے قائم کیا گیا تھا کہ ملت کے تمام طبقات میں زندگی کے معیار کا توازن قائم کیا جائے“[۴]۔

مخالفین پاکستان نے مسلمانوں کے قتل عام، عورتوں کے اغوا، عصمت ریزی اور دوسرے قیامت خیز واقعات اور روح فرسا و جگر گداز حوادث پر تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کے حامیوں پر الزام لگایا کہ اگر یہ لوگ پاکستان نہ بناتے تو مسلمانوں پر یہ قیامت نہ ٹوٹتی۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے جمعیۃ العلمائے اسلام کانفرنس ڈھاکہ مورخہ ۹۔۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو اپنے خطبہ صدارت میں مخالفین پاکستان کے ان تمام الزامات کا تسلی بخش اور مسکت جواب دیا۔ فرماتے ہیں:

> بلاشبہ کسی قوم کیلئے آزادی بڑی بھاری نعمت ہے۔ جس کے لئے جنگ میں لاکھوں سپاہی کٹوائے جاتے ہیں لاتعداد عورتوں کو بیوہ اور بے شمار بچوں کو یتیم بننا پڑتا ہے۔ کتنی بستیاں تباہ و برباد ہوتی ہیں۔ کتنے عزت

والے ذلیل اور کتنے غلام آقا یا آقا غلام بن جاتے ہیں۔ ایسے ہولناک مراحل طے کرنے کے بعد کوئی کامیاب قوم عروسِ آزادی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ لیکن پاکستان کی تخلیق ایک عجوبہ روزگار ہے جو ایک بدیع و غریب طریقے سے عمل میں آئی ہے۔ جس کی کوئی مثال شاید تاریخ کے خزانے میں موجود نہیں۔ یہاں آزادی پہلے آئی اور نہایت لرزہ خیز قربانیاں اس کی آمد کے بعد پیش کرنی پڑیں۔ تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا سبب پاکستان نہیں بلکہ پاکستان نے تو اس کی تباہ کاری کو محدود کر دیا''۔

کہا جا رہا ہے کہ بہار، مشرقی پنجاب، کئی ہندو ریاستوں اور دہلی وغیرہ میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اور جو روح فرسا اور جگر گداز حوادث گزرے کیا یہ تحریک پاکستان کے نتائج نہیں؟ ان الزامات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

''یہ بڑا جرم اور قصور نظر ہوگا اگر ہماری نگاہ بصیرت اس نقطے پر آکر رک جائے۔ ذرا آگے بڑھ کر آپ یہ بھی تو دیکھیئے کہ خود تحریک پاکستان کس چیز کا نتیجہ ہے۔ یہ تحریک کوئی ابتدائی اور جارحانہ اقدام کی حیثیت سے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ نتیجہ تھا اس انتہائی ضد اور اصرار کا جو انڈیا کا چارج لینے والی قوم کی طرف سے دس کروڑ مسلمانوں کو ابدی غلام بنائے رکھنے کے لئے بڑی وحشیانہ ناانصافی اور سفاکی کے ساتھ اختیار کیا گیا اور نتیجہ تھا اس عیاری اور دسیسہ کاری کا جو ریٹائرڈ ہونیوالی حکومت نے تمام اسلامی عناصر کو ہمیشہ مفلوج اور پست رکھنے کے لئے بطور ایک نہ بدلنے والی پالیسی کے اختیار کر رکھی ہے۔ پس اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ ان تمام محشر خیز حوادث کا سبب تحریک پاکستان ہے تو تحریک پاکستان کا سبب ہندو اور انگریز کی مشترکہ اسلام دشمنی کا جذبہ ہے۔ لہذا اس طرح بھی ان تمام مصائب اور دواعی کا وبال ہندو انگریز پر پڑنا چاہیے جنہوں نے اپنی انتہائی تنگ نظری اور بددیانتی سے یہاں کے مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان پر مجبور کیا''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں

''پھر اس موقع پر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ پاکستان کا مطالبہ کسی کے نزدیک ابتداءً خواہ کیسا ہی تھا لیکن وہ بزور شمشیر تو نہیں منوایا گیا بلکہ تمام قوموں اور پارٹیوں کے باہمی معاہدات اور رضامندی سے پاکستان کی تاسیس عمل میں آئی۔

اب اگر اس کے بعد ہندو اور سکھ کی سیاہ ذہنیت انگریزی کی متعفن سیاست اور بعض غداران ملت کی مجرمانہ خیانت نے گہری سازش کے تحت اپنی تسلیم کی ہوئی اسکیم کے خلاف کام نہ کیا ہوتا تو نہ انڈین یونین میں ایسے دردناک اور شرمناک مظالم کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑتا نہ کشمیر ایسے روح فرسا حوادث کی آماجگاہ بنتا اور نہ حیدر آباد کی طرف کوئی

ظالم نظر اٹھا کر دیکھ سکتا۔ ہر دو مستعمرات اپنی اپنی جگہ آزادرہ کر اور دوسروں کی آزادی برقرار رکھ کر باہمی تعاون، خیر سگالی اور مشترک مسائی کے ساتھ سارے ملک کو طاقتور اور خوشحال بنانے کی جدوجہد کرتیں تو آپ دیکھتے کہ گزشتہ ایک سال میں یہ برصغیر ترقی کی دور میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔ مگر تلخ نوائی کو معاف کیجئے وہاں تو نیتیں ہی کچھ اور تھیں۔ ہندو کو یہ گوارا ہی نہ تھا کہ کوئی ایک مسلمان بھی ہندوستان کے کسی چپے پر ہندو اکثریت کی غلامی سے آزاد ہو کر رہے۔ ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے ماتحت بیس پچیس برس سے مسلمانوں کو بھارت ورش سے ختم کر دینے یا بجر مرتد بنانے کی تیاریاں جاری تھیں اور سات سو برس سے یہ ارمان دلوں میں پرورش پا رہے تھے کہ جن مسلمانوں نے صدیوں تک ہم پر حکمرانی کی ہے اب ہم ان پر حکومت کریں گے اور اسلامی عہد کی ایک ایک رسم اور ایک ایک یادگار نیست و نابود کر کے چھوڑیں گے۔ مگر اس راستے میں انگریز کا تسلط کوہ گراں بن کر حائل تھا جس کا زور توڑنا ہندو اور مسلمان دونوں اپنی اپنی آزادی کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے۔ ہندو نے اس موقع کو خوب بھانپ لیا اور کانگرس کے ذریعے مصنوعی قومیت متحدہ کا ڈھونگ رچایا گیا۔ یہ ایک ایسا تیر تھا جس سے بیک وقت دو شکار ہوئے تھے یعنی ایک طرف دونوں قوموں کی مشترک قوت اور متحدہ مسائی سے انگریز کو شکست دی جائے اور دوسری جانب جمہوریت کے اصول پر جو کچھ ہاتھ آئے اس پر ہندو اکثریت کا قبضہ اور مسلمان کی دائمی بیچارگی کا جواز حاصل کیا جائے۔

وہ تو یہ کہیے کہ اس نام نہاد قومیت متحدہ کے جگر میں جو زہریلا مادہ اور آتشیں لاوا جوش مار رہا تھا تحریک پاکستان سے اسے جلد نکلنے کا ایک راستہ ہاتھ آ گیا تھا، اس کی تباہ کاری ذرا محدود ہو کر رہ گئی اور اگر دو چار برس اور گزر جاتے اور پاکستان نہ بنتا تو اس آتش فشاں کے بے طور اور وسیع پیمانے پر پھٹنے سے پورے دس کروڑ مسلمان اس کی لپیٹ میں آ جاتے۔ پھر ہندو کی فساد انگیزی، بزدلانہ خون آشامی اور اسلام دشمنی کی تحریک کے لئے پاکستان کا نام لینا ہی کوئی ضروری نہ تھا بلکہ کتنے ہی دوسرے حیلے بہانے موجود تھے۔ جیسا کہ ۱۹۳۷ء کی وازرت کے زمانے میں پیش آنے والے سنگین حوادث سے ہر شخص کو اس کا اندازہ ہو چکا تھا اور آج بھی انڈین یونین کے مختلف حصوں میں اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے''۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں :

''الغرض دشمنوں کی کوشش یہ تھی کہ پاکستان کے پودے کو پورے نشو و نما سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ لیکن دشمن اگرقوی است نگہبان قوی تر است قتل و غارت کے بازار گرم ہوئے، اغوا اور عصمت ریزیوں کے

طوفان اٹھے، ستم رسیدہ تارکان وطن کے سیلاب امڈے، خوف و دہشت پھیلانے کی کوئی ترکیب نہیں چھوڑی گئی۔ جس کا سلسلہ اب تک کم وبیش جاری ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب نہ پاکستان کی ساری فوج اس کے پاس تھی، نہ پاکستان کا پورا رقبہ اس کے قبضے میں تھا، نہ مالیہ نہ میگزین نہ کوئی ضروری سامان اس کے ہاتھ آیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت ایک معمولی سا حملہ بھی پاکستان پر ہو جاتا تو شاید اس کی ہستی ہی ختم ہو جاتی مگر حق تعالیٰ نے ایسے نازک ترین دور میں اس کی فوق العادت حفاظت فرمائی اور اس کے فضل و عنایت سے وہ چیز جس کی حیثیت اگست ۱۹۴۷ء میں ایک کاغذی دستاویز سے زیادہ نہ سمجھی جاتی تھی آج ۱۹۴۹ء میں ایک ٹھوس اور فولادی حقیقت بن کر سب کے سامنے ہے۔ یہ چیز بھی غلط نہیں کہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے قائدین کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ پاکستان کا نام لیتے ہی لاکھوں انسان نما خاکی پتلے جامعہ انسانیت اتار کر دفعتہً اور بغتتہً بدترین بہائم اور درندوں کی ایک بھیڑ میں منتقل ہو جائیں گے اور وہ کام کریں گے جن سے چنگیز اور ہلاکو کی روح بھی کانپ اٹھے گی۔

پاکستان کے بنتے ہی جو عظیم زلزلہ آیا اس کا اندازہ اس پیمانہ پر پہلے سے کسی کو نہ تھا اور اگر فرض کیجئے ہوتا بھی تو اس کے سوا وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس کے سامنے دو ہی راہیں کھلی تھیں یا دس کروڑ مسلمان ہندو کی غلامی کا پٹہ ہمیشہ کے لئے گلے میں ڈال کر اپنی قومی موت کے وارنٹ پر دستخط کر دیں اور یا پھر جتنے مسلمانوں کو اس تباہی سے بچا سکیں، بچالیں اور آئندہ قدرت حاصل ہونے پر دوسرے گرفتاران بلا کی دستگاری کے لئے امکانی جدوجہد عمل میں لائیں[۵]۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح اجلاس

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی سلہٹ (مشرقی بنگال) کے ایک مسلم حلقہ سے پاکستان کی مرکزی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو بروز اتوار ۱۰ بجے صبح اسمبلی چیمبر کراچی میں منعقد ہوا۔ لیاقت علی خان کی تحریک اور خواجہ ناظم الدین کی تائید پر اس اجلاس کے چیئرمین مسٹر جوگندر ناتھ منڈل (غیر مسلم) بنائے گئے مگر یہ صدارت عارضی اور وقتی تھی۔ چنانچہ اگلے روز کے اجلاس میں دستوریہ کے صدر متفقہ طور پر قائداعظم محمد علی جناح چن لئے گئے۔ دستوریہ کے پہلے اجلاس کا افتتاح شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات سے فرمایا:

"قل اللهم ملك الملك توتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شیء قدیر"[۶]۔

ترجمہ:۔ کہہ دیجئے (اے اللہ کے رسول ﷺ) کہ اللہ ہی مالک ہے ملک کا (اے مالک الملک) تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ خیر ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد ہمیشہ دستور یہ کے اجلاس کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہونا دستور بن گیا۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی (مقننہ) کا افتتاحی اجلاس کراچی مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۴۸ء بروز سوموار صبح ۱۱ بجے علامہ شبیر عثمانی کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے[7]۔

پرچم کشائی کا اعزاز

پاکستان کی پرچم کشائی ایک نہایت مقدس تقریب تھی اس لئے اس کا افتتاح کسی مقدس ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تاریخی سعادت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کی۔ یہ واقعی بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی مملکت کا پرچم اس قدسی صفت انسان کے ہاتھوں لہرایا گیا۔

تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے ساتھی علماء رفقاء کی عظیم و تاریخی خدمات جلیلہ کا رسمی اعتراف تو قائداعظم بہت سے مواقعوں پر کر چکے تھے لیکن اس کا عملی اعتراف ابھی تک باقی تھا۔

چنانچہ جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء/ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بروز جمعۃ المبارک جشن پاکستان منایا جانے لگا تو ملک کی سب سے بڑی ہستی قائداعظم محمد علی جناح، گورنر جنرل پاکستان، نے خود پرچم کشائی کی بجائے علماء ربانی کی عظیم تاریخی خدمات جلیلہ کے اعتراف کے طور پر پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفیق ناس مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا۔ کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے تلاوت قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد اپنے متبرک ہاتھوں سے آزاد پاکستان کا پرچم آزاد فضا میں لہرا کر دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی مملکت کو اسلامی ممالک کی برادری میں شامل کرنے کی رسم کا افتتاح کیا کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے پرچم کشائی سے پہلے حسب ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

قل اللهم ملك الملك توتى الملك من نشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شى ء قدير"۔

پاکستان کے دارالحکومت کراچی میں پرچم کشائی کے وقت قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان، وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان، مرکزی کابینہ کے وزراء اور دیگر عمائدین شہر موجود تھے۔ تمام حاضرین خاموش اور باادب سنتے رہے۔ پاکستانی افواج نے پرچم پاکستان کو پہلی سلامی دی اور سب نے مل کر یہ ترانہ گایا :

''اونچا رہے گا، نشان ہمارا''

ڈھاکہ میں وزیراعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین نے قائداعظم کی ہدایت پر مولانا ظفر احمد عثمانی سے پرچم کشائی کرائی پرچم کشائی کرنے سے پہلے مولانا ظفر احمد عثمانی نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

"انا فتحنا لك فتحاً مبينا ليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً"[۸]

ترجمہ:۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ) ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے۔

تمام وزراء، مسلم لیگ کے رہنما اور عمائدین شہر خاموش باادب سنتے رہے۔ پھر بسم اللہ کر کے مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستانی پرچم لہرایا۔ توپ خانہ سے سلامی کی توپیں چلیں اور وزراء نے اسمبلی حال میں حلف اٹھایا۔

حافظ اکبر شاہ بخاری لکھتے ہیں کہ علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان کے صف اول کے معماروں میں سے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان تقسیم ملک کے وقت آپ کو اپنے ساتھ لے آئے تھے اور مغربی پاکستان میں پاکستان کے پرچم کو آپ نے ہی لہرایا۔

''شیخ الاسلام'' کا لقب

پاکستان کی آزادی ایک شخص واحد محمد علی جناح کی خدمات اور مساعی کا ثمر ہے۔ وہ قوم کی آن بان اور عزت و آبرو تھے۔ قوم ان پر فدا و قربان ہوئے جا رہی تھی اور ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر مرنے مارنے اور مٹنے کے لئے تیار تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ان کی عظیم تاریخی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ''قائداعظم'' کا خطاب دیا۔

نواب زادہ لیاقت علی خان کو قوم نے پاکستان کے لئے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ''قائد ملت'' کا خطاب دیا۔

اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کی علمی، دینی، ملی اور سیاسی خدمات کو مسلم عوام میں بڑی پذیرائی ملی۔ علامہ عثمانی نے تحریک پاکستان میں لازوال اور عظیم تاریخی خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے کانگرس اور کانگرسی علماء کے متحدہ قومیت

کے نظریہ کو ایک باطل نظریہ اور مسلم قوم کی موت قرار دیا۔ آپ نے دو قومی نظریہ اور پاکستان کی بڑی شد و مد سے حمایت کی۔ سرحد ریفرنڈم میں کامیابی آپ کی مرہونِ منت ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، زندگی اور موت سب کچھ پاکستان اور اسلام کے لئے وقف تھا۔ وہ اسلام اور پاکستان کے سپاہی تھے۔ قوم نے آپ کو ''شیخ الاسلام پاکستان'' کا لقب دیا۔ شیخ الاسلام کی تجویز خود قائداعظم نے پیش کی تھی۔ حکیم آفتاب احمد قریشی لکھتے ہیں :۔

> ''انہیں پاکستان میں شیخ الاسلام کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ الاسلام کی تجویز قائداعظم نے پیش کی تھی تاکہ کسی مقتدر عالم سے حکومت دینی امور میں مشورہ کر سکے[9]۔

مولانا حسین احمد مدنی کو بھی لوگ شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ لیکن ان کی تمام خدمات ہندو اور ہندوستان کے لئے تھیں۔ وہ ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے راگ ہی الاپتے رہے اور پاکستان کی بڑے شد و مد سے مخالفت کرتے رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے مسلم رہنماؤں سے ان کی مخالفت اصولی سے زیادہ ذاتی نوعیت کی تھی اس لئے انہیں ہم ''شیخ الاسلام ہندوستان'' کہہ سکتے ہیں۔

جس طرح محمد علی جناح کے بعد کوئی قائداعظم نہ بن سکا۔ اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کے بعد کوئی اور ہستی ''شیخ الاسلام پاکستان'' نہ بن سکی۔ وہ پاکستان کے پہلے اور آخری شیخ الاسلام تھے۔

پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی حیثیت مذہبی معاملات میں قائداعظم اور حکومت پاکستان کے مشیر خاص کی سی تھی۔ مورخ اسلام سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :۔

> ''مرحوم نے کراچی پہنچ کر گو کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا، مگر مذہبی معاملات میں ان کی حیثیت مشیر خاص کی تھی۔ اس لئے زبان خلق نے ان کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا، جو اسلامی سلطنتوں میں قاضی القضاء کا لقب رہا ہے اور زیادہ تر اس لقب کی شہرت دولت عثمانیہ میں رہی''[10]۔

۱۹۸۷ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے دور اقتدار میں شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی کی سعی و کاوش سے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی شخصیت اور ان کی علمی، دینی، ملی و سیاسی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ''شیخ الاسلام پاکستان'' کانفرنس، لاہور میں منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا محمد اجمل خان، مولانا محمد متین ہاشمی، مولانا علی اصغر عباسی، مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور مولانا انور حسین نے شرکت کی۔ مقررین نے شیخ الاسلام علامہ کی علمی اور سیاسی زندگی پر روشنی ڈالی اور علامہ عثمانی کو زبردست

خراج عقیدت پیش کیا۔ علماء کرام نے فرمایا کہ :

''شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قائداعظم کے قدم قدم کے ساتھی تھے۔ سرحد کے ریفرنڈم میں علامہ عثمانی نے تاریخی کردار ادا کیا۔ علامہ عثمانی نے قائداعظم کی موجودگی میں لیاقت علی خان کو مخاطب کیا مولوی اس وقت تک آپ کے لئے مفید ہے جب تک اس کا ضمیر آزاد رہے گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی" نے قائد اعظم کے پاس جو پہلا وفد بھیجا اس کی قیادت علامہ شبیر احمد عثمانی نے کی۔ علامہ عثمانی نے کشمیر کی جنگ کو جہاد قرار دے کر تاریخی فرض ادا کیا۔ قرارداد مقاصد علامہ عثمانی کا تاریخی کارنامہ ہے''۔

الغرض علامہ عثمانی کی عظیم تاریخی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قوم نے آپ کو ''شیخ الاسلام پاکستان'' کا لقب دیا۔ وہ پاکستان کے عظیم محسن تھے۔ ان کے کارنامے پاکستان کی متاع ناز ہیں۔ انہوں نے خون جگر سے پاکستان کی مشعل کو فروزاں کیا۔

مسئلہ کشمیر

پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے جن مسائل نے پاکستان اور اہل پاکستان کو بے چین کر دیا ان میں مسئلہ کشمیر بہت اہم تھا۔ تقسیم کے اصول کے تحت کشمیر پاکستان کے حصے میں آنا چاہیے تھا کیونکہ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد تھی۔ نیز جغرافیائی، مذہبی، ثقافتی اور دفاعی اعتبار سے پاکستان کے ساتھ اس کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ لیکن گاندھی، نہرو اور دیگر بھارتی لیڈروں اور مونٹ بیٹن اور ریڈکلف کی ناانصافی، غداری، مکاری اور دھاندلی سے مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور اور اس کی مسلم اکثریت کی تحصیلیں گورداسپور اور بٹالہ ہندوستان کے حوالے کر کے ہندوستان کے لئے کشمیر کا راستہ صاف کر دیا گیا۔ ادھر کشمیر کے راجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے ساتھ اپنی ریاست کے الحاق کا خفیہ معاہدہ کر لیا۔ لیکن اس معاہدہ کی کوئی اخلاقی اور قانونی وقعت نہیں کیونکہ اس میں عوام کی مرضی شامل نہیں تھی۔ کشمیری رہنما شیخ عبداللہ کانگرس کے حامی اور نہرو کے دوست تھے۔ اس وقت دونوں کا سیاسی نظریہ بھی ہم آہنگ تھا۔ ہندوستان نے لارڈ مونٹ بیٹن کی ایما اور ملی بھگت سے اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج کر پاکستان کی بساط سیاست الٹ دی۔ قائداعظم دیکھتے رہ گئے۔ وزیراعظم ہندوستان جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ کو یہ فریب دیا کہ ریاست کا الحاق کشمیریوں کی مرضی سے ہوگا اور یہ الحاق عارضی ہے۔

کشمیر جس کا مکمل نام ریاست جموں و کشمیر ہے برصغیر پاک و ہند کا شمالی ترین حصہ ہے۔ اس کا رقبہ ۸۴،۴۷۱ مربع میل ہے اور اس لحاظ سے یہ ہند کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ اس کی بین الاقوامی سرحدیں تبت، چین، افغانستان

اور ایک مختصر علاقہ سے قطع نظر روس سے ملتی ہیں۔ اسے فوجی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی مجموعی آبادی چالیس لاکھ تھی جن میں تقریباً ۹۰ فیصد مسلمان تھے۔ کشمیر بے حد خوبصورت وادی ہے۔ اس کو وادی جنت نظیر کہا جاتا ہے۔

جغرافیائی اعتبار سے یہ ریاست مغربی پاکستان کے میدانوں کو سلسلہ ہائے کوہ تک لے جاتی ہے۔ سندھ، جہلم اور چناب جو مغربی پاکستان کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتے ہیں، ریاست سے بہتے ہوئے مغربی پاکستان کے میدانوں میں داخل ہوتے ہیں اور اس سارے علاقے کو ایک ہی جغرافیائی وحدت بنا دیتے ہیں۔ ریاست کی سڑکوں اور ریلوے کے تمام مواصلات مغربی پاکستان سے آملتے ہیں۔ اس کی درآمدات اور برآمدات پاکستان سے گزر کر جاتی تھیں۔ ریاست کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ عمارتی لکڑی تھی، جو دریاؤں میں بہا کر پاکستان کو برآمد کی جاتی تھی۔ ریاست اور مغربی پاکستان کے مسلمانوں میں ثقافتی روابط اتنے گہرے ہیں کہ وہ عملی طور پر ایک ہی ہیں۔ دست قدرت نے مغربی پاکستان اور کشمیر کا رشتہ ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے اور ان کے معاشی، مذہبی، ثقافتی اور دفاعی مفادات سب کے سب یکساں ہیں۔ انگریزوں نے ریاست جموں و کشمیر کو ۱۸۴۶ء میں معاہدہ امرتسر کے تحت ایک ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کے ہاتھ ۷۵ لاکھ روپے کے عوض بیچ دیا تھا۔ کشمیر کے ساتھ پاکستان کا ایک جذباتی تعلق تھا اور پاکستان کے نام اور تصور میں کشمیر بطور جزو لاینفک شامل تھا۔ لفظ پاکستان میں ''ک'' کشمیر ہی سے لیا گیا ہے۔

جب کانگرسی لیڈروں نے تقسیم ہند کو قبول کیا تو ان کی نیت یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے پاکستان کی قطع برید کی جائے اور اسے زندہ رہنے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔ انہوں نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن اس صوبے کا کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے ساتھ اتصال کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ گاندھی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں نے شمال مغربی سرحدی صوبے کو پاکستان میں شامل ہونے سے روکنے کیلئے جو انتہائی کوششیں کیں اس کی حقیقت اسی صورت میں سمجھ آ سکتی ہے جب انہیں ایک ایسی چال اور سازش کا جز سمجھا جائے جو کشمیر اور سرحدی صوبہ دونوں پر حاوی تھیں۔ لیکن شمال مغربی سرحدی صوبہ سے قطع نظر کشمیر کو بجائے خود بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ کشمیر پر قبضہ کرنے سے وہ تمام دریا ہندوستان کے قابو میں آ جاتے تھے۔ جن پر مغربی پاکستان کی معیشت کا انحصار تھا اور پاکستان کے نہایت اہم علاقے فوجی اعتبار سے غیر محفوظ ہو جاتے تھے۔ گاندھی کو پورا اندازہ تھا کہ کشمیر شاید ہند بھر میں سب سے زیادہ جنگی اہمیت رکھتا ہے[۱۲]۔

قائداعظم بھی کشمیر کی جغرافیائی اور فوجی اہمیت سے بخوبی اگاہ تھے اور اسے پاکستان کی ''شہ رگ'' تصور کرتے تھے۔

یوم آزادی پر کشمیر کے مسلمانوں نے اپنی خواہشات کا بالکل صاف مظاہرہ کیا۔ ریاست کے طول وعرض میں ۱۵ اگست ''یوم پاکستان'' کے طور پر منایا گیا۔ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ریاستی فوجوں، سکھوں اور آر۔ ایس۔ ایس۔ ایس کے قاتل گروہوں نے کشمیری مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اور تقریباً ۱۵ لاکھ مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا۔

پاکستان کے عوام کو جموں وکشمیر میں اپنے بھائیوں سے انتہائی ہمدردی تھی۔ وہاں جو المیہ ہو رہا تھا وہ پاکستان کو قائم ہوتے ہی تباہ و برباد کر دینے کی وسیع سازش کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ جوں جوں ریاست سے پاکستان کے قریبی علاقوں میں لاکھوں مسلمان مہاجرین آنے لگے، پاکستان کے لئے ایک نیا سنگین خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ منظم قتل وغارت مزید فتنہ و شر کی خبر دے رہا تھا۔ مہاراجہ کی حکومت سے پر زور احتجاج کئے گئے لیکن اصلاح حال کی بجائے مہاراجہ کی حکومت نے ہندوستان سے کمک حاصل کرنے کی دھمکی دی۔

کشمیری مسلمانوں پر مہاراجہ کی حکومت کے وحشیانہ مظالم اور قتل وغارت کی خبریں پونچھ کے ان مہاجرین اور سابق فوجیوں کے ذریعہ قبائلی علاقوں میں پہنچ گئیں تھیں، جو وہاں ہتھیار خریدنے گئے تھے۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام سے قبائل کے جذبات پہلے ہی مشتعل ہو چکے تھے۔ اب وہ کشمیر میں جہاد کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھنے لگے تھے۔ حکومت پاکستان اس معاملہ میں بے بس تھی۔ اگر وہ قبائل کو ایک ایسی بات سے روکنے کی کوشش کرتی، جسے وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے تو اس سے سارے سرحدی علاقے میں آگ لگ جاتی۔ کئی ہزار کا قبائلی لشکر دریائے جہلم کا پل عبور کر کے ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاستی علاقہ میں داخل ہوا۔ اس نے آن کی آن میں ریاستی فوجوں کو پامال کر کے رکھ دیا اور ۲۶ اکتوبر کو کشمیر کے دارالحکومت سری نگر کے مضافات میں پہنچ گیا۔ اس سے ایک رات پہلے مہاراجہ سری نگر سے بھاگ کر جموں چلا گیا تھا۔ اگر قبائلی لشکر زیادہ منضبط ہوتا اور راستے میں مال غنیمت پر نہ جھک پڑتا تو وہ ۲۶ اکتوبر کو وادی کشمیر پر قبضہ کر چکا ہوتا۔

جب حکومت ہندوستان کو کشمیر میں قبائلی یلغار کی اطلاع ملی تو اس نے مہاراجہ سے کشمیر کا فوری الحاق حاصل کرنے کے بعد ہوائی جہازوں سے فوج اور اسلحہ کشمیر پہنچانا شروع کر دیا اور قبائلی لشکر کو سری نگر سے باہر روکنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس تمام کاروائی کا سہرا مونٹ بیٹن کے سر باندھنا چاہیے۔ جس نے بقول اس کے عملے کے ایک رکن گورنر جنرل کی قبا پھینک کر ایک سپہ سالار کا لبادہ اوڑھ لیا تھا[۱۴]۔

جب کشمیر پر ہندوستانی حملہ کی اطلاع قائداعظم کو ملی تو انہوں نے فوراً پاکستان کے قائم مقام کمانڈر ان چیف جنرل گریسی کو کشمیر میں فوجیں بھیجنے کا حکم دیا۔ گریسی نے اس پر عمل نہ کیا اور اس کی بجائے ہدایات لینے کے لئے دہلی

میں سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل آکنلک کو ٹیلی فون کیا۔ دہلی میں جو برعکس صورت حال تھی وہ قابل غور ہے۔ وہاں ہندوستانی فوج کے انگریز کمانڈران چیف نے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن اور ہندوستانی کابینہ کی طرف سے جاری شدہ احکام پر کوئی اعتراض نہین کیا۔ جنرل آکنلک سے تبادلہ خیالات کے بعد قائداعظم اپنا حکم واپس لینے پر رضامند ہوگئے اور لاہور میں ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرلوں اور وزرائے اعظم کی فوری کانفرنس کے لئے آکنلک کی تجویز منظور کر لی۔ نہرو نے بیماری کا بہانہ بنا کر آنے سے انکار کر دیا۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم کو ایک تار بھیجا، جس میں لکھا گیا تھا کہ ”میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس ہنگامی حالت میں کشمیر کی امداد کرنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہندوستان سے الحاق کے لئے ریاست پر دباؤ ڈالا جائے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اور اسے ہم کئی بار برملا بیان کر چکے ہیں کہ کسی بھی متنازعہ فیہ علاقہ یا ریاست کے الحاق کا فیصلہ عوام کی خواہشات کے مطابق ہونا چاہیے اور ہم اپنے اس نقطہ نظر پر قائم ہیں“۔[13] ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک اور تار میں نہرو نے یہ عہد و پیمان کیا کہ۔

”ہماری یہ یقین دہانی کی جونہی امن دامان بحال ہو جائے، ہم اپنی فوجیں واپس بلا لیں گے اور اس ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام پر چھوڑ دیں گے، صرف آپ کی حکومت سے وعدہ نہیں ہے بلکہ ہمارا یہ وعدہ کشمیر کے عوام اور ساری دنیا سے ہے“[14]۔

لیکن نہرو کے یہ عہد و پیمان دھوکے اور فریب پر مبنی تھے۔ دراصل یہ پاکستان، کشمیریوں اور دنیا کو گمراہ کرنے کی بھارتی چال تھی جس پر کبھی بھی عملدرآمد نہ کیا گیا۔ اپنے وعدوں اور عہد و پیمان سے پھرنے اور بھاگنے کے لئے ہندوستان نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بہانے تیار کر رکھے تھے۔

کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان اور ہندوستان میں کئی جنگیں بھی ہو چکی ہیں لیکن یہ مسئلہ ہنوز اب بھی حل طلب ہے۔ اس مسئلے کا حل بالکل صاف اور واضح ہے۔ اقوام متحدہ کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی دونوں قراردادوں کو ایک بین الاقوامی معاہدہ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس کے تحت ایک آزاد اور غیر جانبدار استصواب کے ذریعے کشمیریوں کو اپنے مستقبل کے تعین کا حق حاصل ہے۔

اس تنازعہ کے تصفیہ کے لئے ہر ممکن طریقہ آزمایا جا چکا ہے۔ بین الاقوامی مصالحت سے بھی رجوع کیا جا چکا ہے۔ ثالثی کے لئے بھی تجاویز پیش ہوتی رہی ہیں۔ اعلیٰ ترین سطح پر ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان مذاکرات بھی ہوتے رہے ہیں لیکن کوئی بھی طریقہ کارآمد ثابت نہیں ہوا۔ ہندوستان بدستور اپنی ہٹ دھرمی اور ضد پر اڑا ہوا

ہے۔ عالمی رائے عامہ کا یہ واضح فتوی ہے کہ ہندوستان قصوروار ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مسئلہ کشمیر سب سے اہم اور خطرناک تنازعہ ہے۔ یہ تنازعہ برصغیر اور دنیا کے امن کے لئے ہر آن خطرہ کا باعث ہے۔ انصاف، اخلاق اور بین الاقوامی امن کے ہر تقاضے کو نظرانداز کرتے ہوئے ہندوستان نے کشمیر پر بالجبر قبضہ کر رکھا ہے اور کشمیر کے عوام کو ان کا حق خودارادیت دینے سے انکار کر رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کو پاکستان سے بے حد محبت تھی۔ علامہ عثمانی کو کشمیر کے پاکستان کے ہاتھ سے نکل جانے اور ہندوستان کے قبضہ میں چلے جانے کا بہت افسوس تھا۔ جیکب لائین کراچی میں مجاہدین کشمیر کے حق میں زبردست تقریر فرمائی اور جنگ کشمیر کو اسلامی جہاد قرار دیا۔ تمام پاکستانی مسلمانوں کے لئے جہاد میں حصہ لینا فرض عین قرار دیا۔ مسلمانوں کی توجہ مجاہدین اور مظلومین کشمیر کی امداد کی طرف مبذول کروائی۔

علامہ عثمانی نے مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل کی جانب سے ثالث مقرر کرنے پر حکومت سے سخت احتجاج کیا اور مغربی اقوام کی ثالثی پر زبردست تنقید کی۔ آپ نے فرمایا:

> ''مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ پس اگر ہم صحیح معنی میں مومن ہیں اور ہم میں ایمانی فراست کا کوئی شائبہ موجود ہے تو مغربی اقوام کی ثالثی کے اس سوراخ میں پھر ہاتھ ڈالنے کا ہرگز ارادہ نہ کریں گے، جہاں سے کئی مرتبہ ہم کو سانپ بچھو کاٹ چکے ہیں اور جن کا زہر ابھی تک ہمارے جسم سے خارج نہیں ہو سکا۔ ریڈکلف ہو یا امیر الجبر (چسٹر ڈبلیو) نمٹز ہمارے لئے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ خدا پاکستان کو اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے''۔[۱۵]

۱۹۴۹ء میں عیدالفطر کے موقع پر کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''برادران عزیز! آج عیدالفطر کے مبارک دن آپ کے قلوب نور ایمان سے لبریز اور اسلامی مسرتوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ لیکن آج کے مقدس دن ہم کشمیر کے مسئلہ کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ یہ نازک مسئلہ ناخن تدبیر سے سلجھ جائے لیکن اگر گرہ آسانی سے نہ کھل سکے تو پھر اسے کھینچ کھینچ کر توڑ دیا جائے۔ تالا اگر چابی سے نہ کھل سکے تو پھر ہتھوڑے سے اسے توڑنا ہی پڑتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ اگر ضرورت پیش آئے اور استصواب رائے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو پھر آخری صورت جہاد ہی کی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر کشمیر کو اسلام اور پاکستان کے لئے حاصل کرنا ہے۔ ملت پاکستانیہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہے۔ پاکستان کی زندگی کے سرچشمے کشمیر

میں ہیں۔ دشمن آسانی کے ساتھ کشمیر سے اپنا فوجی تسلط نہیں چھوڑے گا۔ ہماری حکومت اور ساتھ ہی پاکستان کے تمام مسلمانوں کا دینی فرض ہے کہ وہ کشمیر کے مظلوم اور سسکتے ہوئے کشمیری بھائیوں کی آہ و فریاد سنیں۔ وہ ہمارا خون اور گوشت ہیں۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ جلد سے جلد ہم اپنے کشمیری بھائیوں کو استبداد سے نجات دلائیں اور کشمیر کو اسلام اور پاکستان کے لئے حاصل کریں۔ کشمیر کے بغیر پاکستان کی سالمیت خطرہ میں ہے''۔[۱۶]

جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس ڈھاکہ منعقدہ ۹۔۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو اپنے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں:

''کشمیر میں شیخ عبداللہ کی غداری کی بدولت انڈین یونین کی غاصبانہ چیرہ دستیاں پاکستان کے گرد فوجی حصار قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ فلسطین ہمارا جز و ایمان، کشمیر ہماری رگ جان اور حیدر آباد ہمارے قدیم عز و وقار کا نشان ہے''۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''ایک اہم ترین ہنگامی مسئلہ ہمارے سامنے کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا ہے۔ اس میں کامیابی بھی بڑی حد تک میرے نزدیک اس (اسلامی نظام کے) اعلان سے وابستہ ہے۔ ورنہ ہندو، علماء ہند اور شیخ عبداللہ کی حکومت کی جانب سے جو زبردست پروپیگنڈہ ہوگا اس کے جواب میں پاکستان کا پہلو بہت کمزور رہے گا اور اگر فرض کیجئے وہاں دوبارہ جنگ کی نوبت آ گئی جو اغلباً کشمیر تک محدود نہ رہے گی تب بھی ہمارے دفاع کے لئے وہی مذہبی اسپرٹ بہت زیادہ کام دے گا جو خدائی آئین اور اسلامی نظام حکومت کے اعلان سے مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بہر کیف جس پہلو سے نظر کیجئے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری مملکت کی خوبی و برکت اور تحفظ و استحکام کا راز اسلامی نظام کے نفاذ میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ جس نام سے پاکستان حاصل ہوا اس نام پر یہ مضبوطی کے ساتھ باقی بھی رہے گا''۔[۱۷]

علامہ عثمانی جہاد اور اسلامی نظام کے نفاذ کو ہی کشمیر اور پاکستان کے تمام مسائل کا حل سمجھتے تھے۔ جمرود (سرحد) میں سید احمد شہید کی جماعت کے معتقدین رہتے ہیں۔ ان کے ایک بڑے مجاہد مولانا فضل الٰہی چمرقندی کو جو مولانا کے پاس آیا جاتا کرتے تھے، علامہ نے جہاد کے لئے تیار کیا۔ آپ نے اپنی جماعت کے ساتھ کشمیر میں جہاد کیا۔ جس کا نتیجہ نہایت ہی شاندار نکلا اور جماعت کو بڑی کامیابی ہوئی۔

الغرض علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے بھی قوم اور حکومت پاکستان کی رہنمائی کی۔ عوام کو جہاد کے لئے تیار کیا اور مجاہدین کی زبردست مدد فرمائی۔

دست قدرت کو شاید یہ منظور ہے کہ جس طرح ویتنام امریکہ کا اور افغانستان روس کا قبرستان بنا اور روس افغان مجاہدین سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور بے شمار ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ اسی طرح شاید ہندوستان بھی کشمیری مجاہدین سے ٹکرا ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جائے اور اس کا شیرازہ ہی بکھر جائے اور شاید ہندوستان کی جگہ بہت سی آزاد و خود مختار ریاستیں وجود میں آ جائیں جن میں ایک آزاد ریاست کشمیر بھی ہو۔ بہر حال کشمیری مجاہدین زبردست قربانیاں دے رہے ہیں اور انشاء اللہ کشمیر ہندوستان کے قبضے سے آزاد اور پاکستان میں شامل ہو کر رہے گا۔

فتویٰ جہاد کشمیر

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان نے کشمیر پر جبراً قبضہ کر لیا اور وہاں پاک بھارت کی جنگ چھڑ گئی تو پاکستان کے ایک مشہور عالم دین مولانا مودودی نے اس جہاد کو ناجائز قرار دیا اور کہا کہ چونکہ پاکستان بھارت سے معاہدے کو منہ پر مارے بغیر جنگ کر رہا ہے لہذا یہ جنگ اسلامی جہاد نہیں ہے[۱۷]۔

مولانا مودودی نے ۱۹۴۸ء میں یکے بعد دیگرے ایسے بہت سے فتوے صادر کیے جن سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچتا تھا۔ مئی ۱۹۴۸ء میں نبی بخش انچارج شعبہ نشر و اشاعت آزاد کشمیر نے جماعت اسلامی کے اجتماع پشاور کے موقع پر مولانا مودودی سے استفسار کیا کہ آپ جہاد کشمیر میں کیوں حصہ نہیں لیتے؟ مولانا مودودی نے فرمایا کہ میں شرعاً اسے جائز ہی قرار نہیں دیتا۔ جس پر سارے پاکستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا صاحب نے اپنے اس فتویٰ پر اصرار کرتے ہوئے ایک لمبا چوڑا بیان دیا، جس میں صاف فرمایا کہ جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں، پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا از روئے قرآن جائز نہیں ہے[۱۸]۔

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کو پاکستان سے بہت محبت تھی۔ آپ کشمیر اور پاکستان کو لازم و ملزوم تصور کرتے تھے۔ علامہ بھلا پاکستان اور مسلمانوں کا نقصان کب برداشت کر سکتے تھے۔ آپ نے شریعت کی رو سے فتویٰ جاری کیا کہ کشمیر کی جنگ آزادی اسلامی جہاد ہے۔ علامہ نے تمام پاکستانی مسلمانوں کا اس جہاد میں حصہ لینا فرض عین قرار دیا۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے اس فتویٰ کی تائید و تصدیق اور موافقت پاکستان اور تمام اسلامی ممالک کے ممتاز علماء و شیوخ نے کی۔ علاوہ ازیں آپ نے مولانا مودودی کو دلائل سے مطمئن کیا کہ کشمیر کی جنگ اسلامی جہاد ہے۔ بالآخر مولانا مودودی نے آپ کے دلائل کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ماننا پڑا کہ ملکی مصلحت کے خلاف جانا دانشمندی نہیں[۱۹]۔

ہفت روزہ ''نشان راہ'' کراچی رقمطراز ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مودودی کے درمیان جنگ کشمیر کے مسئلہ پر خط و کتابت ہوئی جس میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ ثابت کیا کہ جنگ کشمیر جہاد ہے اور بالآخر مولانا مودودی کو علامہ عثمانی کے موقف سے اتفاق کرنا پڑا۔

حضرت کا یہ فتویٰ دراصل مولانا ثناء اللہ اور بشیر احمد صدیقی کے سوال کے جواب میں تھا۔ اس فتویٰ کی تصدیق میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، مصر، عراق، لبنان، ترکی اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء کی تائیدات موجود ہیں۔

ذیل میں ثناء اللہ خان و بشیر احمد صدیقی کا استفتاء اور علامہ عثمانی کا فتویٰ درج کیا جاتا ہے۔

استفتاء

کیا مملکت پاکستان کی حفاظت و حمایت اور اس کی بقا کی مقدور بھر کوشش کرنا اور کفار کے شر سے اس کو محفوظ رکھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور کیا یہ فریضہ حفاظت و حمایت ان مسلمانوں پر دوسروں سے زیادہ موکد ہے جو پاکستان یا اس کے متصل علاقوں میں آباد ہیں؟ اور کیا مسلمانوں کے لئے اس مملکت کو ضعف و نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا حرام ہے؟ اور کیا پاکستان کی مخالفت اور اس کے دشمنوں کی اعانت اس مکاری سے جائز ہوسکتی ہے کہ پاکستان کے موجودہ ارکان سلطنت، اسلاف امت کے انداز و طریق سے مختلف ہیں اور یہ کہ انہوں نے اپنے ملک میں ابھی تک احکام شریعہ نافذ نہیں کئے۔ نیز اپنے اعمال و افعال کی اصلاح میں غفلت یا لاپرواہی برتتے ہیں؟

ثناء اللہ خان و بشیر احمد صدیقی

فتویٰ از علامہ شبیر احمد عثمانی

ہاں! بلاشک و شبہ پاکستان اور اس کے متصل علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں پر اور ان اسلامی سلطنتوں پر جو پاکستان کے متصل ہیں، پاکستان کی حفاظت اور دشمنوں سے اس کا دفاع فرض عین ہے۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور ان کے علاوہ تمام ممالک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ایمان والو! ''ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہیں اور تم اپنی دفاعی قوت ایسی بناؤ کہ کفار تمہارے اندر سختی اور شدت محسوس کریں''۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو مسلمان کفار اہل حرب کے متصل رہتے ہیں ان پر جہاد فرض کفایہ ہے (یعنی) اگر ایک جماعت اپنے متصل علاقے کے کفار سے جہاد کے لئے کھڑی ہو جائے اور وہ مدافعت کے لئے کافی

ہوتو دوسرے مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل روم کے کھڑے ہونے سے اہل ہند و ماوراء النہر اس فریضے سے سبکدوش نہیں ہو جاتے بلکہ وہ اپنی جانب کے دشمنوں پر جہاد کے لئے مامور ہیں۔ (شامی)

نیز شامی میں بدائع سے نقل کیا ہے کہ اگر ایک علاقے کے مسلمان کفار کے مقابلے سے عاجز ہو جائیں اور ان کو دشمنوں کے غلبے کا اندیشہ ہو تو ان کے آس پاس کے مسلمانوں پر اور پھر ان کے قرب و جوار کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہتھیاروں اور سامان حرب اور مال اور جان سے ان کی امداد کو پہنچیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر مسلمان جو جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے اس پر جہاد فرض ہے۔ لیکن اگر مسلمانوں کی ایک جماعت مقابلہ کفار کے لئے کافی ثابت ہو تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے اور اسی کتاب میں اس کے بعد ''بزر'' سے نقل کیا ہے۔ اور جہاد فرض عین ہے اگر کسی سرحد پر اسلامی سرحدات میں سے کفار نے حملہ کیا تو جہاد فرض عین ہو جائے گا ان مسلمانوں پر جو اس کی سرحد والوں سے قریب رہتے ہیں اور جہاد پر قدرت رکھتے ہیں اور صاحب ''نہایہ'' نے ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے کہ جب جہاد کے لئے اعلان عام ہو جائے تو جہاد فرض عین ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دشمن کے قریب تر اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان جو دشمن سے مسافت بعیدہ پر رہتے ہیں ان پر فرض کفایہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تک ان کی ضرورت نہ پڑے ان کے لئے گنجائش ہے کہ شریک جہاد نہ ہوں۔ لیکن اگر ان کی ضرورت محسوس ہو اس وجہ سے جو لوگ دشمن کے قریب تھے وہ ان کے مقابلے سے عاجز آ گئے یا عاجز نہیں ہوئے لیکن سستی و غفلت سے جہاد چھوڑ بیٹھے ہوں تو جو لوگ ان سے قریب تر ہیں ان پر جہاد فرض عین ہو جائے گا مثل نماز، روزہ وغیرہ کے جس کا ترک ان کے لئے جائز نہیں۔ پھر جو لوگ ان کے قریب ہیں، پھر ان کے قریب (شامی)

لیکن یہ حیلہ کہ حکام اس حکومت کے فاسق ہیں اور وہ احکام اسلامیہ اپنی مملکت میں جاری نہیں کرتے۔ سو یہ حیلہ فریضہ جہاد کے ترک کر دینے کے لئے حجت نہیں بن سکتا۔ (بچند وجوہ)

اول اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا ہر ایک نیک آدمی کے ساتھ۔ اور امام حصاص نے احکام القرآن میں آیت انفروا خفافا وثقالا[۲۰] کے تحت میں فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد کرنے والے اگر فاسق بھی ہوں تو ان کے ساتھ مل کر بھی جہاد کرنا واجب ہے، جیسے دین دار متقی کے ساتھ واجب ہے۔ اور سیر کبیر امام محمد کی شرح میں ہے، کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مسلمان اہل سنت خوارج کے ساتھ مل کر مشرکین اہل حرب سے جہاد کریں۔ کیونکہ اس وقت بمقابلہ مشرکین خوارج کا جہاد بھی فتنہ کفر کے رفع کرنے اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے ہے تو یہ جہاد بھی شرعی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ (شرح سیر)

دوسرے اس لئے بھی یہ حیلہ صحیح نہیں کہ مملکت پاکستان کے علماء اور عوام کی سعی برابر اس کام کے لئے جاری ہے کہ یہاں نظام اسلامی اور احکام شرعیہ جاری ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان کی مساعی ناکام نہ فرمائیں گے۔

اس لئے عام مسلمانوں پر عموماً اور ارکان پاکستان پر خصوصاً واجب ہے کہ اول اس سلطنت کی حمایت اور دشمنوں کی اس سے مدافعت کریں۔ پھر اس میں سعی بلیغ کریں کہ یہاں احکام اسلامیہ اور نظام شرعی جاری ہوں اور یہ کہ ان کوششوں میں وہ اپنی پوری قوت جماعتی اور انفرادی طاقتوں کو خرچ کر دیں۔ اور جیسا کہ مسلمانوں پر اس حکومت کی حمایت واجب ہے اسی طرح ارکان حکومت پر بھی فرض ہے کہ شعائر اسلام کو قائم کریں اور احکام اسلامیہ شرعیہ کو جاری کریں، اس مملکت میں جس کی بنیاد ہی کفر و اسلام کے تفرقے پر رکھی گئی ہے اور اس کے زعماء کے ان وعدوں پر کہ جب ان کو آزادی مل جائے گی تو اس مملکت میں نظام قرآن اور قوانین اسلام جاری کریں گے۔ تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کر دی اور ان کا مرتبہ بلند کر دیا تو ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں اور اپنے وعدوں کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کو نہ بھولیں۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ بھی ان کو بھلا دے جس سے ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ من ذالک واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبیر احمد عثمانی[۲۱]

مسئلہ کشمیر پر علامہ عثمانی اور مولانا مودودی کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس کو من وعن درج کرنا بھی مناسب ہوگا تاکہ قارئین شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی اور مولانا مودودی کے جہاد کشمیر کے سلسلے میں شرعی دلائل کا موازنہ کر سکیں۔

مکتوب اول علامہ عثمانی بنام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

کراچی ۷ جولائی ۱۹۴۸ء

محترم المقام جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں۔ جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا۔ کیونکہ میرے نزدیک اس معاملے میں جناب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لوگوں کا اصرار

تھا کہ میں اس کے متعلق جلد از جلد اپنے تاثرات شائع کر کے ان اثرات کا حتی الامکان انسداد کرنے کی سعی کروں جو آپ کی اس تحریر سے پھیل چکے ہیں یا پھیل سکتے ہیں۔ لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ معاملہ اخبارت میں آئے۔ بہتر صورت یہ نظر آئی کہ اپنے خیالات کو مع ان دلائل کے جن پر وہ مبنی ہیں منضبط کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ لہذا آپ سے توقع رکھوں کہ جیسا آپ نے اس مضمون میں خود تحریر فرمایا ہے کہ ''خدا کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہی سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ میری تحقیق غلط ہے تو اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی رائے پر اصرار کرنا میں گناہ عظیم سمجھتا ہوں'' آپ اپنی اس تحریر سے رجوع فرمالیں گے اور اس سے بلا ارادہ جو نقصان عظیم مسلمانوں کے اس اہم مقصد کو پہنچ رہا ہے اس کی کما حقہ تلافی کی سعی فرمائیں گے۔

ان ہی خیالات کے تحت میں نے اخبارات میں بیان دینے سے احتراز کرتے ہوئے اپنے ایک رفیق کو ماہ صیام میں خاص اسی مقصد کے لئے سفر کی زحمت دی تا کہ وہ آپ تک میرا یہ مراسلہ پہنچادیں اور اس معاملے میں زبانی بھی گفتگو کر لیں۔ میں اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو جذبہ سخن پروری سے پاک اور ہمارے سینوں کو قبول حق کے لئے کشادہ رکھے۔ آمین۔

آپ کے مضمون کا نصف اول جوش حق پرستی و حق گوئی اور جذبہ اتباع کتاب و سنت کے اظہار پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ یہ انتہائی قابل قدر جذبہ ہے اللہ پاک ہر مسلمان کو اس جذبے سے سرشار رکھے۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، آپ کا خیال کہ مسلمانان پاکستان کے حق میں کشمیر کی یہ جنگ اسلامی جہاد کا حکم نہیں رکھتی کیونکہ حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور مملکت کے باشندے اس معاہدے کا احترام کرنے پر شرعاً مکلف ہیں۔ اب اگر وہ اس جنگ میں حصہ لیں تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ کاش اس موقع پر آپ محلولہ معاہدہ کی متعلقہ دفعات بھی نقل فرما دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

خط لکھنے والے کی اس دلیل کے جواب میں، کہ دوسرا فریق اس معاہدہ کو جونا گڑھ وغیرہ میں علانیہ توڑ چکا ہے اب پاکستان پر اس کی پابندی کیونکر باقی رہتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ یا تو کسی قوم سے معاہدہ نہ کرو یا اگر معاہدہ کرتے ہو تو پھر پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی پابندی کرو اور جب دیکھو کہ فریق ثانی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس کے معاہدہ کو کھلم کھلا اس کے منہ پر ماردو۔ پھر تم آزاد ہو کہ اس کے خلاف جو کاروائی چاہو کرو۔

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علیٰ سواء، ان الله لایحب الخائنین۔

اور اگر کسی قوم سے تم کو خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا سخت حیرت ہے کہ آیت بالا کے الفاظ اور خود اپنے لکھے ہوئے ترجمے پر بھی آپ نے غور نہ فرمایا ورنہ ادنی تامل سے واضح ہو جاتا کہ مسئلہ زیر بحث سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس آیت میں تو اس قوم کا ذکر ہے جس کے ساتھ معاہدہ تھا اور ہنوز انہوں نے اس کی صریح خلاف ورزی نہیں کی۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غدار اور عہد شکنی کرنے والے ہیں۔ یعنی فی الحال خیانت نہیں کی۔ البتہ قوی اندیشہ ہے کہ خیانت کریں گے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے احتیاط و تیقظ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے ''نبذ علی السواء''[22] کر کے معاملے کو صاف کر دیں۔

رہی وہ قوم جو معاہدہ کے بعد اس میں علانیہ خیانت کر چکی اور اپنے عمل سے عہد کو توڑ چکی اس کا حکم آیت مذکور میں بیان نہیں ہوا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ معاہدہ کا تحقق دو فریق کے درمیان دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ جب ایک فریق نے اس کی صریح خلاف ورزی کر لی تو صرف ایک جانب سے معاہدہ کا کوئی مطلب ہی نہیں اسی وقت اس کا وجود ختم ہو چکا۔ اس لئے اب ''نبذ'' کس چیز کا کیا جائے؟

دیکھیئے صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ قریش کے ساتھ دس برس کے لئے ہوا تھا، دو برس کے اندر ہی قریش نے اس کی بالواسطہ خلاف ورزی کی، بنی خزاء جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کے مقابلے پر قریش اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کو آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نبذ عہد'' کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ آپ نے نہایت خاموشی اور اخفاء کے ساتھ قریش پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ جائیں تا کہ اس کو تیاری کا زیادہ موقع نہ ملے اور اس طرح خونریزی زیادہ نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی جاسوسی کا قصہ پیش آ گیا جو کتب حدیث میں مشہور ہے اور جس پر سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ بہر حال فتح مکہ کا قصہ اس دعوے پر صاف حجت ہے کہ جب ایک فریق معاہدہ توڑ ڈالے تو دوسرا فریق فوراً آزاد ہو جاتا ہے کہ جو کاروائی چاہے کرے۔ نہ اس میں کوئی دھوکہ ہے نہ فریب اور نہ یہ کوئی سیاسی اخلاق ہے بلکہ پیغمبرانہ کردار ہے جس پر عقل و دیانت کوئی حرف گیری نہیں کر سکتی۔ ''نبز عہد'' کی ضرورت تو اس لئے تھی کہ فریق ثانی معاہدہ کو سمجھ کر غفلت میں نہ رہے مگر جب اس نے دیدہ دانستہ از خود معاہدے کا وجود ختم کر دیا تو پھر دوسری جانب اس کی پابندی کا انتظار کرنے کے کیا معنی ہیں؟

اس موقع پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ مکہ ۸ ھ میں فتح کر لیا گیا تھا اور سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات کا اعلان ۹ ھ میں ہوا۔ فتح مکہ سے پہلے ایک حرف ''نبذ عہد'' یا براۃ کا منقول نہیں۔

سائل کے جواب میں آگے چل کر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کا یہ استدلال بھی صحیح ہے کہ حکومت کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضا کارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش کرتے ہیں مگر ہمارا کام کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں صرف قرآن کی پیروی کرنا چاہیے۔ قرآن کی رو سے ہمارے ہر فرد پر ان معاہدات کی پابندی واجب ہے جو ہم نے قومی حیثیت سے کسی کے ساتھ کئے ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ بے شک قومی معاہدات کی پابندی ہر فرد پر واجب ہے مگر انہی چیزوں میں جن پر معاہدہ ہوا ہے۔ جب فریقین جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ معاہدے کے ماتحت یہ چیز آتی ہی نہیں کہ ایک فریق کے افراد رضا کارانہ طور پر کسی جنگ میں اپنے ضمیر کی آواز پر شریک ہوں تو ایسے کام سے معاہدہ کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی۔ بین الاقوامی دستور کو یہاں کسی چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ معاہدے کے مفہوم کی صحیح تحدید بتانے کے لئے اس کا حوالہ دیا گیا ہے یعنی بین الاقوامی دستور جو فریقین کو پہلے سے مسلم ہے، معاہدے کے الفاظ کا مطلب اس کی روشنی میں لیا جائے گا۔ کیونکہ عرفاً اس کا مطلب وہی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا افراد کی مذکورہ بالا رضا کارانہ جنگ معاہدے کے تحت میں شروع سے داخل ہی نہیں تھی، پھر خلاف ورزی کیا ہے؟ الحاصل جو چیزیں معاہدے کے الفاظ سے فریقین کے نزدیک مراد ہیں ان کی پابندی بے شک حکومت اور افراد سب کے ذمہ ہے۔ ہاں اگر ایک فریق معاہدہ کو اپنے عمل سے توڑ ڈالتا ہے تو دوسرے فریق پر سے خود بخود اس کی پابندی ختم ہو جاتی ہے اس صورت میں شرعاً ''نبز'' کی اصلاً ضرورت نہیں رہتی۔ انڈیا میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا وہ بھی معاہدات کے خلاف تھا۔ کیونکہ دونوں فریق اقلیتوں کے تحفظ کے پابند تھے۔ اگر اس کے جواب میں پاکستان بدون بنذ علی السواء کے مسلمانوں کی مدد کرتا تو یہ بھی عذر اور نقض عہد نہ ہوتا نہ سورہ انفال کی آیت [۲۳]

"وان استنصرو اکمه فى الدين فعليكم النصر الاعلى قوم بينكم و بينهم ميثاق"۔

کی خلاف ورزی ہوتی۔ کیونکہ فریق ثانی نے میثاق باقی ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان ایسا نہ کر سکا یا اس نے ایسا نہ کرنا چاہا۔

میں سمجھتا ہوں کہ سطور بالا میں از روئے کتاب و سنت اس حقیقت کی کافی وضاحت ہو گئی ہے کہ فریق ثانی کی طرف سے علانیہ اور صریح نقض عہد کے بعد مسلمانوں کے لئے نبذ عہد کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی اور وہ آزاد ہوتے ہیں کہ اس فریق کے خلاف کاروائی کرنا چاہیں تو کریں۔ نیز یہ کہ اب تک دونوں مملکتوں کے نزدیک بین الاقوامی قوا

نیں کو مسلم حیثیت حاصل ہے اور جو کچھ بھی معاہدات وغیرہ ہوتے ہیں ان کا مفہوم لازماً انہی قوانین کی روشنی میں متعین ہوگا۔ لہذا جس وقت تک یہ صورت باقی رہتی ہے فریقین اسی مفہوم کی حد تک معاہدات کے پابند ہیں، جو مسلمہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے متعین ہوتا ہے اور جو معاہدہ کرتے وقت یکساں طور پر فریقین کے ذہنوں میں موجود تھا۔

میں اس مراسلہ کو ختم کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ آپ کی نیت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہو سکتی تاہم آپ کی تحریر سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اسے مجاہدین آزاد کشمیر میں خوب پھیلایا جا رہا ہے۔ مفسد عناصر اپنے ناپاک اغراض کے لئے اسے بہت اچھال رہے ہیں۔ اگر معاملہ صرف نظری اور علمی اختلاف کی حیثیت کا ہوتا تو اور بات تھی مگر یہاں صورت دوسری ہے اگر اس تحریر کی وجہ سے مجاہدین اسلام کسی تذبذب میں پڑ گئے اور اس مقدس مقصد کو کسی قسم کا ضعف یا ضرر پہنچا جس کی طرف قرآن پاک نے آیت "ومالكمه لاتقاتلون فى سبيل الله والمستغعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا"[۲۴] میں امادہ کیا ہے تو اس کے وبال سے ڈرنا چاہیے

مجھے قوی امید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے مذکورہ بالا دلائل پر غور فرمائیں گے اور اس نقصان کی کماحقہ تلافی کرنے کی کوشش کریں گے جو آپ کی اس تحریر سے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے یا پہنچ سکتا ہے۔

والسلام
(دستخط)
شبیر احمد عثمانی۔[۲۵]

مکتوب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بنام علامہ عثمانی

۱۳ جولائی ۱۹۴۸ء

اچھرہ۔ لاہور

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۸ء ظفر احمد انصاری صاحب کے ذریعہ سے ملا۔ میں نے کشمیر کے معاملہ میں رائے کا اظہار کیا ہے، مجھے اس پر کوئی خوشی نہیں ہے بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ کسی طرح

میری وہ رائے غلط ثابت ہو جائے اور میں مسلمانان پاکستان سے یہ کہہ سکوں کہ تمہارے لئے اپنے کشمیری بھائیوں کی جنگی امداد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی امید کے ساتھ میں نے جناب کے گرامی نامہ کو بھی پڑھا اور دو دن مسلسل اس پر غور کرتا رہا کہ شاید اس میں کوئی دلیل ایسی مل جائے جس کی بناء پر میں اپنی رائے سے رجوع کر سکوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جناب کے ارشادات سے بھی میرا اطمینان نہ ہو سکا۔ اب میں واضح طور پر پوری صورت جیسی کہ میں سمجھ رہا ہوں جناب کے ملاحظہ کے لئے نمبروار پیش کرتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ براہ کرم اس پر روشنی ڈال کر مجھے یا تو بتائیں کہ مسئلہ کی اصل صورت یہ نہیں ہے یا پھر یہی ارشاد فرمائیں کہ اس صورت میں فلاں دلیل سے جنگی امداد شرعاً جائز ہے:

- یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانان پاکستان کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصد مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ لہذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے وکالتاً طے ہوں گے اور ہم سب شرعاً واخلاقاً خدا اور خلق کے سامنے انہیں وفا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمائندگی کا منصب حاصل ہے ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کئے ہوئے معاہدات کی ذمہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے۔
- یہ بھی واقعہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی الگ مملکتوں کا قیام ایک ایسے سمجھوتے سے عمل میں آیا جو برطانوی حکومت سے توسط سے دونوں طرف کے نمائندوں نے قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد دونوں مملکتوں کے درمیان روز اول سے سفارتی تعلقات قائم ہیں اور لین دین، تجارت اور دوسرے امور کے متعلق تمام معاملات باہمی گفت وشنید سے طے ہوتے ہیں۔ انہی تعلقات کو میں معاہدانہ تعلقات سے تعبیر کرتا ہوں اور دونوں حکومتوں کے درمیاں معاہدانہ تعلقات میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ ان کے درمیان جنگ نہیں ہے خواہ عدم محاربہ کا صریح معاہدہ باہم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو پھر یہ بات اب سے تین ہی مہینے پہلے اپریل ۱۹۴۸ء کے میثاق کلکتہ[۲۶] میں صاف صاف واضح بھی کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس کی دفعہ نمبر ۱ ضمن نمبر ۴ میں دونوں حکومتوں کے درمیان طے ہوا ہے کہ وہ اپنے ملک کے اخبار نویسوں کو ایسی باتیں شائع کرنے سے روک دیں گی جن سے یہ بات نکلتی ہو کہ ایک مملکت دوسری مملکت کے خلاف اعلان جنگ کرے یا دونوں کے درمیان جنگ

ناگزیر ہو چکی ہے۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم مسالمت اور عدم محاربہ کا میثاق ضرور ہے؟

○ جوناگڑھ میں سمجھوتہ کی جو خلاف ورزی کی گئی ہے اور دوسری بدعہدیاں جن کا ارتکاب حکومت ہند نے کیا ہے ان کو پاکستان کی حکومت نے خود کبھی اس درجہ کی بدعہدی قرار نہیں دیا کہ اس کے بعد معاہدانہ تعلقات ختم ہو جاتے۔ ان تمام بدعہدیوں کے باوجود دونوں میں سفارتی تعلقات بھی رہے، لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی طے ہوتے رہے اور اپریل ۱۹۴۸ء میں میثاق کلکتہ پر ان واقعات کے بعد دستخط بھی ثبت کئے گئے۔ پھر ان معاہدانہ تعلقات کو برقرار رکھتے ہوئے تجارتی سمجھوتوں کے ذریعہ کوئلہ، شکر، کپڑا اور دوسری چیزیں جو ہندوستان سے آج تک لی جا رہی ہیں ان کو پاکستان کی آبادی قبول بھی کر رہی ہے۔ اب آپ یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدات توڑے جا چکے ہیں لہذا ہم اس کے خلاف جنگی کاروائی کے لئے آزاد ہیں۔ اس کی عہد شکنی کو تو ہماری قوم کے نمائندوں نے اور خود قوم نے بحیثیت مجموعی آج تک بھی قطع علائق کا ہم معنی قرار نہیں دیا ہے۔ اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اب اگر ہم عہد شکنی کے ان واقعات کو ''خیانت'' کی علامت قرار دے کر جنگی کاروائی کرنا چاہتے ہیں تو ''نبز علی سواء'' ضروری ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک فریق جب عہد توڑ دے تو دوسرا فریق اس عہد کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس صورت میں فانبذ الیھم علی سواء کا حکم نہیں ہے۔ اس کی صریح دلیل وہی ہے جو آپ نے نقل فرمائی ہے یعنی خزاعہ کے معاملہ میں قریش کی عہد شکنی پر نبی صلعم کا بلا اطلاع مکہ پر حملہ کر دینا، لیکن اگر فتح مکہ کا پورا واقعہ جناب کے پیش نظر ہے تو جناب یہ تسلیم کریں گے کہ فریق کے نقض عہد کی وجہ سے جب ہم اپنے آپ کو معاہدانہ تعلقات سے آزاد سمجھ لیں تو پھر یا تو ہمیں کھلی جنگی کاروائی کرنی چاہیے یا کم از کم قطع تعلق ضرور کرنا چاہیے۔ جناب کو یاد ہوگا کہ بنی خزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کے بعد جب قریش نے ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینے بھیجا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے سفارش سے صاف صاف انکار کر دیا تھا اور قریش پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اسلامی حکومت اب ان کے ساتھ معاہدانہ تعلقات کو ختم سمجھتی ہے۔ اس نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے جناب مجھے بتائیں کہ آخر اس طرز عمل کے لئے ہمارے

پاس کیا دلیل ہے کہ ایک طرف تو ہم فریق ثانی کی عہد شکنیوں کو حجت قرار دے کر اپنے آپ کو جنگی کاروائی کے لئے آزاد سمجھیں اور دوسری طرف ہمارے نمائندے اس کو برابر یقین دلاتے چلے جائیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان تعلقات برقرار ہیں اور ہم خود بھی تعلقات کی اس برقراری کے تجارتی فوائد کو قبول کرتے رہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اگر ہم استدلال کرتے ہیں تو ہمیں آپ کے پورے عمل کو دلیل بنانا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تو اختیار نہیں فرمایا تھا کہ خود تو قریش کے ساتھ مصالحانہ ربط وضبط رکھ کر سطح پر یہ نمائش کرتے رہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ نہیں ہے اور چپکے چپکے مسلمانوں کو یہ اشارہ کر دیں کہ جاؤ قریش کے خلاف جنگی کاروائیاں کرو کیونکہ وہ عہد توڑ چکے ہیں۔

○ جہاں تک مجھے علم ہے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ مسلمان من حیث القوم مسالمت کر لیں تو جب تک مسالمت برقرار رہے، وہ قوم مسلمانوں کے لئے ''مباح الدم والاموال'' نہیں ہوتی اور ظاہر بات ہے کہ جنگی کاروائی جان ومال کو مباح کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر میں یہی رائے رکھتا ہوں کہ ایک معاہد یا مسالم قوم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لینا ہمارے افراد کے لئے جائز نہیں ہے خواہ موجود زمانے کے بین الاقوامی قوانین اس کو جائز رکھتے ہوں۔ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں۔ بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہے کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے خلاف جنگ میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر آج کی حکومتیں ایسے انفرادی افعال پر کوئی معاندانہ کاروائی تو نہیں کرتیں مگر احتجاج ضرور کرتی ہیں اور یہ مطالبہ بھی کرتی ہیں کہ اپنے آدمیوں کو ہمارے خلاف جنگی کارروائیاں کرنے سے منع کرو۔ پس بین الاقوامی معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی۔ اس قانونی پوزیشن کو نگاہ میں رکھ کر آپ فتویٰ دیں کہ آیا عرف اس کے لئے کافی ہے کہ ہمارے افراد شرعاً اس قوم کے خون اور مال کو مباح کر لیں جس کے ساتھ ہماری قوم نے مسالمت کر رکھی ہے؟ میں دو دن تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا ہوں اور ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا ہے کہ یہ عرف اس اباحت کے لئے کافی ہے لیکن اگر آپ ذمہ دارانہ طریق پر تحقیق فرما کر یہ فتویٰ دیں گے تو میں آپ کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق کر دوں گا۔

جب تک آپ امور مذکورہ بالا میں مجھے مطمئن نہ فرمائیں، میں اپنی اسی رائے پر قائم ہوں کہ ہم کشمیر کے مسلمانوں کو دست کوئی جنگی مدد نہیں دے سکتے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ میرے نزدیک وہ مدد کے مستحق نہیں ہیں۔ حاشا و کلا میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں کہ ان کو بچانے کے لئے کچھ کیا جائے۔ لیکن میرے نزدیک اس کی صحیح شرعی صورت یہ ہے کہ حکومت پاکستان حکومت ہند سے معاہدانہ تعلقات ختم کر دے۔ پھر خواہ وہ کشمیر میں جنگی کاروائی کرے یا نہ کرے ہم اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آزاد ہو جائیں گے مگر جب تک ایسا نہیں ہوتا ہم آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو روپے کپڑے اور غلے سے مدد دے سکتے ہیں، وہ اسلحہ خریدنا چاہیں تو ہم وہ بھی ان کے ہاتھ بھیج سکتے ہیں۔ دوائیں اور مرہم پٹی کا سامان اور ڈاکٹر اور تیماردار بھیج سکتے ہیں لیکن خود لڑنے کے لئے وہاں نہیں جا سکتے۔ البتہ اس پابندی سے آزاد قبائل کے وہ لوگ آزاد ہیں جنہوں نے ابھی تک پاکستان کی شہریت قبول نہیں کی ہے۔

خاکسار (دستخط) ابوالاعلیٰ مودودی۔[۲۷]

مکتوب مولانا شبیر احمد عثمانی بنام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کراچی ۱۸ اگست ۱۹۴۸ء

کرم فرمائے محترم جناب مولانا مودودی صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ مورخہ یکم اگست کو ملا۔ مسٹر ظفر احمد انصاری بھی کل پہنچے۔ میں شدید انتظار کے بعد مایوسی کے قریب پہنچ چکا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ جہاد کشمیر کے بارے میں میرے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

○ ایک معاہدہ انڈیا یونین اور پاکستان میں ہوا کہ ایک حکومت دوسری حکومت کے مقابلہ میں جنگ نہیں کرے گی۔

○ اس معاہدے کے الفاظ کا مطلب وہی لیا جائے گا جو فریقین نے اس سے ارادہ کیا ہے اور جسے عرفاً فریقین اس قسم کے معاہدے سے سمجھ سکتے ہیں۔

○ اس زمانہ میں عرف عام یہی ہے اور یہی مطلب فریقین سمجھتے ہیں کہ کسی فریق کے افراد کی رضا کارانہ جنگ ایسے معاہدے کے تحت میں نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ افراد کی رضا کارانہ جنگ سے بھی ''اراقۃ دم'' اور ''اہلاک النفس واموال'' اسی طرح واقع ہوگا جیسے دو حکومتوں کی جنگ سے ہوتا ہے۔

اس بات کو جانتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ معاہدہ کا مقصد ''عصمت دماء واموال'' ہے، فریقین

کا اس چیز کو خارج از معاہدہ سمجھنا اس[۲۷] کی دلیل ہے کہ معاہدہ کو اس صورت حال پر متصور رہنا چاہیے جو حکومتوں کے درمیان من حیثیت الحکومت جنگ کرنے سے پیدا ہوتی ہے لہذا انڈین یونین اور پاکستان کے درمیان معاہدہ مذکور کو باقی مانتے ہوئے بھی پاکستان کے افراد کا جنگ کشمیر میں حصہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آیا انڈین یونین کے بار بار اور صریح نقض عہد کے بعد معاہدہ مذکورہ شرعاً باقی بھی رہا یا نہیں؟ اور اس صورت میں ''نبذ علی السواء'' کی ضرورت ہے یا نہیں؟

میں پورے وثوق سے یہ سمجھتا ہوں اور جناب کے حالیہ گرامی نامہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی ایسی صورت میں معاہدہ قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ معاہدہ کا تعلق فریقین سے ہے خالی ایک طرف سے معاہدہ کا تقوم ہو ہی نہیں سکتا۔ بنا بریں ''نبذ علی السواء'' کی ضرورت نہیں رہتی جیسا فتح مکہ کے قصہ میں ہوا۔ ہاں آپ کو خلجان یہ ہے کہ اگر پاکستان جوناگڑھ وغیرہ کے واقعات سے یہ سمجھ لیتا کہ ہمارا معاہدہ ختم ہو چکا ہے تو وہ اینڈم انڈیا کے ساتھ ایسے معاملات نہ کرتا رہتا جو عموماً دو متحارب قوموں میں نہیں ہوا کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ پاکستان کے ارباب حکومت نے اگر بعض معاملات میں غلط روش اختیار کر لی تو اس سے شرعی مسئلہ بدل نہیں جاتا اور نہ وہ ٹوٹا ہوا معاہدہ ان معاملات سے جڑ سکتا ہے جب تک از سر نو دوسرا معاہدہ نہ کیا جائے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انڈین یونین کے علانیہ نقض عہد کے بعد حکومت پاکستان کا ایسا معاہدہ کرنا اس کی کمزوری یا احکام اسلام سے بے خبری و لا پرواہی کا ثبوت ہے یا زیادہ سے زیادہ فریق ثانی کے صریح نقض عہد کے باوجود دھوکہ بازی، قول و فعل کے اختلاف اور تضاد بیانی کو دیکھتے ہوئے پاکستان کی جانب سے اسے ایک قسم کا ''جوابی مخادعہ''[۲۸] کہہ سکتے ہیں۔ یہ جوابی مخادعہ جائز ہے یا ناجائز، اس سے بحث نہیں۔ اسے خواہ کتنا ہی مذموم سمجھا جائے تاہم شرعی مسئلہ اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔ جو چیز شرعاً غلط ثابت ہو چکی وہ حکومت کے طرز عمل سے صحیح ثابت نہیں ہو جائے گی اور اب تو آپ نے اخبارات میں یہ بھی پڑھ لیا ہوگا کہ پاکستان نے کشمیر کمیشن کے سامنے اعتراف کر لیا ہے کہ اس کی فوجیں بے شک جنگ میں حصہ لے رہی ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ انڈیا کے عمل کے پیش نظر اپنے کو بھی معاہدہ کا پابند نہیں سمجھتا جو اصول شرع کے مطابق بالکل صحیح ہے۔

رہا میثاق کلکتہ سو وہ صرف اخبار نویسوں کو ایک ہدایت دینے کے متعلق ہے جس پر شاید انڈیا کے اخبارات کی طرف

سے ایک مرتبہ بھی عمل نہیں ہوا۔ خود انڈین یونین کے بڑے بڑے ذمہ دار برابر ایسی ایسی تقریریں کر رہے ہیں جو صریح اس معاہدے کے خلاف ہیں۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو لیا جائے تو پورا لینا چاہیے۔ بلاشبہ ایک مومن کی شان یہی ہونی چاہیے کہ حضور کے پورے اسوہ پر عمل اور تمام احکام اسلام کا پورا پابند ہو لیکن اگر جہل یا حماقت سے کسی نے اس میں کوتاہی کی تو وہ قابل ملامت تو ہوسکتا ہے پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے طرز عمل سے اسلام کا کوئی حکم بدل جائے گا یا اگر کوئی صحیح عمل کرے تو ہو بھی ضبط وہ جائے گا۔

بہر حال میں نے پہلے عریضہ میں جو کچھ عرض کیا تھا وہ اپنی علمی بضاعت کے موافق پورے غور و فکر کے بعد عرض کیا تھا۔ آپ کو مطمئن کر دینا میری قدرت سے باہر ہے۔ باقی آپ کی نیت پر مجھے آج تک کبھی بدگمانی نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آپ کے گرامی نامہ میں جو امور نمبر وار درج ہیں ان سب کا جواب مختصراً عریضہ میں آ گیا ہے۔ آپ سے خطاب کرتے ہوئے مزید تطویل کی ضرورت نہیں۔ واللہ الموفق لا رب غیرہ[۲۹]۔

ہاں ایک بات اب یاد آئی وہ جو آپ نے تجدید عہد کی غرض سے ابوسفیان کے آنے کا ذکر کیا ہے اس سے تو بداہۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض ایک فریق کے نقض عہد سے معاہدہ کا ختم ہو جانا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے کہ جس پر اس زمانہ کے مسلم اور کافر سب متفق تھے اور اندریں صورت ''نبذ علی السواء'' کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح پاکستان اور انڈین یونین کو بھی سمجھنا چاہیے تھا لیکن مغربیت کے زور امانت کے فقدان نے معاہدات کی کوئی قیمت باقی ہی نہیں رکھی جو ان سے متعلق مسائل کے سمجھنے پر کوئی دھیان دیا جائے۔ تاہم کوئی دھیان دے یا نہ دے مسئلہ اور حکم وہ رہے گا جو عہد رسالت کے مسلمان اور کافر سب بالاتفاق سمجھتے تھے۔

اسی سلسلہ میں غالباً یہ بھی یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان مکہ میں واپس پہنچے اور جو کچھ مدینہ میں گزری تھی اسے بیان کیا تو قریش نے کہا کہ یہ تو تم نے کچھ نہ کیا نہ جنگ کی صورت متعین ہوئی نہ صلح کی۔ ہم تو اس سے کچھ بھی نہ سمجھ پائے اب اس سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کا طرز عمل ایسا تھا جس سے ابوسفیان اور قریش ابہام میں مبتلا ہو گئے اور بات صاف نہیں کی گئی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(دستخط) شبیر احمد عثمانی ۱۹ اگست ۱۹۴۸ء۔[۳۰]

مکتوب دوم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بنام مولانا شبیر احمد عثمانی

لاہور ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم ومحترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عنایت نامہ مورخہ ۹ اگست کا جواب بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں اور اس کے لئے معافی خواہ ہوں۔

دراصل آپ کے عنایت نامہ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ مراسلت کچھ لاحاصل سی ہے۔ اسی بناء پر مجھے جواب دینے میں تامل تھا۔

○ آپ نے اپنے فقرات نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی نکتہ آپ کی توجہ سے بالکل محروم ہی رہ گیا جو میں نے اپنے پچھلے نیاز نامہ کے فقرہ نمبر ۵ میں پیش کیا تھا۔ حالانکہ اس معاملہ میں مدار بحث وہی تھا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل (یعنی معاہد قوم کے خلاف افراد کی رضا کارانہ جنگ) کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہیں کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر ذاتی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے افراد کے خلاف جنگ میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہ ہوگا۔ پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی۔ یہ اس عرف عام کی اصل حقیقت ہے جسے آپ حجت قرار دے کر اس رضا کارانہ جنگ کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اب یا تو آپ یہ فرمائیں کہ اس عرف کی یہ حقیقت ہے ہی نہیں یا پھر یہ فرمائیں کہ اس حقیقت کے باوجود یہ عرف شرعاً اس بات کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان خود اپنی قومی حکومت کے معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک معاہد قوم کے خلاف جنگ کرے۔ اگر پہلی صورت ہے تو میری غلطی مجھ پر واضح کر دی جائے، میں اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کروں گا۔ اگر دوسری بات ہے تو آپ اپنی ذمہ داری پر اس مسئلہ کی صراحت کرتے ہوئے فتویٰ دیں۔ میں اس کے مقابلے میں اپنی رائے واپس لے لوں گا۔

○ دوسری بحث نقضِ عہد سے متعلق ہے۔ اس معاملہ میں اصل مدار بحث یہ سوال ہے کہ اگر ایک فریق کی طرف سے نقضِ عہد ہو جانے کے بعد دوسرا فریق بار بار اس کے ساتھ مزید معاہدات کرتا رہا ہو اور اپنے طرزِ عمل سے برابر یہی ظاہر کرتا جائے کہ فریق اول کے ساتھ اس کا تعلق جنگ یا قطع علائق کا نہیں بلکہ صلح و مسالمت کا ہے تو کیا اس صورت سے فریق ثانی کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدانہ تعلق ٹوٹ چکا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اس نقضِ عہد کے بعد جو معاملات فریق ثانی نے فریق اول کے ساتھ کئے وہ ایک قسم کا جوابی مخادعہ ہیں اور یہ مخادعہ اس شرعی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کہ نقضِ عہد واقع ہو چکا اور اس کی بنا پر ہمیں وہ حقوق حاصل ہو گئے و شریعت ایک ناقض عہد قوم کے خلاف ہم کو دیتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ بعد کے معاہدات، سمجھوتے اور مواثیق سب کے سب محض لفظ ''مخادعہ'' کی لپیٹ میں کیسے آ جائیں گے۔ یہ تو درحقیقت تعلقات معاہدانہ کی تجدید ہے جس کے وقوع میں آتے ہی ناقض العہد قوم پھر سے معاہد ہو گئی۔

میرے نزدیک اس بحث میں اصل مسائل یہی دو ہیں۔ اس لئے میں اپنی گزارشات کو انہی تک محدود رکھتا ہوں۔ دوسرے ضمنی مباحث پر کلام کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر آپ ان دو مسائل سے تعرض کر کے کوئی صاف بات فرمائیں تو یہ بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ اس سے کیا حاصل کہ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی۔

خاکسار (دستخط) ابوالاعلیٰ

مکتوب سوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بنام مولانا شبیر احمد عثمانی

۵۔ اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور ۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب مدظلکم العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، امید ہے کہ میرا ۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کا عریضہ جناب کو مل چکا ہو گا۔ اس کے بعد دوسرے ہی روز پاکستان ٹائمز مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کا یہ بیان میری نظر سے گزرا کہ ''حکومت پاکستان نے سرکاری طور پر حدود کشمیر میں اپنی فوجوں کی موجودگی کا اقرار کیا ہے''۔ پھر ۸ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وہ مراسلات شائع ہوئی جو حکومت پاکستان اور کمیشن کے درمیان ہوئی تھی اور ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو مسٹر ظفر اللہ خان کا بیان شائع ہوا۔ لیکن میں نے اپنی رائے کے اظہار میں اس لئے تاخیر کی کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا اور میں ضروری سمجھتا تھا کہ اب اس

مسئلہ میں جو بھی قدم اٹھاؤں مجلس کے مشورے سے اٹھاؤں۔ چنانچہ کل اور آج مجلس میں اس مسئلہ پر پوری طرح غور و خوض کر لیا گیا اور جو بات طے ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

> ”حکومت پاکستان کے اس اقرار و اظہار اور حکومت ہند کے اس پر مطلع ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت شرعاً بالکل بدل چکی ہے۔ اب جو معاہدانہ تعلقات دونوں مملکتوں کے درمیان ہیں وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقہ میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا فریقین کی رضا مندی سے ہے، لہذا دونوں صورتوں میں اب اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے“۔

اس کے ساتھ جماعت نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اب وہ خود اس جنگ میں عملاً حصہ لے گی۔ جماعت اسلامی کا کام صرف مسئلہ بتانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے۔ کشمیر کی اہمیت سے ہم لوگ کبھی غافل نہ تھے بلکہ اس کو بچانا فرض سمجھتے تھے۔ لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ جس کام کے شرعاً درست ہونے میں ہم کو شک ہو اسے کسی دنیوی غرض و مصلحت کے لئے کر گزریں۔ اسی وجہ سے اب تک ہم عملاً اس فرض کی ادائیگی سے باز رہے اب الحمدللہ وہ چیز باقی نہیں رہی جو مانع تھی۔

آپ کو اطلاع اس غرض سے دے رہا ہوں کہ پچھلی بحث کو اب ختم سمجھیں نیز چونکہ اس سے پہلے کی مراسلت شائع ہو چکی ہے اس لئے میں اپنے اس عریضہ کو بھی بغرض اشاعت پریس میں دے رہا ہوں۔ میں جناب سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر اس بحث میں میری کوئی بات ناگوار ہو تو اسے معاف فرمائیں۔

خاکسار (دستخط) ابوالاعلیٰ مودودی۔[۳۱]

تجزیہ

۱۹۴۸ء میں ہونے والی جنگ کشمیر کے متعلق جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو یہ شک تھا کہ یہ جنگ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ کیونکہ پاکستان نے ہندوستان سے کئے گئے معاہدات کو ان کے منہ پر مارے بغیر یہ جنگ شروع کر رکھی ہے اس لئے یہ جنگ از روئے قرآن شرعی جہاد نہیں ہے۔ مولانا مودودی کے اس فتویٰ سے جہاد کشمیر کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے فوراً فتویٰ جاری کیا کہ جنگ کشمیر عین شرعی جہاد ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ عثمانی نے مولانا مودودی سے خط و کتابت بھی کی اور یہ موقف اختیار فرمایا کہ ہندوستان کی حکومت اپنے معاہدات کو جونا گڑھ وغیرہ میں خود توڑ چکی ہے اور پاکستان اور

مسلمانوں کو مٹانے پر تلی ہے لہٰذا پاکستان کے لیئے معاہدات کے ختم کرنے کا اعلان کرنا ضروری نہیں ہے۔ علامہ عثمانی کے اس جواب سے مولانا مودودی کی تسلی نہیں ہوتی۔ اپنے دوسرے مراسلہ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۴۸ء میں علامہ عثمانی نے مولانا مودودی کو یہ اطلاع بھی دی کہ "پاکستان نے کشمیر کمیشن کے سامنے اعتراف کرلیا ہے کہ اس کی فوجیں بے شک جنگ میں حصہ لے رہی ہیں"۔ اب مولانا مودودی کو اپنا فتویٰ واپس لینا چاہیے تھا لیکن وہ پھر بھی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ آخر یہ مسئلہ ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا اور بڑے غور وخوض کے بعد مولانا مودودی نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کیا اور جنگ کشمیر کو جہاد اسلامی قرار دیا۔ اس طرح علامہ عثمانی کے فقہی دلائل اور حقائق وشواہد کی روشنی میں مولانا مودودی کو قائل ہونا پڑا کہ جنگ کشمیر عین جہاد اسلامی ہے۔

تائیدات فتوائے علامہ عثمانی:

علامہ عثمانی کے اس فتوے پر ممالک عربیہ کے علماء نے شدومد سے تائید کیں، جن میں سعودی عرب، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، فلسطین، مراکش، الجزائر، سوڈان، مسقط، عراق، نجد اور اردن کے علماء قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے تمام علماء نے علامہ عثمانی کی تائید میں فتوے دیئے۔ ذیل میں ہم نوائے وقت مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۴۸ء سے ایک فتویٰ درج کرتے ہیں۔ جس میں مولانا احمد علی صاحب لاہوری[۳۲]۔ بانی انجمن "خدام الدین" کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

کشمیر کی جنگ جہاد ہے اور اس میں حصہ لینے والے قوم کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں علمائے کرام کا فتویٰ

حال ہی میں بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے اپنی سطحی فہم کی بناپر جہاد کشمیر کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی بناء پر عوام میں ایک قسم کی بے چینی اور اضطراب پیدا ہونے کا خفیف سا امکان ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علمائے حق کی دوربین اور حقیقت شناس نگاہوں نے فساد کے اس ابلنے اور پھوٹنے والے چشمے کو بروقت بند کردیا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں کشمیر کی جنگ کو جہاد اور اس جنگ میں حصہ لینے والوں کو مجاہدین اسلام ثابت کرکے قوم وملت کی بڑی خدمت انجام دی۔ ان علماء کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

- ○ مولانا سید میرک شاہ صاحب اندابی صدر جمعیۃ العلماء انصار المجاہدین۔ لاہور
- ○ مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن "خدام الدین" شیرانوالہ گیٹ۔ لاہور

- ○ مولانا محمد حسن صاحب مہتمم، جامعہ اشرفیہ۔ لاہور
- ○ مولانا نورالحسن صاحب، مہتمم، تنظیم اہل سنت۔ لاہور
- ○ مولانا سید محمد احمد صاحب، خطیب، مسجد وزیر خان۔ لاہور

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ کشمیر کی جنگ شرعی جہاد ہے یا نہیں؟ بعض لوگ شبہ ڈالتے ہیں، تحقیق فرما کر ممنون فرمایا جائے؟

جواب: جہاد اصطلاع شرعی میں وہ جنگ ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور فتنہ کفر کے استیصال یا مظلوم مسلمانوں کو پنجہ کفار سے رہائی دلانے کے لئے لڑی جائے۔ قرآن کریم کے ارشادات اس بارے میں کھلے ہیں۔

كما قال الله تعالىٰ وقتلوهم حتىٰ لاتكون فتنة ويكون الدين لله۔

یعنی کفار کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ اسی طرح فرمایا۔

وما لكم لا تقاتلون فى سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والوالدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا۔

یعنی تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرو کمزوروں کی طرف سے (بھی لڑنا ضروری ہے تا کہ وہ کفار کے پنجہ ستم سے رہائی پائیں) جن بے چاروں میں کچھ مرد ہیں، کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں۔ جو کفار سے تنگ اور پریشان ہو کر دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیج دے۔

کشمیر کی موجودہ جنگ میں آیت مذکورہ کا پورا نقشہ موجود ہے۔ وہاں کے کمزور مسلمان مرد، عورتیں اور بچے کفار سے عاجز ہو کر فریاد کر رہے ہیں۔ ان کی رہائی اور اسلام کے اعزاز اور فتنہ کفر کے استیصال کے لئے باقاعدہ امارت کے ماتحت ایک باقاعدہ اسلامی فوج جنگ کر رہی ہے۔ الہذا اس کے جہاد شرعی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

الجواب صحيح   هذا هو الحق والحق احق۔   والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

۱۔ مختار اللہ (المدعو) میرک شاہ عفاء اللہ عنہ

۲۔ احقر الانام احمد علی عفی عنہ، شیرانوالہ گیٹ، لاہور

۳۔ محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور

۴۔ جواب صحیح ہے ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۵۔ جواب صحیح ہے۔ سید نورالحسن بخاری۔[۳۳]

الغرض شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بڑے ردوکد اور بحث و مباحثہ کے بعد آخر کار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو قائل کر لیا کہ جنگ کشمیر دراصل شرعی جہاد ہے اور مجاہدین کشمیر پاکستان اور اسلام کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اس طرح مولانا مودودی کے فتویٰ سے جہاد کشمیر، پاکستان اور عالم اسلام کو عظیم نقصان پہنچنے کا جو احتمال پیدا ہو گیا تھا، علامہ عثمانی کے فتویٰ نے اس نقصان کو بڑی حد تک کم یا ختم کر دیا اس طرح علامہ عثمانی ارض پاک ''مدینتہ الثانی'' کی شہ رگ کشمیر جنت نظیر کی جنگ کو شرعی جہاد قرار دے کر ملک و ملت کی بہت بڑی خدمت کی اور اسے ایک نقصان عظیم سے بچا لیا جہاد کشمیر اب بھی جاری ہے۔ مجاہدین کشمیر عظیم قربانیاں پیش کر کے تاریخ کے نئے ابواب رقم کر رہے ہیں۔ فتح انشاء اللہ حق کی ہو گی اور مقبوضہ کشمیر بفضل خدا ضرور آزاد ہو گا۔

قائداعظم کی نماز جنازہ

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ :

> ''میری نعش علامہ عثمانی کے سپرد کر دی جائے وہی تجہیز و تکفین کریں گے۔ جناب لیاقت علی خان نے وصیت علامہ کو دکھائی چنانچہ علامہ نے وصیت کو عملی جامہ پہنایا۔ جنازہ پر تقریر فرمائی۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ایک وصیت یہ تھی کہ زعماء حکومت اہم معاملات میں علامہ عثمانی سے مشورہ کیا کریں''[۳۴]۔

اس سے بہت عرصہ قبل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی پیش گوئی کر چکے تھے کہ ''دو عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی) میں سے ایک قائداعظم کی اور دوسرے میری (مولانا اشرف علی تھانوی) نماز جنازہ پڑھائیں گے''۔ جو حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

منشی عبدالرحمٰن مولانا ظفر احمد عثمانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا اشرف علی تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ :

> ''میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں۔ مگر آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے گویا کہ میدان حشر سا معلوم ہو رہا ہے۔ اس مجمع میں اولیا علماء صلحا کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح بھی اسی مجمع کے ساتھ عربی لباس پہنے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اس مجمع میں کیسے شامل ہو گئے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی جناح آج کل اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں اسی واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے''[۳۵]۔

قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ۱۱-۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب دس بج کر پچیس منٹ پر گورنمنٹ ہاؤس کراچی میں حرکت قلب بند ہونے سے ہوا۔ آپ کی وفات سے تمام ملک غم والم میں ڈوب گیا۔ ریڈیو پاکستان نے آپ کی وفات کا پر درد آواز میں اعلان کیا اور چالیس روز تک مسلسل قرآن خوانی کی۔ لوگ یہ مانتے ہی نہ تھے کہ قائداعظم کا انتقال ہو گیا ہے۔ شاید ہی کسی بڑے لیڈر کو یہ مقام حاصل ہوا ہو جو قائداعظم کو نصیب ہوا۔ قوم کا کوئی فرد ہوگا جس نے قرآن کریم پڑھ کر ان کی روح کو ثواب نہ پہنچایا ہو۔

قائداعظم جیسی ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ بقول اقبال :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا! ۔[۳۶]

قائداعظم ۷۱ سال ۸ ماہ اور ۱۶ دن اس دنیائے فانی میں رہے اور اپنی زندگی کامیاب گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد شاید انہیں ایک دفعہ زکام، نزلہ، کھانسی کی شکایت ہوئی تھی۔ اس وقت سے ان کے پھیپھڑے متاثر تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ان پر کام کا بے حد بوجھ پڑا اور ان کا جسم تحلیل ہو گیا۔ اس لئے وہ زیارت میں جسم و روح کو آرام دینے کے لئے چلے گئے۔ مگر وہ محسوس کر رہے تھے کہ اب زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے کو ہے۔ یہ سوچ کر آپ زیارت سے کراچی واپس آ گئے۔ سفر نے اور نڈھال کر دیا اور ہمارے قائد ۱۱ ستمبر کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات سے پاکستان میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ لوگ سکتے کے عالم میں تھے اور ان کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ قائد اعظم وفات پا گئے۔ پورے اعزاز کے ساتھ ان کا جنازہ مدفن تک لے جایا گیا۔ ۶ لاکھ مسلمانون نے نہایت نظم وضبط کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی اور ان کی اقتدا میں پانچ سو صفیں تھیں۔ نماز جنازہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کو شام پانچ بجے شروع ہوئی اور پانچ منٹ جاری رہی۔ نماز جنازہ ختم ہونے پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے تقریباً ایک گھنٹہ تک موثر اور دردانگیز تقریر کی جس میں انہوں نے قوم کے مردہ دلوں کو سنبھالا اور اپنے غمگین بھائیوں کو صبر کی تلقین کی۔ آپ نے قائداعظم کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا :

”قائداعظم کی جدائی سے پاکستان ہی کو نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کو نقصان پہنچا ہے۔ آپ نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور ان پر آپ کی حکومت تھی۔ ایک مدبر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح اعلیٰ تر اور ناقابل موازنہ حیثیت کا انسان تھا۔ آپ کو دنیا کا کوئی بھی انسان نہ تو خرید سکتا تھا اور نہ ہی کسی قانونی یا آئینی مسئلے پر بے وقوف بنا سکتا تھا۔

قائداعظم ایک غریب اور بے علم قوم کا رہنما تھا اور تمام دنیوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اپنی قوم کے پامال لوگوں کی بہتری کے لئے شب و روز مصروف خدمت رہتا تھا۔ اس نے عہد اورنگ زیب کی اسلامی شوکت کی یاد تازہ کر دی تھی اور اس سرزمین کے مسلمان ان تمام خدمات کے عوض جو آپ نے مسلم قوم کے لئے انجام دی تھیں آپ کے ہمیشہ خدمت گزار رہیں گے۔

قائداعظم مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ انشاءاللہ وہ دن قریب ہے جب کراچی اسلامی ممالک کا مرکز ہوگا۔ کراچی سے انقرہ تک، کراچی سے مراکش تک اور کراچی سے لے کر چین تک مسلمانوں کا ایک مضبوط بلاک بنایا جائے گا جس کی قیادت کے فرائض انشاءاللہ تعالیٰ پاکستان ادا کریگا۔

وہ نحیف انسان تھا لیکن وہ پہاڑوں سے ٹکرانے کی قوت رکھتا تھا۔ جب پہلے پہلے انہوں نے پاکستان کا تخیل پیش کیا تو ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ یقین رکھتا ہو کہ پاکستان کبھی حقیقت بن سکے گا۔ لیکن اس مرد مجاہد کے استقلال، عزم، ایثار، سیاسی ذہانت اور تدبر نے خدا کے فضل و کرم سے ایک ناممکن امر کو ممکن بنا کر دکھا دیا۔

پاکستان بنا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا مولانا پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوریہ ہوگا جس میں ہر شخص کو ابھرنے اور ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوں گے۔ شریعت کا بول بالا ہوگا۔

یہی ان کی خواہش تھی، یہی ان کی تمنا تھی۔ ان کی اس آخری خواہش کو عملی جامہ پہنانا اب ہم میں سے ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ آؤ ہم خدا کے حضور میں سر نیاز جھکا کر اس امر کا عہد کریں کہ ہم پاکستان کی ترقی، استحکام، سربلندی اور ظفرمندی کے لئے قائداعظم کے نقش قدم پر چل کر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔

قائداعظم محمد علی جناح ہم میں موجود نہیں ہوں گے لیکن ان کی روح ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتی رہے گی۔ آپ کی ہدایات اور آپ کا جذبہ پاکستانی عوام کے دل و دماغ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پاکستان کو پائندہ اور تابندہ رکھے اور پاکستانی قوم کو ان کی اس امانت کی صحیح طور پر حفاظت اور ترقی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ ہم مملکت پاکستان کے وفادار بن کر رہیں گے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے اور اس مملکت خداداد کو جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا ہے یعنی اس میں قانون خداوندی کا ہم نفاذ کر کے چھوڑیں گے اور اس کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے''[۳۷]۔

روزنامہ ''ڈان'' اور جمیل الدین احمد کے مطابق شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائداعظم محمد علی جناح

کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا :

"ہمارے محبوب رہنما قائداعظم محمد علی جناح وفات پا چکے ہیں، لیکن پاکستانی قوم زندہ و پائندہ ہے اور انشاء اللہ وقار اور شان و شوکت کے ساتھ زندہ رہے گی۔ جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور لوگوں پر رنج والم کی وجہ سے سکتہ طاری تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کو بتایا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف خدا کے رسول تھے اور انہوں نے وفات پائی لیکن ان کا پیغام و تعلیمات (قرآن) زندہ ہے۔ مسلم قوم اپنی حقیقی عظمت اور عزت و وقار کیلئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرتی ہے، انسان اور شخصیات پر اپنا انحصار نہیں کرتی۔ میں آپ کے مفاد کے لئے قائداعظم کی یہ نصیحت دہراتا ہوں کہ مسلم قوم کی آئندہ عظمت اور ترقی کا دارومدار "اتحاد" اور "تنظیم" پر ہے۔ میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ ہر پاکستانی میں جوش و جذبہ کا وہی ذوق و شوق پایا جاتا ہے جو کہ ازمنہ قدیم کے مسلمانوں نے اپنی عظیم سیاسی شان و شوکت کے زمانہ میں حاصل کیا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ نہ صرف افواج پاکستان بلکہ ایک عام شہری بھی غازی کی طرح زندہ رہنا اور شہید کی طرح مرنا پسند کرے گا۔

قائداعظم اب ہم میں نہیں ہیں۔ ان کی جدائی سے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کو بھی عظیم اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ وہ خداداد وصف کے مالک تھے اور قدرت کی طرف سے بنی نوع انسان کو ایسے عطیات شاذ و نادر ہی عطا ہوئے ہیں۔ ان کی پاکستان اور مسلم قوم کے لئے بے لوث خدمات ہر کوئی ہر زمانے میں یاد رکھے گا۔ ان کا ارادہ اور خواہش تھی کہ کراچی سے انقرہ تک اور پاکستان سے مراکش تک تمام مسلم ریاستوں کا ایک مضبوط بلاک بنایا جائے۔ وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو اسلام کے جھنڈے تلے متحد دیکھنا چاہتے تھے تاکہ دشمنوں کے ناپاک منصوبوں اور جارحیت کا مقابلہ کیا جاسکے۔ یہ مسلم قوم کے لئے آزمائش کی گھڑی ہے۔ وہ جو اس (مشکل وقت) کا بہادری اور تدبر سے مقابلہ کریں گے، برتر اور غالب ثابت ہوں گے۔ جب پاکستان ایک سال پہلے وجود میں آیا تو میں حیران تھا کہ مسلم قوم اس کاغذی (دستاویزی) پاکستان سے کیسے نبرد آزما ہوگی جبکہ ایک طاقتور اور ضدی دشمن اس نئی اسلامی ریاست کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا تھا۔ یہ صرف قائداعظم کا عزم، حوصلہ اور تدبر ہی تھا جس نے حالات کا رخ تبدیل کر کے رکھ دیا اور اس تھکی ماندہ اور منتشر قوم کو ایک ایسی مضبوط اور خوشحال قوم میں بدل دیا جو کہ اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑی ہے اور جو مستقبل کو اعتماد اور اشتیاق سے دیکھ رہی ہے"[۳۸]۔

علامہ عثمانی کے خطاب کے بعد قائداعظم کی میت کو بحری فوج کے سپاہیوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور توپ گاڑی پر رکھ دیا جسے وزیراعظم پاکستان قائد ملت لیاقت علی خان اور دوسرے وزراء نے کھینچ کر چھ بج کر بیس منٹ پر

پاکستان کی اس متاع عزیز کو پورے قائدانہ احترام کے ساتھ اسی زمین میں سپرد خاک کر دیا جہاں ان کی ۷۲ سال پہلے ولادت ہوئی تھی۔ اس موقع پر پاکستان کے ٹمسٹ طیاروں نے پھول برسائے۔ قائداعظم کی میت کو سپرد خاک کرنے کے بعد چھ لاکھ کا مجمع مضطرب، مایوس اور دل گرفتہ انداز میں اپنے اپنے مسکنوں کی جانب روانہ ہو گیا۔

قائداعظم اس صدی کے بڑے آدمی تھے۔ ایک بار بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو کی بہن مسز وجے لکشمی نے کہا تھا ''اگر مسلم لیگ میں ایک سو گاندھی اور دو سو آزاد ہوتے اور ان کے مقابلے پر کانگرس میں صرف ایک جناح ہوتا تو ملک کبھی تقسیم نہ ہوتا''[۳۹]۔

قائداعظم کی وفات کے اگلے دن لندن کے روزنامہ ''نیوز کرانیکل'' نے جو نوٹ لکھا وہ ان کی شخصیت اور عزم و ارادے پر ایک بلیغ خراج تحسین تھا۔ اخبار نے لکھا تھا:

> ''موت پہلی طاقت ہے، جس سے مسٹر جناح نے شکست قبول کی''۔

قائداعظم بحیثیت سربراہ مملکت کے مصنف کلیم نشتر نے اس موقع پر شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے جو زبردست تاریخی الفاظ نقل کئے، وہ یہ ہیں:

> ''برصغیر میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اتنا بڑا مسلمان پیدا نہیں ہوا، جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ افراد کی مایوسیوں کو کامرانیوں میں بدل دیا''[۴۰]۔

تحریک پاکستان کے نامور طالب علم رہنما حکیم آفتاب احمد قریشی کے مطابق علامہ عثمانی نے نماز جنازہ کے بعد تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے قائداعظم جیسا آہنی عزم کا انسان پیدا نہیں کیا''[۴۱]۔

علامہ بطور ممبر دستور ساز اسمبلی

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان اور اسلام کے سپاہی تھے۔ آپ اور آپ کے رفقاء کی زندگیوں کا مقصد اسلام کی سربلندی تھا۔ وہ پاکستان کو ایک ایسی اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے تھے جس میں قرآن اور سنت کی حکمرانی ہو۔ ان کی تحریک پاکستان میں شمولیت، مسلم لیگ، قائداعظم اور پاکستان کی تائید وحمایت، جمعیۃ علماء ہند سے علیحدگی، جمعیۃ علماء اسلام کا قیام، انگریز اور ہندو سے نفرت، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور جمعیۃ علماء ہند اور ہندو کانگرس کی مخالفت کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا پاکستان کا قیام اور اس میں شریعت محمدی ﷺ کا احیاء۔ یہ مقصد اس ملک میں جہاں عنان اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہو، بالکل حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

علامہ عثمانی اوران کے رفقاء نے پاکستان میں شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ کے سلسلے میں قائداعظم سے وعدے و عید کررکھے تھے۔ بہت سے موقعوں پر قائداعظم نے ان کو اور قوم کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا نظام حیات اسلامی ہو گا۔ چنانچہ صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کے موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے ایک بار پھر قائد اعظم سے اس وعدے کی تجدید چاہی۔ علامہ عثمانی نے قائداعظم کو یاد دلایا کہ :

''ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدے کے مطابق پاکستان کا نظام وقانون اسلامی ہوگا۔ اسی وعدے کی میں پھر تجدید چاہتا ہوں۔ اس پر قائداعظم نے نہایت واضح الفاظ میں جواب دیا کہ مولانا یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا اور آپ صاحبان ہیں اس مسئلے کو طے کریں گے''[۴۲]۔

قائداعظم نے مزید فرمایا کہ :

''آپ بخوشی اپنی تحریر وتقریر میں میرے حوالے سے اس کا اعلان کرتے رہیں اور ان کو پورا اطمینان دلائیں کہ میں نے قوم سے کبھی غداری نہیں کی۔ جو میں نے پہلے بار بار کہا ہے، وہ میں آج بھی کہتا ہوں کہ پاکستان کا نظام حیات اسلامی ہوگا اور اس کا دستور کتاب وسنت کے موافق ہوگا''[۴۳]۔

خود قائداعظم نے ریفرنڈم کے موقع پر سرحدی مسلمانوں کے نام اپنے ایک پیغام میں فرمایا۔

''خان برادران نے یہ زہریلا پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نظرانداز کردے گی۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے''[۴۴]۔

مارچ ۱۹۴۸ء میں علامہ عثمانی کے ایک رفیق کار مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ ایک ملاقات میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ :

''باقی رہا نظام اسلام کا مسئلہ، تو آپ مطمئن رہیں۔ ذرا مجھے مہاجرین کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اصول اسلام کے موافق مرتب ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ایک لارڈ بشپ ہوگا۔ اس کا ترجمہ آپ کیا کریں گے؟ میں نے کہا ''شیخ الاسلام'' کہنے لگے ہاں! ایک شیخ الاسلام ہوگا جو حکومت پاکستان کو کنٹرول کرتا رہے گا کہ کوئی دستور اور کوئی قانون خلاف اسلام پاس نہ ہوسکے''[۴۵]۔

قائداعظم نے پیر آف مانکی شریف کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ پاکستان مین اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔

مارچ ۱۹۴۸ء ہی میں جمعیۃ علماء اسلام کے ایک وفد نے مولانا ظفر احمد عثمانی کی سربراہی میں قائداعظم سے ملاقات کی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے قائداعظم سے استفسار کیا کہ:

''آپ نے حصول پاکستان سے پہلے فرمایا تھا کہ دستور پاکستان کتاب وسنت کے موافق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے۔ کیونکہ ہم نے قوم سے یہی وعدہ کیا تھا اور اب لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ وہ اسلامی نظام حیات کہاں ہے؟''

قائداعظم نے وفد کو یقین دلایا کہ

''یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ میں نے قوم سے کبھی دھوکہ نہیں کیا۔ آپ کی حکومت اسلامی حکومت ہے۔ اس کا دستور اسلام کے اصول پر نہ ہوگا تو اور کس اصول پر ہوگا؟ اور انشاء اللہ جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اسمبلی کے اندر موجود ہیں ان کی رہنمائی میں کام ہو رہا ہے۔ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے۔ اب زیادہ دیر نہ ہوگی''[۴۶]۔

اس تمام بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا اور قائداعظم اپنے اس وعدے پر قائم تھے لیکن مہاجرین اور بعض دوسرے مسائل کی وجہ سے نفاذ اسلام کے کام میں تاخیر ہو رہی تھی۔

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی سلہٹ (مشرقی بنگال) کے ایک مسلم حلقہ سے مرکزی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ اسی حیثیت سے آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے بھی ممبر بنے[۴۷]۔

۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو علامہ عثمانی نے چیئرمین دستور ساز اسمبلی کے سامنے اپنی ممبری کی دستاویز پیش کیں اور رجسٹر میں اپنے دستخط ثبت کیے[۴۸]۔

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کی بطور صدر دستوریہ، الیکشن میں تجویز اور تائید میں حصہ لیا[۴۹]۔

۲۳ فروری ۱۹۴۸ء کو علامہ عثمانی نے قائداعظم کی زیر صدارت دستور ساز اسمبلی (مقننہ) کے پہلے دن اور پہلے اجلاس کی کاروائی کا افتتاح قرآن مجید کی آیات کی تلاوت سے کیا[۵۰]۔ اس کا احوال ہم پہلے ہی درج کر چکے ہیں۔

مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو آپ نے دستور ساز اسمبلی میں فیڈریشن آف پاکستان کی وفاداری کا حلف اٹھایا[51]۔

۱۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو آپ نے بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کی وفات حسرت آیات پر

دستور ساز اسمبلی میں قرار دادِ تعزیت کی حمایت کی اور اپنی ولولہ انگیز تقریر میں بابائے قوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ موضوع کی مناسبت سے یہاں علامہ شبیر احمد عثمانی تقریر کا پورا متن درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا :

> “جناب صدر! میں قائداعظم محمد علی جناح کی وفات حسرت آیات پر قرار دادِ تعزیت کی حمایت کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی میں اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ملنے پر اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرتا ہوں۔ میرے خیال میں قائداعظم کی المناک وفات ہمارے لئے کوئٹہ یا بہار کے زلزلہ سے بڑا اور شدید جھٹکا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے قائداعظم کی تعمیر کردہ اس عظیم یادگار کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ آپ نے پاکستان کی بنیادوں کو بہت مضبوط اور گہرا رکھا تھا۔ اگرچہ آپ کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے پاکستان کی بقاوسالمیت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا اور خیال کرتے تھے کہ قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان کا چلنا دشوار ہو جائے گا۔ تاہم یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ان کے شکوک وشبہات اور خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے اور یہ ظاہر ہوگیا کہ قائداعظم اصولوں سے محبت کرنے والے انسان تھے اور یہ کہ انہوں نے پاکستان کی بنیادوں کو بہت ہی مضبوط اصولوں پر استوار کیا تھا۔ ایوان کے معزز ممبر صاحبان بالخصوص جنہوں نے ان کے ساتھ سالہا سال تک اکٹھے کام کیا ہے ان کی ظاہری خداداد قابلیتوں اور باطنی صلاحیتوں کے بارے میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور مجھے یہ کہنا چاہیے کہ اب ان کی وفات حسرت آیات کے بعد کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو ان کے کارناموں اور خدمات سے اچھی طرح آگاہ نہ ہو۔

دنیا میں ایسے خوش قسمت افراد بہت کم ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں ہی سیاسی انقلاب کے میدان میں اپنی محنت کا پھل کھا سکیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ صرف انقلابی تحریک کے بانیوں کو اپنی کاوشوں کے نتیجہ خیز ہونے سے پہلے ہی اپنی تحریک کو خدا کے سپرد کر کے اس دنیا کو خیرباد کہنا پڑتا ہے بلکہ ان کے بعد والی نسلوں کو بھی کامیابی کے تاج کے بغیر گزرنا پڑتا ہے۔ وہ اتنے خوش قسمت نہیں ہوتے کہ اپنی زندگی میں اپنی کاوشوں کا پھل چکھ سکیں یا دوسروں کو چکھتا ہوا دیکھ سکیں۔ قادر مطلق کا لاکھ لاکھ فضل وکرم ہے کہ اس نے مرحوم قائداعظم کو کامیابی سے نوازا اور وہ اپنی زندگی ہی میں پاکستان کو مضبوط اور کامیاب دیکھنے کے لائق ہوئے۔ تاریخ میں ایسے خوش نصیب انسانوں کی مثالیں شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔

آج ہمارا پاکستان دنیا کی بڑی ریاستوں میں سے ایک ہے۔ پاکستان دنیا کی عظیم ترین ریاستوں میں سے پانچویں نمبر پر اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے، جسے مرحوم قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے لوگوں کی تائید

وحمایت حاصل کرنے کے بعد، اپنی سیاسی مہارت اور تدبر سے، اپنے آہنی عزم، جرات، استقلال، آئینی اور ذہنی کوششوں سے حاصل کیا۔

لوگ عام طور پر اپنے رہنماؤں کی یادگاریں وفات کے بعد قائم کرتے ہیں۔ لیکن قائداعظم کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔ انہوں نے خود اپنے دست مبارک سے پاکستان کی شکل وصورت میں ایک عظیم الشان یادگار کی بنیاد رکھ دی ہے۔ یہ یادگار انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم ودائم رہے گی۔ لوگ، بالخصوص مسلمان، ان کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ میں خاص طور پر جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم عام طور پر اپنے ذہن میں کچھ مخصوص اغراض ومقاصد رکھ کر ایک تحریک شروع کرتے ہیں اور کامیابی کے حصول سے پہلے ہمیں بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں تو ہم اپنی جدوجہد کے اصل اغراض ومقاصد کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اغراض ومقاصد جن کے لئے قائداعظم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے عوام کے تعاون سے پاکستان حاصل کیا، سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ان اغراض ومقاصد کا ہم سب کو اچھی طرح علم ہے۔ تحریک پاکستان نعروں اور صرف نعروں ہی سے شروع ہوئی تھی۔ ہر جگہ پر جوش نعرے لگائے اور اٹھائے گئے۔ وجہ اس کی صرف یہ تھی کہ آل انڈیا نیشنل کانگرس نے اعلان کیا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ اس کے جواب میں مرحوم قائداعظم نے اپنی آواز بلند کی اور اعلان کیا کہ نہیں ہندوستان میں ایک تیسرا فریق یعنی آل انڈیا مسلم لیگ بھی موجود ہے۔ اس وقت یہ عین ممکن تھا کہ ہمیں ان طاقتوں میں سے کسی ایک میں مدغم کرلیا جاتا۔ قائداعظم کے یہ بے مثل کارنامہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم تسلیم کروالیا۔ اس قوم کو ایک علیحدہ وطن اور مرکز کی ضرورت ہے، جہاں یہ اپنی تہذیب، تمدن اور مذہبی روایات کو فروغ دے سکیں اور ایسی بردباری، فیاضی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرسکیں کہ کسی بھی اقلیت کو یہ شبہ تک نہ ہو کہ کوئی غیر ان پر حکومت کررہا ہے۔ ایک طرف تو آپ نے یہ ثابت کردکھایا کہ مسلمان تیسری بڑی پارٹی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف آپ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد خود مختار اور عظیم وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، جہاں خدا کا شکر ہے کہ اقلیتی فرقہ کے افراد اتنے ہی مطمئن ہیں جتنا کہ اکثریتی گروہ کے افراد، جن کے لئے یہ ریاست حاصل کی گئی تھی۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان کی اقلیتوں کو دوسرے ملکوں کی اقلیتوں کے مقابلہ میں بالکل کوئی پریشانی نہیں ہے۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو رواداری و بردباری کے جذبہ کے لئے بالخصوص اس حد تک نصیحت کی کہ اب وہ خلوص سے اس بات کے حصول کی کوشش کررہے تیں کہ پاکستان میں رہنے والی ہر اقلیت کا فرد ویسی ہی طمانیت اور ذہنی سکون محسوس کرے جیسی کہ اکثریتی گروہ کے

افراد محسوس کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ قائداعظم کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور انشاءاللہ ہم تمام آپ کے طے کردہ اس عظیم الشان راستے کی پیروی کریں گے۔ آپ کی وفات کے بعد ہمیں اس ریاست کو قائداعظم کے قائم کردہ ان خطوط پر چلانا اور ترقی دینا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے جانشین، ساتھی اور دوست سب متحد اور ایک ہیں۔ یہ عظیم رہنما ہر قسم کے حالات و واقعات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہمارے محبوب رہنما قائداعظم کی رحلت بے شک ہمارے لئے ایک بہت بڑی مصیبت تھی اور ہمیں اس کا بے حد وحساب غم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی تھا کہ ہم اس مصیبت سے بحفاظت نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ہم نے اس کا بہادری اور جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے۔ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ مستقبل میں بھی مملکت پاکستان ہمارے لئے عظیم مفادات کا سرچشمہ ہو گی۔

دنیا کی بہت سی طاقتوں میں آج کل سرد جنگ جاری ہے اور دنیا کا مستقبل بہت ہیبت ناک اور دھندلا نظر آ رہا ہے۔ فی الحال مختلف نظریات اور اصولوں میں تصادم ہو رہا ہے جن کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کو ہم دو قسم کے بڑے نظریات اور تحریکوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ یعنی کمیونزم ایک طرف اور کیپٹلزم اور امپیریلزم دوسری طرف ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی ایک اور نظریہ اور تحریک ہے جسے ہم دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تیسرا اصول کمیونزم اور کیپٹلزم کے بین بین ہے۔ قائداعظم کی زبردست خواہش تھی کہ اس درمیانی راستہ کو اختیار کیا جائے جس کا حوالہ انہوں نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب کے موقع پر اپنی تقریر میں بھی دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کو بھولے نہیں ہوں گے۔ میرا ایمان ہے کہ ہمیں وہ درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے جو تنہا کمیونزم اور امپیریلزم کے دو انتہائی نظریوں کے درمیان توازن کا کام دیتا ہے۔ وہ صاحب اختیار لوگ جو پاکستان کے نظم ونسق کو چلانے کے ذمہ دار ہیں، ان کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اس درمیانی راستہ کو منظم اور اختیار کریں، جس سے قائداعظم عشق کی حد تک پیار کرتے تھے لیکن اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کر سکے۔

ہم پسماندگان خاص طور پر مس فاطمہ جناح[۵۲] اور آپ کے دوسرے عزیز واقارب کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ میں ان سے اور قوم سے اظہار تعزیت کرتا ہوں اور تعزیتی قرارداد کی حمایت کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ہمیشہ کی آسودگی عطا فرمائے‘‘[۵۳]۔

آپ کا یہ خطاب دراصل اردو زبان میں تھا جس کا بعد میں انگریزی ترجمہ کیا گیا اور ہم نے یہاں اس انگریزی متن کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔

الغرض شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بطور ممبر دستور ساز اسمبلی، اسمبلی کے اندر اور باہر نظام اسلام

کے نفاذ کے لئے زبردست کوششیں کیں۔ آپ کی ان کوششوں نیز زبردست عوامی تحریک کے نتیجہ میں قرارداد مقاصد جو آئین پاکستان کا دیباچہ ہے، منظور کر لی گئی۔ یہ آپ کا ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے جو آئین پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اردو پر احسان

انگریزی غیر ملکی زبان تھی اور دور غلامی کی علامت تھی۔ آپ قومی زبان، اردو کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ اس وقت انگریزی کو یک بارگی ختم کرنا ممکن نہ تھا لیکن آپ کا خیال تھا کہ انگریزی آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی اور اردو اس کی جگہ حاصل کرے گی۔ اس نظریہ کے پیش نظر آپ نے مطالبہ کیا کہ مجلس کی کارروائی دونوں زبانوں یعنی انگریزی اور اردو میں ہونی چاہیے۔ چنانچہ مجلس دستور ساز نے آپ کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے بعد تمام کارروائی انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی ہونے اور چھپنے لگی۔

اسی طرح آپ کے رفیق خاص مولانا ظفر احمد عثمانی نے اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنوانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی تھی جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔

علامہ عثمانی کے شاگرد خاص مولانا عبدالقدوس بہاری کے مطابق علامہ کا غلام محمد[۵۴] کے ساتھ اردو زبان کے سلسلہ میں جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ مولانا عبدالقدوس بہاری لکھتے ہیں کہ:

> ”اسمبلی میں اردو زبان میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں تھی، جس پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا۔ قائداعظم تک جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ”علامہ کو اردو میں تقریر کرنے کی اجازت ملنی چاہیے“۔ جس کے بعد اسمبلی میں ”علامہ عثمانی تشریف لائے اور انہوں نے اردو میں تقریر شروع کی تو غلام محمد نے ٹوک دیا۔ علامہ نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ ”بیٹھ جائیے۔ میرے منہ میں بھی زبان ہے“۔ جس کے بعد غلام محمد ان کی جان کا دشمن ہو گیا“[۵۵]۔

جس طرح شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی وفات حسرت آیات پر دستور ساز اسمبلی میں ان کی تاریخ ساز اور بے مثال خدمات و کارناموں پر ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا تھا، اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات پر قائد ملت وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان نے آپ کے عظیم کارناموں اور خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے دستور ساز اسمبلی میں آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ۲۲

دسمبر ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے قائد حزب اقتدار (لیڈر آف دی ہاؤس) وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان نے فرمایا :

’’جناب! مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات نہ صرف اس اسمبلی اور پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا علم کی دنیا میں بڑی عظمت وفضیلت رکھتے تھے اور اسلامی علوم کی معرفت میں وہ یکتا ولاثانی تھے۔ آپ کے علمی کام کو نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام میں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ ایک باعمل معلم، متقی وپرہیزگار شخص، متجر عالم اور بے لوث انسان تھے۔ آپ کو اسلام سے والہانہ عشق تھا اور آپ اس کی حقیقی قدر وقیمت اور اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تحریک پاکستان کی اس وقت تائید وحمایت کی جب کہ بعض دوسرے قابل ذکر علماء اس کی مخالفت کررہے تھے۔ اسلام کی ترقی اور پاکستان کی مضبوطی کو آپ لازم وملزوم تصور کرتے تھے۔ پس آپ کسی ایسی چیز کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے تھے جو مملکت پاکستان کو نقصان پہنچائے۔ اس سلسلے میں آپ تمام حقائق کو مدنظر رکھتے تھے۔ مولانا میں رواداری وبردباری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ہٹ دھرمی، نسلی تعصب اور تنگ نظری نے ان کی فطرت کو چھو کر بھی نہ دیکھا تھا۔ وقت کے تقاضوں پر وہ گہری نظر رکھتے تھے اور ان کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ وہ ان تمام حقائق وواقعات پر مسلسل نظر رکھتے، جن پر توجہ دینا اسلامی احکامات کی روشنی میں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ملک وقوم کی تعمیر وترقی کے کاموں میں ضروری ہو اور وہ اس کام کے ساتھ وابستہ مشکلات کو بھی بخوبی جانتے تھے۔

وہ سیاسی اور قانونی مسائل کی بھی بصیرت رکھتے تھے اور دستور کی تیاری اور قومی تعمیر کے کاموں میں ان کے مشورے انمول اور قیمتی ہوتے تھے۔ اس اہم موقع پر ان کے مشوروں سے محروم رہنا، درحقیقت (ملک وقوم کا) نقصان عظیم ہے۔

جناب! میں درخواست کرتا ہوں کہ پس ماندگان کو اس ایوان کی ہمدردی اور تعزیت پہنچادی جائے اور یہ اجلاس ان کی عظمت کے تقدس میں برخواست کردیا جائے آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے‘‘[۵۶]۔

دستور ساز اسمبلی کے قائد حزب اختلاف (لیڈر آف دی اپوزیشن) نے بھی علامہ عثمانی کی خدمات اور کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا اور ان کو خراج تحسین پیش کیا۔ لیڈر آف دی اپوزیشن کی درخواست پر ایوان کے تمام ممبران اپنی نشستوں پر کھڑے ہوگئے اور آپ کے احترام میں خاموش کھڑے رہے[۵۷]۔

دستور پاکستان کا خاکہ

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم اور مسلم لیگ، علماء اور مشائخ، طلباء اور عوام کی مخلصانہ جدوجہد سے وہ پاکستان جس کے متعلق گاندھی کا دعویٰ تھا کہ ہرگز نہیں بنے گا اور اگر بنا تو میری لاش پر بنے گا، حقیقت بن کر منصۂ شہود پر آ گیا۔ اور چونکہ اس کا سبب یہ نعرہ تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

قیام پاکستان کے ساتھ تحریک پاکستان ختم نہیں ہوئی بلکہ اصل تحریک کا صرف ایک مقصد پورا ہوا تھا یعنی ملک کی تقسیم اور آزاد و خود مختار پاکستان کا قیام۔ اس کا دوسرا مقصد یعنی اسلامی نظریہ کو عملاً نافذ کرنا ابھی باقی تھا اور اس وقت کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ یہی تھا کہ اسلامی شریعت کو ایک جدید ریاست میں کس طرح نافذ کیا جائے۔ پاکستان بننے کے بعد علماء کے سامنے بنیادی مسائل دو تھے :

○ نظریہ پاکستان کی تشریح و توضیح، اس کی حفاظت اور اس کے نفاذ کی جدوجہد جس کی پہلی منزل ایسے دستور کی تدوین تھی جو اسلام کے تقاضوں کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ معین ہو۔

○ ایسے عناصر کی از سر نو تنظیم جو ایجابی طور پر اسلامی احکام و اقدار کے نفاذ کا جذبہ رکھتے ہوں یا کم از کم ان کی مساعی میں یکجہتی اور ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ توافق و ہم آہنگی پیدا کرنا۔

مجلس علماء پاکستان

چونکہ پاکستان کی بنیاد اس مقدس کلمے کے اصول پر رکھی جا رہی تھی اس لئے جہاد پاکستان کے دوران ہی اللہ کے چند مخلص بندوں نے مذکورہ بالا نعرہ کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے لاہور میں ”مجلس العلماء پاکستان“ کے نام سے علماء کی ایک جماعت قائم کر دی تھی، جس کا پہلا کام یہ تھا کہ پاکستان قائم ہوتے ہی قومی حکومت سے تعاون کر کے علماء کی ایک ایسی مجلس قائم کرائے جو جدید آئین کی بنیادی شکل کے لئے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مجلس دستور ساز کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کرے۔ علامہ عثمانی اور ان کے رفقاء نے چونکہ مذکورہ بالا مقدس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں اس لئے وہ ہر اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار اور بے قرار تھے جو قائم ہونے والے پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن و سنت کو تسلیم کرانے کے لئے میدان میں نکلے۔

علامہ عثمانی نے اس مجلس کی رکنیت اور قیادت قبول کی اور علامہ نے مجلس العلماء پاکستان کے منتظمین کو مشورہ دیا کہ ہر مسلک کے علماء اور دانشمند ماہرین کو جو اس کام میں دلچسپی رکھتے ہوں دعوت دیں خواہ ان کا مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسلام کے اولین اساسی اصول میں ان کو کوئی اختلاف نہ ہو۔

میں جانتا ہوں کہ باوجود ہمارے ہزاروں اختلاف کے اس نقطہ مرکزی پر ہم سب مجتمع ہو سکتے ہیں کہ نوع انسانی کے دنیوی اور آخری مصائب کا واحد علاج اس نظام حکومت کے قیام سے متصور ہے جو قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے فطری اصول اور تاریخ عالم کے درخشاں ترین عہد حکومت کی بہترین روایات پر قائم ہو۔ لاہور میں قائم ہونے والی مجلس علماء کا منشاء بھی یہی ہے کہ بحث وتمحیص کے بعد سر دست چند جامع اور بنیادی اصول وحقائق ایسے چن لئے جائیں جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے اچھے اسلوب کے ساتھ پیش کئے جا سکیں۔

علامہ عثمانی مجلس العلماء لاہور کی رکنیت اور صدارت قبول کرنے کے بعد مجلس العلماء کے جنرل سیکرٹری شفیق صدیقی کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ گزشتہ الیکشن میں اکابر مسلم لیگ نے پاکستان میں اسلامی اور قرآنی نظام قائم کرنے کے متعلق جو اعلانات کئے تھے میں اپنی خاص وعام مجالس اور تحریر وتقریر میں ان کو دھراتا رہتا ہوں۔ ۹ جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقع پر ایک وفد کی معیت میں میری جو گفتگو اس معاملہ میں جناح صاحب سے ہوئی اس میں موصوف نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد کوئی کمیٹی علماء کی بنائی جائے گی جو مجوزہ دستور کی شرعی نقطہ نظر سے جانچ کرے گی۔ چونکہ اسلامی دستور کے لئے سعی کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میرا انتخاب بھی دستور ساز اسمبلی کے لئے ہو چکا ہے۔ میرا عزم صمیم ہے کہ وہاں پہنچ کر اپنی استطاعت کے مطابق اس سلسلہ میں پوری قوت سے آواز بلند کروں گا، خواہ کوئی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ایمانی تقاضوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔

قیام پاکستان کے بعد چھ سات ماہ تک تمام رہنما مہاجرین کی آبادکاری میں مصروف رہے اس کے بعد شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جس مقصد کے لئے یہ ملک حاصل کیا گیا ہے اور جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کی قربانی اور خاندانوں کی بربادی برداشت کی گئی ہے اس کا دستور قرآن وسنت کی روشنی میں جلد سے جلد مرتب ہو جائے۔ چنانچہ کراچی میں علامہ عثمانی کے مشورہ وہدایت پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کا دستور

قرآن وسنت کے اصول پر بنانے کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ یہ خاکہ ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا جائے اور اس کی روشنی میں دستور بنانے کی سعی کی جاسکے۔ شیخ الاسلام نے اس سلسلے میں علماء کی ایک کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا اور مندرجہ ذیل علماء اس کام کے لئے تجویز ہوئے :

- مولانا سید سلیمان ندوی
- مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
- مولانا سید مناظر احسن گیلانی
- ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی
- مولانا ظفر احمد عثمانی
- مولانا ادریس کاندھلوی
- مولانا بدر عالم میرٹھی
- مولانا احتشام الحق تھانوی

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری کے مطابق علماء کی یہ کمیٹی ان مذکورہ آٹھ حضرات پر مشتمل تھی [۵۸]۔ جبکہ منشی عبدالرحمن خان اور پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی کے مطابق یہ کمیٹی صرف پہلے چار حضرات پر مشتمل تھی [۵۹]۔ مگر اتفاق سے اس میں سے کئی حضرات اس وقت پاکستان میں موجود نہ تھے۔ ان علماء کو لینے کے لئے شیخ الاسلام پاکستان نے مولانا احتشام الحق تھانوی کو ہندوستان بھیجا۔ مولانا تھانوی نے ان حضرات کو تدوین دستور اسلامی پاکستان کے لئے شیخ الاسلام کی طرف سے کراچی آنے کی دعوت دی۔ علامہ سید سلیمان ندوی تو کسی عذر کے سبب اس وقت نہ آسکے باقی تین حضرات مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ کام کی اہمیت کے پیش نظر اور شیخ الاسلام کے حکم کے تحت فوراً پاکستان آ گئے۔ ان حضرات نے وسط ۱۹۴۸ء میں دستوری خاکہ مرتب کرنے کا کام شروع کیا۔ اور تقریباً تین ماہ میں ایک مختصر سا خاکہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی ہدایت و رہنمائی میں مرتب کرلیا اور دستور ساز اسمبلی میں اسے پیش کرنے کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جانے لگا۔

دستور پاکستان کے خاکے کی تیاری کے متعلق جدوجہد اور اس کی منظوری کے بارے میں اپنے ایک بیان میں علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ :

''اسی اثناء پارٹی میٹنگ میں یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا کہ پاکستان کا دستور مرتب کرنے سے پہلے ایک اصل

الاصول اور جنرل نصب العین کے طور پر یہ طے ہونا چاہیے کہ ''دستور اساسی'' کی نوعیت کیا ہوگی۔ اور اس کا جوہری مطمع نظر جو گویا سارے کا ''سنگ بنیاد'' اور ''خشت اول'' کی حیثیت رکھے گا، کیا ہونا چاہیے۔ معمولی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ اس سلسلہ میں آبجیکٹو ریزولیوشن (قرار داد مقاصد) کا مسودہ تیار کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی جائے جو تیرہ ارکان پر مشتمل ہو۔ آخر اس کمیٹی کی میٹنگ کئی مرتبہ ہوئی اور سب ارکان نے کھلے دل و دماغ سے اس میں حصہ لیا۔ مختلف مسودے پیش ہوئے۔ پھر سب کی کانٹ چھانٹ کے بعد ایک مسودہ زیر بحث لانے کے لئے مرتب کیا گیا''۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں

''اب جب کہ عوام اپنا فرض ادا کر چکے، وقت آ گیا ہے کہ ارباب اقتدار اور ارکان اسمبلی جو جمہور کے نمائندے ہیں اپنا فرض ادا کریں اور پاکستان دستور ساز اسمبلی کی زبان سے فوراً بلا تاخیر اعلان کریں کہ :

○ حکومت اور اقتدار اعلیٰ صرف خدائے واحد احکم الحاکمین کا ہے۔

○ اس نے جو اقتدار جمہور کے توسط سے اس مملکت (اسٹیٹ) کو بخشا ہے وہ ایک مقدس امانت الہیہ ہے، جو اسی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر بطور نیابت استعمال کیا جائے گا۔ بنابریں یہ اسمبلی ملک کے لئے ایسا آئین اور دستور اساسی مرتب کرے گی جس کی رو سے اس کا موثر انتظام کیا جائے گا کہ مسلم قوم اسلام کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں اور تعلیمات اسلام کے مطابق (جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں) اپنی زندگی منظم و مرتب کر سکے اور کوئی ایسا قانون، بل اور آرڈی نینس منظور یا نافذ نہ ہو سکے گا جو احکام اسلام کے خلاف ہو۔ اس آئین کی رو سے اقلیتوں کے طے شدہ حقوق محفوظ ہوں گے وہ قانون و اخلاق عامہ کے تابع رہتے ہوئے اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عقیدہ رکھ سکیں گے''[٦٠]۔

پاکستان کے دستور اسلامی کا بنیادی خاکہ تیار کرنے اور منظور کرانے ئے لئے اسمبلی کے اندر اور باہر بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں اور طویل کشمکش ہوئی، باہر کی جدوجہد کا حال تو عام لوگوں کو بھی معلوم ہے لیکن اسمبلی کے اندر جو کشمکش ہوئی اس کے متعلق مولانا ظفر احمد انصاری تحریر فرماتے ہیں :

''اسمبلی میں تقریباً یہ بات طے شدہ تھی کہ جس طرح ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرار داد مقاصد

منظور کی ہے اسی طرح پاکستان کی اسمبلی بھی ایک قرارداد منظور کرے اور اس کی روشنی میں ترتیب دستور کا کام شروع کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور اس قرارداد کی تسوید کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ کمیٹی میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اکرم خان[٦١] ، ملک غلام محمد، ایم۔ ایچ گزدر وغیرہ اہم تھے۔ اور اس بڑی کمیٹی نے اپنے میں سے ایک اور سب کمیٹی قائم کر دی تھی، جس کے سپرد ابتدائی مسودہ تیار کرنے کا کام کیا گیا۔ لیکن ان کمیٹیوں میں بڑی کشمکش رہی اور اس موقع پر وہ فکری اختلافات واضح ہو کر سامنے آ گئے جواب تک چھپے ہوئے تھے۔ گو ایک ممبر کو چھوڑ کر کسی نے بھی کھل کر اسلامی دستور کی مخالفت نہیں کی۔ یہ ہمت کسی کی بھی نہ تھی کہ یہ کہے کہ ہمارا دستور اسلام کی بنیاد پر نہ ہوگا۔ لیکن گھما پھرا کر ایک طبقہ اس بات کی برابر کوشش کر رہا تھا کہ دستور سیکولر ہو۔ مسلمان ممبروں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے کھل کر سیکولر دستور کی آواز بلند کی ہو۔ مشرقی پاکستان کے اراکین نے خصوصیت سے اسلامی دستور کے حق میں رائے ظاہر کی۔ تفصیلی معامالات میں مختلف مقامات پر اختلافات ضرور کئے گئے لیکن ایک صاحب کے علاوہ وہاں کے تمام ہی مسلمان ممبروں نے اسلام کے تقاضوں کو دستور میں سمونے سے اتفاق کیا۔ لیکن اسلام کے تقاضوں کا صحیح شعور بہت کم لوگوں کو تھا۔ لادینیت پسند طبقہ کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کی قرارداد مقاصد پر ''بسم اللہ'' کا اضافہ کر کے اسے منظور کر لیا جائے۔ لیکن مولانا عثمانی نے بڑی ہمت اور بالغ نظری سے ان تمام حضرات کا مقابلہ کیا اور اسلام پسند ممبران کے تعاون سے، جس میں مولانا اکرم خان صاحب اور ملک عمر حیات خان صاحب خاصے نمایاں تھے، وہ مسودہ تیار کرایا جو بعد میں اسمبلی میں پیش ہوا۔ یہ مسودہ بڑی بحث و تمحیص کے بعد تیار ہوا اور درمیان میں بعض مراحل تو ایسے بھی آئے کہ مولانا کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اگر سیکولر گروپ نے اپنے انداز نہ بدلے تو ہم تمام واقعات پبلک کے سامنے لے آئیں گے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں

''ہوا یہ تھا کہ سب کمیٹی نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کر لیا تھا اور کابینہ کے ایک اہم کارکن کی مخالفت کے باوجود اسے منظور بھی کرا لیا تھا۔ بڑی کمیٹی میں جب بحث شروع ہوئی تو ایک متبادل قرارداد پیش کی گئی اور اسے تمام اراکین میں گشت بھی کرا دیا۔ مولانا عثمانی کے پاس بھی ایک متبادل قرارداد موجود تھی جس میں اس سے کہیں زیادہ مطالبہ تھا جو پاس شدہ قرارداد میں تھا اور مولانا نے کمیٹی میں یہ صاف اعلان فرما دیا کہ اگر اس مرحلہ پر کوئی نئی قرارداد زیر بحث آتی ہے تو ہم بھی نئی قرارداد پیش کریں گے، اور جو کچھ مفاہمت ہوئی ہے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو ظاہر ہے کہ ہم بھی اس

کے پابند نہ ہوں گے۔ نیز پوری بحث کو عوام کے سامنے بھی لے آیا جائے گا تا کہ قوم جان لے کہ اندرون خانہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اس اعلان پر لیاقت علی خان نے مداخلت کی اور جو صاحب نیا مسودہ پیش کرنا چاہتے تھے، وہ پیش نہ کر سکے۔ اس کے بعد وہی قرارداد منظور ہوگئی جو سب کمیٹی نے تیار کی تھی۔ یہ قرارداد سب کمیٹی کے تمام مراحل سے گزر کر اواخر ۱۹۴۸ء میں تیار ہوگئی تھی''۔[۶۲]

حکومت پاکستان کی طرف سے ایک سب کمیٹی بنیادی قانون بنانے کے لئے ترتیب دی گئی۔ علامہ بھی اس کے رکن تھے اور آپ نے اس کمیٹی میں بڑا سرگرم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کے بقول ''میں نے سب کے آئین دیکھے لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علامہ عثمانی سے بہتر کسی نے آئین مرتب نہیں کیا اور جو دفعات انہوں نے بنیادی طور پر ترتیب دی ہیں وہ حد سے زیادہ قابل تحسین ہیں''۔

الغرض دستور پاکستان کے خاکے کی تیاری، آئین سازی کے لئے کمیٹی کا قیام، ایجنڈے میں اس تجویز کو رکھنا اور پھر اس کو منظور کرانے کے لئے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بے مثال جدوجہد اور عزم و ہمت سے کام لیا اور ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

تدوین آئین اسلامی

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور آپ کے رفقاء کی اسلامی دستور سازی کے لئے جدوجہد جاری تھی۔ دستور پاکستان کا بنیادی خاکہ اپنے تمام مراحل طے کرنے کے بعد بڑی کمیٹی سے پاس ہو چکا تھا اور دستور اسمبلی سے اس کی حتمی منظوری باقی تھی۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ رائے عامہ کو ملک کے دونوں بازوؤں میں تیار کیا جائے اور اسلامی دستور کی آواز کو ملک کے گوشہ گوشہ سے بلند کیا جائے۔ رائے عامہ کی تیاری اور ہمواری اس لئے ضروری تھی کہ سیکولر طبقہ کو کھل کر کھیلنے کا موقعہ نہ ملے اور پبلک کے دباؤ کے تحت وہ نظریہ پاکستان سے غداری نہ کر سکے۔ اس طبقہ نے پاکستان میں ایک لادینی نظام رائج کرنے کے لئے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور عوام میں جماعت علماء کرام کے خلاف نفرت پھیلانی شروع کر دی، جو اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے میں پیش پیش تھے۔

استعفیٰ پر آمادگی

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار جنہوں نے ہندو اور انگریزوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسلام کو سربلند دیکھنے کی آرزو میں عزیز و اقارب کو چھوڑا، گھر چھوڑا، گھر کا آرام چھوڑا، مال و متاع،

اراضی، باغات کو خیر باد کہا، سر پہ کفن باندھ کر پاکستان کی حمایت میں صدائے حق بلند کی، اپنوں کی مخالفت، غیروں کی دشمنی مول لی، قتل کی دھمکیاں سہیں، وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، اس عظیم مقصد کو ذاتی اغراض و اقتدار کی نذر کر دیا جائے۔ اس لئے علامہ شبیر احمد عثمانی ارباب اقتدار و اختیار کے خفیہ منصوبوں کے خلاف صاائے احتجاج بلند کرنے کے لیئے مجلس دستور ساز سے استعفیٰ دینے پر تیار ہو گئے مگر بعض مخلصین نے خصرت علامہ کو استعفیٰ دینے سے روک دیا کہ آپ مجلس دستور ساز کے اندر رہ کر صدائے احتجاج بلند کریں اور ارباب اقتدار کے عزائم کو بے نقاب کریں۔ آپ کے مستعفی ہو جانے سے تو انہیں کھلی چھٹی مل جائے گی اور یہی وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح راستہ کے یہ کانٹے ہٹا دیئے جائیں۔

جمعیۃ العلمائے اسلام کانفرنس ڈھاکہ

ارباب اقتدار کے اس خود غرضانہ طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ۹، ۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس علامہ شبیر احمد عثمانی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ علامہ نے اپنے زبردست خطبہ صدارت میں ارباب اقتدار کے طرز عمل پر سے یوں پردہ اٹھایا:

''حصول پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی ان مساعی عظیم کو ارباب اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا۔ مذہبی طبقہ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تو درکنار، نشر و اشاعت کے ان تمام ذرائع سے جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں اس کا خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو خمول اور کسمپرسی کی حالت میں ہی چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنا لیا جاتا ہے جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں''۔

علامہ عثمانی کا چیلنج

ارباب حکومت کے رویہ سے عوام کو آگاہ کرنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے پوری ذمہ داری سے ارباب اختیار کو چیلنج کیا کہ:

''میں بالکل صفائی سے بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورت حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں۔ ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان کی زمام اقتدار کا بحالات موجودہ جن ہاتھوں میں پہنچنا ناگزیر

تھا، ان سے اس کے سوا کوئی توقع کی ہی نہیں جا سکتی تھی، ہم اس کی نسبت بحمد اللہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے، ہم نے یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ قومیت اور اصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطہ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی اور آئندہ بھی انشاءاللہ اس کی حفاظت کے معاملہ میں رجال حکومت کی کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جد و جہد پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ خواہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں گے۔ ساتھ ہی ہم ان کوشش سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ دستور و آئین اور وہ نظام حکومت تشکیل پذیر ہو جس کی رو سے اس بات کا موثر انتظام کیا جائے کہ مسلم قوم اپنی زندگی اسلام کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن و سنت سے ثابت ہوں مرتب و منظم کر سکے اور کوئی ایسا قانون، بل اور آرڈی نینس جاری یا نافذ نہ ہو سکے جو احکام اسلام کے خلاف ہو"[٦٣]۔

چیلنج کا نتیجہ

علامہ عثمانی کے اس چیلنج سے ایوان اقتدار میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ اس وقت نوبزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے۔ علامہ عثمانی کو جمہور مسلمین میں جو مرکزیت اور مرجعیت حاصل تھی اس سے وہ بخوبی واقف تھے اور الیکشن و ریفرنڈم کے زمانہ میں وہ اس کا بچشم خود مشاہدہ بھی کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے علماء حق اور عوام کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آئین سازی کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ ان کی درخواست پر علامہ عثمانی نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا جو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ چند سطروں پر مشتمل تھا۔ مگر ارباب اقتدار اور ارباب اغراض کی جرح و قدح کی وجہ سے انہوں نے ان کی تسلی کی خاطر ان کی ترمیمات کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ شامل مسودہ کر لیا کہ اس کا مفہوم و مطلب اور اس کی روح بالکل برقرار رہی۔

دستور اسلامی کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی جد و جہد اور عزم و استقلال اور حکومت کو وارننگ کے بارے میں حکیم آفتاب احمد قریشی لکھتے ہیں:

"مسلم لیگ نے قائد اعظم کی قیادت میں اعلان کیا تھا کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہوگا۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان کے بعض ارباب اقتدار نے اس مطالبے کی مخالفت شروع کی اور ملک میں لادینی

نظام کے لئے تحریک منظم کی۔ مولانا عثمانی اس صورت حال سے مضطرب ہوئے اور انہوں نے اسلامی دستور کے حق میں ملک گیر مہم منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ مشرقی پاکستان میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور دیگر اکابر نے دورے کئے۔ پنجاب اور سرحد میں پیر مانکی شریف نے اس تحریک کو اٹھایا۔ اسلامی دستور کے مطالبے کی تحریک میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ارکان پیش پیش تھے۔ طلبہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ پاکستان کی تحریک کا آغاز طلبہ نے کیا اور پاکستان میں اسلامی دستور کی تحریک کے آغاز کا شرف بھی طلبہ کو حاصل ہوا۔ عثمانی نے اس دورہ میں پاکستان کے ارباب اقتدار پر یہ حقیقت واضح کردی کہ '' اگر اسلامی دستور کو پاکستان میں پس پشت ڈال دیا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ لوگوں کا راستہ اور۔ میں قوم کو بتادوں گا کہ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلے میں اچھی نیت نہیں رکھتے''۔ علامہ عثمانی کے اس اعلائے کلمۃ الحق اور عوامی تحریک سے پاکستان کے ارباب اقتدار سپر انداز ہو گئے اور مجلس دستور ساز پاکستان میں قرارداد مقاصد منظور کی گئی''[۶۴]۔

علامہ عثمانی کی زیر ہدایت علمائے ربانین نے اسلامی دستور سازی کے سلسلے میں حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے جو زبردست مہم منظم کی اسکے متعلق مولانا ظفر احمد انصاری تحریر فرماتے ہیں :

> ''مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی، اسلامی دستور کی مہم چلا رہی تھی اور اس طرح دوسرے علماء اور تحریک پاکستان کے پرانے کارکن بھی جگہ جگہ سے اس آواز کو بلند کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان میں تحریک کو منظم کرنے کے لئے جمعیۃ علماء اسلام اور دوسرے دینی عناصر نے جدوجہد شروع کی۔ دسمبر ۱۹۴۸ء اور اوائل جنوری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر اجتماعات کئے گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع صاحب، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا احتشام الحق صاحب، اور میں (مولانا ظفر احمد انصاری) ڈھاکہ گئے۔ خود ڈھاکہ میں ایک بہت عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ پھر چاٹگام، سلہٹ، میمن سنگھ، چاند پور، کمیلا کشور گنج اور دوسرے متعدد مقامات کا دورہ کیا گیا اور دو ہفتہ کے اس پروگرام کے ذریعے پورے مشرقی پاکستان میں اسلامی دستور کے حق میں فضا تیار ہوگئی۔ ہم لوگوں کے واپس آجانے کے بعد بھی یہ کام جاری رہا اور مولانا اطہر علی صاحب، مولانا دین محمد صاحب، مولانا راغب احسن صاحب، پیر صاحب سرسینہ، مولانا شمس الحق صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب برابر تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ رائے عامہ کی تیاری کا یہ سارا کام جنوری ۱۹۴۹ء میں مکمل ہوگیا تھا اور ہر طرف سے اسلامی دستور کا مطالبہ اٹھ رہا تھا۔ اس

طرح وہ فضا بنی جس میں قرارداد مقاصد پیش کی گئی اور جو لوگ در پردہ اس کے خلاف کام کر رہے تھے وہ ناکام ہوئے"[٦٥]۔

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد اب بنیادی اصولوں پر غور کرنے کا کام جاری تھا۔ علامہ عثمانی بنیادی اصولوں پر غور کرنے والی کمیٹی کے رکن اعلیٰ تھے۔ اس مرحلہ پر اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ دستور سازی کے کام کا جائزہ لیا جائے اور ہر قدم پر اسلام کے تقاضوں کو اس میں سمونے کا کام انجام دیا جائے۔ اس سلسلہ میں تین اقدام ضروری تھے :

○ رائے عامہ کی تیاری، تاکہ پوری قوم یک زبان ہو کر اس مطالبہ کو بلند کرے اور برسر اقتدار طبقہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس ملک کے عوام اسلامی دستور کے علاوہ کسی دوسری چیز کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

○ گفتگوؤں اور مذاکرات کے ذریعہ اسمبلی کے ممبران کو اسلامی دستور کے حق میں تیار کرنا اور انہیں بتانا کہ اسلام کے دستوری تقاضے کیا ہیں تاکہ وہ ان پر مطمئن ہو کر پارٹی میٹنگوں میں اور اسمبلی میں اسلام کی آواز کو اٹھا سکیں۔

○ اسمبلی کی اسلامی موضوعات پر رہنمائی کرنے کے لئے ایک بورڈ کی تشکیل۔ یہ بورڈ جون۔ جولائی ۱۹۴۹ء میں قائم ہو گیا تھا اور اس میں مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، مفتی جعفر حسین مجتہد اور مولانا عبد الخالق صاحب شامل تھے۔ مولانا ظفر احمد انصاری اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اس بورڈ کا نام "بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ" رکھا گیا اور اس کی نگرانی کا کام مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اکرم خان صاحب کے سپرد کیا گیا۔ سید صاحب کے علاوہ باقی تمام اصحاب نے بورڈ کی کارروائیوں میں شرکت کی۔ سید صاحب مرحوم نے بالکل آخری مراحل پر اس کی رکنیت قبول فرمائی۔ اس زمانے میں بھی کشمکش دونوں محاذوں پر تھی یعنی اسمبلی کے اندر بھی اور اسمبلی کے باہر بھی۔ لیکن اس پورے دور میں دونوں محاذوں میں کوئی قابل ذکر اختلاف رونما نہیں ہوا۔ اندرون اسمبلی و بورڈ علماء نے جو تجاویز پیش کیں وہ ایسی تھیں کہ باہر جو حضرات دستور اسلامی کے لئے کام کر رہے تھے ان کی تائید انہیں حاصل تھی۔ بعض عناصر کی پوری کوشش کے باوجود نہ بورڈ کے ارکان کے مابین کوئی اختلاف واقع ہوا نہ علماء کی صفوں میں کوئی نمایاں انتشار پیدا ہو سکا۔

آخری زمانہ میں جب ضعف ونقاہت زیادہ بڑھ گئی تو جیکب لائن کی جامع مسجد، جو مولانا احتشام الحق کی مسجد کہلاتی ہے، شیخ الاسلام کا مرکز علم وسیاست رہی۔ اسلامی قانون کا تمام کام شیخ الاسلام کی سرپرستی میں علماء یہیں کرتے رہے اور جو مسودہ مرتب کیا گیا اس کا تمام ریکارڈ مولانا احتشام الحق کے پاس موجود رہا۔ اواخر ۱۹۴۹ میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات سے دستور سازی کی مہم کو زبردست جھٹکا لگا اور اس جدوجہد کے سلسلہ میں سب سے زیادہ قوی اور موثر عنصر مفقود ہوگیا۔

جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس ڈھاکہ میں علامہ عثمانی نے مندرجہ ذیل نکات پر تفصیلی روشنی ڈالی:

- بناء پاکستان میں علماء ومشائخ کی خدمات جلیلہ
- بناء پاکستان کے بعد رجال حکومت کا طرز عمل اور علماء کا ثبات قدم
- علماء کا نصب العین اور اس کے لئے پیہم مساعی
- قیام پاکستان اور اس کے اسباب
- قیام پاکستان کا اصل مقصد اور اس کی دو قسطیں
- مسلمانوں پر عالمگیر مصائب اور ان کا علاج
- مسلمانوں کی فتح وشکست کا اصلی معیار قرآنی تصریحات سے
- مسلمانوں کی فوز وفلاح کا راز چار لفظوں میں ہے۔ الف۔ صبر واستقامت، ب۔ تقویٰ وطہارت، ج۔ اتحاد ملت اور د۔ اعداد قوت حسب استطاعت۔

مملکت پاکستان کے لئے عثمانی کے مرتب کردہ بنیادی اصول

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے نزدیک کسی مملکت یا (حکومت پاکستان) کو کامیابی، شادمانی، امن و امان، خوشحالی، دینی ودنیاوی فلاح وترقی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ساری ملت اسلامیہ متحد و یک جان ہوکر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت وطاقت فراہم کرے جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے پست ہوجائیں۔ علامہ عثمانی کے خیال میں مملکت پاکستان کے بنیادی اصول درج ذیل ہونے چاہئیں:

- اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے نائب امین کی حیثیت سے اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسئولیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلانا۔

- بلاتفریق مذہب وملت ونسل وغیرہ تمام باشندگان پاکستان کے لئے امن وانصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی طرف دعوت دینا۔
- جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کئے گئے ہوں۔
- غیر مسلم باشندگان پاکستان کے لیئے جان ومال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت اور تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانین الہیہ کا نتہائی پابند بنانے کی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کی فلاح دارین کے لئے نازل فرمائے ہیں۔
- تمام باشندگان پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی کامل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور تاحد امکان کسی فرد کو بھی ضروریات زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔
- خصوصیت کے ساتھ ربا (سود) مسکرات (نشہ آور اشیاء) قمار (جوا) اور ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سد باب کی امکانی کوشش کرنا۔
- قومی معاشرہ کو بلند خیالی کے ساتھ ساتھ سادہ اور ستھرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔
- مغربی طرز کی پیچ در پیچ عدالتی بھول بھلیوں سے نکال کر عوام کے لئے امکانی حد تک سستا او تیز رفتار انصاف مہیا کرنا۔
- ان پاک اور بلند مقاصد کیلئے ایک ایک مسلمان کو بقدر ضرورت دینی وعسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنا دینا۔

علامہ عثمانی کے یہ زریں اور پیارے بنیادی اصول ان کی اسلامی قانون دانی اور سیاسی بیدار مغزی پر روشن دلیل ہیں۔ ان اصولوں پر چل کر مملکت پاکستان دینی ودنیاوی کامیابیوں اور کامرانیوں کی تمام منازل طے کر سکتی ہے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتی ہے۔

الغرض تدوین آئین اسلامی اور اس کے نفاذ کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی یہ ساری کوششیں، دلچسپیاں، سرگرمیاں اور جدوجہد صرف اس لئے تھی کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا چاہتے تھے۔ پاکستان میں قرآن وسنت کا قانون جاری کر کے وہ اس کو صحیح معنوں میں ایک فلاحی اسلامی ریاست بنا کر اور تمام اسلام کے لئے ایک نمونہ بنا کر وہاں بھی اسلامی آئین وقوانین کا نفاذ چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں اور باطل قوتوں کے سامنے ایک سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

علامہ عثمانی کی وفات کے بعد عوام وخواص میں اسلامی دستور مملکت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور قیاس آرائیاں پھیلائی جا رہی تھی۔ ارباب اقتدار واختیار کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آیا اسلام کا کوئی دستور مملکت ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے اصول کیا ہیں؟ اس کی عملی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ اور کیا اصول اور عملی تفصیلات میں کوئی چیز بھی ایسی ہے، جس پر تمام اسلامی فرقوں کے علماء متفق ہو سکیں؟ سیکولر طبقہ کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی نے کراچی میں تمام اسلامی فرقوں کے چیدہ اور معتمد علیہ علماء کا ایک اجلاس طلب کیا تا کہ وہ ایک ایسا دستوری خاکہ مرتب کر دے، جو تمام اسلامی فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔ چوٹی کے علماء کا یہ اجتماع ۱۲۔۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر علامہ سید سلیمان ندوی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ سنی، شیعہ، مقلد اور غیر مقلد، دیو بندی اور بریلوی غرض ہر فرقہ اور ہر مکتب فکر کے علمائے نے اس میں شرکت کی۔ ان ۳۱ علمائے دین نے متفقہ طور پر صرف چار دن کے اندر علامہ عثمانی کے تیار کردہ مسودہ قانون کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست کے ۲۲ بنیادی اصول یا نکات مرتب کر کے حکومت وقت کو پیش کر دیئے۔ یہ ۲۲ اصول یا نکات اسلام کے دستور مملکت کی اساس کا مقام رکھتے ہیں[٦٦]۔

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول

ملک کے تمام مذہبی فرقوں کے ان ۳۱ مقتدر نمائندوں نے متفقہ طور پر ایک اسلامی مملکت کے لئے بنیادی یا اساسی اصول تجویز کر کے اتحاد واتفاق کی ایک بے مثل یادگار قائم کر دی۔ وہ بنیادی اصول حسب ذیل تھے :

- اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العلمین ہے۔
- ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جا سکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں، جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں، تو اس کی تفریق بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

- مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں، بلکہ اصول ومقاصد پر مبنی ہو گی، جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔
- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو

مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔
- مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی، غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی، جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔
- باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے، جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان، مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک آزادی عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، آزای اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارے سے استفادہ کا حق۔
- مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔
- مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔
- غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

- غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدودِ شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبرے میں کیا گیا ہے، ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔
- رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہوریہ کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔
- رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔
- رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔
- رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔
- جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی، وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔
- رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔
- ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔
- محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔
- ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی، جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔
- مملکت کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی، علاقوں کی ہوگی، جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

o دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو[٦٧]۔

جس کام کو ارباب اقتدار چار سال کے عرصہ میں نہ کر سکے وہ مختلف الخیال علماء نے صرف چار دن کے اندر مکمل کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر ہر طرف سے تحسین و آفرین کے پیغام اور تار صدر مجلس علامہ سید سلیمان ندوی کو موصول ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ ارباب اقتدار جو علماء کرام کو سیاست سے بے بہرہ سمجھتے تھے، ان کے اس بے مثال تاریخی کارنامہ پر سید صاحب کو مبارک باد پیش کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح علماء کی سیاست نے ارباب اختیار کی سیاست کو شکست فاش دی۔ علماء کے اس متفقہ فارمولا نے حکومت کے شائع کردہ بنیادی اصولوں کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کا حشر وہی ہوا جو قائداعظم کے چودہ نکات کے مقابلہ میں نہرو رپورٹ کا ہوا تھا۔ یہ مسودہ پاکستان ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی تاریخ میں ایک زریں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ علامہ عثمانی کے جانشینوں کا ایک ایسا زبردست اور زندہ جاوید کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

تمام مکتبہ فکر کے ۳۱ علماء کرام جنہوں نے ان ۲۲ نکات کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا، کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

o علامہ سید سلیمان ندوی	سابق مدیر رسالہ ''معارف'' اعظم گڑھ
o مولانا مفتی محمد حسن امرتسری[٦٨]	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
o مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
o مولانا خیر محمد جالندھری	مہتمم خیر المدارس۔ ملتان
o مولانا اطہر علی	صدر عامل جمعیۃ علماء اسلام مشرقی پاکستان
o مولانا احتشام الحق تھانوی	مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد سندھ
o مولانا محمد ادریس کاندھلوی	شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور
o مولانا شمس الحق فریدی پوری	صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ
o مولانا محمد یوسف بنوری	شیخ التفسیر دارالعلوم اسلامیہ اشرف آباد
o مولانا محمد بدر عالم	استاذ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ اشرف آباد
o مولانا شمس الحق افغانی	وزیر معارف ریاست قلات
o قاضی عبدالصمد سربازی	قاضی قلات، بلوچستان

○	مولانا ابو جعفر محمد صالح	امیر حزب اللہ مشرقی پاکستان
○	مولانا حبیب اللہ	جامعہ دینیہ دارالہدیٰ ٹیڑھی۔ خیر پور میر
○	مولانا محمد صادق	مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ۔ کراچی
○	مولانا راغب احسن	نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف مشرقی پاکستان
○	مولانا محمد حبیب الرحمٰن	نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف مشرقی پاکستان
○	مولانا احمد علی	امیر انجمن خدام الدین لاہور
○	مولانا محمد علی جالندھری	صدر مجلس احرام پاکستان
○	مولانا محمد عبد الحامد بدایونی	صدر جمعیۃ علماء پاکستان
○	مولانا مفتی صاحب داد	مدرسۃ الاسلام سندھ کراچی
○	پیر محمد ہاشم مجددی	ٹنڈو سائیں داد سندھ
○	مولانا داؤد غزنوی	صدر جمعیۃ الحدیث مغربی پاکستان
○	مولانا محمد اسماعیل	ناظم جمعیۃ الحدیث مغربی پاکستان
○	مفتی جعفر حسین مجتہد	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
○	مفتی کفایت حسین مجتہد	ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان
○	پیر محمد امین الحسنات	مانکی شریف
○	حاجی خادم الاسلام محمد امین	خلیفہ حاجی ترنگ زئی
○	مولانا ظفر احمد انصاری	سیکرٹری بورڈ تعلیمات اسلام
○	پروفیسر عبد الخالق	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
○	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی	امیر جماعت اسلامی پاکستان

اس کے بعد ایک بڑا چیلنج مسٹر اے۔ کے بروہی کا تھا کہ قرآن میں دستور مملکت کے متعلق ایک لفظ بھی موجود نہیں[۶۹]۔ اس کے جواب میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے ایک رسالہ ''دستور قرآنی'' لکھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے حکومت کے اغراض و مقاصد، طرز حکومت، فرائض حکومت، اوصاف صدر مملکت وغیرہ کے متعلق ۱۸

دستوری دفعات کو قرآن کریم سے بالا جمال پیش کر کے ثابت کیا کہ جس دستور اسلامی کا مطالبہ پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے وہ صرف ماہرین شریعت علماء و فقہاء کے اجتہادات و قیاسات پر مبنی نہیں بلکہ کتاب اللہ میں موجود ہے[70]۔

اس طرح اسلامی آئین کی تیاری اور نفاذ کے خلاف ارباب اقتدار و اختیار نے جس قدر بھی استدلال کے ہوائی قلعے تعمیر کئے تھے وہ سب علامہ شبیر احمد عثانی کے ان جانشینوں نے ۲۲ نکات اور حقائق و شواہد کی توپوں سے گرا دیئے۔ ارباب اقتدار میں سے وزیر اعظم پاکستان قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان اس سلسلہ میں مخلصانہ کوششیں کر رہے تھے کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک گہری سازش کے تحت ان کو شہید کر دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۴ء میں دستور یہ ہی توڑ دی گئی۔ آئین اسلامی کے نفاذ کی یہ جدوجہد اور کوششیں بعد میں بھی جاری رہیں۔ لیکن مکمل اسلامی نظام اس ملک میں آج تک نافذ نہ ہو سکا۔ اسلامی آئین کا نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان ۱۹۷۱ء میں دو ٹکڑے ہو چکا ہے باقی پاکستان میں بھی قومیتوں کے درمیان اقتدار اور مفادات کی جنگ جاری ہے۔ یہ ملک کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ پاکستان اب تک اسلامی نظام کی برکتوں سے محروم ہے اور جس مقصد کے لئے یہ ملک تخلیق کیا گیا تھا اور جس مقصد کے لئے لاکھوں مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کا نذرانہ پیش کیا گیا تھا وہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہمیں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثانی کی اس نصیحت کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ملک جس نام پر بنا تھا صرف اور صرف اسی نام پر باقی رہ سکتا ہے۔

قرارداد مقاصد

قیام پاکستان کے بعد بھی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی ہر مرحلے پر پاکستان اور اہل پاکستان کی رہنمائی کرتے رہے۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا منتہائے نظر پاکستان میں اسلامی قانون کا اجراء اور نفاذ تھا۔ آپ کی پوری کوشش یہ رہی کہ پاکستان کے قانون کے متعلق کم از کم میرے سامنے دستور ساز اسمبلی یہ پاس کر دے کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن و سنت ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کے اندر اور باہر بڑی زبردست کوششیں کیں اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس مقدس مقصد کے فوری حصول کے لئے وقف کر دیا، جس کے لئے یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت قائم کی گئی تھی۔ قائداعظم کی وفات کے بعد جب ارباب اقتدار نے اسلامی دستور سازی کے سلسلے میں لیت و لعل سے کام لیا تو آپ نے پوری قوم کو بیدار کیا

اوران کے خلاف زبردست تحریک منظم کی۔ فروری ۱۹۴۹ء کی جمعیۃ العلمائے اسلام کانفرنس ڈھاکہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بالاخراس مردمومن کی اخلاص نیت، آہنی عزم، مسلسل جدوجہد اور عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کے بنائے ہوئے اصولوں اور مضمون کے مطابق دستور ساز اسمبلی میں ''قرارداد مقاصد'' کے نام سے تجویز پیش کی جس کی تائید علامہ عثمانی نے کی اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو یہ قرارداد مقاصد مجلس دستور ساز سے منظور کروالی۔ یہی وہ مقصد تھا جس کی خاطر قدرت نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو تحریک پاکستان کے لئے کھڑا کیا تھا۔ قائداعظم کا مشن پاکستان کا حصول تھا اور شیخ الاسلام کی زندگی کا مقصد قدرت کے نزدیک قرارداد مقاصد کی تجویز کا پاس کرانا تھا تاکہ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر رکھی جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ قانون اسلامی کی تجویز اگر ہماری کوششوں سے پاس ہوگئی تو آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو قدرت کاملہ سے بھیج دے گا جو اس قانون کو سارے ملک میں نافذ کرا سکے۔ قرارداد مقاصد کی منظوری علامہ عثمانی کا وہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے جو تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائداعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی علامہ عثمانی اور ان کے رفقاء کی مذہبی و دینی خدمات ہیں۔ اس لئے پاکستان کو دونوں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہیے۔

قرارداد مقاصد کی تیاری اور منظوری کی مہم میں علامہ عثمانی نے اپنے یادگار اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں [۷۱]۔ اس موقعہ پر علماء نے آپ کی سرکردگی میں بڑا تاریخی پارٹ ادا کیا اور نظریہ پاکستان کو محفوظ کرنے اور اسے پاکستان کے دستور کی بنیاد بنانے کے لئے بے مثال جدوجہد کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی وفاداریاں حقیقی تصور پاکستان کے ساتھ ہیں اور ملک میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی تخلیق پاکستان کے اصل مقاصد کو فراموش نہیں کرنے دے گا۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی اپنی مشہور تصنیف ''قرارداد مقاصد سے اسلامی قانون تک'' میں لکھتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد آئینی تبدیلیوں کے میدان میں کرنے کا پہلا کام یہ تھا کہ اس امر کا اعلان کیا جاتا کہ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنایا جائے گا۔ یہ کام اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ برطانوی عہد حکومت میں برصغیر میں ۱۹۳۵ء کا بدنام زمانہ قانون نافذ العمل تھا۔ پاکستان کو ایک آزاد اسلامی مملکت بنانے کے لئے اس ایکٹ کی جگہ ایک نیا دستور بنانا اولین ضرورت تھا۔ مگر قیام پاکستان کے بعد ایک طبقہ سیکولر طرز کا آئین بنانے پر تلا ہوا تھا۔ مگر ایسا آئین پاکستان کے مقصد اور نظریہ سے بدعہدی اور غداری کے مترادف تھا۔ اس اندیشے اور خطرے کو اس ملک میں سب سے پہلے شیخ

الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مودودی نے محسوس کیا۔ حضرت علامہ عثمانی نے حکومت کے اندر اور باہر اس طبقہ کے خلاف زبردست عوامی تحریک منظم کی۔ آپ کی مسلسل جدوجہد اور عوامی دباؤ سے آخر کار پاکستان کے ارباب اقتدار سپر انداز ہو گئے اور طے پایا کہ ملک کا دستور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوگا۔ قرارداد کی تصنیف کا کام علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کیا گیا۔ آپ نے یہ کام نہایت احسن طریقے سے سرانجام فرمایا[۷۶]۔

قرارداد مقاصد جس کو پاکستان کا منشور آزادی بھی کہتے ہیں اور جسے پاکستان کے آئین میں دیباچہ کی حیثیت حاصل ہے، کا مکمل متن حسب ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے، لہذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد وخود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق واختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ استعمال کرے۔

جس میں اصول جمہوریت وحریت ومساوات ورواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں۔ جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ ومتعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون واخلاق عامہ کے ماتحت مساوات حیثیت ومواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، خیال، اظہار، عقیدہ دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہو۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔

تا کہ اہل پاکستان فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں، اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود میں کما حقہ اضافہ کر سکیں'۔

اس قرارداد کی منظوری کے بعد ملک بھر میں اطمینان و مسرت کا اظہار کیا گیا۔ کیونکہ اس کی منظوری کے بعد پاکستان کی مملکت نظریاتی طور پر ایک اسلامی مملکت بن گئی تھی۔ اس قرارداد کی حیثیت مملکت کے لئے وہی ہے جو کسی غیر مسلم کے لئے اسلام قبول کرنے میں کلمہ کی ہوتی ہے۔ قرارداد مقاصد جو کہ پاکستان کے آئین کی اساس اور سنگ بنیاد (بنیادی پتھر) ہے کی تیاری اور منظوری میں علامہ عثمانی نے بڑا تاریخی اور بے مثال کردار ادا کیا۔ اس قرارداد کی رو سے پاکستان کا آئین قرآن وسنت کے مطابق بنانے کی ضمانت دی گئی ہے۔

قرارداد مقاصد اگرچہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان نے پیش کی تھی۔ مگر اس کا مسودہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب نے طویل غور وخوض کے بعد مرتب فرمایا تھا۔ اس کی تیاری اور اس کے بعد اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے میں شیخ الاسلام کو طویل علمی اور سیاسی جدوجہد کرنی پڑی۔ برسر اقتدار طبقہ کا ایک گروہ اس راہ میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کر رہا تھا۔ قائد ملت لیاقت علی خان نے اس گروہ کے علی الرغم شیخ الاسلام کی حمایت کی اور خود اسے اسمبلی میں پیش کر کے منظور کرایا[۷۳]۔

قرارداد مقاصد کا بالکل ابتدائی اور کچا اردو خاکہ جو صرف عنوانات اور یاداشتوں پر مشتمل ہے، کا اصل مسودہ مفتی اعظم پاکستان کے فرزند اور شریعت کورٹ آف پاکستان کے جسٹس مولانا تقی عثمانی کے پاس محفوظ ہے۔ یہ مسودہ صرف ایک صفحہ پر مشتمل ہے جس کے اوپر والے حصہ پر شیخ الاسلام اور نیچے والے حصہ پر مفتی اعظم پاکستان کی تحریر ہے۔

اگر علامہ عثمانی اس وقت اپنی سیاسی فراست کو کام میں نہ لاتے اور قرارداد مقاصد پاس نہ کراتے تو شاید آج پاکستان میں اسلامی قانون کا نام تک نہ لیا جاتا۔

الغرض قرارداد مقاصد علامہ عثمانی اور ان کے رفقاء کی فتح و کامرانی کی دلکش داستان ہے۔ قرارداد مقاصد پاکستان کے آئین میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قرارداد نے پاکستان کے آئین کی سمت متعین کردی۔ اب کوئی آمر اور حاکم اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہو تو ہو کہ ہم اسے صحیح معنوں میں نافذ نہ کرسکے لیکن اس کی عظمت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

روشنی کا مینار

قرارداد مقاصد کی منظوری شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کا وہ دوسرا عظیم تاریخی کارنامہ ہے جو تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ اس قرارداد کی تائید وحمایت میں علامہ نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں نہایت پرجوش، مدلل، پرمغز، ادیبانہ، عالمانہ، بصیرت افروز اور معرکۃ الآرا تقریر ارشاد فرمائی جسے ''روشنی کا مینار'' کا نام دیا گیا۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہبی عالم کی عصر حاضر کے مسائل پر کتنی گہری تھی۔ اپنے اس بے مثال خطاب پر انہوں نے نہ صرف پاکستان سے بلکہ تمام عالم اسلام سے خراج تحسین وصول کیا۔ چونکہ قرارداد مقاصد قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخلصانہ مساعی سے ہی منظور ہوئی تھی، اسلئے علامہ عثمانی نے ان کی اس تاریخی مساعی کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان کی خدمت میں ہدیہ مبارک پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''جناب صدر محترم! قرارداد مقاصد کے حیثیت سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج بیسوی صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم وہمت اور جرات ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے، جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص وآز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہوکر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج ودوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھیئے دنیا اپنے خودساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے۔ اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ

پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی، وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے، جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز وفلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے، ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یہی حال آج دنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائیں۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرایئے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔ جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈہ یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور واثر سے بطور مسلمات عامہ، اصول موضوعہ اور مفروغ عنہا صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں، ان سب پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہوگا جنہیں مادی و معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا۔ فیثاغورث کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثاغورث دبا گیا تھا، زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے مکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن

قریب آ رہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خان نے فرمایا روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہے‘‘۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کی اندھیروں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پر امن پیغام حیات ونجات ہے اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے، کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں۔۔۔۔ جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا۔۔۔۔ تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں، جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیئے جائیں۔ اسی نقطہ خیال کے پیش نظر ریزولیشن میں ’’اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر‘‘ کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے، بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں، نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے، اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع و حاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائداعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں:

’’قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری،

معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لر کر فرد کے حقوق و فرائض تک، دنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل و قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیاد اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں''۔

۱۹۴۵ء میں عیدالفطر کے موقع پر مسلمانوں کے نام اپنے پیغام میں قائداعظم نے فرمایا:

''ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کو غور و خوض سے مطالعہ کرے تا کہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو''۔

قائداعظم نے ان خیالات و عزم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی؟

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے ''فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدو فی انفسهم حرجاً مماقضیت ویسلمو تسلیماً۔''[۷۴] اور "ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الکافرون... الظالمون... الفسقون۔''[۷۵] اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی ''پاپائیت'' یا کلیسائی حکومت کے نہیں بھلا جس بت کو قرآن نے اتخذا احباھم اربابا من دون الله۔[۷۶] کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اس کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت کے انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی نظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل میں انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے، انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت ''حکومت راشدہ'' ہوتی ہے۔ لفظ ''رشد'' حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار حسن وخوبی کو ظاہر کرتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہیے۔ قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ ہی غرض وغایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرۂ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے اور اس کو دائرہ وسائز میں رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی وقانونی طریقہ پر عام خوشدلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔ اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ زائد سرمایہ کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

"وامرھم شوریٰ بینھم"

اسلامی حکومت دنیا مین پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی۔ محض توریت یا جبر واستبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کی منشا کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے، ہاں انہیں یہ حق دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرکتی اور طبقاتی قیود سے بالا تر ہو کر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں پر ہو جن کی تشید وترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہیں۔

اسلامی حکومت وہ پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات، حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلمانوں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں ان کی پابندی کرے اور ان کی جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے، جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر، عہد شکنی، مالی دست برد، کشت و خون، بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آ رہی ہیں، خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرضیکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کیا تھا، جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگرسی وزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائداعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا، جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا اسٹوڈینٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا۔

انہوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا اس میں صاف لکھ دیا تھا کہ "اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی، پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے"۔ اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔ بہرحال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جا رہی ہیں ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جا رہے تھے۔ جب یہ سب

کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطہ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا اصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور ان کی قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اس کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت، سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے، اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ دے گا اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تا کہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں وہ فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سر دست حالات سازگار نہیں ہو فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہر حال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبہ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین سے قریب تر

کرے گا۔ جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتہً وبغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم! آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلاف تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہے تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ممالک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر غام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اسقدر عظیم الشان خدمت انجام دی۔ وما ذالك علی الله بعزيز۔[۷۷]

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نقطوں کی حفاظت کر سکیں۔ اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بحر حال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔ وبالله التوفيق"[۷۸]

قرارداد مقاصد کی تائید وحمایت میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی اس معرکتہ الارا تقریر نے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام سے خراج تحسین وصول کیا۔ حضرت علامہ کی یہ تقریر ادبی، سیاسی اور شرعی حیثیت سے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ تقریر کیا ہے ایمانی جوش، اسلامی ولولہ، دینی حمیت وحمایت اور سیاسی بصیرت وبصارت کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ حضرت علامہ کی یہ تقریر وتقریر، نظام اسلام کے قیام کے سلسلہ میں آخری اور بے نظیر کوشش تھی۔ اپنے اس زبردست خطاب میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی مفکر اسلام علامہ اقبال کی طرح صرف اور صرف اسلام اور اسلامی نظام کو ہی انسانیت اور دنیا کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔

ہندو اور مسلمان برصغیر پاک وہند میں ہزاروں سال سے اکٹھے رہتے چلے آ رہے تھے۔ اگر کانگرس مسلمانوں کے ساتھ کوئی باوقار معاہدہ کر لیتی، امتیازی اور ناروا سلوک نہ کرتی تو نہ مسلمان علیحدہ ہوتے اور نہ ہندوستان تقسیم ہوتا۔ پاکستان کے قیام میں لارڈ مونٹ بیٹن اور ریڈ کلف نے دھاندلی، بددیانتی اور ناانصافی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ لارڈ مونٹ بیٹن اور کانگرس کے درمیان ۱۵ ماہ کی بجائے دو ماہ کے اندر انتقال اقتدار کی خفیہ سودے بازی اور سازش کا

مقصد پاکستان کو قائم ہوتے ہی ختم کرنا تھا۔ قیام پاکستان کے وقت پاکستان کو بے حد وحساب مشکلات کا سامنا تھا لیکن قوم قائداعظم کی رہنمائی و قیادت میں ان تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مہاجرین کا سیلاب اور ان کی آبادکاری پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور قوم کے تعاون سے حکومت اس مسئلہ کو حل کرنے میں بھی کامیاب رہی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے مہاجرین کی آبادکاری میں بڑا سرگرم کردار ادا کیا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کا افتتاح علامہ عثمانی نے تلاوت قرآن پاک سے فرمایا۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ علامہ عثمانی کا یہ شرف تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ پرچم کشائی کا یہ اعزاز قائداعظم اور قوم کی طرف سے علامہ عثمانی کی تحریک پاکستان میں عظیم تاریخی اور شاندار خدمات کا عملی اعتراف تھا۔ قوم نے آپ کو شیخ الاسلام پاکستان کے لقب سے یاد کیا۔ جنگ کشمیر کو اسلامی جہاد قرار دے کر آپ نے ملک وملت کی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ مجاہدین کشمیر کی امداد میں بھی بڑا سرگرم کردار ادا کیا۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی اچانک رحلت پاکستان کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔ نماز جنازہ کے بعد عثمانی نے ایک موثر اور دردانگیز تقریر کی، جس میں آپ نے قوم کے مردہ دلوں کو سنبھالا اور اپنے غمگین بھائیوں کو صبر کی تلقین کی۔ آپ نے قائداعظم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور انہیں برصغیر میں اس صدی کا سب سے عظیم ترین انسان قرار دیا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں بھی آپ نے قائداعظم کی وفات حسرت آیات پر تعزیتی قرارداد پیش کی اور یادگار خطاب فرمایا۔ علامہ عثمانی پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام جاری کر کے اسے اسلام کا قلعہ اور ایک مثالی اسلامی ریاست بنانا چاہیے تھے۔ پاکستان میں آئین اسلامی کی تیاری اور منظوری کی مہم میں آپ نے بے مثال جدوجہد اور عزم وہمت کا مظاہرہ کیا۔ قرارداد مقاصد کی تائید وحمایت میں علامہ عثمانی نے دستور ساز اسمبلی میں ''روشنی کا مینار'' کے نام سے ایک معرکۃ الاراء اور تاریخی خطاب فرمایا، جس میں اسلامی نظام کے تمام پہلوؤں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اس عظیم تاریخی خطاب میں علامہ عثمانی نے اسلام اور اسلامی نظام کو عالم اسلام اور انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ قرارداد مقاصد کو پاکستان کے ہر آئین میں دیباچہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی آئینی دستاویز ہے جس کے بغیر پاکستان کا ہر آئین ادھورا اور نامکمل ہے۔ قرارداد مقاصد کی تیاری اور منظوری علامہ عثمانی ہی کا کارنامہ ہے۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی کا یہ کارنامہ تاریخ پاکستان میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سید سلیمان ندوی "یادِ رفتگاں" کراچی، مکتبۃ الشرق، ۱۹۵۵ء، ص ۴۵۱

(۲) حکیم آفتاب احمد قریشی "کاروانِ شوق" لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۶۔۷

(۳) روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۴ء، مضمون نگار مولانا نور احمد

(۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۲۸۷۔۸۸

(۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "حیات عثمانی" کراچی، مکتبہ دارالعلوم، جون ۱۹۸۸ء، ص ۵۹۸۔۶۰۲

(۶) القرآن، سورہ آل عمران، پارہ ۳، آیت ۲۶

7. The Constituent Assembly (Legislature) Debates, Vol-I-1948, Dated 23-2-1948, p.1

(۸) القرآن، سورہ الفتح، پارہ ۲۶، آیت ۱۔۲

(۹) بحوالہ "کاروانِ شوق" ص ۳۰۶

(۱۰) بحوالہ "یادِ رفتگاں" ص ۴۵۱

(۱۱) مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء، تھانہ بھون ۔ ۱۹۴۳ء) معروف عالم دین، مجدد، مجتہد، تعلیم میرٹھ، دارالعلوم دیوبند، ہندو کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان کے سخت مخالف، مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ اور آزاد و خودمختار پاکستان کے زبردست حامی و موئید، مسلمانوں کی شرکت کانگرس کے مخالف اور علیحدہ تنظیم کے داعی، مسلمانوں کی کانگرس میں شمولیت کے خلاف اور مسلم لیگ میں شمولیت کے حق میں فتوے صادر فرمائے، مصنف فتویٰ "تنظیم المسلمین" تفسیر "بیان القرآن"

12. D.G. Tendulkar "Mahatma" New Delhi, Govt. of India, Pulbication Division, 1960-63, Vol. VIII, p.69.

(۱۳) چودھری محمد علی، "ظہور پاکستان" لاہور، مکتبہ کارواں، ۱۹۸۱ء، ص ۳۵۰

14. Chaudhri Muhammad Ali "The Emergence of Pakistan" p. 296.

(۱۵) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" ص ص ۲۴۷۔۴۸ ۔۔۔۔۔۔: بحوالہ روزنامہ "زمیندار" لاہور، مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۴۹ء

(۱۶) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ص ۲۸۷، ۳۴۲

(۱۷) مولانا بشیر حامد حصاری "ابوالاعلیٰ مودودی اور اسلامی نظام" رحیم یار خان، ادارہ نشریات اسلام، ۱۹۷۴ء، ص ص ۹۲۔۹۳

(۱۸) منشی عبدالرحمن خان "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۲ء، ص ص ۱۴۵۔۴۷

(۱۹) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "تجلیات عثمانی" ملتان، ادارہ نشر المعارف، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۲۰۱۔۷

(۲۰) قرآن مجید، سورہ التوبہ، آیت ۴۱، پارہ ۱۰، ترجمہ:۔ نکلو (جہاد کے لئے) خواہ ہلکے ہو یا بوجھل

(۲۱) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، "تجلیات عثمانی" لاہور، نذر سنز ۱۹۷۲ء ص ۲۴۵۔ ۴۷

(۲۲) "نبذ علی السواء" یعنی معاہدے کو اعلانیہ فریق ثانی کے سامنے پھینک دینا۔ یہ سورہ انفال کی آیت ۵۸ سے ماخوذ ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو۔

(۲۳) قرآن مجید، سورہ الانفال، آیت ۷۲ پارہ ۱۰، ترجمہ:۔ اور اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔

(۲۴) قرآن مجید، سورہ النساء، آیت ۷۵ پارہ ۵، ترجمہ:۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتیں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبالیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کردے۔

(۲۵) ہفت روزہ "نشان راہ" کراچی، مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء، ص ص ۹۔ ۱۱

(۲۶) حکومت پاکستان اور حکومت بھارت کے درمیان سیکرٹریوں کی سطح پر ۱۹ اپریل ۱۹۴۸ء کو "میثاق کلکتہ" کے نام سے ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدہ میں دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈہ بند کردیں گے۔ اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ (رفیع الدین ہاشمی و سلیم منصور خالد "خطوط مودودی" لاہور، منشورات، ۱۹۸۵ء، ص ۳۲۴)

(۲۷) رفیع الدین ہاشمی و سلیم منصور خالد، کتاب مذکور، ص ۳۱۸۔ ۲۳

(۲۸) ایک فریق یا قوم کے نقض عہد اور دھوکہ کے بعد دوسرے فریق یا قوم کی طرف سے اسی طرح کا نقض عہد اور دھوکہ جوابی مخادعہ کہلاتا ہے۔

(۲۹) ترجمہ:۔ اللہ توفیق دینے والا ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔

(۳۰) ہفت روزہ "نشان راہ" کراچی، ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء، ص ص ۱۳۔ ۱۴

(۳۱) رفیع الدین ہاشمی و سلیم منصور خالد "خطوط مودودی: ۲" لاہور، منشورات، ۱۹۹۵ء، ص ص ۳۲۵۔ ۲۹

(۳۲) مولانا احمد علی لاہوری (۱۸۸۶ء، ضلع گجرانوالہ۔ ۱۹۶۲ء) مدرس مدرسہ دار الرشاد گوٹھ پیر جھنڈا، شریک معاون نظارۃ المعارف، نگران جمعیۃ الانصار، امیر انجمن خدام الدین، مدیر ہفت روزہ خدام الدین، بانی مدرسہ قاسم العلوم لاہور (۱۹۲۴ء)، مصنف "معراج النبی ﷺ"

(۳۳) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی "خطبات عثمانی" لاہور، نذر سنز، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ص ۲۶۰۔ ۶۱

(۳۴) ایڈوکیٹ ولی مظہر "گلستوں کے چراغ" ملتان، رضائے مولا پریس، ۱۹۹۰ء، ص ۲۲

(۳۵) منشی عبد الرحمن خان "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۹۳

(۳۶) اقبال "بانگ درا" لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، نومبر ۱۹۸۱ء، ص ۲۶۸

(۳۷) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ص ۲۹۴۔ ۹۵

38. Jamil-ud-Din Ahmad *Quaid-i-Azam as Seen by his Contemporaries* Lahore. United Publishers, n.d, pp.238-239...; Daily *Dawn* Karachi, 13.9.1948.

(۳۹) اعجاز احمد "ہمارے قائداعظم" لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۴

(۴۰) کلیم نشتر "قائداعظم بحیثیت سربراہ مملکت" لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۶ء، ص ۲۵۳

(۴۱) حکیم آفتاب احمد قریشی "کاروان شوق" لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، فروری ۱۹۴۸ء، ص ص ۳۰۷۔۸

(۴۲) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "شیخ الاسلام پاکستان" لاہور، قادر سنز، دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۸

(۴۳) منشی عبدالرحمن خان، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۹

(۴۴) پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کتاب مذکور، ص ۳۳۹

(۴۵) منشی عبدالرحمن خان، کتاب مذکور، ص ۱۴۴

(۴۶) خان عبدالولی خان "حقائق: حقائق ہیں" پشاور، ولی باغ، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۱

47. Sharif-ul-Mujahid "*Quaid-i-Azam Jinnah: Studies in Interpretation*" Karachi, 1981, p.724...; Hamdrd Islamicus, Karachi, Autumn, 1993, p.68

48. *The Constituent Assembly of Pakistan Debates*, Vol.I...1947, Dated 10.8.1947, p.3

49. *The Constituent Assembly of Pakistan Debates*, Vol.I...1947, No.2, Dated 11.8.1947, p.2

50. *The Constituent Assembly (Legislature) Debates*, Vol.I...1948, Dated 23.2.1948 p.1

51. *The Constituent Assembly of Pakistan Debates*, Vol.III...1948, Dated 15.5.1948, p.I.

(۵۲) مادر ملت، خاتون پاکستان اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی چھوٹی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح ۱۸۹۴ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں، ابتدائی تعلیم بمبئی سے حاصل کی۔ دانتوں کی سرجری کا ڈپلومہ کلکتہ سے حاصل کیا۔ تحریک پاکستان میں قائداعظم کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی قائداعظم اور پاکستان کے لئے وقف کردی تھی۔ انہیں ملک اور پوری قوم کا احترام حاصل ہے۔ ضعیفی کے باوجود پاکستان کی ترقی و خوشحالی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مستعد رہتی تھیں۔ ان کی ایک اپیل پر کشمیر کے لئے لاکھوں روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ کئی تعلیمی اور خیراتی اداروں کی سرپرست تھیں۔ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب میں حصہ لیا لیکن ناکام رہیں۔ ۱۹۶۷ء کو کراچی میں وفات پائی اور قائداعظم کے مقبرے کے احاطے میں دفن ہوئیں۔

53. *The Constituent Assembly of Pakistan Debates*, Vol. IV.1948-49, dated 14.12.1948 6.1.1949, pp.5-7.

(۵۴) پاکستان کے پہلے وزیرِ خزانہ جو بعد میں پاکستان کے گورنر جنرل بھی بنے۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔

(۵۵) روزنامہ "جسارت" کراچی، مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۱ء، مضمون نگار مولانا عبدالقدوس بہاری

56. *The Constituent Assembly of Pakistan Debates*, Vol. VI.1949-50, Dated 22.12.1949, pp.1-2

57. *The Constitutent Assembly of Pakistan Debates*, Vol- VI...1949-50, Dated 22.12.1949, pp.2-4

(۵۸) بحوالہ "شیخ الاسلام پاکستان" ص ۱۴۴

(۵۹) منشی عبدالرحمٰن خان "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء ص ۱۴۹

(۶۰) ۲۰۳۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۴ فروری ۱۹۴۹ء

(۶۱) مولانا محمد اکرم خان (۱۸۷۰ء، حکیم پور۔ ۱۹۷۰ء) تحریک خلافت اور تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنما، ممبر مجلس دستور ساز پاکستان، مدیر اخبار "محمدی"، مترجم "قرآن مجید" (بنگالی)

(۶۲) ماہنامہ "چراغِ راہ" کراچی، نظریہ پاکستان نمبر، دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۴۱۔۴۲

(۶۳) بحوالہ "شیخ الاسلام پاکستان" ص ۱۴۶۔۴۷

(۶۴) حکیم آفتاب احمد قریشی "کاروانِ شوق" لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، فروری ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۰۹۔۱۰

(۶۵) ماہنامہ "چراغِ راہ" کراچی، نظریہ پاکستان نمبر، دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۲۴۲

66. Leonard Binder *"Religion and Politics in Pakistan"* University of California, Los Angels, 1963, pp.215-16...;S.Abu-al Ala Mawdudi Tr.Khursheed Ahmed *"The Islamic Law and Constitution"* 1975 p.305-10

(۶۷) منشی عبدالرحمٰن خان "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" لاہور، ادارہ اسلامیات، جولائی ۱۹۹۲ء ص ص ۱۸۰۔۸۱

(۶۸) مفتی محمد حسن امرتسری (۱۸۷۸ء، حسن ابدال۔ ۱۹۶۱ء) تعلیم اٹک، امرتسر، دارالعلوم دیوبند۔ مدرس مدرسہ غزنویہ امرتسر، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی، تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، قرارداد مقاصد کی منظوری، اسلامی نظام کے نفاذ اور تحریک ختم نبوت میں بھرپور شرکت۔

69. Leonard Bindor, op. cit, p.278

(۷۰) منشی عبدالرحمن خان چند نا قابل فراموش شخصیات ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ۱۹۸۰ء، ص ص ۹۱۔۹۲

71. S.M.Ikram " *Modern Muslim India and The Birth of Pakistan*" Lahore, Institute of Islamic Culture, 1987, p.487.

(۷۲) . حفیظ الرحمن صدیقی قرارداد مقاصد سے اسلامی قانون تک کراچی، طاہر سنز، ۱۹۸۱ء، ص ص ۲۸۔۳۰

(۷۳) ماہنامہ البلاغ '' کراچی، جمادی الثانی تا شعبان ۱۳۹۹ھ، ص ۲۲۰

(۷۴) قرآن مجید، سورۃ الانساء، آیت ۶۵، پارہ ۵، ترجمہ:۔ (اے اللہ کے نبی ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنیوالا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

(۷۵) قرآن مجید سورۃ المائدۃ، پارہ ۶، آیت ۴۴۔۴۵۔۴۷ ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔۔۔ وہی ظالم ہیں۔۔۔ وہی فاسق ہیں۔

(۷۶) قرآن مجید، سورۃ التوبہ، پارہ ۱۰، آیت ۳۱ ترجمہ:۔ انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔

(۷۷) قرآن مجید، سورۃ ابراہیم، پارہ ۱۳، آیت ۲۰ ترجمہ:۔ ایسا کرنا اس پر کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔

78. The Constituent Assembly of Pakistan Debates, Vol. V, 1949, Dated 7.12.March 1949, pp:43-48.

کتابیات

(۱) آفتاب احمد قریشی، حکیم "کاروانِ شوق" ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۴ء

(۲) ابوالاعلیٰ مودودی، سید "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء

(۳) ابوالاعلیٰ مودودی، سید ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۴) ابوالاعلیٰ مودودی، سید "مسئلہ قومیت" اسلامی پبلیشرز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۸ء

(۵) ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید "پرانے چراغ" مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۱ء، ج۔ دوم

(۶) ابوبکر غزنوی سید "داؤد غزنوی" مکتبہ غزنویہ، لاہور، (ت۔ن)

(۷) ابوسلیمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر "شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی" مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، ۱۹۸۷ء

(۸) ابوسلیمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر "مکاتیب ابوالکلام" کراچی، ۱۹۶۸ء

(۹) ابو یوسف محمد شریف، مولانا "دلائل المسائل" فرید بک سٹال، لاہور، (ت۔ن)

(۱۰) احمد حسن عثمانی الہٰ آبادی، علامہ حکیم (ترجمہ) "تاریخ ابن خلدون" نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۶ء، ج دوم

(۱۱) احمد حسنین، سید "جناح بمقابلہ کانگرس" کوزی ہومز، کراچی، ۱۹۸۸ء

(۱۲) احمد رضا خان بریلوی، علامہ "رسائل رضویہ" مکتبہ حامدیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ج۔ دوم

(۱۳) احمد سعید، پروفیسر "جدوجہد آزادی اور مولانا اشرف علی تھانوی" خالد ندیم پبلیکیشنز، راولپنڈی ۱۹۷۲ء

(۱۴) احمد سعید، پروفیسر "حصول پاکستان" الفیصل، لاہور، ۱۹۸۹ء

(۱۵) احمد سعید، پروفیسر "حیات قائداعظم: چند نئے پہلو" قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد۔ ۱۹۷۸ء

(۱۶) احمد سعید، مولانا "خطبہ صدارت میرٹھ" ہمدرد پریس، میرٹھ، ۱۹۴۶ء

(۱۷) اختر راہی، پروفیسر "تذکرہ مصنفین درس نظامی" مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۸

(۱۸) اسعد گیلانی "اقبال، قائداعظم، مودودی اور تشکیل پاکستان" مکتبہ تعبیر فکر، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۱۹) اشرف آغا 'روداد پاکستان'' مقبول اکیڈمی، لاہور، (ت۔ن)

(۲۰) اشرف علی تھانوی، مولانا 'قرآن مجید مع ترجمہ وتفسیر'' پاک کمپنی، لاہور، ۱۹۹۴ء

(۲۱) اشرف علی تھانوی، مولانا 'ملفوظات اشرفیہ'' تھانہ بھون، (ت۔ن)، ج، چہارم

(۲۲) اصغر حسین، سید 'حیات شیخ الہند'' ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۲۳) اصغر علی شاہ جعفری، سید 'تحریک پاکستان اور اسکا پس منظر'' نیو بک پیلس، لاہور، (ت۔ن)

(۲۴) اعجاز احمد 'ہمارے قائداعظم'' سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء

(۲۵) اعجاز الحق، قدوسی 'اقبال اور علمائے پاک وہند'' اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۲۶) اقبال احمد صدیقی 'قائداعظم اور ان کے سیاسی رفقاء'' ادارہ ابلاغ علوم وافکار ملی، کراچی، ۱۹۹۰ء

(۲۷) اقبال احمد فاروقی 'تذکرہ علماء اہل سنت'' لاہور، ۱۹۷۵ء

(۲۷) اقبال علامہ محمد 'ارمغان حجاز'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۸ء

(۲۹) اقبال علامہ محمد 'بال جبریل'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۲ء

(۳۰) اقبال علامہ محمد'' بانگ درا'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۹ء

(۳۱) اقبال علامہ محمد 'کلیات اقبال (اردو)'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

(۳۲) اقبال علامہ محمد 'کلیات اقبال (فارسی)'' شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء

(۳۳) السرخسی، شمس الائمہ (شرح 'شرح کتاب السیر الکبیر'' مولوی نصر اللہ منصور امیر حرکت انقلاب اسلامیہ افغانستان، رمضان (۱۴۰۵ء)

(۳۴) الطاف حسین حالی 'حیات جاوید'' پنجاب اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۷ء

(۳۵) امداد صابری، مولانا 'فرنگیوں کا جال'' دہلی، ۱۹۴۹ء

(۳۶) انتظام اللہ شہابی مفتی 'مشاہیر جنگ آزادی'' دہلی، (ت۔ن)

(۳۷) انجم زاہد 'تقسیم کی بنیاد'' انجم پبلیکیشنز، دارالسلام (تنزانیہ)، ۱۹۸۶ء

(۳۸) انظر شاہ مسعودی، مولانا 'نقش دوام'' المکتبۃ البنوریہ، کراچی، (ت۔ن)

(۳۹) بشیر احمد حامد حصاری، مولانا 'ابوالاعلیٰ مودودی اور اسلامی نظام'' ادارہ نشریات اسلام، رحیم یار خان، ۱۹۷۴ء

(۴۰) بشیر احمد ڈار 'انوار اقبال'' اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۴۱) پروین روزینہ '' جمعیۃ العلماء ہند'' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ج۔اول

(۴۲) ثروت صولت 'تاریخ پاکستان کے بڑے لوگ'' اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء

(۴۳) جمیل احمد، خواجہ 'چند یادیں'' اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۷ء

(۴۴) جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد (مرتب) ‘تذکرہ سید مودودی’’ ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۸۶ء

(۴۵) جواہر لال نہرو، پنڈت، دیکھئے نہرو، جواہر لال، پنڈت

(۴۶) حبیب احمد، چوہدری ‘تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء’’ البیان، لاہور، ۱۹۶۶ء

(۴۷) حسن ریاض، سید ‘پاکستان ناگزیر تھا’’ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی، ۱۹۸۲ء

(۴۸) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘پاکستان کیا ہے؟’’ ناظم جمعیۃ العلماء ہند، ج۔ اول

(۴۹) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘تحریک پاکستان کا حقیقی پس منظر’’ مکی دار الکتب، لاہور، ۱۹۹۵ء

(۵۰) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘کشف حقیقت’’ دلی پرنٹنگ پریس، دہلی (ت۔ن)

(۵۱) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘متحدہ قومیت اور اسلام’’ کتب خانہ عزیزیہ، دہلی، (ت۔ن)

(۵۲) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘مسلم لیگ کیا ہے؟’’ جمعیۃ العلماء ہند، دہلی، (ت۔ن)

(۵۳) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘نقش حیات’’ دیوبند، ۱۹۵۳ء، ج۔ اول

(۵۴) حسین احمد مدنی، مولانا سید ‘نقش حیات’’ دیوبند، ۱۹۵۴ء، ج۔ دوم

(۵۵) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ‘تحریک پاکستان پر ایک نظر’’ ناظم جمعیۃ العلماء ہند، دہلی، (ت۔ن)

(۵۶) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ‘متحدہ قومیت اور اسلام’’ دیوبند، ۱۹۴۶ء

(۵۷) حفیظ الرحمٰن صدیقی ‘قرارداد مقاصد’’ قرارداد مقاصد سے اسلامی قانون تک’’ طاہر سنز، کراچی، ۱۹۸۱ء

(۵۸) حفیظ الرحمٰن واصف ‘جمعیۃ العلماء پر ایک تبصرہ’’ دہلی، ۱۹۶۹ء

(۵۹) خالد شمس الحسن ‘قرارداد پاکستان’’ فرنٹیر پوسٹ پبلیکیشنز، لاہور۔ ۱۹۹۳ء

(۶۰) خلیق الزمان، چوہدری ‘شاہراہ پاکستان’’ انجمن اسلامیہ پاکستان، کراچی، ۱۹۸۷ء

(۶۱) خان ایچ۔ بی ‘برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار’’ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

(۶۲) خان ایچ۔ بی، ‘‘برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام سے تشکیل کانگرس تک علماء کا سیاسی کردار’’ الحمد اکادمی، کراچی، ۱۹۹۳ء

(۶۳) خان ایچ۔ بی، ‘تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار’’ الحمد اکادمی، کراچی، ۱۹۹۵ء

(۶۴) رشید ہاشمی العثمانی ‘قائداعظم اور نظریہ پاکستان’’ مکتبہ نظریہ پاکستان، کراچی، ۱۹۸۴ء

(۶۵) رفیع الدین ہاشمی (مرتب) ‘خطوط مودودی: ۳’’ منشورات، لاہور، ۱۹۹۵ء

(۶۶) رئیس احمد جعفری ‘خطبات قائداعظم’’ مقبول اکیڈمی، لاہور، (ت۔ن)

(۶۷) رئیس احمد جعفری ‘دید و شنید’’ رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء

(۶۸) رئیس احمد جعفری ‘قائداعظم اور ان کا عہد: حیات محمد علی جناح’’ مقبول اکیڈمی، لاہور، (ت۔ن)

(۶۹) رئیس امروہوی (مترجم) "قائداعظم جناح: ایک قوم کی سرگزشت" فیروز سنز، کراچی، ۱۹۷۶ء

(۷۰) سعید احمد اکبرآبادی، مولانا "مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد" المحمود اکیڈمی، لاہور، (ت۔ن)

(۷۱) سعید حسن خان یوسفی، مولانا (مترجم) "تحفہ اثناعشریہ" نور محمد کارخانہ کتب، کراچی، (ت۔ن)

(۷۲) سلیمان ندوی سید "یاد رفتگان" مکتبۃ الشرق، کراچی، ۱۹۵۵ء

(۷۳) سلیم منصور خالد، جمیل احمد رانا (مرتب) "تذکرہ سید مودودی" ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء

(۷۴) شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی "سیرۃ النبی ﷺ" کراچی، ۱۹۴۵ء جلد اول

(۷۵) شبیر احمد عثمانی، علامہ "اعجاز القرآن" کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، ۱۳۴۲ھ

(۷۶) شبیر احمد عثمانی، علامہ "الشہاب" ادبی کتب خانہ، ملتان، (ت۔ن) طبع دوم

(۷۷) شبیر احمد عثمانی، علامہ "پاکستان اور خطبات عثمانی" شاہد بکڈپو، لاہور، ۱۹۸۹ء

(۷۸) شبیر احمد عثمانی، علامہ "پیغام علامہ شبیر احمد عثمانی بنام کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کلکتہ" ہاشمی بکڈپو، لاہور، (ت۔ن)

(۷۹) شبیر احمد عثمانی، علامہ "پیغام کلکتہ: موجودہ سیاسی کشمکش میں مسلمان کیا کریں؟" شعبہ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی، (ت۔ن)

(۸۰) شبیر احمد عثمانی، علامہ "تالیفات عثمانی" ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء

(۸۱) شبیر احمد عثمانی، علامہ "(مرتب نظام مصطفی انقلاب امرتسری)" مسلم لیگ کے اقتدار کو روکنے کے لئے جاتی کے خوفناک ارادے: خطبہ کلکتہ"
(ت۔ن)

(۸۲) شبیر احمد عثمانی، علامہ ترتیب قاضی عبدالرحمن "فضل الباری شرح اردو صحیح بخاری" ادارہ علوم شرعیہ، کراچی، ۱۹۷۳ء (دو جلدیں)

(۸۳) شبیر احمد عثمانی، علامہ (ترتیب نو ولی رازی) "تفسیر عثمانی" تشکیل جدید اور اضافی عنوانات کے ساتھ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۳ء (دو جلدیں)

(۸۴) شبیر احمد عثمانی، علامہ "تفسیر عثمانی" مدینہ پریس، بجنور، ۱۳۶۹ھ

(۸۵) شبیر احمد عثمانی، علامہ "خطبہ ترک موالات" حمیدیہ پریس، دہلی، (ت۔ن)

(۸۶) شبیر احمد عثمانی، علامہ "خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ" مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، دہلی، (ت۔ن)

(۸۷) شبیر احمد عثمانی، علامہ "ذاتی ڈائری شیخ الاسلام" غیر مطبوعہ

(۸۸) شبیر احمد عثمانی، علامہ "فتح الملہم" مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۸۵ء (تین جلدیں)

(۸۹) شبیر احمد عثمانی، علامہ "لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں: خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ" حسن برقی پریس، لکھنو، (ت۔ن)

(۹۰) شبیر احمد عثمانی، علامہ "مراسلات سیاسیہ" مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، دہلی، (ت۔ن)

(۹۱) شبیر احمد عثمانی، علامہ "مقالات عثمانی" ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۴۷ء

(۹۲) شبیر احمد عثمانی، علامہ "مکالمۃ الصدرین" ہاشمی بکڈپو، لاہور، (ت۔ن)

(۹۳) شبیر احمد عثمانی، علامہ ‘ہمارا پاکستان: خطبہ صدارت لاہور’’ ہاشمی بکڈپو، لاہور، (ت ـ ن)

(۹۴) شریف الدین پیرزادہ، سید ‘پاکستان منزل بہ منزل’’ گلڈ اشاعت گھر، کراچی، ۱۹۶۵ء

(۹۵) شریف المجاہد ‘قائداعظم حیات و خدمات’’ قائداعظم اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۳ء

(۹۶) شفیق صدیقی، فیض انبالوی ‘حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی’’ ادارہ سیرت، لاہور (ت ـ ن)

(۹۷) صفدر محمود، ڈاکٹر ‘پاکستان تاریخ و سیاست’’ جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۹ء

(۸۹) صفدر محمود، ڈاکٹر ‘پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں’’ مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۹۹) ضیاء الدین احمد برنی ‘عظمت رفتہ’’ کراچی، ۱۹۶۱ء

(۱۰۰) طالوت (مرتب) ‘نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و علامہ اقبال’’ کتب خانہ صدیقیہ، ڈیرہ غازیخان، (ت ـ ن)

(۱۰۱) طفیل احمد منگلوری سید ‘روح روشن مستقبل’’ نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۶ء

(۱۰۲) ظہیر الاسلام فاروقی ‘مقصد پاکستان’’ مجلس اخوت اسلامیہ پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء

(۱۰۳) عبدالجبار عابد لغاری، ڈاکٹر ‘تحریک آزادی میں سندھ کا کردار’’ رہبر یونائیٹڈ پبلشرز، حیدر آباد، ۱۹۹۲ء

(۱۰۴) عبدالحمید خان ‘مرد مومن’’ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

(۱۰۵) عبدالحی رائے بریلوی ‘نزہۃ الخواطر’’ حیدر آباد دکن، ۱۹۷۰ء، ج ہشتم

(۱۰۶) عبدالدائم جلالی، سید (مترجم) ‘غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانی’’ مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۹۸۵ء

(۱۰۷) عبدالرحمن صدیقی ‘ارمغان وید: المعروف رام راج’’ مکتبہ جاء الحق، کراچی، ۱۹۷۸ء

(۱۰۸) عبدالرحمن، مولانا (مرتب) ‘تحریک ریشمی رومال’’ مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء

(۱۰۹) عبدالرشید ارشد ‘بیس بڑے مسلمان’’ مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ۱۹۷۰ء

(۱۱۰) عبدالشکور ترمذی، مولانا ‘تذکرۃ الظفر’’ مطبوعات علمی، کمالیہ (فیصل آباد)، ۱۹۷۷ء

(۱۱۱) عبدالقیوم ‘مشاہیر سرحد’’ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۱۱۲) عبدالوحید خان ‘مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ’’ مکتبہ کارواں، لاہور، ۱۹۸۲ء

(۱۱۳) عبدالولی خان ‘حقائق: حقائق ہیں’’ ولی باغ، پشاور، ۱۹۸۸ء

(۱۱۴) عبداللہ بٹ ‘ابوالکلام آزاد’’ قومی کتب خانہ، لاہور، (ت ـ ن)

(۱۱۵) عبیداللہ سندھی، مولانا ‘ذاتی ڈائری’’ ادبستان، لاہور، ۱۹۴۶ء

(۱۱۶) عبیداللہ سندھی، مولانا ‘روئداد مؤتمر الانصار’’ دیوبند، ۱۳۲۸ھ

(۱۱۷) عبیداللہ سندھی، مولانا ‘شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ’’ سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۲ء

(۱۱۸) عبیداللہ قدسی 'آزادی کی تحریکیں'' ادارہ ثقافت، لاہور، ۱۹۸۸ء

(۱۱۹) عثمانی، علامہ شبیر احمد۔ دیکھیے شبیر احمد عثمانی، علامہ

(۱۲۰) عزیز الحسن مجذوب 'اشرف السوانح'' لاہور، ۱۳۶۵ء

(۱۲۱) عزیز الرحمٰن بجنوری، مفتی، 'تذکرہ شیخ الہند'' بجنور، ۱۹۶۵ء

(۱۲۲) عزیز الرحمٰن بجنوری، مفتی 'تذکرہ مشائخ دیوبند'' کراچی، ۱۹۶۴ء

(۱۲۳) عزیز جاوید 'قائداعظم اور سرحد'' ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان لاہور، ۱۹۷۸ء

(۱۲۴) عطش درانی ''پاکستان ایک نظریہ ایک تحریک'' مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء

(۱۲۵) عنایت اللہ دہلوی (مترجم) 'امیر تیمور'' نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۶ء

(۱۲۶) غلام رسول مہر 'تبرکات آزاد' لاہور، (ت۔ن)

(۱۲۷) غلام علی الانا، ''پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ'' مکتبہ اسحاقیہ، کراچی، ۱۹۸۳ء

(۱۲۸) غلام محمد، مولانا 'تذکرہ سلیمان'' کراچی، ۱۹۶۰ء

(۱۲۹) فائق کامران 'تحریک پاکستان اور ہماری جدوجہد آزادی'' لاہور، ۱۹۷۶ء

(۱۳۰) فرمان فتح پوری، 'تحریک پاکستان اور قائداعظم: نایاب دستاویز کی روشنی میں'' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۱ء

(۱۳۱) فضل اللہ، قاضی 'جمعیۃ العلماء اسلام' الحمود اکیڈمی، پشاور، ۱۹۹۱ء

(۱۳۲) فیض انبالوی، شفیق صدیقی ''حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی'' ادارہ سیرت لاہور، (ت۔ن)

(۱۳۳) فیوض الرحمٰن، قاری 'مشاہیر علماء دیوبند'' المکتبۃ العزیزیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ج۔ اول

(۱۳۴) فیوض الرحمٰن، قاری 'معاصرین اقبال'' نیشنل بک سروس، لاہور، ۱۹۹۳ء

(۱۳۵) قریشی۔ آئی۔ ایچ 'برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۳ء

(۱۳۶) قریشی۔ آئی۔ ایچ 'علماء میدان سیاست میں'' کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء

(۱۳۷) مالک رام (مرتب) ''تذکرہ ابوالکلام آزاد'' ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

(۱۳۸) ماہر القادری ''یادِ رفتگان'' البدر پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

(۱۳۹) محبوب رضوی، سید 'تاریخ دیوبند'' علمی مرکز دیوبند، ۱۹۷۲ء

(۱۴۰) محمد اسمٰعیل گودھروی، مولانا ابوالعلا 'ولی اللہ'' سنگ میل، لاہور، ۱۹۶۸ء

(۱۴۱) محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ 'اکابر علماء دیوبند'' ادارہ اسلامیات، لاہور، (ت۔ن)

(۱۴۲) محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ 'تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند' ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۷ء

(۱۴۳) محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ ‘سیرت عثمانی’’ مکتبہ مجیدیہ نقشبندیہ، ڈیرہ غازی خان، (ت۔ن)

(۱۴۴) محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ ‘شیخ الاسلام پاکستان’’ قادر سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۱۴۵) محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ ‘مفتی اعظم پاکستان اکابر معاصرین کی نظر میں’’ لاہور، (ت۔ن)

(۱۴۶) محمد اکرام، شیخ ‘موج کوثر’’ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۹ء

(۱۴۷) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘انوار عثمانی’’ مکتبہ اسلامیہ کراچی، ۱۹۶۶ء

(۱۴۸) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘انوار قاسمی’’ ادارہ سعدیہ مجددیہ، لاہور، ۱۹۶۹ء

(۱۴۹) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘تجلیات عثمانی’’ ادارہ نشر المعارف، ملتان، ۱۹۵۷ء

(۱۵۰) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘حیات امداد’’ مدرسہ عربیہ، کراچی، ۱۹۶۵ء

(۱۵۱) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘حیات عثمانی’’ مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۹۸۸ء

(۱۵۲) محمد انوار الحسن شیرکوٹی: ‘خطبات عثمانی’’ نذر سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء

(۱۵۳) محمد انور مفتی ‘خیر الفتاویٰ’’ خیر المدارس، ملتان، ۱۹۸۷ء، ج۔اول

(۱۵۴) محمد ذکی ‘خطبہ صدارت کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس حیدر آباد’’ مکتبہ دار الاشاعت، دیوبند، ۱۹۴۷ء

(۱۵۵) محمد شفیع صابر ‘تاریخ صوبہ سرحد’’ یونیورسٹی بک ڈپو، پشاور، ۱۹۸۶ء

(۱۵۶) محمد شفیع صابر ‘تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ’’ یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۹۰ء

(۱۵۷) محمد شفیع صابر ‘قائد اعظم اور صوبہ سرحد’’ یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۷۶ء

(۱۵۸) محمد شفیع، مولانا مفتی ‘افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ’’ دار الاشاعت، دیوبند، ۱۳۶۵ھ

(۱۵۹) محمد شفیع، مولانا مفتی ‘حیات انور’’ دیوبند، ۱۹۷۷ء

(۱۶۰) محمد شفیع، مولانا مفتی ‘وقایۃ المسلمین عن ولایۃ المشرکین: یعنی کانگرس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ’’ دار الاشاعت دیوبند، ۱۳۶۵ھ/
۱۹۴۶ء

(۱۶۱) محمد صادق قصوری ‘اکابر تحریک پاکستان’’ مکتبہ رضویہ، گجرات، ۱۹۷۶ء، ج۔اول

(۱۶۲) محمد طیب قاسمی، مولانا ‘دار العلوم دیوبند’’ دیوبند، ۱۹۶۵ء

(۱۶۳) محمد عبد اللہ سلیم، مولانا قاری ‘دار الافتاء دار العلوم دیوبند’’ لاہور، ۱۹۷۶ء

(۱۶۴) محمد علی، چوہدری ‘ظہور پاکستان’’ مکتبہ کارواں، لاہور، ۱۹۸۱ء

(۱۶۵) محمد مجیب (مترجم) ‘ہماری آزادی (از ابو الکلام آزاد)’’ حماد الکتبی واخوانہ، لاہور، ۱۹۷۸ء

(۱۶۶) محمد موسیٰ بھٹو ‘جی۔ ایم۔ سید: ایک تجزیہ ایک مطالعہ’’ سندھ نیشنل اکیڈمی حیدر آباد (ت۔ن)

(۱۸۰) محمد میاں صدیقی ’’تذکرہ محمد ادریس کاندھلوی‘‘ مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

(۱۸۱) محمد میاں، مولانا سید ’تحریک شیخ الہند‘‘ مکتبہ محمودیہ، لاہور ۱۹۷۸ء

(۱۸۲) محمد میاں، مولانا سید ’جمعیۃ العلماء کیا ہے؟‘‘ دہلی، ۱۹۴۶ء، ج۔ اول

(۱۸۳) محمد میاں، مولانا سید ’خطرناک نعرے: جمعیۃ العلماء ہند کا صراط مستقیم‘‘ دلی، (ت۔ن)

(۱۸۴) محمد میاں، مولانا سید ’علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے‘‘ دلی پرنٹنگ پریس، دلی، (ت۔ن)، ج۔ دوم

(۱۸۵) محمد میاں، مولانا سید ’مولانا ظفر احمد صاحب کے فتوے پر تبصرہ‘‘ ناظم جمعیۃ العلماء ہند، دہلی، ۱۳۶۴ھ

(۱۸۶) محمود بخاری، سید ’برصغیر میں تحریک آزادی اور قیام پاکستان‘‘ بخاری ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۵ء

(۱۸۷) مدنی، مولانا سید حسین احمد۔ دیکھئے حسین احمد مدنی، مولانا سید

(۱۸۸) مسعود عالم ندوی، مولانا ’مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر‘‘ دار الدعوۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۸۵ء

(۱۸۹) مظفر۔ اے۔ ڈی ’خاکسار تحریک اور آزادی ہند‘‘ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۵ء

(۱۹۱) منشی عبدالرحمن خان ’پاکستان کی قیمت‘‘ جاوید اکیڈمی، ملتان، ۱۹۸۳ء

(۱۹۲) منشی عبدالرحمن خان ’تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی‘‘ ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۱۹۳) منشی عبدالرحمن خان ’چند ناقابل فراموش شخصیات‘‘ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، ۱۹۸۰ء

(۱۹۴) منشی عبدالرحمن خان ’قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ‘‘ کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء

(۱۹۵) منشی عبدالرحمن خان ’مشاہدات و واردات‘‘ ایم ثناءاللہ، لاہور، ۱۹۵۵ء

(۱۹۶) منشی عبدالرحمن خان ’معماران پاکستان‘‘ شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء

(۱۹۷) منہاج الدین مینائی، مولانا ’اسلامی فقہ‘‘ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، (ت۔ن)

(۱۹۹) نظیر حسنین زیدی، ’مولانا ظفر علی خان: احوال و آثار‘‘ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء

(۲۰۰) نہرو جواہر لال، پنڈت ’تلاش ہند‘‘ تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۲۰۱) نہرو جواہر لال، پنڈت ’میری کہانی‘‘ مکتبہ جامع، دہلی، (ت۔ن)، ج۔ اول

(۲۰۲) وحید الدین احمد قاسمی ’جواز شرکت کانگریس اور ازالہ شکوک‘‘ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی (ت۔ن)

OFFICIAL RECORD

1. Letters of Allama Shabbir Ahmed Usmani to Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah, {*National Archives Islamabad*}
2. *Consitituent Assembly of Pakistan Debates for the year 1947-49*
3. *Secret and Official Record of Government of India, Letters* from Viceroy to the Leaders of Congress and Muslim League regarding N.W.F.P Referendum.
4. *Secret and Official Record of Government of India*, Viceroy's with the Secretary of State (London) regarding the results of N.W.F.P Referendum.
5. *Secret and Official Record of Government of N.W.F.P* Teles. from Referendum Commissioner Peshawar to Military Private Secretary to Viceroy regarding him the results of N.W.F.P Referendum.
6. *Secret and Official Record of Government of N.W.F.P* Teles from Governor N.W.F.P to Viceroy Regarding bycott of Referendum of N.W.F.P by Khan Brothers.
7. *Secret and Official Record of Government of N.W.F.P Crimminal Investigation Department (C.I.D) Daily Diaries for the months June-July 1947 Regarding Referendum of N.W.F.P.*
8. *Secret and Offical Record of Government of N.W.F.P* Report No. Gh-135 Dated 24-07-1947 from Governor of N.W.F.P to Viceroy. Comparing the N.W.F.P Referendum 1947 and General Election 1946.

PRINTED SOURCES

NEWSPAPERS

1. "*Dawn*" Daily, Dehli, 1947
2. "*Dawn*" Daily, Karachi, 1948
3. "*Pakistan Times*" Daily, Lahore, 1948, 1975

BOOKS

1. Arif, Dr. M. "*The Resurgence of Muslim - Ummah and Pakistan Movement*" Wajidalis, Lahore, 1988
2. "*A Short History of Pakistan*" Karachi Unversity, 1967, Vol-IV
3. Ashraf, Muhammad,ed "*Cabinet Mission and After*" Muhammad Asharaf, Lahore 1946
4. Azad, Abul Kalam "*India Wins Freedom*" Orient Longmans, Calcutta, 1959
5. Aziz, K.K "*The Making of Pakistan : A Study in Nationalism*" Islamic Book Service, Lahore, 1986

5.A Binder, Leonord "*Religion and Politics in Pakistan*" University of California Press, Los Angeles 1963

6. Birdwood, Lord "*A Continent Decides*" Robert Hale L.t.d., London, 1953
7. Birdwood, Lord "*Two Nations and Kashmir*" Robert Hale, London, 1956
8. Breacher, Michael "*Nehru: A Political Biography*" Oxford University, London, 1959
9. Campbell - Johnson, Alan "*Mission With Mountbatten*" Robert Hale, London, 1953
10. Connell, John "*Auchinleck*" Cassell, London, 1959
11. Faruqi, Aiz-ul-Hassan "*The Deoband School and the Demand for Pakistan*" Progressive Books, Lahore, (N.D)
12. Hardy, P "*The Muslims of British India*" Cambridge University Press, 1972
13. Hodson, H.V "*The Great Divide*" Oxford University Press, Karachi, 1969
14. Hunter, W.W "*The Indian Musalmans*" Comrade Publishers, Calcutta, 1945
15. Ikram, S.M "*Modern Muslim India and the Birth of Pakistan*" Lahore, 1987

16. Ismay, Lord "*Memoirs*" Heinemann, London, 1960

17. Jafri, Rais Ahmad "*Rare Documents*" Muhammad Ali Academy, Lahore, 1967

18. Jain, Naresh Kumar '*Muslims in India : A Biographical Dictionary*|" Manohar Publications, New Dehli, 1983

19. Jamil, S.M. "*The Muslim Year Book of India and Who's Who*" The Bombay Newspaper Company, Bombay, (N.D)

20. Jamil-ud-Din Ahmad, "*Quaid-i-Azam as Seen by his Contemporaries*" United Publishers, Lahore, (N.D)

21. Jamil-ud-Din Ahmed, ed "*Speeches and Writings of Mr. Jinnah*" Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore, (N.D), Vol-1

22, Callard, Keith " *A Pakistan Political Study*" Allen Unwin L.t.d., London 1957

23. Korbel, Josef "*Danger in Kashmir*" Princetion University Press, Princeton, 1954

24. Lumby, E.W.R "*The Transfer of Power in India : 1945-1947*" George Allend and Unwin, London, 1954

25. Manon, V.P "*The Transfer of Power in India*" Orient Longmans, Calcutta, 1957

26. Mawdudi, Syed Abu-al-Ala, Translation Khursheed Ahmad "*The Islamic Law and Constitution*" 1975

27. Mosley, Leonard "*The Last Days of the Brithish Raj*" Weidenfield and Nicolson. London, 1961

28. Mountbatten, Lord "*Time Only to Look Forward*" N. Kaye. London, 1949

29. Muhammad Ali Chaudhri "*The Emergence of Pakistan*" Research Society of Pakistan, Lahore, 1996

30. Rahmat Ali Chaudhri "*The Fatherland of the Pak-Nation*" Cambridge, 1947

31. Muztar, A.D "*Shah Wali Allah : A Saint-Scholar of Muslim India*" National Commission on Historical and Cultural Research, Islamabad, 1979

32. Panjabi, Kewal.L. "*The Indomitable Sardar*" Bharatiya Vidya Bhavan, Bombay, 1962

33. Parsad, Rajendra "*India Divided*" Hind Kitabs, Bombay, 1947

34. Pirzada, Syed Sharifuddin "*Foundations of Pakistan*" National Publishing House, Karachi, 1969

35. Pyarelal "*Mahatma Gandhi : The Last Phase*" Navajivan Publishing House. Ahmadabad, 1956, Vol-II

36. Qureshi, Ishtiaq Hussain "*The Muslim Community of the Indo Pakistan Subcontinent*" Maaref L.t.d, Karachi, 1977

37. Qureshi, Ishtiaq Hussain "*The Struggle for Pakistan*" Karachi University, 1988

38. Qureshi, Ishtiaq Hussain "*Ulema In Politics*" Maaref L.t.d, Karachi, 1972

39. Rafique Afzal, "*Selected Speeches and Statements of Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah*" Research Society of Pakistan, Lahore, 1966

40. Sachin Sen,. "*Birth of Pakistan*" Book Traders Lahore, 1978

41. Shameem Hussain Kadri, Justice Syed "*Creation of Pakistan*" Wajidalies Lahore, 1982

42. Shafique Ali Khan, "*Two Nation Theory : As a Concept, Strategy and Ideology*" Markez-i-Shaooro-Adab, Hyderabad, 1973

43. Waheed Ahmad "*Jinnah-Irwin Correspondence*" Research Society of Pakistan, Lahore, 1969

علامہ شبیر احمد عثمانی

کا

تحریک پاکستان میں کردار

از

[illegible]

نگران

پروفیسر ڈاکٹر [illegible] شاہ

پاکستان سٹڈی سنٹر
جامعہ پنجاب، لاہور